المحلیٰ اردو

تالیف

امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

جلد دوم

دارالدعوۃ السلفیہ
شیش محل روڈ ۵ لاہور

امام ابن حزم اندلسی
المحلی
اردو
ترجمہ
مولانا غلام احمد حریری
ناشر
دار الدعوة السلفية
شیش محل روڈ
لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (بخاری)

دو ہزار سے زائد احکام و مسائلِ زندگی پر مشتمل فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

المحلّٰی اردو

تالیف

حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف بہ امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ

المتوفی : ۴۵۶ ھ

ترجمہ

مولانا غلام احمد حریری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی ، فیصل آباد

نظرِ ثانی

مولانا ابو الاشبال صغیر احمد شاغف بہاری (جدہ)

جلد دوم

دار الدعوۃ السلفیۃ ۔ شیش محل روڈ ۔ لاہور ۲

سلسلۂ مطبوعات
(۳۴)

زیر اہتمام	(حافظ) احمد شاکر
ناشر	المجلس العلمی السلفی شعبہ تالیف دار الدعوۃ السلفیہ لاہور
مطبع	طفیل آرٹ پرنٹرز۔ لاہور
طبع اول	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء
فون نمبر	۵۴۴۰۶ ۶۷۸۹۷

فہرست مضامین

المحلی (اردو) جلد دوم

کتاب التیمم

کتاب الحیض والاستحاضہ

فطرت

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

پانچ فرض نمازیں

نفل نماز کی اقسام

فصل

مغرب سے پہلے دو رکعتیں

بابُ الاذان

فصل

تمّت

اورئینٹ پریس لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

"المحلّٰی" کے اُردو ترجمہ کی جلد اوّل، جو ۵۳۲ صفحات پر مشتمل تھی، فروری ۱۹۸۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ اُس وقت اُستاذِ محترم اور ادارہ دارالدعوۃ السلفیہ کے بانی حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نوّر اللہ مرقدہٗ کا علمی اور بابرکت وجود ہمارے اندر موجود تھا۔

ان کی علمی شخصیت نہ صرف عالمی طور پر تمام سلفی حلقوں میں نہایت عزّت و احترام اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی بلکہ علمی منصوبوں اور قدیم کتابوں کی تحقیق و اشاعت کے لئے سب سے پہلے ان ہی کی طرف نظر اُٹھتی تھی۔

بنابریں جب سعودی عرب میں مُقیم مولانا صفیر احمد شاغف بہاری حفظہ اللہ (رابطۂ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ) اور اُن کے رُفقائے گرامی کے ذہن میں "المحلّٰی" ابن حزمؒ کے اُردو ترجمہ و اشاعت کا منصوبہ آیا تو اس کو اس کے معیار کے مطابق شائع کرنے کے لئے اُسی "دیوانہ علم و عمل" کے نام قرعۂ فال نکلا جسے دُنیا مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ چنانچہ انہی کی زیرِ نگرانی اور سرپرستی میں اس اہم علمی منصوبے کا آغاز ہوا اور جلد اوّل بھی ان کی زندگی میں شائع ہو گئی۔

اب اِس دوسری جلد کی اشاعت کے وقت قدرتی طور پر بانیٔ ادارہ کی عدم موجودگی اور ان کی علمی رہنمائی و سرپرستی سے محرومی کا احساس بھی اگرچہ شدّت سے ہو رہا ہے تاہم اس احساس سے ایک گونہ مسرّت و اطمینان بھی نہاں خانۂ قلب میں پایا جاتا ہے کہ ان کے چھوڑے ہوئے علمی کاموں کی تکمیل کی توفیق اربابِ ادارہ اور اُس کے رُفقاء کے حصے میں آ رہی ہے اور وہ الحمدللہ اُسی شاہراہِ علم پر گامزن ہیں جس کے سنگ ہائے میل حضرت مولانا مرحوم نصب فرما گئے تھے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء عن جمیع المسلمین۔

بہرحال اب یہ جلد دوم، جو ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہدیۂ ناظرین ہے۔ پہلی جلد کے بعد دُوسری جلد کی

اشاعت میں یقیناً غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے شائقینِ علم کو زحمتِ انتظار برداشت کرنی پڑی ہے۔ تاہم اس کے کچھ اسباب و وجوہ تھے جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ انشاء اللہ آئندہ کے لئے ہماری خواہش اور اس کے ساتھ کوشش یہی ہے کہ بقیہ جلدوں کی اشاعت جلد از جلد عمل میں لائی جائے۔ وبید اللہ التوفیق۔

قارئین کرام بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم یہ علمی منصوبہ کم از کم وقت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں جس کے لئے اُردو دانوں کا ایک بہت بڑا علمی حلقہ چشم براہ ہے۔

مؤلفِ کتاب امام ابن حزمؒ کے فقہی مقام و مرتبہ کے بارے میں مختصراً جلد اوّل کے دیباچے میں وضاحت کی جاچکی ہے (جسے حسبِ ضرورت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے) مترجم کی شخصیت بھی ہمارے ملک کے علمی حلقوں میں معروف اور ان کی ترجمہ شدہ کتابیں مقبول ہیں۔ ترجمے پر نظر ثانی خود مولانا ابوالاشبال صغیر احمد شاغف بہاری حفظہ اللہ (مقیم مکّہ مکرمہ) نے فرمائی ہے جو اس منصوبے کے اصل رُوحِ رواں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ خدمتِ دین میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں مولانا شاغف بہاری دام ظلہٗ نے ساتھ ہی "المحلّٰی" کی تمام احادیث کی تخریج بھی کردی ہے، جس سے کتاب کی علمی افادیت و اہمیت میں کئی گُنا اضافہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تخریج کتاب کے متن میں ہی ہر حدیث کے آخر میں بریکٹ (قوسین ( )) کی صورت میں درج ہے۔ مزید برآں احادیث کی نمبرنگ بھی کردی ہے جس سے "المحلّٰی" کی احادیث کی مجموعی تعداد معلوم کی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے بلاشبہ یہ اُردو ایڈیشن اصل عربی ایڈیشن سے بھی فائق تر ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور انہیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

خیال رہے "المحلّٰی" (عربی) کے ابتدائی ۶ اجزاء مصر کے یگانہ محقق و محدث اور بے مثل فاضل احمد محمد شاکرؒ کی تحقیق اور حواشی کے ساتھ طبع شدہ ہیں۔ بنابریں اُردو ایڈیشن کے یہ حواشی بھی احمد محمد شاکر مصری مرحوم ہی کے ہیں، تاہم حسبِ ضرورت و اقتضاء جہاں کہیں مزید حواشی دیئے گئے ہیں، وہاں حاشیہ نگار کے نام کی صراحت کردی گئی ہے۔ یہ اضافی حواشی بھی بجز چند مقامات کے مولانا شاغف بہاری ہی کی تحقیق و کاوش کا نتیجہ

ہیں۔ جو حواشی بغیر کسی نام کی صراحت کے ہیں وہ مصری فاضل احمد محمد شاکر مرحوم کے ہیں۔ رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

بہر حال جلد اوّل کے بعد اب "المحلّی" اردو کی جلد دوم ہدیۂ ناظرین ہے اللہ تعالیٰ بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت کی بھی بلد از جلد توفیق عطا فرمائے۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

(حافظ) صلاح الدین یوسف رفیق المجلس العلمی السلفی

دارالدعوۃ السلفیہ لاہور

جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ ــــ جنوری ۱۹۹۰ء

کتاب التیمم

تیمّم کا بیان

۲۲۴۔ تیمّم کون کرے تیمّم وہ مریض کرے جسے پانی نہ ملے یا وضو اور غُسل میں پانی کا استعمال اُس کے لیے مشقّت و تکلیف[1] کا باعث ہو۔ یا وہ مُسافر تیمّم کر سکتا ہے جو وضو اور غسل میں پانی استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کے پاس پانی موجود نہیں۔

اس کی دلیل حسبِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ	"اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے
جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ	بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر
النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا	ہوتے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ	اُس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو اللہ
مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ	تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ یہ چاہتا
حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ	ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پُوری
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المآئدہ-۶)	کرے تاکہ تم شُکر کرو۔"

ہم نے جو کچھ عرض کیا، اس کی نص یہ آیت ہے، اب رہی مُشقّت و تکلیف کے باعث وضو کے اِسقاط کی دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ	"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور
بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ (البقرہ-۱۸۵)	سختی نہیں چاہتا۔"

---

[1] مشقّت اور تکلیف ترجمہ ہے مُشقّۃ اور حرج کا، یعنی یہ دو چیزیں ہیں، انہیں ایک چیز نہ سمجھا جائے۔ مصحح

پس مشقّت اور تکلیف دونوں ساقطِ وضو ہیں خواہ تکلیف میں پانی کے استعمال سے اضافہ ہوتا ہو یا نہ ہو اور اگر مریض کے پانی استعمال کرنے سے تکلیف بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو یہ بھی مشقّت اور تکلیف ہے (یعنی اس صورت میں بھی تیمم کر لینا چاہیے)۔

عطاء اور حسن کہتے ہیں کہ مریض جب تک پانی پا تا رہے، بالکل تیمّم نہ کرے کیونکہ اسے صرف غسل اور وضو ہی کفایت کرے گا، مجدور[1] اور غیر مجدور دونوں برابر ہیں۔

۲۲۵۔ تمام سفروں کے لیے یکساں حکم ہے

یہ احکام جو بیان ہوتے سب سفروں کے لیے یکساں ہیں، سفر خواہ قریب کا ہو یا بعید کا، اطاعت کا ہو یا معصیت کا یا مباح ہو، ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ بعض علماء نے ایک قول نقل کیا ہے، جسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور وہ یہ کہ تیمّم صرف اسی سفر میں جائز ہے جس میں نماز قصر کرنا جائز ہو۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں:

قصرِ نماز کی حد اور افطارِ صوم سے لازم آتا تھا کہ بعض سفروں میں تیمّم جائز ہو اور بعض میں جائز نہ ہو بعض مسافتوں میں جائز ہو اور بعض میں ناجائز، اور اسی طرح سفرِ طاعت و معصیت کا بھی تیمّم کے لیے لحاظ کرنا پڑے گا لیکن ان مسائل کے سلسلہ میں ان حضرات کے ہاں بے پناہ تضاد پایا جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات یہاں اجماع کا دعویٰ کریں تو ان کے لیے یہ لازم ہے کہ سفر، قصر، فطر اور مسح کی مختلف فیہ صورتوں کو تیمّم میں سفر کی متفق علیہ صورتوں پر قیاس کریں (کیونکہ بزعمِ خویش یہ اصحابِ قیاس ہیں) اگر یہ قیاس نہ کریں تو پھر تارکِ قیاس ہوں گے اور یہاں انہوں نے قرآن و سُنن کی مخالفت کی ہے وباللہ تعالیٰ التوفیق!

۲۲۶۔ بیماری کیا ہے؟

مرض یا بیماری ہر وہ حالت ہے جو انسان کو قوّت اور تصرّف سے دُور کر دے، قرآن مجید کی زبان میں مرض اسی حالت کا نام ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۲۲۷۔ تندرُست آدمی بھی مسح کر سکتا ہے

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ: حضر میں تندرست آدمی بھی اُس وقت مسح کر سکتا ہے، جب اسے نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی نہ مل سکتا ہو، خواہ وہ کنوئیں کے کنارے کھڑا ہو اور ڈول اس کے ہاتھ میں ہو یا وہ نہر اور

---

[1] مجدور سے مراد چیچک زدہ یا خسرہ زدہ ہے۔ مصحح

چشمے وغیرہ کے کنارے کھڑا ہوا ور اسے یقین ہو کہ اس کا وضو یا غسل سورج طلوع ہونے سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گا۔ قیدی اور خوف زدہ انسان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ۲۷۲: ہم سے از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شیبہ از محمد بن فضیل، از ابو مالک الاشجعی از ربعی بن حراش نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فُضّلنا علی الناس بثلاث۔ فذکر فیہما وجُعلت لنا الارض مسجداً وجعلت تربتہا لنا طهوراً اذا لم نجد الماء۔ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ)	"دیگر اُمتوں کی نسبت ہمیں تین اُمور کے باعث فضیلت حاصل ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: "زمین ہمارے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے، جب ہم پانی نہ پائیں"

۲۷۳۔ اور بسند سابقہ تا مسلم، پھر (از قتیبہ بن سعید از اسماعیل بن جعفر از علاء بن عبدالرحمٰن اور وہ اپنے باپ سے اور وہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فُضّلتُ علی الانبیاء بستٍ: أعطیتُ جوامع الکلم، ونُصرتُ بالرعب، وأُحلّت لی الغنائم وجُعلت لی الارضُ طهوراً ومسجداً وأُرسلتُ الی النّاس کافّۃً وخُتم بی النّبیّون۔ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب السیر، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)	"مجھے دیگر انبیاء کی نسبت چھ باتوں میں ترجیح دی گئی ہے مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں، رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، غنیمتوں کا مال میرے لیے حلال قرار دیا گیا ہے، زمین کو میرے لیے پاک اور مسجد بنا دیا گیا ہے، مجھے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔"

آپؐ کا یہ ارشاد عام ہے جو شہری اور دیہاتی سب کے لیے یکساں ہے۔ اگر کہا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا۔ (النساء آیت ۴۳)

پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کر لو، ہاں اگر بحالتِ سفر رستے چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لو)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بے وضو آدمی کی اُس وقت تک نماز قبول نہیں، جب تک کہ وُہ وضو نہ کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جُنبی کو نماز کے اُس وقت تک قریب جانے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ وہ غُسل یا وضو نہ کرے، ہاں مسافر کو مُستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ہم عرض کریں گے جی ہاں، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ ارشاد بھی درست جو تم نے ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ۔ (المائدہ-۶)

"اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں کو چھوکر آئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو"

اس آیت میں ایک زائد حکم بیان ہُوا ہے جو اس آیت میں نہیں ہے جو تم نے ذکر کی ہے، بلکہ اس میں تو جُنبی کو غسل کیے بغیر نماز کے قریب جانے کو مباح قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ مسافر بھی نہ ہو، لیکن جب مریض ہو اور پانی نہ پائے یا پانی کے استعمال میں حرج ہو، اس آیت میں اُس حدیث کی نسبت بھی ایک زائد حکم بیان ہُوا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "بے وضو آدمی کی اس وقت تک نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ وضو نہ کر لے"۔ پھر وہ دو حدیثیں بھی آتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ان میں مذکورہ دو آیتوں اور اس حدیث مذکور کی نسبت امر زائد بھی ہے اور عموم بھی! اور وہ یہ کہ صحیح سالم اور مقیم آدمی بھی جب پانی نہ پائے تو بھی تیمّم کر سکتا ہے۔ کلام الٰہی اور کلامِ رسُول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے ہم پہ یہ فرض قرار دیا ہے کہ ہم بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر اس پر عمل پیرا ہوں کیونکہ یہ سب کلام من جانب اللہ ہیں۔

ہمارے قول ہی کی طرح مالکؒ، سفیان اور لیث کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقیم تیمم نہ کرے، ہاں اگر پانی نہ پائے اور وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور جب پانی پائے تو ضروری ہے کہ نماز کو دُہرا لے۔

زفرؒ کہتے ہیں کہ تندرست آدمی حضر میں بالکل تیمم نہ کرے، خواہ وقت ختم ہی کیوں نہ ہو جائے، اسے صبر کرنا چاہیے، جب پانی پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے، اگرچہ وقت ہو چکا ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قول بالکل فاسد ہے کیونکہ ان کا تیمم اور نماز کا حکم دینا یا تو ایسی نماز کا حکم ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا ہے یا جسے فرض قرار نہیں دیا، کیونکہ تیسری تو کوئی قسم نہیں۔ اگر ان دونوں اماموں کے مقلد یہ کہیں کہ انہوں نے اس نماز کا حکم دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ پھر انہوں نے بعد از وقت اسے دُہرانے کا حکم کیوں دیا ہے جبکہ وہ ایک بار اس فریضہ کی ادائیگی کر چکا ہے؛ اور اگر وہ یہ کہیں کہ انہوں نے ایسی نماز کا حکم دیا تھا جو فرض نہ تھی تو گویا انہوں نے اقرار کر لیا کہ اُنہوں نے اسے ایک ایسے امر کے بجا لانے کا حکم دیا جو اُس کے لیے فرض نہ تھا۔ لہٰذا یہ قول غلط ہے۔

اسی طرح زفرؒ کا قول بھی غلط ہے، کیونکہ انہوں نے فرض کی ادائیگی کو اس وقت ساقط قرار دے دیا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ادائیگی کو فرض قرار دیا تھا اور اسے اس وقت ادا کرنے کا حکم دیا ہے، جس وقت تک تاخیر کرنا حرام ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: نماز وہ فریضہ ہے جو وقتِ محدود کے ساتھ معلّق ہے۔ اور اس سلسلہ میں تاکید اتنی شدید ہے کہ کسی مسلمان کو اس سے جاہل نہیں رہنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "إذا أمرتكم بامرٍ فأتوا منه ما استطعتم" "جب میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ"۔

یہ انسان جس نے نماز کے وقت کو پا لیا ہے تو اُسے حکم ہے کہ وضو کرے، اگر جُنبی ہے تو غُسل کرنے اور نماز پڑھے، اگر یہ وضو اور غسل سے عاجز ہے تو یہ دونوں حکم اس سے ساقط ہو جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نص بیان فرمائی ہے کہ جب پانی نہ پائے تو زمین اس کے لیے پاک ہے، اور جب یہ پانی کے حصول پر قادر

نہیں، تو وضو اور غُسل کا حکم بھی اُس کے لیے باقی نہیں لیکن یہ چونکہ نماز پڑھنے پر قادر ہے لہٰذا یہ فریضہ بھی باقی رہے گا اور یہ بالکل ایک واضح بات ہے۔ والحمدللہ رب العٰلمین۔

۲۲۸۔ سفر اور تیمّم سفر جس میں تیمّم کیا جاتے وہ وہی سفر ہے جسے اہلِ عرب سفر کہتے ہیں خواہ اس میں نماز قصر کی جا سکتی ہو یا نہ کی جا سکتی ہو، اور جو اس سے کم ہو جس پر سفر کا اطلاق نہ ہو سکے، یعنی فقط گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ، اسے سفر نہیں بلکہ حضر کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔

وہ مسافر جو ایسے سفر میں ہے جو فی الواقع سفر ہے اور وہ مریض جسے تیمّم کا حق حاصل ہے، ان کے لیے افضل یہ ہے کہ اوّل وقت میں تیمّم کریں خواہ انہیں پانی کی امید ہو، یا یقین ہو کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پانی مل جائے گا، یا مریض کو امید ہو کہ اُسے صحت حاصل ہو جائے گی، ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

مُقیم اور صحیح سالم یا جو مقیم کے حکم میں ہو، اس کے لیے تیمّم اُس وقت تک حلال نہیں جب تک اُسے یہ یقین نہ ہو کہ پانی ملنے سے پہلے وقت ختم ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نص اس مسافر کے بارے میں وارد ہے جس کے پاس پانی نہ ہو، نیز اُس مریض کے بارے میں وارد ہے جسے پانی کا استعمال مُضر ہو۔ اور نماز کی طرف سبقت کرنا زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (آلِ عمران-۱۳۳) "اور اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکو۔"

مقیم آدمی کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جب تک وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے پانی ملنے کی اُمّید ہو، اس کے لیے تیمّم حلال نہیں۔ جب وقت ختم ہونے کا یقین ہو تو پھر اُس کے لیے تیمّم کے مُباح ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اگر نص نہ ہوتی تو اُس کے لیے تیمّم حلال ہی نہ ہوتا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مسافر نماز کے آخر وقت میں تیمّم کرلے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اسے پانی ملنے کی اُمّید ہو اور اگر کوئی اُمید ہی نہ ہو تو پھر پہلے وقت ہی میں تیمّم کرلے۔

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مسافر تیمّم کو آخر وقت تک مؤخر کر دے، شاید اسے پانی مل جائے،

امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرح کی علیؓ اور عطاء سے بھی روایت ہے۔

امام مالکؒ نے ایک مرتبہ تو یہ فرمایا ہے کہ تعجیل و تاخیر نہ کرے بلکہ اوسط وقت میں نماز پڑھ لے، اور دوسری مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ اگر وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے پانی ملنے کا یقین ہو تو وہ تیمم کو آخر وقت تک مؤخر کر دے، اگر پانی مل جاتے تو وضو کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اگر وقت ختم ہونے سے پہلے اسے پانی ملنے کی طمع ہو تو تیمم کو اوسط وقت تک مؤخر کر دے، اگر پانی مل جاتے تو وضو کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اگر وقت ختم ہونے سے پہلے اسے پانی ملنے کی طمع ہو تو تیمم کو اوسط وقت تک مؤخر کر دے، اوسط وقت تک نہ ملے تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر اسے یقین ہو کہ پانی وقت ختم ہونے سے پہلے نہیں مل سکے گا تو وہ اوّل وقت ہی تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ سب صورتیں یکساں ہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: تیمم کو مؤخر کرنا تاکہ شاید اسے پانی مل جائے، یہ بے معنی بات ہے کیونکہ ایسی کوئی نص ہے اور نہ اجماع کہ وضو کرنے والے کا عمل، تیمم کرنے والے کی نسبت افضل ہے اور نہ اس بات کی کوئی دلیل کہ وضو کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز، تیمم کر کے پڑھنے والے کی نسبت افضل ہے۔ کیونکہ وضو اور تیمم دونوں طہارت تامہ اور دونوں کے ساتھ ادا کی گئی نماز مکمل ہے اور ہر ایک فرض اپنے وقت پر ہے لہٰذا پانی ملنے کی امید کے سہارے نماز کو مؤخر کرنا، افضل الاعمال کی طرف سبقت کرنے کی فضیلت کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمرؓ وغیرہ سے بھی اس کی مثل ثابت ہے!

۲۷۴- (ہم سے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از یحییٰ بن بکیر از لیث از جعفر بن ربیعہ از الاعرج بیان کیا)۔ اعرج کہتے ہیں کہ میں نے عُمیر مولیٰ ابن عباسؓ سے سنا فرماتے تھے کہ میں اور عبد اللہ بن یسار مولیٰ اُمّ المؤمنین میمونہ دونوں مل کر ابو جُہیم بن حارث بن صمۃ انصاری کے پاس گئے تو انہوں نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لاتے، راستہ میں آپ کو ایک آدمی ملا، جس نے آپ کو سلام کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف لے آتے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح یعنی تیمم کیا اور پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الطہارۃ)

اور ہم نے سفیان ثوریؒ سے، وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے اور وہ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے تیمم کرکے عصر کی نماز پڑھی جبکہ آپ مدینہ منورہ سے ایک یا دو میل کے فاصلہ پر تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تشریف لائے تو سورج ابھی تک بلند ہی تھا لیکن آپ نے نماز کو دُہرایا نہیں۔"

(بخاری، کتاب الطہارۃ تعلیقاً، مُصنّف عبدالرزاق، سُنن بیہقی، سُنن دارقطنی کتاب الطہارۃ)

اور بطریقِ امام مالکؒ، نافع سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ مقامِ جُرف سے آتے اور مقامِ مربد (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے) پہنچے، تو پانی نہ پایا اور مٹی کے ساتھ تیمم کرکے نماز پڑھ لی اور پھر اُس نماز کو نہ دُہرایا۔ (موطا امام مالکؒ، مُصنّف عبدالرزاق کتاب الطہارۃ، فتح الباری طبع مصری ج ۱ ص ۳۷۴)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام داؤد ظاہری اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ اور محمد بن حسن کہتے ہیں کہ اگر مسافر کو ایک میل سے کم مسافت پر پانی مل سکتا ہو تو وہ تلاش کرے، خواہ وقت نکل ہی جائے اور اگر ایک میل کی مسافت پر پانی ہو تو پھر اس کی تلاش لازمی نہیں، تیمم کرلے، نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اپنے شہر سے باہر نکل آئے اور اس کا ارادہ سفر کا نہ ہو اور اتنی دُور باہر نکل آئے کہ لوگوں کی آوازوں کو نہ سُن سکتا ہو تو وہ تیمم کرلے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان اور ان جیسے دیگر اقوال سے (جو بے بنیاد ہیں) سلامت رہنے پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔

۲۲۹۔ پانی قریب ہو لیکن اس کا حُصول دُشوار ہو

جس شخص سے پانی قریب ہو مگر اسے خدشہ ہو کہ اگر پانی کی طرف گیا تو سامان ضائع ہو جائے گا یا دوست و احباب بچھڑ جائیں گے یا اس کے اور پانی کے مابین دشمن حائل ہو جائے گا یا آگ یا کسی اور چیز کا ڈر ہو جس کے باعث پانی کے حصول میں مشقت ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ تیمم کرلے۔

اس کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ۔۶)

"اور نہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے تیمم کرو۔"

اسی طرح وہ تمام حضرات جو پانی کے استعمال پر قادر ہیں لیکن وہ پانی نہ پاسکیں تو پھر تیمم کریں۔

۲۳۰۔ جب جائز طریقے سے پانی کا حصول ممکن ہو تو تیمّم جائز نہیں

جب کسی جائز طریقے سے پانی حاصل کرے تو پھر تیمّم جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کا عذر ختم ہوگیا اور اس پر فرض یہ ہے کہ جائز حق جو اسے اللہ کی طرف سے یا کسی بندے کی طرف سے اسے حاصل ہوا سے استعمال کرنے سے نہ روکے، اگر اس سے روکا تو گناہگار ہوگا جس سے پانی طلب کیا جائے اُسے بھی تعاون کرنا چاہیے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ - ۲)

"اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا ہے کہ "ہر حق دار کے حق کو ادا کیا جائے۔" وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۳۱۔ کنوئیں پر موجودگی کے باوجود اگر کوئی عُذر ہو تو تیمّم جائز ہے

اگر کوئی شخص دورانِ سفر کسی کنوئیں کے پاس ہو یا کسی کنوئیں کو دیکھ رہا ہو جسے وہ پہچانتا ہے لیکن اسے خدشہ ہے کہ (اگر وہ کنوئیں سے پانی لے کر وضو میں مشغول ہوا تو) رفقاء واحباب بچھڑ جائیں گے، یا جماعت فوت ہو جائے گی یا وقت ختم ہو جائے گا تو وہ تیمم کرلے۔ تیمّم اس سے کفایت کرے گا، لیکن آئندہ اسے وضو کرنا پڑیگا کیونکہ اس شخص کے پاس پانی تو موجود ہے لیکن استعمال کے سلسلہ میں معذور ہے (للہذا عذر ختم ہوتے ہی جوازِ تیمم کی رخصت ختم ہوگئی) کیونکہ یہ اُس انسان کی طرح نہیں ہے جسے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہ ہو لیکن پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ تیمم کرتا ہو۔

۲۳۲۔ پانی سامانِ سفر کے ساتھ ہو اور وہ بھول گیا ہو

جس شخص کے ساز و سامان میں پانی ہو مگر وہ بھول گیا ہو یا اس کے قریب ہی کوئی کنواں یا چشمہ موجود ہو لیکن اسے علم نہ ہو تو وہ تیمّم کرکے نماز پڑھ لے، اس کی نماز درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں صورتیں پانی نہ ملنے کی طرح ہیں اور جو شخص پانی نہ پائے وہ بنص کلامِ الٰہی تیمّم کرسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے وقت کے اندر اندر پانی مل جائے تو یہ نماز کو دُہرا لے اور اگر وقت خارج ہو جائے تو پھر نہ دُہرائے۔

امام ابویوسفؒ اور شافعی فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اسے نماز دُہرانا ہوگی۔

امام ابویوسفؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کنواں اس سے ایک تیر کے فاصلہ پر ہو اور اسے علم نہ ہو تو تیمّم جائز ہوگا۔ اور اگر وہ کنوئیں کے کنارے پر ہو یا کنوئیں کے قریب ہو اور اسے علم نہ ہو تو تیمّم جائز نہ ہوگا۔

امام ابن حزم نے ان اقوال پر نقد نہیں کیا۔ کیونکہ ان افعال کا فساد کالعیاں ہے۔

۲۳۳۔ ہر ناپاکی جس سے وضو ٹوٹ جائے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے

ہر وہ حدث جس سے وضو ٹوٹ جائے، اُس سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں (گویا یہ متفق علیہ و اجماعی مسئلہ ہے)۔

۲۳۴۔ پانی پانے سے بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے

پانی پانے سے بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ نماز میں پائے یا نماز پڑھنے کے بعد پائے یا نماز پڑھنے سے پہلے پائے کیونکہ وہ نماز جسے وہ تیمّم سے پڑھ رہا تھا، طہارت ٹوٹنے کے باعث ٹوٹ جائے گی، لہٰذا وہ وضو یا غُسل کر کے از سرِ نو نماز پڑھے۔ تیمّم کے ساتھ جو نمازیں پڑھ چکا ہو، ان کی قضا ضروری نہیں۔

اگر سلام پھیرنے کے فوراً بعد پانی پالے، تو اس مسئلہ میں تین مقامات پر اختلاف ہے۔ ایک تو قدیم اختلاف یہ ہے کہ تیمّم کرنے والا جب پانی کو پالے تو اس پر اُس وقت تک وضو یا غُسل فرض نہیں ہے جب تک اُس سے کسی موجبِ وضو و غسل امر کا صُدور نہ ہو۔

ہم سے یہ روایت بیان کی ہے ابن جُریج نے عبدالحمید بن جُبیر بن شیبہ سے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ جب تم سفر میں جُنبی ہو جاؤ تو مسح کر لو اور جب پانی پاؤ اور نہ چاہو تو بے شک غسل نہ کرو۔ عبدالحمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مُسیّب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اسے کیا معلوم؟ جب پانی پالو تو غُسل کرو۔ چنانچہ جمہور متاخرین بھی یہی کہتے ہیں کہ پانی پا لینے کی صورت میں وُضو اور غُسل کرنا چاہیے۔

جو حضرات وضو اور غسل کی تجدید کے قائل نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم ایک صحیح طہارت ہے تو اسے صرف وہ اُمور توڑ سکتے ہیں جو طہارت کو توڑتے ہیں، پانی کا پالینا چونکہ حدث نہیں لہٰذا پانی کا پالینا طہارتِ تیمّم کے لیے ناقص نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح تھا اگر ہمیں یہ روایت نہ پہنچی ہوتی۔ (یعنی ذیل کی حدیث)

۲۷۵۔ (ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے ابراہیم بن احمد سے، انہوں نے فربری سے، انہوں نے بخاری سے، انہوں نے مسدد سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید قطّان سے، انہوں نے عوف یعنی ابن ابی جمیلہ سے، انہوں نے ابو رجاء عُطارِدی سے، انہوں نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سفر میں تھے، پھر انہوں نے پُوری حدیث بیان کی، اس حدیث میں انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نے نماز سے فراغت کے بعد اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف پھیرا تو آپ نے ایک شخص کو الگ تھلگ دیکھا جس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا اے فلاں شخص! تمہیں کس چیز نے جماعت سے نماز پڑھنے سے باز رکھا؟ اس نے عرض کیا کہ مَیں جُنبی ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے لیے مٹی ہی کافی تھی ــــ پھر آپ نے اس حدیث میں اس پانی کا ذکر بھی کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے معجزے کے طور پر ظاہر فرما دیا تھا اور آخر میں یہ ذکر بھی کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے پانی کا ایک برتن دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور اسے اپنے جسم پہ ڈال لو۔ (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب المناقب، مُسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الطہارۃ)۔

۲۷۶۔ ایک دوسری روایت (جسے ہم سے حمام نے عباس بن اصبغ سے، انہوں نے محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، انہوں نے ابراہیم بن اسحاق نیشاپوری سے بغداد میں، اُنہوں نے محمد بن عبداللہ بن نُمیر سے، اُنہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اسماعیل بن مُسلمؒ سے، انہوں نے ابو رجاء عُطارِدی سے اور انہوں نے حضرت عمران بن

لہ مِصری نسخہ میں ہے کہ محمد بن عبداللہ بن نُمیر نے اسماعیل بن مُسلم سے روایت کیا یعنی اُس سند میں ابن نُمیر کے والد کا ذکر رہ گیا ہے اور یہ خطا ہے اور اسماعیل بن مُسلم اپنے حافظے کے اعتبار سے ضعیف ہے، صدوق تھے لیکن غلطی بہت کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے

حُصین سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مَیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا جبکہ رفقاء میں ایک جُنبی شخص بھی تھا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے حکم دیا تو اس نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، پھر ہمیں پانی مل گیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے حکم دیا کہ غُسل کرے لیکن نماز نہ دُہرائے۔

ہم قبل ازیں حضرت حُذیفہؓ سے مروی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی ذکر کر چکے ہیں کہ "ساری زمین ہمارے لیے مسجد اور اس کی مٹی جب تک ہمیں پانی میسّر نہ آئے، پاک بنا دی گئی ہے"۔

ان احادیث سے ثابت ہُوا کہ مٹی کے ساتھ طہارت اس وقت ہے جب پانی نہ ملے یعنی جب پانی مل جائے تو پھر مٹی کے ساتھ طہارت جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی کو رخصت دے دی گئی ہو تو الگ بات ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لینا اور دوسری کو چھوڑ دینا جائز نہیں بلکہ دونوں پر عمل کرنا فرض ہے اور یہ بات صحیح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جُنبی آدمی کو پہلے پاک مٹی کے ساتھ تیمّم اور نماز کا حکم دیا، پھر جب پانی مل گیا تو اسے صرف غُسل کا حکم دیا (یعنی پھر نماز دُہرانے کا حکم نہیں دیا) پس ہماری بات درست ثابت ہوئی ——— وَالحَمدُ لِلّٰہ۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ تیمّم کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد اگر پانی مل جائے تو کیا نماز دُہرائے یا نہ دُہرائے؟

سعید بن مُسَیّب، عطاء، طاؤس، شَعبی، حَسَن اور ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ اگر وقت کے اندر یعنی نماز کا وقت ابھی باقی ہو اور پانی مل جائے تو نماز دُہرا لے۔ یہ روایتیں ہمیں بطریقِ مختلف پہنچی ہیں، مثلاً بطریقِ معمر، از سعید بن عبد الرحمٰن جُمحی از حضرت ابوسلمہؒ اور بطریقِ حماد بن سلمہ از یُونس از حضرت حسنؒ، اور بطریقِ حجاج بن منہال، از سفیان ثوریؒ از عبد الحمید بن جُبیر بن شَیبہ از حضرت سعید بن مُسیّب اور بطریقِ وکیع از زکریا بن ابی زائدہ از شعبی اور بطریقِ سفیان ثوری از لَیث بن ابی سُلیم از عطاء اور بطریقِ حسن بن صالح از علاء بن مُسیّب از طاؤس۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسافر، مریض اور خائف وسطِ وقت میں تیمّم کرکے نماز پڑھ لیں۔ اگر تیمّم کرکے نماز پڑھنے کے بعد ان کو پانی مل جائے تو مسافر نماز نہ دُہرائے لیکن مریض اور خائف دُہرا لیں۔

ہیں کہ "یہ کچھ نہیں ہے"۔ (بخاری، مسلم اور نسائی کی روایت اُوپر گذر چکی لہٰذا اس روایت کو شواہد کے لیے پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں)۔ (ع-ش)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مریض و خائف اور مُسافر کے مابین تفریق کرنا، یہ بالکل خطا ہے۔ کیونکہ مریض و مُسافر کو جو پانی نہ پائیں ایک ہی آیت میں تیمم اور نماز کا حکم دیا گیا ہے اور دونوں کے مابین کوئی فرق رَوا نہیں رکھا گیا۔

مریض و خائف جنہیں رفع حرج و عُسر کے باعث تیمّم کی اجازت دی گئی ہے، ان کا حکم بھی ایسا ہی ہے، ان میں سے کسی کے لیے کوئی فرق نہیں ہے، نہ قرآن میں کوئی فرق مذکور ہے اور نہ کسی صحیح یا سقیم سُنّت میں، نہ اِجماع میں اور نہ کسی صحابی کے قول میں اور نہ قیاس و رائے ہی سے فرق کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ امام مالکؒ سے پہلے کسی سے بھی یہ قول منقول نہیں، لہٰذا یہ بالکل ساقط ہُوا اور اب ان لوگوں کا قول باقی رہ گیا کہ سب دُہرائیں یا ان کا یہ قول کہ کوئی بھی نہ دُہرائے۔ جب ہم ان اقوال کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بنصِ قرآن تیمّم پر مامور ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو ان دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہو گی، یا تو وہ حسبِ حکم الٰہی نماز ادا کر چکے ہیں یا نہیں؛ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حسبِ حکمِ الٰہی نمازیں نہیں ادا کر سکے تو ہم عرض کریں گے پھر تو انہیں گویا ابتدا ہی سے تیمّم اور نماز سے منع کیا گیا ہے لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر کوئی قائل ہو تو وہ خطا کار اور قرآن و سُنن و اجماع کا مخالف ہو گا۔ یہ صورت تو یقینی طور پر ساقط ہو گئی اور اب صرف دوسری صورت باقی رہی اور وہ یہ کہ انہوں نے حسبِ حکمِ الٰہی نماز ادا کی ہے، تو جب حسبِ حکمِ الٰہی نماز ادا کی ہے تو پھر ایک دن میں ایک نماز کا دوبارہ پڑھنا حلال نہیں کیونکہ اس سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

۲۷۷۔ ہم سے عبداللہ بن ربیع نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے ابو کامل سے، انہوں نے یزید ابن زریع سے، انہوں نے حسین معلّم سے، انہوں نے عمرو بن شُعیب سے، انہوں نے سلیمان بن یسار مولیٰ میمونہ سے)، ابن یسار نے کہا کہ مَیں حضرت ابن عمرؓ کے پاس گیا جبکہ وہ مقامِ بلاط میں نمازیں پڑھ رہے تھے، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ "تم ایک دن میں کسی نماز کو دوبارہ نہ پڑھو" (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔ اس حدیث سے اعادہ کا حکم بالکل ساقط ہو گیا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اختلاف کی تیسری صورت جس میں لوگ مختلف ہیں، یہ ہے کہ جب دورانِ نماز ہی پانی دیکھ لے تو امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابو ثورؒ اور داؤد فرماتے ہیں کہ اگر دورانِ نماز ہی پانی دیکھ لے تو نماز جاری رکھے اور اسے دُہراتے بھی نہیں کیونکہ اس سے اس کی طہارت ٹوٹے گی نہیں۔ اگر نماز کے بعد پانی دیکھے تو وضو اور غسل کرکے نئی نماز وضو و غسل کے بغیر نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ دورانِ نماز پانی دیکھے یا بعد از نماز، نماز یقیناً ٹوٹ جائے گی لہٰذا اسے وضو یا غسل کرکے از سرِنو نماز پڑھنا ہوگی۔ ہاں اگر اس نے نماز کے بعد پانی دیکھا ہے تو یہ پڑھی ہوئی نماز درست ہوگی البتہ بعد میں پڑھنے والی نماز کے لیے پانی کے ساتھ طہارت ضروری ہوگی۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ جب اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تو ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں، جن حضرات نے دَورانِ نماز یا نماز کے بعد پانی ملنے کے مابین فرق کیا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حسبِ فرمانِ باری تعالیٰ نماز میں داخل ہوگیا تھا، لھذا نماز توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی نص یا اجماع سے دلیل ہو۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی دلیل بھی نہیں ہے لیکن اس دلیل کا ان کے موقف سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اگر وہ حسبِ ارشاد باری تعالیٰ نماز میں داخل ہوچکا تھا تو پانی کے لیے دو میں سے ایک حکم ضروری ہے، ایک تو یہ کہ پانی یا تو ناقضِ طہارت ہوگا اور اسے دوبارہ مُحدِث یا جنبی کے حکم میں کر دے گا یا یہ کہ پانی ناقضِ طہارت بھی نہیں ہوگا اور اسے مُحدِث یا جنبی کے حکم میں بھی نہیں کرے گا۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ پانی کا دستیاب ہونا نہ تو نقضِ طہارت کا سبب ہے اور نہ اسے مُحدِث یا جنبی کے حکم میں کرے گا، تو ابو سُلیمان اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی جواب ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ تم تو اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ اس کے باوجود اس پر غسل فرض ہوگا یا وضو اور اس میں تمہارے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر یہ کہیں کہ جی ہاں یہ بات درست ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ پانی ملنے کی صورت میں خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز میں نہ ہو، اسے ہمارے اور تمہارے مذہب کی نص کے مطابق حکم یہ ہے کہ وہ پانی استعمال کرے۔ اگر یہ کہیں کہ دورانِ نماز، مصروفیت کے باعث اسے یہ حکم نہیں ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ فرق بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا برہان ہے

کیونکہ جب اسے نماز وغیر نماز میں پانی کے استعمال کا حکم ہے تو اسے نماز جاری رکھنے کا حکم دینا اور پانی کے عدم استعمال پر برقرار رکھنا خطا ہے کیونکہ تمہارے اصُول کے مطابق اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی لہٰذا تمہارے اصُول کے مطابق لازم ہے کہ وہ پانی استعمال کرے اور سابقہ پڑھی ہُوئی نماز پر ہی بنا کرے جیسا کہ تم مُحدث کے بارے میں کہتے ہو اور ان دو صورتوں میں کوئی فرق نہیں لیکن یہ حضرات اس کے قائل نہیں پس یہ قول بھی ساقط ہوگیا۔

مالکیوں اور شافعیوں نے جو یہ جواب دیا ہے کہ پانی کا وجود طہارت کے لیے ناقض ہے اور غیر نماز میں تیمّم کرنے والے کو جُنبی یا مُحدث کے حکم میں کر دیتا ہے لیکن نماز میں طہارت کے نقض کا سبب نہیں ہے!

امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ قول بالکل فاسد اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ قرآن وسُنّت، قیاس اور رائے سے اس قول کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ ایک چیز نماز سے باہر تو حدث ہو لیکن نماز میں حدث نہ ہو، یہ محض دعویٰ ہے اور دعویٰ اس وقت تک باطل ہوتا ہے جب تک قرآن وسُنّت کی کسی دلیل کی اسے تائید حاصل نہ ہو خصوصاً یہ قول کہ نمازی جب نماز کے دوران پانی پاتے تو اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی لیکن جب سلام پھیر دے تو اس پانی کے سبب جسے اس نے دوران نماز پایا تھا، اس کی طہارت ٹوٹ جائے گی اور نماز کے بعد وہ طہارت قائم نہیں رہے گی۔ یہ یک طرفہ قول ہے، جب عدم ناقض نہیں تو وجود بھی ناقض نہیں۔ حالانکہ انہوں نے بعینہٖ ایسی ہی ایک صورت میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہے یعنی امام صاحب کے اس قول کی کہ قہقہہ دوران نماز وضُو کے لیے ناقض ہے لیکن نماز کے باہر ناقض وضو نہیں ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب اس قول کا فاسد ہونا بھی ظاہر ہوگیا تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہی قابل عمل رہ گیا جسے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "جب تک پانی نہ ملے مٹی پاک کرتی ہے" تو اس سے معلوم ہُوا کہ پانی کی موجودگی میں مٹی سے طہارت صحیح نہیں، ہاں اس مریض وغیرہ کے لیے صحیح ہے جس کے لیے پانی کے استعمال میں کوئی حرج ہو لہٰذا پانی کی موجودگی میں طہارتِ تیمّم باطل ہوگئی۔ خواہ آدمی نماز میں ہو یا غیر نماز کی حالت میں، پس سفیان اور ان کے ہم نوا حضرات کا قول صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہاں دو مقام پر متناقض باتیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اس مغلوب انسان کے لیے جو بے وضو ہو جاتے، وضو کرنا اور نماز کو جاری رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ مغلوب چونکہ بے وضو ہُوا تھا لہٰذا

آپ کے اصول کے مطابق ضروری تھا کہ آپ اسے وضو کرنے اور نماز جاری رکھنے کا حکم دیتے۔

اور دوسرے یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام پھیرنا فرض نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک جو شخص نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ جائے اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے، خواہ وہ عمداً یا بھول کر بے وضو ہو جائے، اس کی نماز درست ہوگی اور اُسے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن یہاں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ گیا، پھر اُس نے سلام پھیرنے سے پہلے ہی پانی پالیا تو اس کی یہ نماز اور طہارت باطل ہو جائیں گی لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ طہارت کر کے دوبارہ ضرور نماز پڑھے۔ یہ بہت قبیح اور نصوص، قیاس اور درست راستے سے از حد بعید تناقض ہے، ہمیں امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی سے اس قسم کی تفریق کا علم نہیں ہے۔

۲۳۵۔ مریض کے لیے یہ حکم نہیں

وہ مریض جسے پانی کی موجودگی میں بھی تیمّم کی اجازت ہے، اس کا حکم اس کے برعکس ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی اس کے صحت یاب ہونے سے اس کی طہارت نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی دلیل وہی حدیث ہے، جس کی ہم نے اتباع کی ہے، یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص پانی پالے تو پانی کے پانے سے اس کی طہارت ختم ہو جائے گی، تو معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی موجودگی میں تیمّم اور نماز کا حکم دیا ہے تو اس کے لیے پانی کا وجود ناقض طہارت نہیں ہے بلکہ اس کی طہارت بدستور صحیح رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ صحت حَدَث نہیں ہے کیونکہ اس کے حدث ہونے کا نہ قرآن میں ذکر ہے اور نہ سُنّت میں! (حدث کا مطلب بے طہارت ہونا ہے)

اگر یہ کہیں کہ ہم مریض کو مسافر پر قیاس کرتے ہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سارے کا سارا باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت صحیح بھی ہوتی تو یہ عین باطل ہے، کیونکہ یہ تو قیاس بالضّد ہے اور قیاس کی یہ صورت اصحاب قیاس کے نزدیک باطل ہے، یہ قیاس تو پانی پانے والے کا نہ پانے والے پر ہے، مریض کا تندرست پر قیاس ہے اور اس امر میں تو ان کے ہاں بھی اختلاف نہیں کہ نماز وغیرہ میں ان دونوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ——— و باللہ التوفیق۔

۲۳۶۔ تیمّم کے ساتھ جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں

تیمّم کرنے والا تیمّم کے ساتھ فرض اور نوافل وغیرہ جس قدر چاہے اس وقت تک پڑھ سکتا ہے

جب تک اس کا تیمم حدث یا پانی کی موجودگی کے سبب نہ ٹوٹے۔ مریض کی تیمم کے ساتھ حاصل کردہ طہارت صرف اُس حدث کے ساتھ ٹوٹے گی جو ناقض طہارت ہو! امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، لیث بن سعد اور داؤد ظاہری یہی فرماتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں حماد بن سلمہ از یونس بن عُبید از حسنؒ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تک حدث لاحق نہ ہو وضو کی طرح ایک تیمم سے سب نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ معمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے زُہری کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تیمم پانی کے قائم مقام ہے، جب تک حدث لاحق نہ ہو، اس سے نمازیں پڑھ سکتا ہے، قتادہ، سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک تیمم کے ساتھ جس قدر چاہو نمازیں پڑھ سکتے ہو، کیونکہ وہ پانی کے قائم مقام ہے۔ یزید بن ہارون اور محمد بن علی[1] بن حسین وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک تیمم کے ساتھ دو فرض نمازیں نہیں پڑھ سکتا بلکہ اُسے ہر نماز کے لیے تیمم کرنا پڑیگا اگر کسی نے تیمم کر کے صبح کی دو سُنتیں پڑھیں، تو صبح کے فرض پڑھنے کے لیے اُسے دوبارہ تیمم کرنا پڑے گا۔ اگر کسی نے تیمم کر کے فرض پڑھ لیے تو اس کے بعد اسی تیمم سے نوافل بھی پڑھ سکتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے لیے تیمم کرنا ضروری ہے البتہ ہر نماز سے قبل و بعد نوافل پڑھ سکتا ہے شریک کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے، شریک کے قول کی مانند ابراہیم نخعی، شعبی، ربیعہ، قتادہ اور یحییٰ بن سعید انصاری سے بھی منقول ہے۔ لیث بن سعد، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

ابو ثور کہتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے وقت تیمم کرے مگر ایک ہی تیمم کے ساتھ سب فوت شدہ فرض نمازوں کی بھی ادائیگی کر سکتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے قول کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے نہ قرآن سے، نہ صحیح یا سقیم سُنّت سے اور نہ قیاس سے کوئی دلیل اس کی تائید میں ہے۔ تیمم، طہارت ہے یا نہیں ہے اگر طہارت ہے،

---

[1] یہاں محمد بن علی بن حسین سے مراد ابو جعفر باقر محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب ہیں، جو تابعین اور فقہاء اہل مدینہ میں سے تھے ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

تو اس طہارت کے ساتھ اُس وقت تک نمازیں پڑھ سکتا ہے جب تک قرآن و سُنت اس کے نقض کو واجب قرار نہیں دے دیتے اور اگر تیمّم طہارت ہی نہیں ہے، تو اس سے کوئی نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ تیمّم طہارت تو ہے لیکن طہارتِ تامّہ نہیں ہے، صرف نماز پڑھنے کے لیے ایک طریقہ ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ قول بلادلیل ہے اور جو قول بلادلیل ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن اس قول کی تکذیب کرتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ط مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ (المائدہ-۶)

"پاک مٹی لو اور اس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو۔ اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پُوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔"

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر پر نص ہے کہ تیمّم طہارت ہے اور تیسری وجہ اس قول کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اس قول میں تضاد ہے کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ تیمّم طہارتِ تامّہ نہیں بلکہ صرف نماز کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس قول کا پہلا حصہ آخری حصے کے متضاد ہے کیونکہ نماز پڑھنے کا طریق طہارت کے سوا اور کچھ نہیں اور اس قول کے بموجب تیمم طہارت ہے بھی اور نہیں بھی! چوتھی وجہ یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نماز کو مباح قرار دینے کا ایک ذریعہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ اس سے صرف ایک ہی نماز پڑھی جا سکتی ہے، دو نہیں پڑھی جا سکتیں، یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ اس ذریعہ کو اپنا کر ایک نماز پڑھنا تو مباح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن دوسری کو پڑھنا مباح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس نے پانی طلب کر لیا تو اس سے تیمّم کرنے والے کی طہارت ٹوٹ جائے گی اور پھر اس کے لیے فرض ہے کہ ہر نماز کے لیے پانی طلب کرے۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ بات بھی بالکل باطل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ کہ تمہاری یہ بات کہ "پانی کا طلب کرنا ناقضِ تیمّم ہے" یہ ایک جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے، اور دوسری وجہ یہ کہ تمہارا یہ کہنا کہ "پھر اس کے لیے فرض ہوگا کہ ہر نماز کے لیے پانی طلب کرے"، یہ بھی باطل ہے۔ کونسا پانی طلب کرے حالانکہ وہ پہلے طلب کر چکا ہے اور اسے یقین ہو چکا ہے کہ اسے پانی نہیں ملے گا! پھر اگر یہ بات

درست ہے تو وہ مریض جس کے پاس پانی موجود ہے اور کونسا پانی طلب کرے، لہٰذا ثابت ہُوا کہ یہ قول بالکل فاسد ہے خصوصاً امام مالکؒ کا یہ قول کہ تیمم کے ساتھ فرض پڑھنے کے بعد تو طہارت باقی رہتی ہے اور اس کے ساتھ نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن تیمم کے ساتھ نوافل پڑھنے کے بعد طہارت باقی نہیں رہتی لہٰذا فرض نہیں پڑھ سکتا نیز فرض کے بعد بھی فرض نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح پانی طلب کرنے کے سلسلہ میں ان کے قول کے مطابق اسے فرائض اور نوافل دونوں کے لیے پانی طلب کرنا ضروری ہوگا کیونکہ نوافل کے لیے بھی طہارت ایسے ہی واجب ہے جیسے فرائض کے لیے۔ اُمّت میں سے کسی نے ان میں کوئی فرق بیان نہیں کیا اگرچہ ان کے احکام الگ الگ ہیں، ان کے شیخ، جن کی انہوں نے تقلید کی ہے یعنی امام مالکؒ، مؤطا میں فرماتے ہیں:

"وضو کرنے والا تیمم کرنے والے کی نسبت زیادہ پاک نہیں ہے کیونکہ جس نے تیمم کیا اس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کیا ہے[1]۔"

امام شافعیؒ کا قول بھی بالکل ہی برخطا ہے کیونکہ آپ نے فرض نمازوں کے لیے تو تیمم کی تجدید کو واجب قرار دیا ہے لیکن نوافل کے لیے تجدیدِ تیمم کو واجب قرار نہیں دیا، یہ قول بھی ان تمام تفصیلات کے باعث غلط ہے جو ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

ابو ثورؒ کا قول بھی غلط ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر نماز کا وقت باقی ہے، جس کے لیے تیمم کیا تھا تو طہارت صحیح ہے اور اگر وقت ختم ہو گیا تو طہارت ٹوٹ جائے گی۔ ہمیں قرآن و سُنّت کی روشنی میں یہ کہیں معلوم نہیں ہُوا کہ خروجِ وقت میں بھی حدث ہے۔ شریعت نے مُستحاضہ کو ہر نماز کے لیے یا دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں دو نمازوں کے لیے ایک غسل کا حکم دیا ہے۔ قیاس باطل ہے، قیاس کی اگر کوئی صورت حق بھی ہے تو یہ یقیناً باطل ہے۔

---

[1] مؤطا ص ۱۹ میں امام مالکؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ "جس شخص نے نماز کا ارادہ کیا لیکن پانی نہ پایا اور حسبِ امرِ الٰہی تیمم کر لیا تو اس نے اطاعتِ الٰہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس شخص نے پانی کو پا لیا وہ اس سے زیادہ طاہر نہیں اور نہ اس کی نماز زیادہ مکمل ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے امرِ الٰہی کی اطاعت کی ہے۔ نماز میں داخل ہونے سے پہلے جو پانی پا لے اس کو حکمِ الٰہی یہ ہے کہ وضو کرے اور جو نہ پائے اسے حکم یہ ہے کہ تیمم کر لے۔"

کیونکہ تیمّم کرنے والے اور مستحاضہ کے مابین قیاس کی نہ کوئی مشابہت ہے اور نہ کوئی علّتِ جامعہ، لہٰذا یہ قیاس بہرحال باطل ثابت ہُوا اور معلوم ہُوا کہ یہ سب اقوال محض دعوے ہیں جو دلائل کے بغیر ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر یہ کہیں کہ ہمارے اس قول کی مانند ہی ابن عباسؓ، علیؓ، ابن عمرؓ اور عمرو بن عاصؓ کا قول ہے تو ہم عرض کریں گے کہ ابنِ عباسؓ کی روایت بالکل ساقط الاعتبار ہے کیونکہ ایک تو یہ حسن بن عمارہ کی سند سے ہے جو کہ ھَالِكٌ (ہلاک کرنے والا) ہے اور پھر وہ ایک ایسے راوی سے روایت کرتا ہے جس کا نام ذکر نہیں کرتا (یعنی مجہول راوی سے روایت کرتا ہے) عمرو بن عاص کی روایت بطریقِ قتادہ از عمرو بن عاصؓ ہے، حالانکہ قتادہ کی ولادت ہی حضرت عمروؓ بن عاص کی وفات کے بعد ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ وابن عمرؓ کی روایت بھی اس سلسلہ میں صحیح نہیں، اگر صحیح ثابت ہو بھی جاتے تو حجّت نہ ہوگی، کیونکہ حُجّت صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔

امام مالکؒ، شافعی اور ابو ثورؒ نے جو تقسیم کی ہے تو یہ تقسیم بھی مذکورہ سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں گویا ان تمام مسائل میں ان ائمہ کرام نے مذکورہ صحابہ کرام کی مخالفت کی ہے۔

نیز ہمارے قول کی مانند حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، پس ثابت ہُوا کہ ہمارا قول صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ جب یہ ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ

.... إلى قوله ـــــ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ-۶)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو" (اس فرمانِ الٰہی تک) "تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے نماز کا ارادہ کرنے والے ہر شخص پر وضو واجب قرار دیا ہے لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک وضو کے ساتھ بہت سی نمازیں پڑھی ہیں لہٰذا وضو اس آیت کے حکم سے خارج ہو گیا اور تیمّم باقی رہ گیا جو ہر نماز کا ارادہ کرنے والے کے لیے واجب ہے۔

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، خصوصاً مالکیوں اور شافعیوں کی بات جو کہ فرض کے بعد نفل پڑھنے والے کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ نیا تیمّم کرنے اور پانی طلب کرنے کے بغیر ہی پڑھ سکتا ہے لہٰذا

اس باب میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کا تعلق ان دو سے نہیں ہے۔

اب ہمارے قول اور شریک کے قول کے مطابق کہنے والوں کا تجزیہ باقی رہ گیا، تو ہم بتوفیقِ الٰہی عرض کریں گے کہ جو کچھ تم نے ذکر کیا اس آیت نے اس میں سے کسی چیز کو بھی واجب قرار نہیں دیا، اگر آیت سے ہر نماز کے لیے تیمم کا وجوب ثابت ہوتا ہو تو پھر یہ بھی ثابت ہونا چاہیے کہ غسلِ جنابت ہر نماز کے لیے واجب ہے کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وضو، تیمّم اور غسل کے وجوب کا حکم دیا ہے، وہ صرف جُنبیوں اور مُحدِثوں کے لیے ہے اور آیت کا آخری حصّہ پہلے کی وضاحت کرتا ہے۔ آخری حصّہ یہ ہے کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ۔ (المائدہ-۶)

"اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں کو چھو کر آئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے تیمم کر لو"

اُمّت کے دو افراد بھی اس بارے میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ یہاں کچھ عبارت محذوف ہے جس پر عطف دلالت کرتا ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم مریض ہو یا حالتِ سفر میں ہو اور حدث لاحق ہو جائے یا کوئی بول و براز سے فراغت حاصل کر کے آیا ہو ــــــــ

اس تشریح سے ان کی وہ ساری باتیں باطل ہو گئیں جس سے وہ دھوکہ دہی کا کام لے رہے تھے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہر نماز کے ارادہ کے وقت تجدیدِ طہارت کا حکم نصِ آیت سے ثابت ہے، تو یہ صرف اُس کے لیے ہے جسے وضو کا حکم ہے، نہ اُس کے لیے جسے تیمّم کا حکم ہے تو یہ اس آیت سے بظاہر زیادہ حق ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کا حکم صرف اُسے دیا ہے جو مُحدِث ہو، ہر نماز پڑھنے والے کو یہ حکم نہیں دیا اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے بچنے کا ان کے پاس کوئی طریقہ نہیں، لہٰذا اس آیت سے ہر نماز کے لیے تجدیدِ تیمّم کے وجوب کا استدلال باطل ہُوا اور آیت سے صرف ہمارا قول ہی درست ثابت ہُوا۔ نیز معلوم ہُوا کہ تیمّم صرف حدث کے باعث ہے اور طہارتِ صحیحہ ہے۔ جب یہ سب اُمور اس آیت سے ثابت ہو گئے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ

کہ نمازی ایک تیمّم کے ساتھ دن رات میں جس قدر چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ دن رات سے زیادہ کی بھی پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ مُحدِث یا جُنبی نہ ہو یا جب تک پانی نہ پالے۔ یہ ساری باتیں اسی آیت سے ثابت ہوتی ہیں ـــ والحمد للہ رب العلمین۔

۲۳۷۔ تیمّم ہر وقت جائز ہے

تیمّم بروقت اور قبل از وقت یعنی جب بھی کوئی نفل یا فرض نماز پڑھنا چاہے، جائز ہے۔ بالکل وضو کی مانند ہی ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں نفل اور فرض ہر قسم کی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادۂ نماز کے وقت وُضو، غُسل اور تیمّم کا حکم دیتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم فرض نماز تیمّم سے پڑھ لو تو پھر نفل نہ پڑھو۔ پس ہر وہ انسان جو نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے فرض ہے کہ طہارت حاصل کرے، اگر جُنبی ہے تو غسل کرے، اگر بے وضو ہے تو وضو یا تیمّم کرے۔ جب صورتِ حال یہ ہے کہ وضو و تیمّم وغیرہ کا حکم نماز کے ارادہ کے وقت ہے تو پھر طہارت اور نماز کے مابین کچھ وقفہ ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر ممکن ہی نہیں (اور اس وقفہ کی چونکہ شریعت میں کوئی حد متعیّن نہیں کی گئی لہٰذا) اگر کوئی حد بندی کرتا ہے، تو اس کا یہ فعل باطل ہوگا، کیونکہ حد بندی کے سلسلہ میں قرآن و سُنت، اجماعِ اُمت، قیاس اور قولِ صحابی سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے لہٰذا اس وقفہ کی کمی بیشی وضو اور تیمّم کے ساتھ حاصل کی گئی طہارت کے لیے ناقض نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں اتنا بیان ہی کافی ہے ـــ والحمد للہ ربّ العلمین۔

۲۳۸۔ پانی بھول جانے کی صورت میں تیمّم درست ہے

جس شخص کے مال اسباب میں پانی تو تھا لیکن وہ یہ بھول گیا کہ کہاں رکھا ہوا ہے اور اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز مکمل ہو گی کیونکہ پانی بھولنے والا ایسے ہی ہے گویا اس کے پاس پانی موجود ہی نہیں۔ ـــ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۳۹۔ کشتی پر سوار اور تیمّم

جو شخص سمندر میں جہاز پر سفر کر رہا ہو اور اگر اسے سمندر سے پانی لے کر اس سے طہارت کرنے کی قدرت ہے تو اس کے بغیر اس کی طہارت نہیں ہو گی اور اگر سمندر سے پانی حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو تو تیمّم کرنا جائز ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سمندر

کے پانی سے وضو جائز نہیں، جو اس کے علاوہ اور کوئی پانی نہ پائے وہ تیمم کرے لیکن حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ سمندر کے پانی سے وضو جائز ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا (المائدہ۔ ۶)

"اگر تمہیں پانی نہ مل سکے تو تیمم کر لو"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب ہم پانی نہ پائیں تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے" یعنی قرآن و سنت میں مطلق پانی کا ذکر ہے لہٰذا اگر وہ سمندر سے پانی لینے پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو پھر اس کے ذمہ تیمم کرنا ہی فرض ہو گا۔

۲۴۰۔ پانی کے استعمال سے خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے

اسی طرح جو شخص سفر میں ہو یا حضر میں تندرست ہو یا بیمار اور اس کے پاس صرف ایسا پانی ہو جس کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا اور اگر وہ اسے گرم کرنا شروع کر دے تو خدشہ ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو اس صورت میں وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے کیونکہ اس کے پاس ایسا پانی نہیں ہے جس سے طہارت پر اسے قدرت نصیب ہو۔

۲۴۱۔ پانی خرید کر وضو اور غسل کرنا جائز نہیں

جس شخص کے پاس پانی نہ ہو وہ وضو اور غسل کے لیے پانی خرید کر استعمال نہ کرے، قیمت خواہ کم ہو یا زیادہ، اگر اس نے پانی خرید کر استعمال کیا تو اس کا وضو و غسل جائز نہ ہو گا، بلکہ اس پر اس وقت تیمم فرض ہے۔ اگر پانی کا مالک قیمت کے بغیر دینے پر آمادہ نہ ہو تو قیمت ادا کر کے پینے کے لیے پانی خرید لے۔ وضو کے لیے پانی کا مطالبہ کرے، اگر وہ دے دے تو وضو کر لے۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں!

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۲۷۸۔ چنانچہ بطریق امام مسلم ہمیں یہ روایت پہنچی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عثمان نوفلی نے یہ حدیث بیان کی، ان سے ابو عاصم ضحاک بن مخلد نے، ان سے ابن جُریج نے، ان سے زیاد بن سعد نے، ان سے ہلال بن اُسامہ نے بیان کیا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو

فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فالتو پانی بیچا نہ جائے، کہ اس کی وجہ سے گھاس بھی بیچی جائے"[1]

۲۷۹۔ ہم سے حمام نے بیان کیا، ان سے عیسیٰ بن اصبع نے، ان سے محمد بن عبدالملک بن ایمن نے، ان سے احمد بن زہیر بن حرب نے، ان سے ان کے باپ نے، ان سے سفیان بن عُیَینہ نے، سفیان نے عمرو بن دینار سے روایت کیا کہ انہیں ابوالمنہال نے خبر دی کہ) ایاس بن عبد[2] نے ایک شخص سے کہا کہ پانی نہ بیچو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، کتاب البیوع۔ ابن ماجہ کتاب الاحکام)

ونیز بطریق ابن ابی شیبہ روایت ہے کہ ان سے سفیان بن عُیَینہ نے ان سے عمرو بن دینار نے، ان سے ابوالمنہال نے بیان کیا کہ حضرت ایاس بن عبد مزنی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو پانی بیچتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ پانی نہ بیچو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی بیچنے سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے[3]۔

(اور بطریق ابن ابی شَیبہ ہی مروی ہے کہ ان سے یزید بن ہارون نے، ان سے ابواسحاق نے، ان سے محمد بن عبدالرحمٰن نے، ان سے ان کی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ نقع البئر یعنی ہم کنوئیں کے بچے ہوئے پانی سے روکیں[4] (نقع البئر کی

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱ ص ۴۶۰-۴۶۱۔ ونیز مسلم نے اسے بطریق ابن شہاب، از ابن المسیب وابی سلمہ از ابی ہریرہؓ بیان کیا ہے، امام مالکؒ نے ص ۱۱۱، بخاری نے ج ۵ ص ۲۱ مع فتح الباری، ترمذی ج ۱ ص ۲۴۰، ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۴ یحییٰ بن آدم فی الخراج ۳۱۶ بطریق ابن الزناد، از اعرج از ابوہریرہؓ روایت کیا ہے۔

[2] یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی طرف اضافت کے بغیر "عبد" ہے۔ ان کی یہ روایت سنن اربعہ کے علاوہ مسند احمد ۳: ۴۱۷ و ۴: ۱۳۸، دارمی ۲: ۱۸۲، ابن جارود ص ۲۸۴، حاکم ۲: ۴۴ و ۶۱ میں موجود ہے۔ ترمذی، حاکم اور ابن ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

[3] اسے یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج حدیث ۲۲۸ میں سفیان بن عُیَینہ سے روایت کیا ہے۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ نَقع البئر ہے۔ نقع نون کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی اس پانی کے ہیں جو کنوئیں سے کھینچنے سے پہلے ہی جمع ہوتا ہے۔ اصل نسخہ میں "نفع" کا لفظ ہے، جو غلط ہے، اس حدیث کو یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج ۳۲۱

تفسیر فضل الماء کے ساتھ خود حدیث ہی کے الفاظ ہیں) (مالک: ۲۱۱، محمد: ۳۵۹، ابن ماجہ ۲: ۹ ۴، حاکم ۲: ۶۱)۔

و نیز بطریق حضرت جابرؓ ہمیں یہ روایت مسنداً بھی پہنچی ہے ۔ یہ چار صحابہ کرام سے مروی ہے لہٰذا یہ نقل متواتر ہے اور اس کی مخالفت حلال نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم نے پانی بیچنے کی ممانعت کے مسئلہ کو اپنی اس کتاب "المحلّٰی" کے "کتاب البیوع" میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ والحمد للہ!

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے، تو اس کی بیع حرام ہوتی۔ جب بیع حرام ہوتی تو بذریعہ بیع اس کا حصول باطل ہوا اور جب وہ باطل ذریعے سے حاصل ہوا تو وہ اس کا مالک نہ ہوا اور جب وہ اس کا مالک نہیں تو اس کے لیے اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ - (البقرہ: ۱۸۸)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ -

"تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں"

جب غصب یا بیع حرام کے علاوہ پانی کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اس کے پاس پانی موجود ہی نہیں ہے ۔ اور جب پانی موجود ہی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ تیمم فرض ہے۔

میں ابراہیم بن ابی یحییٰ، از صالح بن کیسان، از ابی الرجال یعنی محمد بن عبدالرحمٰن سے بھی ذکر کیا ہے ۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ ضعیف ہے ۔ اور بھی کئی لوگوں نے ایسی ہی اسانید کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جن میں مقال ہے اور یہاں "المحلّٰی" میں جو سند مذکور ہے یہ صحیح سند ہے جو دیگر اسانید کی تقویت اور صحتِ حدیث کی تائید کرتی ہے۔

[1] مسلم ج ۱ ص ۴۶۰، احمد ج ۳ ص ۳۲۸۔

پینے کے لیے پانی کا خریدنا چونکہ اضطراری صورت کے باعث ہے لہٰذا جائز ہے۔ ہاں بیچنے والے کے لیے اس کی قیمت لینا حرام ہے کیونکہ وہ ناحق قیمت وصول کرتا ہے۔ زائد پانی سے منع کرنا اس کے لیے حرام تھا۔

پانی بطورِ ہبہ طلب کرنے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی حکم ہے اور نہ ممانعت، لہٰذا مباح ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: دَعُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَدَعُوْهُ، (وکما قال علیہ السلام) "جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں، تم بھی مجھے چھوڑ دو، جب کسی چیز کا حکم دُوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو"

تو جب کوئی ہبہ کے ذریعہ مالک بنے تو وہ گویا برحق مالک بنا ہے لہٰذا اس کا طہارت میں استعمال واجب ہوگا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

پانی خرید کر وضو و غسل کرنے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام اَوزاعی، شافعی اور اسحاق کہتے ہیں کہ قیمت کے ساتھ وضو کے لیے پانی خرید سکتا ہے، ہاں اگر بیچنے والا اصل سے زیادہ قیمت طلب کرے تو پھر نہ خریدے اور تیمّم کرلے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ قیمت کے ساتھ نہ خریدے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دراہم کم ہوں اور پانی گراں قیمت پر ملتا ہو تو پھر تیمّم کرلے اور اگر اموالِ کثیر کا مالک ہو اور وہ بھی قیمت میں مبالغہ نہ کریں تو خریدلے۔

امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ پانی خرید کر وضو کرنا چاہیے خواہ بطورِ قیمت اسے اپنا مال ہی کیوں نہ دینا پڑے

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر قیمت کے مالک کی حیثیت پانی کے پانے والے جیسی ہے تو اس کے لیے حکم وہ ہوگا جو حسن بصریؒ نے فرمایا وگرنہ ہمارا قول درست ہوگا۔

قیمت کی گرانی و ارزانی کے اعتبار سے جو تقسیم کی گئی ہے تو اس قول کی صحت پر کوئی دلیل نہیں، ہر وہ چیز جس کی ضرورت ہو خواہ وہ کسی بھی قیمت پر ملے اسے گراں نہیں سمجھا جاتا ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۴۲- پانی صرف پینے کے لائق ہو تو تیمّم کرلے

جس کے پاس پانی اس قدر کم ہو کہ اس سے صرف پینے کی ضرورت ہی پوری ہو سکتی ہے، تو اس پر

فرض یہ ہے کہ تیمم کرے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے :

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النسآء، آیت ۲۹) "اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔"

۲۴۳۔پانی سے صرف وضو ہو سکتا ہو تو غسلِ جنابت کے عوض تیمم کرلے

جس آدمی کے پاس پانی کم ہو کہ اس سے صرف وضو ہو سکتا ہو اور وہ جُنبی ہو تو غسلِ جنابت کے عوض تیمم کرے اور اس پانی سے وضو کرلے، اس کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وضو اور تیمم میں سے مقدم کس کو کرے اور مؤخر کسے، کیونکہ یہ دو الگ الگ فرض ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا، چونکہ وہ ان دونوں میں سے ایک (وضو) کو بوجہ کمال پانی سے ادا کرنے پر قادر ہے لہٰذا اس کے علاوہ اس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی اور دوسرے کو اسے تیمم کے ذریعہ ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ اسے حکمِ الٰہی ہے۔

۲۴۴۔جب تھوڑا سا پانی بچ جائے تو کیا کرے

اگر اس کے پاس تھوڑا سا پانی بچ جائے جس سے صرف چند اعضاء کا دھونا ممکن ہو، سارے اعضاء کا دھونا ممکن نہ ہو تو جتنے اعضاء کا دھونا اس کے لیے ممکن ہے، انہیں دھوئے اور پھر تیمم کرلے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، جن اعضاء کو چاہے دھوئے اور تیمم کرلے[1]۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ کیونکہ وہ سارے اعضاء کو دھونے پر قادر ہے لیکن عدمِ وجودِ پانی کی وجہ سے بعض اعضاء نہیں دھو سکتا لہٰذا بعض اعضاء کا دھونا اس کے لیے کافی ہے اور لیکن وہ اس طہارت پر قادر نہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے پانی سے کرنے کا دیا ہے۔ اور جس شخص کے لیے یہ صورت درپیش ہو اس پر تیمم فرض ہے کیونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے پاک مٹی کو پانی کے قائم مقام

---

[1] یمنی نسخہ کے حاشیہ پر ہے کہ یہ امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک ہے، آپ نے یہاں جو یہ فرمایا ہے کہ جن اعضاء کو چاہے دھولے، یہ جنبی کے بارے میں ہے حالانکہ اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ اعضاءِ وضو کو پہلے دھوئے، مُحدث اپنے چہرہ کو پہلے دھوئے، پھر ہاتھوں کو یعنی اس ترتیب کے مطابق جو آپ کے نزدیک واجب ہے۔

کردیا ہے ۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق ۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ" یہ انسان چونکہ وضو و غسل کے بعض اعضاء کے دھونے کی طاقت رکھتا ہے، باقی کے دھونے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر فرض ہے کہ پہلے جن اعضاء کو دھونا فرض ہے انہیں دھولے، پہلے چونکہ اعضاء وضو کو دھونا فرض ہے لہٰذا اسے پہلے وضو کرنا چاہیے اور پھر اعضا غسل میں سے جن کو دھو سکتا ہو دھولے۔ جب پانی ختم ہو جائے تو باقی اعضاء کے لیے تیمّم کرے کیونکہ ان کی طہارت کے لیے اس کے پاس پانی نہیں ہے لہٰذا حسب فرمانِ الٰہی پانی کے عوض پاک مٹی استعمال کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی کے بعض اعضاء نہ ہوں یا زخم یا ٹوٹے ہوئے ہونے کے باعث ان تک پانی پہنچانے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو تو ان کا حکم ساقط ہو گا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، باقی کا غسل ہی کفایت کر جائے گا کیونکہ اس کے پاس پانی تو ہے لیکن وہ اعضاء پاک کرنے سے عاجز ہے، پانی کی موجودگی کے باعث وہ اہلِ تیمّم میں سے بھی نہیں لہٰذا جن اعضاء کے دھونے کی اسے قدرت نہیں، ان سے حکم ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ - ۲۸۶) "اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

۲۴۵ - جنابت میں دو تیمّم کیے جائیں

جو شخص جنبی ہو جائے اور اس کے پاس پانی نہ ہو تو اس کے لیے دو تیمّم کرنا ضروری ہے، ایک کے ساتھ تطہیرِ جنابت اور دوسرے کے ساتھ وضو کی نیّت کرے، ان میں سے جس کو چاہے، پہلے کرلے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دو عمل ہیں جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ کوئی ایک عمل دو فرضوں سے کفایت نہیں کر سکتا، اِلّا یہ کہ کوئی نص آجائے نص اس سلسلہ میں تو ہے کہ وضو کے اعضا کا دھونا، وضو اور غسلِ جنابت سے کفایت کر سکتا ہے لہٰذا ہم نے اسے قبول کر لیا، لیکن تیمّم کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہے کہ ایک ہی تیمّم غسلِ جنابت اور وضو دونوں کے لیے کافی ہے (لہٰذا وضو اور جنابت کے لیے دو بار تیمّم کرنا پڑے گا)[1]

[1] مصری نسخہ پر یہاں یہ حاشیہ درج ہے کہ شیخ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ عمار اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

اسی طرح اگر کوئی عورت جنبی ہو، پھر اسے حیض بھی آجائے اور پھر جمعہ کے دن مدتِ حیض ختم ہو جائے اور وہ مسافر ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو تو اسے یقیناً چار دفعہ تیمم کرنا پڑے گا (۱) حیض کے لیے (۲) جنابت کے لیے (۳) وضو کے لیے، اور (۴) جمعہ کے لیے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں اور اگر اس نے کسی میت کو غسل دیا تھا تو پھر اسے پانچواں تیمم بھی کرنا پڑے گا۔ اس کی دلیل اور وجوہ و اسباب ہم غسل کے مسائل میں ذکر کر آئے ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۶۔ جب مٹی اور پانی کچھ بھی نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے

جو شخص سفر یا حضر میں قیدی ہو اور اس کے پاس مٹی ہو اور نہ پانی، یا اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا ہو اور نماز کا وقت آجائے، تو وہ اسی طرح ہی نماز پڑھ لے، اس کی نماز مکمل ہوگی اور اسے دہرانے کی بھی ضرورت نہیں، خواہ پانی اسی وقت اسے مل جائے یا بعد از وقت۔

اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن: ۱۶) "حسبِ استطاعت اللہ کا تقویٰ اختیار کرو"

ونیز:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

وضو اور جنابت کے لیے ایک ہی تیمم کافی ہے کیونکہ ان کا بیان ہے کہ میں جنبی ہو گیا تھا اور میرے پاس پانی نہ تھا تو میں جانور کی طرح زمین پر لوٹ لیا۔ پھر جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا بس تمہیں اس قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے یوں کرتے، پھر آپ نے زمین پر اپنے ہاتھ کو مارا اور بائیں ہاتھ کو دائیں پر پھیرا اور پھر دونوں میں پھونک ماری پھر ان کے ساتھ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا۔ وجہ استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "بس تمہیں اسی قدر کافی تھا" اور یہ صیغۂ حصر ہے (ابن حزم نے عدمِ علم کا اظہار کیا ہے، لہٰذا وجود نص کے بعد ابن حزم کا یہی مسلک ہوگا بشرطیکہ واضح طریقے سے ثبوت بہم پہنچ جائے)۔ ابو الاشبال پاکستانی)

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔"

نیز یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام: ۱۲۰)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں، وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں، مگر اس صورت میں کہ تم ناچار ہو جاؤ۔"

ان نصوص کی روشنی میں ثابت ہوا کہ ہم صرف انہی احکامِ شرعیہ کے مکلّف ہیں، جن کی ہمیں استطاعت ہے اور جن احکام کے بجا لانے کی ہمیں استطاعت ہی نہیں، وہ ہم سے ساقط ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے لیے وضو یا تیمم کا ترک کرنا حرام ہے۔ ہاں اضطراری کیفیت ہو تو پھر الگ بات ہے جیسے کہ یہ شخص جس کے پاس نہ مٹی ہے اور نہ پانی، ترکِ طہارت کے سلسلہ میں مضطر ہے تو اس سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا، لہٰذا اس کا ترکِ تطہر حرام نہیں ہوگا نماز کی ادائیگی اور ایمان پر چونکہ اسے قدرت حاصل ہے لہٰذا فریضہ نماز اس سے ساقط نہیں ہوگا، اور جب وہ ایسے ہی نماز پڑھ لے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو اس نے گویا فرمانِ باری کے مطابق ہی نماز ادا کی ہے اور جو حسبِ فرمانِ باری تعالیٰ نماز ادا کرے تو اس کے ذمّہ کچھ باقی نہیں رہتا اور ہم قبل ازیں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ نماز اوّل وقت پر پڑھنا ہی افضل ہے (لہٰذا اسے پانی یا مٹی ملنے کی امید پر نماز کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے!)

امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی یہ صورتِ حال ہو، اسے اس وقت تک اسے نماز ہی نہیں پڑھنا چاہیے، جب تک اسے پانی نہیں مل جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیمم کر سکتا ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لے اور جب اسے پانی میسّر آئے، تو نماز کو دہرانا اس کے لیے ضروری ہوگا اور اگر خدشہ ہو کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کیا تو سردی کے باعث موت واقع ہو جائے گی، تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، نماز ہو جائے گی۔ امام ابویوسفؒ، محمد بن حسنؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اسی حالت میں مٹی و پانی کے بغیر نماز پڑھ لے، جب پانی میسّر آئے تو نماز دہرا لے، اگر شہر میں مٹی مل جائے تو تیمم کر کے پڑھ لے اور جب پانی ملے تو نماز کو دہرانا ضروری ہوگا۔

امام زُفر فرماتے ہیں کہ جو شخص شہر میں مقیّد ہو اور اسے پانی یا مٹی میسّر نہ ہو تو وہ نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ

اُسے پانی میسر آجائے لیکن تیممؒ سے ہرگز نہ پڑھے، جب پانی ملے تو وضو کرے اور فوت شدہ ساری نمازوں کو پڑھ لے۔ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ نہ نماز پڑھے اور نہ دُہرائے۔ اور ابو ثورؒ کہتے ہیں اسی حال میں وہ پڑھ لے جس حال میں وہ ہے اور نہ دُہرائے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول میں تناقض ظاہر ہے کیونکہ آپ شہر میں مریض یا موت سے ڈرنے والے کے علاوہ اور کسی کے لیے تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے، جیسا کہ اس کے لیے بھی وضو اور تیمم کے بغیر نماز جائز نہیں سمجھتے یعنی دونوں میں آپ نے کوئی فرق نہیں کیا، اور پھر دونوں کے مابین یہ فرق کیا ہے۔ حالانکہ آپ کے نزدیک دونوں کی نمازیں جائز نہیں۔ ایک کو تو آپ نے حکم دیا کہ وہ ایسی نماز پڑھ لے جو جائز نہیں اور دوسرے کو آپ نے یہ حکم دیا کہ وہ نماز ہی نہ پڑھے، حالانکہ یہ غلطی ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔ لہٰذا امام صاحب کا یہ قول بالکل ساقط ہو گیا جو کسی سے مخفی نہیں اور پھر آپ کے پاس کوئی دلیل بھی تو نہیں جس کا سہارا لے سکیں!

امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا قول بھی مبنی بر خطا ہے کیونکہ انہوں نے ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو ان کے نزدیک درست نہیں، جب یہ نماز درست ہی نہیں، تو اس کے پڑھنے کا فائدہ؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ (سورۃ محمد: ۳۳) "اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔"

امام زُفرؒ کا قول بھی درست نہیں کیونکہ انہوں نے اُس وقت نماز نہ پڑھنے کے لیے کہا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس وقت نماز پڑھنے کے لیے کہا ہے، جس وقت تک نماز کو مؤخر کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بر وقت نماز کی ادائیگی کے لیے نہایت شدت سے تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حسبِ ذیل آیہ سے ثابت ہوتا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبہ: ۵)

"اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے اس وقت تک راہ کشادہ کرنے کا حکم نہیں دیا جب تک وہ کفر سے تائب ہو کر فریضہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے لگ جائیں، لہٰذا جس حکم کی تاخیر میں اللہ تعالیٰ نے کوئی گنجائش نہیں رکھی، اُسے

مؤخر کرنا جائز نہیں۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ زُفر اور ہر اس شخص کا قول جو نماز مؤخر کرنے کا حکم دیتا ہے فاسد ہے

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ بالکل نماز نہ پڑھے، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ "بے وضو کی اُس وقت تک نماز قبول نہیں جب تک وہ وضو کرے"

نیز آپؐ نے فرمایا:

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃً بِغَیْرِ طَھُوْرٍ "طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی نماز قبول نہیں فرماتا"

ان احادیث کے پیشِ نظر ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کام کے کرنے کا حکم ہی نہیں دیتے جسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، اس وقت چونکہ وہ وضو و طہارت کے بغیر ہے لہٰذا نماز نہ پڑھے اور بعد میں بھی نہ پڑھے کیونکہ اسے مؤخر کرنا بھی حرام ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح ترین قول ہوتا، اگر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ پہنچا ہوتا کہ آپ نے ہم سے ان تمام احکام کی ادائیگی ساقط قرار دے دی ہے جن کی تعمیل کی ہم استطاعت ہی نہیں رکھتے، ہم پر صرف انہی اوامر و احکام کی بجا آوری فرض ہے، جن کی ہمیں قدرت ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶) "جہاں تک ہو سکے، اللہ سے ڈرو"

تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمودات اس شخص کے لیے ہیں جسے وضو و طہارت کی قدرت ہو یعنی جس کے پاس مٹی یا پانی ہو، آپ کے ان ارشادات کا تعلق اس شخص سے نہیں ہے جو وضو اور تیمم پہ قدرت ہی نہیں رکھتا، چنانچہ نصوصِ قرآن و سنّت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن اُمور کے بجالانے کی ہمیں استطاعت ہی نہیں وہ ہم سے ساقط ہیں۔ ہمیں صرف ان کے بجالانے کا حکم ہے جن کی ہمیں طاقت ہے۔ یہ انسان چونکہ اسی طرح نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا تھا لہٰذا اسے ایسے ہی پڑھنا چاہیے، اس پر قضا بھی نہیں ہوگی ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

وہ قضا کیوں دے حالانکہ یہ نص بھی موجود ہے۔

۲۸۰ [جیسا کہ ہم سے عبداللہ بن ربیع نے، ان سے ابن سلیم نے، ان سے ابن الاعرابی نے، ان سے ابوداؤد نے، اُن سے نُفیلی نے، اُن سے ابومعاویہ نے، ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے باپ نے بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسید بن حضیر اور کچھ لوگوں کو اُس ہار کی تلاش میں بھیجا، جو حضرت عائشہؓ سے گم ہو گیا تھا، چنانچہ اسی تلاش کے دوران نماز کا وقت ہو گیا، تو انہوں نے وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی، اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرما دی (ابو داؤد۔ نسائی، کتاب الطہارۃ)۔

۲۸۱۔[ہم سے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری، از زکریا بن یحییٰ از عبد اللہ بن نمیر از ہشام بن عروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے ایک ہار مستعار لیا، جو سفر میں کہیں کھو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا جس نے اسے تلاش کر لیا، ادھر نماز کا وقت ہو گیا اور پانی موجود نہ تھا لہٰذا انہوں نے بلا وضو ہی نماز پڑھ لی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امر کی شکایت کی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرما دی (بخاری، کتاب الطہارۃ)

• پس ثابت ہوا کہ حضرت اُسیدؓ اور دوسرے چند صحابہ کرام کا فعل اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے عین مطابق تھا۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۷۔حالتِ سفر اور پانی کی عدم موجودگی نیز بیماری میں مباشرت جائز ہے

جو شخص سفر میں ہو، پانی پاس نہ ہو یا بیمار ہو اور پانی کا استعمال نقصان دہ ہو اس کے باوجود وہ اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے اور مباشرت بھی کر سکتا ہے حضرت ابنِ عباسؓ، جابر بن زیدؒ، حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ، قتادہ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق، داؤد اور جمہور اصحابِ حدیث کا یہی قول ہے۔

حضرتِ علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عوفؓ اور ابنِ عمرؓ سے ممانعت منقول ہے عطاء کہتے ہیں کہ اگر پانی تک پہنچنے کے لیے تین راتوں یا اس سے کچھ کم کی مسافت ہو تو مباشرت نہ کرے اور اگر چار راتوں کی مسافت ہو تو مباشرت کر لے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ اگر مسافر ہو تو مباشرت نہ کرے اور اگر ہمیشہ ہی سفر میں رہتا ہو (خانہ بدوشوں کی طرح) تو مباشرت کر لے، خواہ پانی پاس نہ ہو۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مسافر ہو اور با وضو ہو تو نہ مباشرت کرے اور نہ بوس و کنار، اگر زخمی ہو اور زخم کا حکم تیمم ہو تو پھر مباشرت بھی کر سکتا ہے اور بوس و کنار بھی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زخم کے باعث

معاملہ طول پکڑ جائے، امام مالکؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر (عورت حائضہ ہو، اس کے ایام ختم ہو گئے ہوں اور وہ) تیمم کر کے نماز پڑھ رہی ہو تو ان حالات میں اس کا خاوند اس سے مباشرت نہ کرے۔ (یعنی وہ طاہر ہوا اور اس نے تیمم کیا ہو غسل نہ کر سکی ہو تو اس کا خاوند مباشرت نہ کرے)!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ عطاء کی تقسیم بلاوجہ ہے کیونکہ اس حد بندی کا قرآن و سنّت سے تعیّن ثابت نہیں ہے زہریؒ کی تقسیم بھی اسی طرح بلاوجہ ہے، امام مالکؒ کے قول کی حیثیت بھی یہی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی تفریق ہے جسے قرآن مجید، سنّتِ رسول (صحیح وسقیم) اجماع، قولِ صحابی، قیاس اور احتیاط کسی چیز نے واجب قرار نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا نام طُہر رکھا ہے اور اس کے ساتھ نماز کو جائز قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آدمی کو فریضۂ زوجیت کی ادائیگی کی طرف رغبت دلائی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کی کہ جس کا حکم غسل اور وضو کا ہو، تیمم کا حکم اس سے مختلف ہے۔

امام ابنِ حزم مزید فرماتے ہیں:

تعجب ہے کہ امام مالکؒ جنابت، وضو اور حیض کے لیے ایک ہی تیمم کافی سمجھتے ہیں اور پھر جس ناپاک یا حیض والی عورت نے تیمم کے ساتھ طہارت حاصل کی ہو اس سے مباشرت کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہُوا کہ آپ کے نزدیک یہ دو الگ الگ عمل ہیں اور جب دو الگ الگ عمل ہیں، تو پھر ان سے ایک ہی تیمم کیونکر کفایت کر سکے گا؟

جو حضرات اس صورت میں مباشرت سے روکتے ہیں، ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو عورتوں کو ہمارے لیے کھیتی اور لباس بنایا اور بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کا ہمیں حکم دیا ہے، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم اُٹھانے والے کے لیے واجب قرار دیا ہے کہ وہ مدّتِ مقررہ کے اندر اپنی بیوی کے پاس جائے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے مباشرت کرنے والے کو غسل اور مُحدث کو وضو کا حکم دیا ہے، جب پانی موجود ہو اور اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر انہیں تیمم کا حکم دیا ہے، ان میں سے کسی عمل کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کوئی ایک دوسرے کی نسبت زیادہ باعثِ طہارت و اتمامِ نماز ہے، تو معلوم ہُوا کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے لہٰذا کوئی معنی نہیں کہ جسے تیمم کا حکم ہو اسے وطی سے روکا جائے، جیسا کہ اسے نہیں روکا جا سکتا جس کے

لیے غسل کا حکم ہو کیونکہ نص کے اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں، یہ نہیں کہ ان میں سے ایک اصل اور دوسرا فرع ہے بلکہ قرآن مجید میں دونوں کو یکساں بیان کیا گیا ہے ۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۴۸۔ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے

یہ جائز ہے کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بنے، اور وضو کرنے والا تیمم کرنے والوں کا، اور مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کا، اور پاؤں دھونے والا مسح کرنے والوں کا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے فرض کو ادا کیا ہے، کوئی دوسرے کی نسبت زیادہ طہارت کا حامل نہیں ہے اور نہ کسی ایک کی دوسرے کی نسبت نماز زیادہ مکمل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے، تو جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو وہ نماز پڑھائے" اس کے علاوہ آپ نے اور کوئی تخصیص نہیں فرمائی اگر اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی قابل ہوتی تو آپ اسے بھی یقیناً بیان فرما دیتے اور اسے مہمل نہ چھوڑتے۔ حاشا اللہ عن ذلک۔

اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، زفرؒ، سفیانؒ، شافعیؒ، داؤد ظاہریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور ابوثورؒ کا ہے نیز حضرت ابن عباسؓ، عمار بن یاسرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے، اور یہی قول سعید بن مسیبؒ، حسنؒ، عطاءؒ، زہریؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ کا بھی ہے۔

مانعین حضرت علی بن ابی طالب سے اس کی ممانعت مروی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کو اور مقید آزاد لوگوں کو نماز نہ پڑھائے۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ جنابت کے باعث تیمم کرنے والا صرف اپنے جیسے لوگوں کی امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے، یحییٰ بن سعید انصاریؒ کا بھی یہی قول ہے، محمد بن حسنؒ اور حسن بن حیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص امام نہ بنے، امام مالکؒ اور عبیداللہ بن حسن[1] نے مکروہ سمجھا ہے، ہاں اگر نماز پڑھا دے تو وہ ہو جائے گی۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ایسا شخص حاکم ہے تو وہ پڑھا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

---

[1] عُبَیدُاللہ۔ تصغیر کے ساتھ ۔۔۔ بن حسن عنبریؒ قاضی اور فقیہ تھے، بصرہ میں منصب قضا پر فائز رہے، علم و فقہ کے اعتبار سے بصرہ کی سرکردہ شخصیتوں میں سے تھے، ۱۰۵ھ میں ولادت اور ذوالقعدہ ۱۶۸ھ میں وفات ہوئی۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مُمانعت یا کراہت کی قرآن وسُنّتِ رسُول اور اِجماع وقیاس سے کوئی دلیل نہیں، اسی طرح جن حضرات نے تقسیم کی ہے یعنی اگر یہ صورت ہو تو پڑھا سکتا ہے اور وہ ہو تو نہیں پڑھا سکتا، یہ تقسیم بھی بلا دلیل ہے۔

۲۴۹ جُنبی، حائضہ کس طرح تیمّم کریں؟

جُنبی، حائضہ اور ہر وہ شخص جس پر غُسل واجب ہو وہ اُسی طرح تیمّم کرے جیسے مُحدِث کرتا ہے یعنی تیمّم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت عُمر بن خطّاب اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جُنبی شخص تیمّم نہ کرے، جب پانی ملے تو غُسل ہی کرے۔ اَسْوَد اور ابراہیم سے بھی یہی قول مروی ہے جیسا کہ

۲۸۲ - [ہم سے محمد بن سعید بن نبات نے بیان کیا، اُن سے احمد بن عبدالبصیر نے، ان سے قاسم بن اَصبغ نے، اُن سے محمد بن عبدالسلام خشنی نے، ان سے محمد بن بشار نے، ان سے محمد بن جعفر نے، ان سے شعبہ نے از واصل اَحدب اور حکَم بن عُتَیبہ] واصل نے کہا کہ مَیں نے ابو وائل سے سُنا، وہ کہتے تھے کہ حضرت عُمر بن خطّاب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ — جو دونوں ہی مجھ سے بہتر ہیں — فرماتے تھے کہ "اگر جُنبی پانی نہ پاتے، تو وہ نماز نہ پڑھے" لیکن اگر مجھے پانی نہ ملے تو مَیں تیمّم کر کے نماز پڑھ لُوں گا۔

حکَم کہتے ہیں کہ مَیں نے ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا کہ جب آپ حالتِ جنابت میں ہوں اور پانی نہ ملے تو؟ انہوں نے فرمایا کہ مَیں نماز نہیں پڑھوں گا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا یہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ "اگر مجھے حالتِ جنابت میں ایک ماہ تک پانی نہ ملے، تو مَیں نماز نہیں پڑھوں گا"؟ انہوں نے کہا جی ہاں بلکہ اَسْوَد نے بھی یہی کہا ہے۔

ان دونوں کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ یہ فرماتے ہیں کہ جُنبی تیمّم کرلے۔

۲۸۳ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از مسدد از یحییٰ بن سعید قطان از عوف ابن ابی جمیلہ از ابو عطاء عُطارِدی بیان کیا کہ] حضرت عمران بن حُصَینؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے، پھر انہوں نے حدیث بیان کی، اس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھائی، جب آپ نے

نماز سے فراغت کے بعد صحابۂ کرام کی طرف رُخ پھیرا تو آپ نے ایک شخص کو الگ تھلگ دیکھا جس نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کیا میں حالتِ جنابت میں ہوں اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا "مٹی کو لازم پکڑو۔ وہ تمہارے لیے کافی ہے" یعنی مٹی سے تیمم کر لو۔ (بخاری ونسائی، کتاب الطہارۃ)

جن حضرات نے ابن مسعودؓ کے قول کو اپنایا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ: آیت ۶)

"اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو۔"

یعنی جُنبی کو صرف غُسل ہی کا حکم دیا ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمودات باری تعالیٰ کی توضیح وتشریح فرمائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا منصب یہ بیان فرمایا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

"تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

"جو شخص رسُول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔"

اور یہ بھی فرمایا: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳-۴)

"اور (رسُول دین میں) کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وحی الہٰی ہے۔"

اور آپ نے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں جُنبی کے لیے تیمُّم کا حکم ہے۔

اگر یہ حضرات اس حدیث کا تذکرہ کریں جسے

۲۸۴ ——————— [ہم نے بطریق محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن عبد السلام خشنی، از محمد بن بشار، از محمد بن ابی عدی، از شعبہ از مخارق بن عبد اللہ روایت کیا کہ] حضرت طارق بن شہابؓ[1] سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے

[1] طارق بن شہاب کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کا شرف حاصل کیا ہے۔

عرض کیا یا رسول اللہ! میں جُنبی تھا لہٰذا میں نے نماز نہیں پڑھی، آپؐ نے فرمایا "بہت اچھا"، پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا میں جُنبی تھا لہٰذا میں نے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے، آپؐ نے فرمایا "بہت اچھا"۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ خبر صحیح ہے، مُخارِق ثقہ اور تابعی ہیں اور طارق صحابی ہیں اور صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو شرفِ صحبت نصیب ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ اب اس خبر سے متعلق ہم یہ عرض کریں گے کہ جس شخص نے نماز نہیں پڑھی تھی، اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس وقت اس تیمّم کا حکم ہے اور شرعی احکام کے مطابق اسی وقت عمل کرنا لازم ہوتا ہے جب ان کا علم ہو جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَنۢ بَلَغَ (الانعام: ۱۹)

"اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے گا، آگاہ کر دوں"۔

اور جس نے تیمّم کیا اسے معلوم تھا کہ اس حالت میں اس پر تیمّم کرنا ہی فرض ہے لہٰذا اسے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز ہی نہیں تھا۔ جُنبی جب پانی نہ پائے تو اُس وقت اس پر یا تو تیمّم فرض ہو گا یا نہیں ہو گا، اگر فرض ہو گا تو اسے فرض نہ سمجھنے والے خطا کار ہوں گے اور اگر فرض نہیں ہو گا، تو وہ خطا کار ہو گا جس نے تیمّم کیا تھا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں تیمّم کرنا ہی فرض ہے جیسا کہ ہم حدیثِ عمران بن حُصینؓ کی روشنی میں قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں لہٰذا ہماری بات درست ہوتی کہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ایک کو علم نہ تھا لہٰذا اس نے

۞ لیکن سماع کا نہیں، تہذیب، ج ۵، ص ۴۔ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور خلافتِ صدیقؓ میں جہاد میں حصّہ لیا۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۴۲۔ مُسندُ الطیالسی، ص ۱۸۰۔ الاستیعاب، ص ۲۲۰ باسناد صحیح۔

امام ابن حزمؒ نے جو یہ فرمایا کہ یہ صحابی ہیں اور ان کا شرفِ صحبت صحیح ہے، کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے طیالسیؒ نے ص ۱۸۱ میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں شعبہ نے مُخارِق سے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ میں نے طارقؓ بن شہاب سے سنا، فرماتے تھے کہ وفد بُجیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا "ابدأ بالاحمسین" اور ہمارے لیے دعا فرمائی۔" اس انداز میں کسی واقعہ کی حکایت وہ بیان کر سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور جس نے گفتگو سنی ہو۔ جیسا کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور راجح بھی یہی ہے۔ طارق کو صحابی ماننے کی صورت میں مُخارِق تابعی ہوں گے۔

نہ کیا اور دوسرے کو چونکہ یہ حکم معلوم تھا لہٰذا وہ اسے بجا لائے۔

حائضہ عورت اور ہر وہ شخص جس پر غسل واجب ہو تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کر آئے ہیں کہ "زمین کو ہمارے لیے مسجد اور جب تک پانی نہ پائیں اس کی مٹی کو طہور بنا دیا گیا ہے" لہٰذا ہر وہ شخص جسے طہارت کا حکم ہو، جب پانی نہ پائے تو مٹی کا استعمال اسے کافی ہے جیسا کہ اس خبر کے نص کے عموم سے ثابت ہوا۔

۲۵۰۔ تیمّم کس طرح کرے؟ تیمّم جنابت کے لیے ہو یا حیض کے لیے، کسی بھی فرض غسل کے لیے ہو یا وضو کے لیے، الغرض ہر طرح کے تیمّم کا طریقہ ایک ہی ہے ہر قسم کے لیے سب سے پہلے واجب یہ ہے کہ وہ اس بات کی نیت کرے کہ وہ کس مقصد کے لیے تیمّم کر رہا ہے، طہارتِ نماز کے لیے، جنابت یا اندامِ نہانی میں آلۂ تناسل کے دخول کے بعد حیض سے طہارت کے لیے، نفاس کے باعث، جمعہ کے دن کے لیے، یا غسل میّت کی وجہ سے، پھر اس نیت کے ساتھ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارے، پھر ان میں پھونک مارے اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کے باہر کے حصّہ اور پہونچوں پر مسح کرلے صرف ایک بار (کافی ہے)۔ سارے چہرہ اور ساری ہتھیلیوں پر ہاتھوں کا مسح ضروری نہیں ہے۔ تیمّم میں بازوؤں، سر، پاؤں اور جسم کے کسی دوسرے حصّہ پر مسح کرنا بھی ضروری نہیں۔

وُجُوبِ نیّت کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ[1] فرماتے ہیں کہ وضو اور غسلِ جنابت بغیر نیت کے درست ہے لیکن ان دونوں کے لیے تیمّم بغیر نیّت کے درست نہیں۔ حسن بن حی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ نیّت کے بغیر درست ہے۔

ہم نے جو یہ کہا تھا کہ جنابت، حیض، نفاس اور دیگر سب اُمور کے لیے تیمّم کی صورت ایسی ہی ہوگی جیسی کہ رفع حدث کے لیے ہوتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ غسل اور تیمم پر گفتگو کرنے والے ائمہ وفقہاء میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

تیمّم میں سر، پاؤں اور دیگر تمام جسم کے مسح کے سقوط پر یقینی طور پر اجماع ہے، ہاں حضرت عمار بن یاسرؓ

---

[1] مصری نسخہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بجائے ابو یوسف ہے۔

نے آنحضرت صلّی اللہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ میں جو عمل کیا تھا، اس سے آپؐ نے منع فرما دیا تھا۔

تیمّم کے سارے مسائل مُختلَف فیہ ہیں: مثلاً کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تیمّم کے لیے ہاتھوں کا زمین پر دو بار مارنا ضروری ہے۔ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سارے چہرے اور ہاتھوں پر تیمّم کے لیے مسح کرنا چاہیے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھوں کا بغلوں تک اور بعض دیگر کہتے ہیں کہ کہنیوں تک مسح کرنا چاہیے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تیمّم کے لیے دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں اور بازوؤں کی کہنیوں تک کے لیے، ان کا اِستدلال درجِ ذیل احادیث سے ہے:

۱۔بطریق حضرت ابو اُمامہ باہلی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تیمّم کے لیے دو ضرب ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے!

۲۔بطریق حضرت عمّار بن یاسرؓ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "کہنیوں تک" یعنی ضربِ ثانی سے کہنیوں تک مسح کرو۔

۳۔بطریق حضرت ابنِ عمرؓ ایک حدیث ہے کہ ایک شخص نے ایک گلی میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا، پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور ان کے ساتھ اپنے چہرہ پر مسح کیا، پھر دوبارہ ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور اپنے بازوؤں کا مسح کیا، پھر آپؐ نے اس آدمی کے سلام کا جواب دیا اور آپؐ نے فرمایا سلام کا جواب دینے سے مجھے یہ امر مانع تھا کہ میں طہارت سے نہیں تھا۔

۴۔حدیثِ اَسلع سے بھی ان کا اِستدلال ہے، اسلع خاندانِ بنی اعرج بن کعب کے ایک فرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ میں حالتِ جنابت میں ہوں، آپؐ نے سکوت فرماتے رکھا اور کچھ جواب نہ دیا، حتّٰی کہ جبریلؑ آپؐ کے پاس مٹی لے آئے (آپؐ نے وہ مجھے دیتے ہوئے فرمایا) اسلع کھڑے ہو جاؤ، اور یہ لے کر چلے جاؤ، پھر آپؐ نے مجھے تیمّم کا طریقہ سکھایا تو آپؐ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ایک کے ساتھ دوسرے کو رگڑا، پھر دونوں میں پھونک ماری اور پھر اپنے دونوں بازوؤں کے ظاہر و باطن پر مسح کیا۔

۵۔حدیثِ ابی ذرؓ سے بھی انہوں نے اِستدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دونوں ہاتھوں

کو زمین پر رکھا اور ان میں پھونک ماری، پھر اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا (لیکن اس حدیث میں ایک ہی ضرب کا ذکر ہے)۔

۶۔ حدیثِ ابنِ عمرؓ سے بھی ان کا استدلال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں یعنی کہنیوں تک کے لیے ہے۔

۷۔ واقدی سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ہے"

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب، جابرؓ بن عبداللہ اور ابن عمرؓ کے فتاویٰ اور افعال سے ثابت ہے کہ تیمّم کے لیے دو ضرب ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ نیز ان کا استدلال اس سے بھی ہے کہ تیمّم وضو کا بدل ہے جب وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کے لیے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے، تو تیمّم میں بھی ایسے ہی واجب ہے اور جب وضو میں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے، تو تیمّم میں بھی جو وضو کا بدل ہے کہنیوں تک ہونا چاہیے۔

یہ تمام دلائل جن سے انہوں نے اپنے مسلک کے اثبات کی کوشش کی ہے وہ سب ناقابلِ حجت ہیں۔ کیونکہ یہ ساری روایتیں ساقط الاعتبار ہیں ان میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں۔

حدیثِ ابی اُمامہ ہم تک بطریق ابنِ وہب، از محمد بن عمرو یافعی[۲]، از شخصے، از جعفر بن زبیر، از قاسم بن عبدالرحمٰن[۱] از ابی اُمامہ پہنچی ہے، پس اس میں دو علّتیں ہیں، ایک تو یہ کہ قاسم ضعیف ہے اور دوسری یہ کہ محمد بن عمرو نے اُس شخص کا نام نہیں لیا جس نے اسے جعفر بن زبیر سے بیان کیا ہے بعض لوگوں نے تدلیس سے کام لیتے ہوئے "محمد بن عمرو از جعفر" ذکر کر دیا ہے حالانکہ محمد نے جعفر بن زبیر[۲] کو نہیں پایا لہٰذا یہ روایت بالکل ساقط ہو گئی۔

---

[۱] مصری نسخہ میں قاسم بن عبداللہ ہے، جو خطا ہے کیونکہ یہ قاسم بن عبدالرحمٰن شامی دمشقی ہے، ثقہ ہے، ان کی صرف اُن احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے، جو ان سے ضعیف راویوں نے روایت کی ہیں مثلاً جعفر بن زبیر وغیرہ، ابن حزم کا مطلقاً انہیں ضعیف قرار دینا مناسب نہیں۔

[۲] بلکہ ضعفِ حدیث اسی جعفر بن زبیر دمشقی کی طرف سے ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ قاسم وغیرہ سے موضوع چیزیں روایت

حدیثِ عمار ہم نے بطریق آبان بن یزید عطّار از قتادہ از یکے مُحدّث از شعبی از عبدالرحمٰن بن اَبزی، از عمار روایت کیا ہے، قتادہ نے اُس شخص کا نام نہیں لیا جس نے ان سے بیان کیا ہے۔ نیز عمار سے جو اخبار ثابتہ ہیں، وہ سب کی سب اس کے خلاف ہیں، لہٰذا یہ خبر بھی ساقط ہوتی۔

حدیثِ ابنِ عمرؓ ہم تک بطریق محمد بن ابراہیم موصلی، از محمد بن ثابت عبدی[1]، از نافع از ابنِ عمرؓ پہنچی ہے۔ اس سند میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہے، اس کی حدیث کو بطورِ حُجّت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ان کے خلاف حُجّت ہو گی کیونکہ اس میں حضر میں تندرست آدمی کے لیے تیمّم کرنے، سلام کا جواب دینے کے لیے تیمّم کرنے اور بغیر طہارت میں سلام کا جواب نہ دینے کا ذکر ہے اور یہ حضرات ان میں سے کسی کے بھی قائل نہیں۔

یہ بُری بات ہے کہ آدمی ایسی چیز سے استدلال کرے جسے نہ وہ خود حُجّت سمجھتا ہو اور نہ اس کا مدِّمقابل؛ اور اُس کا ایسی چیز سے استدلال جس کا وہ خود پہلا مخالف ہے، بڑی عجیب بات ہے، یعنی اگر یہ خبر کہنیوں تک تیمّم کرنے کے سلسلہ میں حُجّت ہے تو پھر طہارت کے بغیر سلام کا جواب نہ دینے کے لیے بھی حُجّت ہے، سلام کا جواب دینے کے لیے شہر کی دیواروں پر تیمّم کرنے کے سلسلہ میں بھی حُجّت ہے، اور اگر ان مسائل میں حُجّت نہیں تو جو یہ استدلال کرتے ہیں، اس کے لیے بھی حُجّت نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ آپ نے یہ استحباب کے پیشِ نظر ایسا کیا تھا، تو ہم کہیں گے کہ دو بار تیمّم کرنے اور کہنیوں تک تیمّم کرنے کو بھی استحباب پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس یہ خبر بھی ساقط ہو گئی۔

کرتا ہے، قاسم از ابی اُمامہ اس نے ایک موضوع نسخہ بھی روایت کیا ہے۔ شُعبہ کہتے ہیں کہ اُس نے چار سو جھوٹی حدیثیں وضع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہیں۔

[1] محمد بن ثابت عبدی کی روایت کو ابو داؤد، ج ۱ ص ۱۲۹ اور بیہقی نے ج ۱ ص ۲۰۶ میں روایت کیا ہے، اس پر کلام کے لیے ان دونوں کتابوں اور نصب الرایہ ج ۱ ص ۹، کو ملاحظہ فرمایئے اور یہ حدیث ابنِ عمرؓ سے مرفوعاً اس سے زیادہ صحیح طُرق سے بھی مروی ہے۔

حدیثِ اسلع بھی حد درجہ ساقط ہے کیونکہ یہ ہمیں بطریق یحییٰ بن عبدالحمید حمانی، از عُلیلہ[1] ربیع پہنچی ہے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ اَسلع[2] سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سب جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ حیثیت نہیں رکھتے اور بالکل ناقابلِ حجت ہیں۔

حدیثِ ابی ذر بطریقِ ابن جُریج، از عطاء از شخصے از ابوذر مروی ہے۔ اور یہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس شخص کا جس نے ابوذر سے بیان کیا نہ ہمیں علم ہے کہ وہ کون ہے اور نہ آپ کو علم ہے، پس یہ خبر بھی ساقط ہوئی۔

ابن عمرؓ کی دوسری حدیث بطریقِ شبابہ بن سوار، از سلیمان بن داؤد حرانی[3]، از سالم و نافع از ابن عمر ہے —— سلیمان بن داؤد حرانی ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے۔

حدیثِ واقدی اس قدر ساقط ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ واقدی کذب میں مشہور ہے اور پھر یہ روایت مرسل بھی ہے لہٰذا سب آثار ساقط الاعتبار ثابت ہوئے۔

اگر ان حضرات کا حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور جابرؓ کے اقوال سے استدلال کرنا درست ہے، تو پھر حضرت عمرؓ اور ابنِ مسعودؓ کا یہ قول بھی ثابت ہے کہ جنبی تیمم نہ کرے، خواہ وہ مہینہ بھر پانی نہ پائے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ،

---

[1] عُلَیلہ۔ عینِ مُہملہ پر ضمہ اور دونوں لاموں پر فتح اور دونوں کے درمیان یا ہے، یہ ربیع کا لقب ہے، ربیع ضعیف ہے ثقہ نہیں۔ اس کے باپ کا نام بدر ہے۔

[2] اَسلع کی شخصیت اور اس کی صحبت محلِ نظر ہے کیونکہ اس سے صرف اسی کمزور طریق ہی سے روایت کی گئی ہے۔ اس کی حدیث کو بیہقی نے ج ۱ ص ۲۰۸ میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے، ابن حجر نے الاصابہ ج ۱ ص ۲۴-۲۵ میں اس روایت کو طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے، اس حدیث اور اسلع پر کلام کے سلسلہ میں بھی الاصابہ کا مذکورہ مقام ملاحظہ فرمایئے۔

[3] حرانی، را کے ساتھ ہے۔ مصری نسخہ میں دونوں جگہوں پر حدانی ہے جو خطا ہے۔ ہم نے مستدرک، لسان المیزان ج ۳ ص ۹۰، اور المشتبہ ص ۶۱ سے تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے ج ۱ ص ۱۸۰ میں روایت کیا ہے۔ اسے شواہد میں حاکم نے پیش کیا ہے، یعنی بطورِ حجت پیش نہیں کیا اور اس میں سلیمان بن ابی داؤد الحرانی ہے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۶۹ میں بھی ایسے ہی ہے لیکن یہاں جو ہے یہی درست ہے۔

عمرؓ، ابن مسعودؓ، اُمّ سلمہؓ اور کئی دیگر صحابہ کرام کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ عمامہ پر مسح کے قائل تھے لیکن ان حضرات نے اس قول کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، آخر کیا بات ہے کہ جہاں یہ چاہیں تو ان حضرات کا قول حُجّت ہے اور جہاں یہ نہ چاہیں ان کا قول حُجّت نہیں ہے۔ یہ طرزِ عمل تو آخرت میں باعثِ نار اور دُنیا میں باعثِ عار ہے اور پھر اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ، آپ کے صاحبزادےؓ اور حضرت جابرؓ کی حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابنِ مسعود، عمّار اور ابنِ عباسؓ نے مخالفت کی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ان کا اِستدلال بھی ساقط ہُوا۔

ان کا یہ قول کہ تیمّم وضو کا بدل ہے، تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ بدل ہے تو پھر کیا ہُوا؟ اور یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ بدل کا مبدل منہ کی صفت کے مطابق ہونا ضروری ہے؟ اور اگر اسے درست مان بھی لیا جائے تو سب سے پہلے آپ ہی اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ سر کا مسح اور پاؤں کا دھونا وضو میں فرض ہے لیکن تیمم میں آپ نے اسے ساقط قرار دے دیا، غسلِ جنابت میں سارے جسم کو دھونا فرض ہوتا ہے لیکن آپ نے سارے جسم کو ساقط کر دیا۔ اسی طرح آپ حضرات نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ وُضو کرتے وقت اعضا تک پانی پہنچایا جائے لیکن تیمّم کرتے ہُوئے چہرے یا ہاتھوں تک مٹی کا پہنچانا واجب قرار نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے وضو اور غُسل میں نیت کو ساقط قرار دیا ہے لیکن تیمّم میں واجب، تو یہاں بھی بدل اور مبدل منہ میں مناسبت نہ رہی، پھر یہ تو بتاؤ کہ قرآن و سُنّتِ رسُولؐ یا اجماع میں تم نے یہ کہاں دیکھا ہے کہ بدل، مبدل منہ کی صفت کے مطابق ہوتا ہے؟ یہ تو محض فاسد اور کاذب دعویٰ کے سوا کچھ نہیں!

ہم تو دیکھتے ہیں کہ ظہار[1]، قسم، قتلِ خطاء اور رمضان میں روزے دار کے دن کو عمداً جماع کرنے کا کفّارہ، ایک گردن آزاد کرنا تھا لیکن پھر اس کے عوض و بدل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کفّارۂ قسم میں تین روزے اور قتل، جماع اور ظہار میں مسلسل دو ماہ کے روزے مقرر کر دیئے اور پھر اس کے بدل کے طور پر ظہار و جماع میں ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانا مقرر کر دیا، لیکن کفّارۂ قتل میں یہ بدل (کھانا کھلانا) نہیں رکھا۔ (تو ان مثالوں سے معلوم

[1] کسی شخص کا اپنی بیوی کو ماں، بہن کہہ دینا۔ (مترجم)

ہُوا کہ بدل اور مبدل منہ کے لیے ایک ہی صفت کا ہونا ضروری نہیں)۔

اگر یہ کہیں کہ ہم تیمم کو وضو پر قیاس کر لیتے ہیں تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سب کا سب باطل ہے اور اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے۔ ہاتھوں کے جس حصہ پر تیمم کیا جاتا ہے، اسے تم نے ہاتھوں کے اس حصہ پر قیاس کیوں نہ کر لیا جسے چوری کے جُرم میں کاٹا جاتا ہے؛ جیسا کہ تم نے نکاح میں آزاد عورت کے فرج کو حلال قرار دینے کے لیے یہ ترک کر دیا کہ اسے اس رقم پر قیاس کرتے جس کے ذریعہ بیع کے ساتھ لونڈی کے فرج کو حلال قرار دیا جاتا ہے بلکہ اسے تم نے اس رقم پر قیاس کر لیا جسے چُرانے کے باعث چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

خصوصاً نص اور اجماع کی روشنی میں تم خود وضو اور تیمُّم میں یہ فرق کر چکے ہو کہ تیمم میں سر کا مسح اور پاؤں کا دھونا ساقط ہیں جبکہ وضو میں ساقط نہیں ہیں۔ اس طرح سارے جسم کا تیمم ساقط ہے لیکن غسل جنابت میں سارے جسم کا دھونا فرض ہے؛ ان حضرات سے یہ بھی کہا جاتے گا کہ تیمم میں اللہ تعالیٰ نے سر اور پاؤں کے ذکر سے جو سکوت فرمایا ہے، اسے تو تم نے اس بات کی دلیل بنایا کہ یہ تیمّم میں ساقط ہیں لیکن وضو میں اس سکوت کو تم نے دلیل نہیں بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو سکوت فرمایا ہے اور تیمّم کے سلسلے میں کہنیوں کا ذکر نہیں کیا تو کُہنیوں تک تحدید کی کیا ضرورت ہے۔ اس سکوت کو بھی تم نے اس بات کی دلیل کیوں نہ بنا لیا کہ کُہنیاں بھی تیمّم میں ساقط ہیں، تم اسے وضو پر کیوں قیاس کرتے ہو؛ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے کفّارۂ ظہار میں ادا کی جانے والی گردن کے دین سے سکوت کو اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ اس کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں، انہوں نے اسے کفارۂ قتل کے سلسلہ میں آزاد کی جانے والی گردن کے دین پر قیاس نہیں کیا۔ جب تم وضو کے لیے تیمم کو وضو پر قیاس کرتے ہو تو جنابت کے لیے تیمّم کو جنابت پر قیاس کیوں نہیں کرتے اور سارے جسم کے تیمّم کو ضروری کیوں نہیں سمجھتے۔ امید ہے کہ ہمارے پیش کردہ ان اعتراضات سے یہ ہرگز خلاصی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وَبِاللّٰہِ تعالیٰ التوفیق!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تیمُّم کے لیے دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب صرف ہتھیلیوں کے لیے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے (جسے ہم نے

[بطریقِ حرمی بن عمارہ، از حریش بن خریت ـــــ جو زبیر بن خریت کے بھائی ہیں ـــــ از عبداللہ بن ابی ملیکہ روایت کیا ہے کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آیتِ تیمّم (المائدہ: ۶) نازل ہوئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ ہاتھ مارا اور اس کے ساتھ اپنے چہرے کا مسح کیا۔ پھر دوسری مرتبہ زمین پر ہاتھ مارا اور اس کے ساتھ اپنی ہتھیلیوں کا مسح کیا۔[1]

اور دوسری حدیث وہ ہے [جسے ہم سے بطریق شبابہ بن سوار، از سلیمان بن داؤد حرّانی، از سالم و نافع بیان کیا کہ] حضرت ابنِ عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیمّم کے سلسلے میں فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہتھیلیوں کے لیے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی پیش کردہ یہ دو روایتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں کیونکہ ایک تو بطریقِ حریش بن خرّیت ہے جو ضعیف ہے اور دوسری روایت کی سند میں سلیمان بن داؤد حرّانی ضعیف ہے۔

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے کُہنیوں تک ہے، ان میں حضرت حسن بصریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، نیز سُفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن حیؒ، شافعیؒ اور ابو ثورؒ شامل ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہاں اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس کے خلاف کوئی حکم ثابت ہو جائے، تو ہم بھی اس کے قائل ہو جائیں گے۔ شَعبیؒ سے اس ضمن میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تیمّم کُہنیوں تک ہو۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ کی کلائیوں تک تیمّم کرے تو حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اسے اسی وقت نماز دُہرانا ہوگی!

---

[1] زیلعی نے اس روایت کو "نصب الرایہ" ج ۱ ص ۹۷ میں "مسند بزار" کی طرف منسوب کیا ہے۔ الفاظ یہ نہیں لیکن معنی اس کے مطابق ہے۔ نیز بزار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت اس کے علاوہ کسی اور طریق سے بھی مروی ہو۔ حریش بصرہ کا رہنے والا اور زبیر بن خریت کا بھائی ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث کو "کامل" میں بیان کیا ہے اور امام بخاریؒ سے سنداً بیان کیا ہے کہ حریش بن خریت "فیہ نظر"۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے حال کو نہیں جانتا لہٰذا اس کی حدیث کا اعتبار نہیں کرتا۔ اور "تہذیب" میں بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ یہ صالح ہوگا اور یحییٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "لیس بہ بأس" یعنی اس میں کوئی حرج نہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تیمم کندھوں تک ہونا چاہیے، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو [ہم نے بطریق عباس بن عبدالعظیم ازعبداللہ بن محمد بن اسماء بن عُبَید، از عم خود جویریہ بن اسماء، از مالک بن انس، از زُہری، از عُبَیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ، از پدر خود روایت کیا کہ] حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیمّم کیا تو اپنے چہروں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا کندھوں تک مسح کیا۔

مذکورہ حدیث [ہم نے بطریق یعقوب بن ابراہیم بن سعد، از پدر خود از صالح بن کیسان از زہری از عُبَیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود، از ابن عباسؓ بھی روایت کیا کہ] حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے آیت تیمم کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے، اُنہوں نے زمین پر اپنے ہاتھ مارے، پھر ہاتھوں کو اُٹھا لیا اور ہاتھوں میں مٹی نہیں پکڑی، پس چہروں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا کندھوں تک، اور ہاتھوں کی اندرونی طرف سے بغلوں تک مسح کیا۔

اس حدیث کو ہم نے بطریق سُفیان بن عُیَینہ، از زُہری، از عُبَیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ، از پدر خود، از عمار بھی روایت کیا ہے۔ اور اسی سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمار اور زُہری کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز بطریق سلیمان بن حرب الواشحی، از حماد بن زید از ایوب سختیانی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے زُہری سے سُنا فرماتے تھے کہ تیمم کندھوں تک ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے لیکن اس نص میں یہ بیان مذکور نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا تاکہ معلوم ہو سکے کہ تیمّم کا حکم اور فرض یہی ہے یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معلوم کر کے اس طرح تیمم کرنے کو برقرار رکھا، تاکہ معلوم ہو کہ یہ مندوب و مستحب طریقہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا عمل حُجّت نہیں۔ اس انسان پر تو بہت ہی تعجّب ہے جو حضرت عمرؓ کا صحابۂ کرام کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ سے جمعہ کے لیے آنے کے مُتّصل ہی غُسل نہ کرنے پر باز پُرس کو وجوبِ غُسل کے اِبطال کے لیے حُجّت سمجھتا ہے حالانکہ یہ خبر وجوبِ غُسل کی مؤکد اور ترک کی مُنکر تھی، لیکن پھر مسلمانوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کندھوں تک تیمم کو وجوب کے لیے حُجّت نہیں سمجھتا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب یہ آثار حُجّت نہیں اور لوگوں کا اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے جیسا کہ ہم

ذکر کر چکے ہیں تو ہم پر قرآن اور سنّتِ رسول کی طرف رجوع واجب ہو گیا کیونکہ اختلاف اور تنازع کو دور کرنے کے لیے ہمیں یہی حکم ہے، چنانچہ جب ہم کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں یہ ارشاد باری تعالیٰ ملتا ہے:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۔ (المائدہ: ۶)

"پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمم) کر لو۔"

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے علاوہ اور کسی اعضاء کا ذکر نہیں کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوتا کہ ہم کہنیوں تک اور سر اور پاؤں کا بھی مسح کریں، تو اسے بھی یقیناً فرما دیتا۔ جیسا کہ وضو میں بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ ہم تیمم جنابت میں سارے جسم کا مسح کریں، تو وہ اس کی بھی وضاحت فرما دیتا، جیسا کہ اُس نے غسل کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کے سوا کسی اور اعضاء کا ذکر ہی نہیں کیا، تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں بازوؤں، سر، پاؤں اور سارے جسم کا اضافہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا اور کسی اعضاء کا تیمم میں مسح لازم قرار نہیں دیا۔ ہتھیلیاں وہ کم سے کم حصّہ ہے جس پر ہاتھوں کا اطلاق ہوتا ہے سُنّتِ ثابتہ سے ۔۔ جھوٹی گھڑی ہوئی روایتوں سے نہیں ۔۔ بھی یہی ثابت ہے کہ تیمم میں مسح صرف ہتھیلیوں کا ہے جیسا کہ: ۲۸۴ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری از بخاری، از محمد بن کثیر، از شعبہ از حکم بن عتیبہ از ذر بن عبداللہ مرہبی از سعید بن عبدالرحمٰن بن اُبزیٰ از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت عمّار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے کہا کہ میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو لیا تھا۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تمہیں چہرہ اور ہتھیلیوں پر تیمم کرنا ہی کافی تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔

۲۸۵ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از یحییٰ بن یحییٰ و ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن عبداللہ بن نمیر، یہ سب از ابو معاویہ، از اعمش بیان کیا کہ] حضرت شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا......

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کیا آپ نے عمّارؓ کی بات سُنی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا تھا تو میں وہاں جُنبی ہو گیا، پانی بھی موجود نہیں تھا، تو میں زمین میں اس طرح

لوٹ پوٹ ہُوا، جس طرح جانور لیٹتا ہے، پھر جب میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا تو میں نے اس کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا تمہیں اسی قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح کر لیتے، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، پھر بائیں کے ساتھ دائیں کا مسح کیا نیز ہتھیلیوں کی باہر کی جانب اور چہرے پر مسح کیا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

۲۸۶۔[اسی سند کے ساتھ امام مسلم تک اور پھر از عبداللہ بن ہاشم عبدی، از یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ، از حکم، از ذر بن عبداللہ از سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ، از پدر خود بیان کیا کہ] ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میں حالتِ جنابت میں ہوں لیکن مجھے پانی نہیں ملا، آپ نے فرمایا "نماز نہ پڑھو!" یہ سُن کر حضرت عمارؓ نے کہا: امیرالمومنین! کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک سریہ میں تھے، ہم دونوں جُنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہیں ملا تھا، آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے زمین میں لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی (آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جب اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا) عمارؓ! تمہیں اسی قدر کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے، پھر ان میں پھونک مار لیتے، پھر اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں پر مسح کر لیتے ——— پھر باقی حدیث بیان کی (حوالہ حدیث نمبر ۲۸۴ میں گزر چکا)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قیاس کا ابطال ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمارؓ نے قیاس کیا کہ تیمّم جنابت سے جو سکوت اختیار کیا گیا ہے، تو اس کا حکم بھی غُسلِ جنابت کی طرح ہے کیونکہ یہ غُسل کا بدل ہے ....
..... لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے باطل قرار دیتے ہوئے حضرت عمارؓ کو یہ تعلیم فرمائی کہ ہر چیز کے لیے فقط منصُوص حکم ہی کو دیکھنا چاہیے، اسی حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہُوا کہ صحابی سے بھی بھول چوک ہو سکتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ یہی نص حکمِ تیمّم کی بھی ہے۔

۲۸۷۔[ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از یحییٰ بن بکیر، از لیث بن سعد، از جعفر بن ربیعہ، از عبدالرحمٰن اعرج بیان کیا کہ] انہوں نے فرمایا کہ میں نے عُمیر مولیٰ ابن عباسؓ سے سُنا کہ میں اور عبداللہ بن یسار مولیٰ میمونہ زوج النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، ابوجُہیم بن حارث بن صمہ انصاریؓ کے پاس گئے۔ ابوجُہیم نے کہا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بئرِ جمل کی طرف سے آتے، راہ میں ایک شخص نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب

نہیں دیا حتیٰ کہ آپؐ نے ایک دیوار کی طرف توجّہ فرمائی اور اُس سے آپؐ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا اور پھر سلام کا جواب دیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے، محمد بن ثابت کی حدیث ثابت نہیں ہے[1]۔ اور حضر میں سلام کا جواب دینے کے لیے تیمّم کرنا ایک مستحب امر ہے۔ سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے جیسا کہ بطریق عطاء بن سائب از ابوالبختری حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ تیمّم میں ایک ضرب چہرہ کے لیے دُوسرا کلائی تک ہاتھوں کے لیے ہے۔

نیز بطریق احمد بن حنبلؒ، از یحییٰ بن سعید قطان، از شعبہ، از حصین بن عبدالرحمٰن، از ابو مالک اشجعی روایت ہے کہ مَیں نے حضرت عمّار بن یاسرؓ سے سُنا کہ تیمّم میں چہرہ اور ہاتھوں کے لیے ایک ہی ضرب ہے۔

[اور بطریق محمد بن ابی عدی، از شعبہ، از حصین بن عبدالرحمٰن، از ابی مالک] روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمّار بن یاسرؓ کو خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ تیمّم اس طرح ہوتا ہے اور چہرہ اور ہاتھوں کے لیے ایک ہی ضرب لگائی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمّار بن یاسرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا اور موجود صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

و نیز بطریق احمد بن حنبل، از مسکین بن بُکیر، از اَوزاعی از عطاء، روایت ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ تیمّم ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ہے۔ امام اَوزاعی فرماتے ہیں کہ عطاؒ اور مکحول بھی یہی کہتے تھے، شَعبی، قتادہ، سعید مُسیّبؒ اور عُروہ بن زُبیرؓ سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور اَوزاعی، احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ اور داؤد ظاہریؒ بھی یہی فرماتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو حضرات چہرہ اور ہاتھوں کے تیمّم میں اِستیعاب کے وجوب کے قائل ہیں، ان کی دلیل کیا ہے ہمیں معلوم نہیں البتّہ وہ وضو کے اِستیعاب پر قیاس کرتے ہیں، لیکن قیاس باطل ہے اور اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ بالکل باطل ہے کیونکہ ہمارے اور ان کے نزدیک وضو میں پاؤں کو دھونے کا حکم ہے لیکن جب اس کے عوض موزوں پر مسح مشروع قرار دیا گیا ہے، تو ان کے نزدیک بھی مسح علَی الخُفّین کا استیعاب ساقط ہے۔ لہٰذا اگر انہیں قیاس کے معنی معلوم ہیں تو ان کے نزدیک بھی مسح علَی الخُفّین

[1] یعنی حدیث ابن عمرؓ، جو محمد بن ثابت العبدی کے طریق سے گزر چکی ہے۔ ۲۱۸

کا استیعاب ساقط ہے۔ لہٰذا اگر انہیں قیاس کے معنی معلوم ہیں تو انہیں تیمم میں عدمِ استیعاب کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ چہرہ اور ہاتھ دونوں وضو میں دھوئے جاتے ہیں لیکن تیمم میں اس کے عوض مسح ہے۔ لہٰذا مسح علی الخفین میں جس طرح استیعاب نہیں اسی طرح تیمم میں بھی استیعاب نہیں خصوصاً اصحابِ قیاس کا یہ اصول ہے کہ مشبّہ بالشیٔ، اس شئے سے قوی نہیں ہوتا جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام باتوں کی کوئی حیثیت نہیں، ہم نے انہیں صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ انہیں ان کا تناقض اور ان کے اصولوں کا فساد دکھا سکیں اور ان کے اصولوں کو انہی کے اصولوں کی روشنی میں پاش پاش کر دیں، چنانچہ ہم ہر گروہ، فریق اور جماعت کے اقوال کی تردید انہی کے اقوال کے ساتھ کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کے اصول خود ہی ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور یہ اپنے اصولوں کو صحیح سمجھتے ہیں، ہمارا یہ اُسلوبِ نگارش اس لیے نہیں کہ ہم ان اصولوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا اصول تو یہاں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ (الشعراء: ۱۹۵)　　　"وحی جلی وخفی دونوں) فصیح عربی زبان میں ہیں"

نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: ۴)

"اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کی زبان میں احکام الٰہی کھول کھول کر بیان کر دے"

اور عربی زبان میں مسح استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا لہٰذا اس پر رُک جانا چاہیے اور پھر قرآن، سُنّت، اجماع، قولِ صحابی، حتیٰ کہ قیاس سے بھی تیمم میں استیعاب ثابت نہیں، لہٰذا یہ قول باطل ہُوا کہ تیمم میں بھی استیعاب ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ میں ہمارے قول کے مطابق جن لوگوں کا قول ہے ان میں ابو ایوب سلیمان[1] بن داؤد ہاشمی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں اور ہمارا قول یہ ہے کہ مسح لغوی ہے قیاسی نہیں۔

---

[1] یہ سلیمان بن داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے اُستاذ ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے دو آدمیوں احمد بن حنبلؒ اور سلیمان بن داؤد ہاشمی سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتے کہ کسی شخص کو منتخب کر کے اُمّت کا خلیفہ بنا دو تو میری نگاہِ انتخاب سلیمان بن داؤد پر پڑے گی۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ میں مسح کا لفظ چار مقامات میں استعمال ہوا ہے، ان کے علاوہ اور کہیں نہیں (۱) مسحِ راس (۲) تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کا مسح (۳) موزے، عمامہ اور دوپٹے وغیرہ پر مسح اور (۴) طواف میں حجرِ اسود کا مسح۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے مخالفین نے اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں کیا کہ موزوں کا مسح اور حجرِ اسود کا مسح استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا۔ عمامہ اور دوپٹے پر مسح کے جواز کے قائلین حضرات بھی یہی کہتے ہیں لیکن تیمم میں اس اصول کو چھوڑ گئے اور بغیر کسی دلیل کے محض تحکماً استیعاب کو واجب قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح سر کے مسح کے بارے میں یہ اضطراب کا شکار ہیں۔ امام ابوحنیفہ و امام شافعیؒ نے استیعاب یعنی پورے سر کا مسح واجب قرار نہیں دیا، امام مالکؒ نے واجب قرار دینے کا ارادہ تو کیا مگر ایسا کر نہیں سکے۔

معلوم نہیں کہ تیمم میں استیعاب کی تخصیص کس دلیل کے باعث کی ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہ قرآن میں مذکور ہے، نہ سُنّتِ صحیحہ و سقیمہ میں، نہ لغت میں، نہ اجماع میں، نہ کسی صحابی کے قول میں اور نہ قیاس ہی کا یہ تقاضا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۵۱۔ غُسلِ میت کے لیے پانی نہ ہو تو اُسے بھی تیمم کرایا جائے

اگر غُسلِ میت کے لیے پانی میسر نہ آئے تو اسے بھی ایسے ہی تیمم کرایا جائے جیسا کہ زندہ انسان تیمم کرتا ہے کیونکہ میت کو غسل دینا فرض ہے اور ہم یہ فرمانِ نبویؐ قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں کہ جب ہم پانی نہ پائیں تو مٹی ہی طہور ہے اور اس ارشاد میں عموم ہے جو کہ ہر واجب طہور کے لیے ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر غُسل طہور ہے۔

۲۵۲۔ مٹی کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ تیمم جائز نہیں

زمین کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ پھر زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) مٹی اور (۲) غیر مٹی۔ مٹی کے ساتھ تیمم جائز ہے خواہ وہ زمین ہی پر پڑی ہو یا اسے زمین سے حاصل کر کے کسی برتن، کپڑے، یا کسی انسان و حیوان کے ہاتھ میں رکھ دیا گیا ہو، یا ان مذکورہ چیزوں میں سے مٹی کے غبار کو جھاڑ کر اس قدر جمع کر لیا گیا ہو کہ اس پر ہتھیلی رکھی جا سکتی ہو یا وہ مٹی جو کچی اینٹ یا بلاک کے بنانے وغیرہ کے لیے ہو۔

مٹی کے علاوہ جو چیزیں ہیں مثلاً کنکریاں، پتھر، ریت، چھوٹی باریک کنکریاں، زمین پر پھیلا ہُوا پہاڑ ___ سُرمہ، زرنیخ، چُونا ___ سونا، توتیا، گندھک، نیل، یا نمک وغیرہ اگر ابھی تک زمین ہی میں ہوں اور زمین سے الگ نہ کی گئی ہوں تو ان سب اشیاء کے ساتھ تیمّم جائز ہے اور اگر ان اشیاء کو برتن یا کسی کپڑے وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو تو پھر ان کے ساتھ تیمّم جائز نہیں۔ پختہ اینٹ کے ساتھ تیمّم جائز نہیں، اینٹ کے ساتھ تیمّم صرف اُس وقت تک جائز ہے جب تک اس پر مٹی کے نام کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ اسی طرح گیلی مٹی یا کیچڑ وغیرہ کے ساتھ بھی تیمّم جائز نہیں، ہاں جب خشک ہو کر مٹی ہو جائے تو پھر تیمّم جائز ہے۔

وہ نمک جسے پانی سے حاصل کیا گیا ہو ___ خواہ ابھی تک اپنی جگہ پر ہو یا نہ ہو ___ برف، کاغذ، گھاس پھوس، لکڑی اور ہر اُس چیز کے ساتھ تیمّم جائز نہیں جو تیمّم کرنے والے اور زمین کے مابین حائل ہو، اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۔ (المائدہ: ۶)

”تو پاک مٹی لو اور اُس سے اپنے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمّم) کر لیا کرو۔“

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ”جب تک ہم پانی نہ پائیں، زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا گیا ہے“، آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے ”میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے“، ان احادیث کو ہم قبل ازیں اَسناد کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں!

ان مذکورہ دلائل سے ثابت ہُوا کہ تیمّم صرف اسی چیز کے ساتھ ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے نص بیان فرمائی ہے اور وہ ہے ”صعید“ (مٹی)، لغتِ قرآن میں صعید کے معنی مٹی ہیں، نیز اسے ”تراب“ بھی کہا جاتا ہے۔ مٹی خواہ زمین سے لی گئی ہو، کپڑے میں رکھی گئی ہو، برتن میں ڈالی ہُوئی ہو، کسی انسان کے چہرے پر پڑی ہوتی، یا گھوڑوں کی قطاروں سے لی گئی ہو، یا اینٹ کی صورت میں ہو یا بالوں اور اُون وغیرہ سے جھاڑ کر حاصل کی گئی ہو تو یہ سب مٹی ہی کی صورتیں ہیں، ان صورتوں میں مٹی کا نام اس سے ساقط نہیں ہو سکتا لہٰذا ہر حال میں اس سے تیمّم جائز ہے۔ پختہ اینٹ اور کیچڑ پر ”صعید“، ”تراب“ اور ”اَرض“ ان تینوں لفظوں کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا پختہ اینٹ کے ساتھ تیمّم جائز نہیں لیکن جب پختہ اینٹ کو چُورا کر دیا جائے

یا کیچڑ وغیرہ خشک ہو جائے تو پھر اس پر مٹی کا اطلاق ہونے لگتا ہے اس لیے اس سے تیمم جائز ہے۔ پتھر، ریت یا معدن کی مذکورہ اقسام جب تک زمین میں رہیں، ان پر چونکہ مٹی کے نام کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا ان پر تیمم جائز ہے لیکن جب ان اشیاء کو مٹی سے الگ کر کے صاف کر لیا جائے تو پھر انہیں مٹی نہیں کہا جاتا لہٰذا ان کے ساتھ تیمم جائز نہیں ہے۔ پانی سے حاصل کردہ نمک، برف، گھاس پھوس اور کاغذ وغیرہ کو چونکہ مٹی نہیں کہا جاتا لہٰذا ان اشیاء سے بھی تیمم جائز نہیں۔ لیکن یہ تفریق بلا دلیل ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ برف اور اولوں وغیرہ کے ساتھ بھی تیمم کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی نص یا اجماع نہیں۔ اگر کہا جائے کہ جو چیز بھی تمہارے اور زمین کے مابین حائل ہو وہ مٹی ہی ہے؟ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تمہارے اور زمین کے مابین مقتول، بھیڑ بکریاں، کپڑے یا لکڑیاں وغیرہ حائل ہوں تو کیا انہیں بھی مٹی سمجھو گے اور ان سے تیمم کرلو گے؟ حالانکہ یہ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان کا یہ قول کہ جو کچھ تمہارے اور زمین کے مابین حائل ہو وہ مٹی ہے ایک فاسد قول ہے جسے نہ قرآن صحیح قرار دیتا ہے، نہ سُنّت، نہ لُغت اور نہ اجماع، نہ صحابی کا قول اور نہ قیاس۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ برف، کیچڑ اور نمک وغیرہ کے ساتھ نہ وضو کیا جا سکتا ہے اور نہ تیمم، کیونکہ انہیں پانی یا مٹی نہیں کہا جا سکتا، جب نمک اور اولے پگھل کر پانی بن جائیں تو ان کے ساتھ وضو جائز ہو گا کیونکہ اب یہ پانی ہیں۔ جب کیچڑ خشک ہو کر مٹی بن جائے تو اُس کے ساتھ تیمم جائز ہے کیونکہ اب یہ کیچڑ نہیں بلکہ مٹی ہے۔

امام شافعیؒ اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی کے ساتھ ہی تیمم جائز ہے، کسی اور چیز کے ساتھ جائز نہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "جُعِلَتْ تربتُها لنا طهورٌ" کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے "بالصّعید" سے بیان فرمایا ہے۔ و نیز حضورؐ کا یہ ارشاد "جُعِلت لی الارض مسجداً و طهوراً" کا بھی وہی مفہوم ہے یعنی صرف مٹی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ غلط اور بلا دلیل ہے اور جو دعویٰ بلا دلیل ہو وہ سراسر باطل ہوتا ہے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ: ۱۱۱)

(اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ) اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔"

ہر وہ ارشاد جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے فرمایا ہو، صرف وہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تیمّم "صعیداً طیباً (پاک مٹی) سے کرو اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ زمین مسجد اور اس کی مٹی پاک ہے۔ یہ سب ارشاد برحق ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ کہا انھی ارشادات کی روشنی میں کہا، ان میں سے کسی چیز کا ترک جائز نہیں۔ تراب، ارض اور صعید یہ سب پاک ہیں۔ یہ آیت اور حدیثِ جابرؓ جو عموم ارض پر مشتمل ہے اور اس میں بہ نسبت حدیثِ حذیفہؓ جس میں صرف مٹی ہی پر اکتفا کرنے کا ذکر ہے (ان سب کو جمع کرنے کے بعد) چونکہ اس حدیث میں ایک زائد امر بیان ہوا ہے اور امرِ زائد کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے آیت اور حدیثِ حذیفہؓ کی مخالفت لازم نہیں آتی لہٰذا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر حدیثِ حذیفہؓ پر عمل کیا جائے تو آیت اور حدیثِ جابرؓ کی مخالفت لازم آتی ہے لہٰذا یہ جائز نہیں۔ وباللہ التوفیق

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر طرح کی مٹی، تراب، کیچڑ، زرنیخ، چونا، سُرمہ، نیز ہر وہ مٹی جسے تکیہ، بستر، گندم یا جو وغیرہ سے جھاڑا گیا ہو، کے ساتھ تیمّم جائز ہے۔ اسی طرح سفیان ثوری بھی فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے کپڑے، زین، عرق گیر، یا درخت وغیرہ پر مٹی پڑی ہو تو اس کے ساتھ تیمّم جائز ہے اور ہمارا بھی یہی قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۵۳۔ پہلے ہاتھوں پر تیمّم کیا جائے یا چہرہ پر؟

اعمش کہتے ہیں کہ چہرہ کے بجائے ہاتھوں پر پہلے تیمّم کیا جائے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے بجائے چہرہ پر پہلے تیمّم کرنا فرض ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے جس پر بھی پہلے تیمّم کرے جائز ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہمارا بھی یہی قول ہے کیونکہ ہمیں بطریق امام بخاری یہ روایت پہنچی ہے:

[کہ ان سے محمد بن سلام، از ابو معاویہ، از اعمش، از شقیق، از ابو موسیٰ اشعری روایت بیان کیا] کہ حضرت عمّار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں تیمّم کا طریقہ سکھایا اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنی ہتھیلی کو زمین پر ایک ضرب ماری، پھر اس پر پھونک ماری، پھر آپ نے بائیں ہتھیلی کی پشت پر مسح کیا، یا ہتھیلی کے ساتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا، پھر چہرے پر مسح کیا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک صورت جائز ہے اور یہ ایک حکم زائد ہے جسے قبول کرنا ضروری ہے لیکن وضو میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں بلکہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

جو شخص قرآن کے ظاہر کے مطابق عمل کرتا ہوا تیمم میں چہرہ کا مسح پہلے کرے تو اس کا عمل بھی ٹھیک ہے اور اسی طرح جو حدیثِ عمارؓ کے مطابق عمل کرتا ہوا چہرہ سے پہلے ہاتھوں کا مسح کرلے، اس کا عمل بھی ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد بطورِ استدراک جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی پر نظر ڈالتے ہیں کہ:

اِبْدَؤُا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ۔

"جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے، وہاں سے تم بھی ابتدأ کرو"

تو واجب معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں چہرہ کا مسح پہلے کیا جائے اور ہاتھوں پر مسح چہرے کے بعد کیا جائے۔

کتاب الحیض والاستحاضہ

۲۵۴۔ حیض کیا ہے؟ حیض سیاہ رنگ کا گاڑھا اور بدبُودار خون ہے، جو عورت کے اندامِ نہانی سے نکلتا ہے اور جب یہ خون نکلے تو عورت کے لیے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور بیت اللہ کا طواف کرنا حلال نہیں ہے اور جب تک پاک نہ ہو، اس کے خاوند یا آقا کے لیے وطی جائز نہیں ہے۔ جب عورت سُرخ، یا گوشت کے پانی جیسا، یا پیلا یا گدلا یا سفید خون یا خشک دیکھے تو وہ طاہر ہو چکی ہے لہٰذا اس پر فرض ہے کہ سارے سر اور جسم کو پانی کے ساتھ دھوئے۔ اگر پانی نہ پائے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، روزہ رکھے، بیت اللہ کا طواف کرے اور اس کا خاوند یا آقا اس سے مباشرت کرے۔ حیض سے پہلے اور بعد کی حالت طُہر کہلاتی ہے۔ ان ایام میں اوپر مذکورہ باتوں کو حیض میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی ایامِ طُہر میں اگر سُرخ، زرد وغیرہ خُون نظر آئے تو اس کا اعتبار نہیں)۔

حالتِ حیض میں عورت کے لیے جو نماز، روزہ، طواف اور وطی فی الفرج کی ممانعت ہے، اس پر یقینی اور قطعی اجماع ہے، اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں۔ البتہ قومِ ازارقہ نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے لیکن وہ اس قابل نہیں کہ انہیں اہلِ اسلام میں شمار کیا جائے۔

حیض کیا ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے:

۲۸۸ [ہم سے یونس بن عبداللہ بن مغیث، از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، از احمد بن خالد، از محمد بن عبدالسلام خشنی، از محمد بن بشار، از یحییٰ بن سعید قطان، از ہشام بن عروہ، از عُروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حُبَیش، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ مجھے استحاضہ ہے اور میں طاہر نہیں رہ سکتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا یہ حیض نہیں ہے، یہ تو ایک رگ ہے (جس سے خون آتا ہے) لیکن جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔

اسی طرح یہ روایت ہم تک بطریق حماد بن زید، سُفیان ثوری، سُفیان بن عُیَینَہ، ابن جُرَیج، معمر، زہیر بن معاویہ،

ابو معاویہ، عبداللہ بن نمیر، وکیع بن جراح، جریر، عبدالعزیز بن محمد دَراوَردی اور ابو یوسف پہنچی ہے، یہ سب حضرات ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ نیز یہ روایت بطریق مالک ولیث، و حماد بن سَلَمہ وعمرو بن حارث اور سعید بن عبدالرحمٰن جُمَحی بھی پہنچی ہے اور یہ سب حضرات بھی ہشام بن عُروہ سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو خون کو دھو ڈالو اور نماز پڑھ لو بعض روایات میں ہے کہ وضو بھی کرو۔

۲۸۹ [ہم سے یُونس بن عبداللہ از ابوبکر بن احمد بن خالد، وہ اپنے باپ سے وہ علی بن عبدالعزیز سے، وہ ابُو عُبَید قاسم بن سلام سے، وہ محمد بن کثیر سے، وہ اوزاعی سے، وہ زہری سے، وہ عُروہ سے بیان کرتے ہیں کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُمِّ حبیبہ بنت جَحش کو استحاضہ کا خُون آنے لگا، تو انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس کا ذکر کیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دو۔

۲۹۰ [ہم سے ابوسعید جعفری از ابوبکر اُدْفُوی[1] مُقری از احمد بن محمد بن اسماعیل از حسن بن غُلَیب، از یحیٰی بن عبداللہ از لیث از یزید بن ابی حبیب از بُکیر بن عبداللہ بن اشج از مُنذر بن مُغیرہ بیان کیا کہ] حضرت عُروَہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت حُبَیش نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں خُون آنے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا، یہ ایک رگ (کے باعث) ہے جب تمہارے مقررہ ایام ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو، لیکن جب ایامِ ماہواری گزر جائیں تو پھر پاک صاف ہو کر اگلے ایام شروع ہونے تک نماز پڑھتی رہو۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایامِ ماہواری کے آغاز کے ساتھ نماز سے اجتناب اور خاتمہ پر غسل کا حکم دیا ہے۔ آپؐ نے قریش اور عرب کی عورتوں کو مخاطب فرمایا جو جانتی تھیں کہ "حیض" کا مفہوم شرعاً ولُغۃً کیا ہے۔ لہٰذا ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ شریعت اور لُغت میں حیض کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح درج ذیل حدیث میں ہے؛

---

[1] ابُوبکر کا نام محمد بن علی بن احمد بن محمد ہے اُدْفُوی نسبت ہے اُدْفُو شہر کی طرف، یہ ایک خوبصورت شہر ہے جو اسولون کے قریب واقع تھا۔ علامہ جزری نے النھایۃ میں ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور ان کی وفات کی تاریخ ۳۸۸ھ لکھی ہے۔

۲۹۱ [ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، از پدر خود احمد بن حنبلؒ از محمد بن ابی عدی از محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص از زہریؒ، از عروہ بیان کیا کہ] حضرت فاطمہ بنت حُبَیش سے روایت ہے کہ انہیں استحاضہ آنے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہے، جب وہ ہو تو نماز سے رُک جاؤ اور جب کسی دوسرے رنگ کا ہو تو وضو کرکے نماز پڑھو کیونکہ یہ ایک رگ کے باعث ہوتا) ہے[1]

۲۹۲ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از قُتَیبہ از یزید بن زُریع از خالد حذاء از عکرمہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف بیٹھیں، انہیں سُرخ اور پیلا خون آتا تھا، ان کے نیچے برتن رکھا ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھ رہی ہوتی تھیں (بخاری کتاب الطہارۃ وکتاب الصوم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصوم)

۲۹۳ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد سلمہ مرادی از عبداللہ بن وہب، از عمرو بن حارث، از ابن شہاب، از عروہ بن زبیر و عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُمِّ حبیبہ بنتِ جُحَشؓ، جو آنحضرتؐ کی سالی تھیں اور وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں، سات سال تک استحاضہ میں مبتلا رہیں۔ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا حیض نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ (کے باعث) ہے لہٰذا غسل کرکے نماز پڑھ لیا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ، اپنی بہن حضرت زینبؓ بنتِ جحش کے حجرہ میں ٹب میں غسل کیا کرتی تھیں، حتیٰ کہ ٹب کے پانی پر خون کی سُرخی نمودار ہو جاتی تھی (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الطہارۃ)

ان مذکورہ روایات سے ہمارے قول کی صحت معلوم ہو گئی کہ حیض صرف سیاہ رنگ کا خون ہوتا ہے،

---

[1] یہ حدیث اس سند کے ساتھ مُسندِ احمد بن حنبلؒ میں نہیں ہے بلکہ مسند میں حدیثِ فاطمہ دیگر دو سندوں کے ساتھ ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے مُسند ج ۶ ص ۴۲۰، ۴۶۳، ۴۶۴ -

سُرخ، پیلا اور مٹیالا خُون ایک رگ (کے باعث ہوتا) ہے جو حیض نہیں ہے اور ان میں سے کسی قسم کے باعث نماز ترک نہیں کی جا سکتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو اس عورت کے لیے ہے جسے ہمیشہ خون آتا ہو؟

تو ہم عرض کریں گے کہ اگر کچھ عرصہ خون آتا رہا ہو اور پھر بند ہو گیا ہو تو پھر آپ کیا فرمائیں گے؟ کیا اس کے لیے یہ حکم ہے یا نہیں؟ چنانچہ سب کا اتفاق ہے کہ اس کے لیے یہی حکم ہے۔ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ اگر یہ حکم نہیں ہے تو اس مدت کا تعین کر دو، جس میں خون کے ساتھ پیلے اور مٹیالے رنگ کی آمیزش ہو تو اس کے لیے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ حکم ہے اور اگر وہ مدّت نہ ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک جماعت نے تو یہ کہا ہے کہ اس کے لیے مدّت اس کے معمول کے ماہواری کے ایام ہیں۔ ایک دوسرے فریق نے یہ کہا ہے کہ یہ مدّت اس کے معمول کے ایام سے زیادہ ہے۔ معمول کے ایام کا اندازہ اس سے لگاتے ہیں کہ اگر وہ خون بھی خارج کرتی ہو تو معمول کے ایام تصور ہوں گے وگرنہ نہیں!

مَیں عرض کروں گا کہ ہم نے تمہارے یہ دونوں دعوے سُن لیے اور دلیل کے بغیر دعویٰ مردُود اور ساقط الاعتبار ہوتا ہے لہٰذا دلیل پیش کرو (فَهَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ)۔

بعض نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "اپنے ماہواری کے ایام کی تعداد کے مطابق نماز چھوڑ دو"۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ حکم اس عورت کے لیے ہے جو خُون میں تمیز نہ کر سکتی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو عورت تمیز کر سکتی ہو اس کے لیے آپؐ کا فرمان یہ ہے کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہوتا ہے۔ جب کسی دوسرے رنگ کا آئے تو نماز پڑھ لو اور جب حیض ہو تو پھر نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو اور خُون کو دھو کر نماز پڑھو"۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ "باب المستحاضۃ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے خلاصی پانے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اگر یہ اس سے استدلال کریں جو ان کے قول کے مطابق مروی ہو جیسا کہ ہمارے پاس بطریق علقمہ بن ابی علقمہ، ان کی ماں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس صندوقچی میں روئی کا ٹکڑا بھیجتیں جس میں زردی کے نشان ہوتے تھے اور آپ سے پُوچھتیں کہ جب یہ

صورت ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟ حضرت عائشہؓ فرمائیں کہ اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک بالکل سفیدی نہ دیکھ لو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان حضرات کو صحابہ کرام میں سے کسی سے اس روایت کے علاوہ اور کوئی دلیل ملی ہو، اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے میں اُمِ عَلقمہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ اُمّ المومنینؓ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرامؓ سے روایتِ اُمِ عَلقمہ کے خلاف مروی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہے وہ اس طرح ہے:

۲۹۳ [ہم سے احمد بن عمر بن اَنس از عبد بن احمد ہروی ابو ذر از احمد بن عبدان الحافظ نیشا پوریں از محمد بن سہل بن عبداللہ مقری بصری، از محمد بن اسماعیل بخاری صاحب صحیح از علی بن ابراہیم از محمد بن ابی الشمال[1] عطاردی بصری بیان کیا کہ] حضرت اُمِّ طلحہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے حیض کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ اور شدید سُرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

۲۹۴-[ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع، از ابوبکر ہذلی، از معاذہ عدویہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کو حیض شمار نہیں کرتے تھے۔

۲۹۵ [ہم نے بطریق احمد بن حنبل از اسماعیل بن علیہ از خالد حذاء از انس بن سیرین] روایت ہے کہ انس بن مالک کے خاندان کی ایک عورت کو استحاضہ شروع ہُوا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے پُوچھوں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ نماز نہ پڑھے جب تک وہ شدید سُرخ رنگ کا خُون دیکھے اور جب حالتِ طُہر دیکھے ــــ خواہ دن بھر میں کچھ لمحات کے لیے ــــ تو غُسل کرکے نماز پڑھ لے۔

---

[1] مصری نسخہ میں "السماک" ہے جو کہ غلط ہے۔ اس ابن ابی الشمال کا ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، ان کے اس اثر کو عُقیلی نے "الضعفاء" میں محمد بن مثنیٰ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ لسان المیزان، ج ۵، ص ۱۹۹، ۲۰۰ میں بھی اسے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حیض کا خون سُرخ رنگ کا بحرانی خون ہوتا ہے "مصباح" میں ہے کہ جو خالص اور شدید سُرخ رنگ کا خون ہو اسے بُحرانی کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ بُحرانی خون بحر رحم یعنی عمق کی طرف منسوب ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اتصالِ خون کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ آپ نے صورت حال سُن کر فتویٰ یہ دیا کہ شدید سرخ رنگ کے علاوہ جو خون ہے وہ حیض نہیں بلکہ طُہر ہے، اس کی موجودگی میں نماز پڑھ سکتی ہے اگرچہ دن میں چند لمحات ہی طُہر کے ہوں، نماز صرف اسی وقت ترک کرے جب خون شدید سرخ رنگ کا ہو۔ اس حدیث کی سند بہت عظیم الشّان ہے۔

۲۹۶ [ہم نے بطریق بخاری از قُتَیبَہ، از اسماعیل بن عُلَیَّہ از ایوب سختیانی، از محمد بن سیرین روایت کیا کہ] حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم زردی یا مٹیالا پن کو کوئی اہمیّت نہیں دیتے تھے۔ حضرت اُمّ عَطِیَّہ رضی اللہ عنہا ان انصاری عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، اور انہیں زمانہ قدیم سے شرفِ صُحبت حاصل تھا۔

یہ سب کچھ ہم ازواجِ مُطہّرات رضی اللہ عنہن اور فاطمہ بنتِ ابی حُبَیش و اُمّ حبیبہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی روایات سے ذکر کر چکے ہیں اور یہ سب کچھ نہایت عالی اور صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ اگر عورت طُہر کے بعد گوشت کے پانی، یا نکسیر کے خون کے قطرہ کی مانند کوئی چیز دیکھے تو یہ شیطانی حرکات میں سے ایک حرکت ہے، اس صورت میں اسے پانی کے چھینٹے مار کر وضو کر لینا چاہیے اور نماز پڑھنی چاہیے اور اگر خون بالکل تازہ ہو اور اس کی تازگی میں کوئی شک نہ ہو تو پھر اُسے نماز چھوڑ دینی چاہیے۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ عورت جب "تَرِیَّۃ"[1] یعنی زرد یا مٹیالا رنگ کا خون دیکھے تو وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ آپ سے پُوچھا گیا کہ آپ اسے از خود فرما رہے ہیں یا آپ نے اسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] عربی محلّٰی میں یہ لفظ "البریۃ" چھپا ہے اور محلّٰی کے محقق احمد شاکر مرحوم نے اس کی صحت ومفہوم وغیرہ سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ حدیث ثوبان تو مجھے بھی کسی حدیث کی موجودہ کتب میں نہ ملی لیکن یہی روایت دوسرے صحابہ کرام وتابعین سے کتبِ حدیث مثلاً: ابن ابی شیبہ، مُصنّف عبدالرزاق، سُننِ کبریٰ بیہقی، سُننِ دارقطنی، اور سُننِ دارمی ان ساری کتابوں کے اندر ابواب الطہارۃ میں موجود ہے اور وہاں یہ لفظ "ترِیّۃ" ہے جس کا معنی دارمی وغیرہ میں "الکدرۃ والصفرۃ" (مٹیالا اور زرد) مرقوم ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

سُنا ہے؟ یہ سُن کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آپ نے فرمایا جی ہاں میں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت امّ علقمہ کی روایت کی نسبت زیادہ قوی اور بہتر ہے۔ اُمّ علقمہ کی روایت کے موافق عَمرہ سے ان کی رائے مروی ہے اور ربیعہ و یحییٰ بن سعید سے بھی اس کی موافقت مروی ہے لیکن تابعین میں سے حضرت سعید بن مُسیّبؒ وغیرہ جو ان سب کی نسبت جلیل القدر شخص ہیں، ان سب کی مخالفت ثابت ہے، چنانچہ بطریقِ قتادہ آپ سے روایت ہے کہ جو عورت پیلے یا مٹیالے رنگ کا خون دیکھے وہ غسل کرکے نماز پڑھے۔

و نیز بطریقِ سُفیان ثوری، قعقاع سے روایت ہے کہ ہم نے ابراہیم نخعی سے پُوچھا کہ اُس عورت کے لیے کیا حکم ہے جو زرد رنگ کا خون دیکھے؟ آپ نے فرمایا کہ وضو کرکے نماز پڑھے۔ مکحول سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

اگر یہ حضرات حضرت ابن عباسؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کریں کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو اگر خون تازہ ہو تو وہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون میں زردی کی آمیزش ہو تو پھر نصف دینار صدقہ کرے۔

تو ہم عرض کریں گے کہ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو اس کے بعض حصّے کی انہوں نے خود مخالفت کی ہے اور یہ بات سراسر باطل ہے کہ ایک ہی حدیث کا کچھ حصہ حُجّت ہو اور کچھ حُجّت نہ ہو۔ نیز یہ حُجّت ہو ہی نہیں سکتی، یہ تو باطل روایت ہے، صحیح نہیں، کیونکہ اس حدیث کا راوی عبدالکریم بن ابی المخارق ہے جو ثقہ نہیں ہے، ایوب سختیانیؒ، احمد بن حنبلؒ اور ان دونوں کے علاوہ محدّثین نے اس پر جرح کی ہے۔

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ ابن ابی عدی کی حدیث میں اضطراب ہے کبھی تو انہوں نے اس حدیث کو اپنے حفظ پر انحصار کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے "از زُہری از عُروہ از حضرت عائشہؓ" اور کبھی انہوں نے اسے اپنی کتاب سے اس طرح بیان کیا ہے "از زُہری از عُروہ، از فاطمہ بنتِ ابی حُبیش"، اور یہ کلام محمد بن ابی عدی کے علاوہ اور کسی نے بیان نہیں کیا۔

تو ہم عرض کریں گے کہ یہ سب کچھ اس خبر کی تقویت کا باعث ہے اور یہ اضطراب نہیں ہے کیونکہ عُروہ نے حضرت فاطمہؓ و حضرت عائشہؓ دونوں سے اسے روایت کیا ہے اور دونوں کو انہوں نے پایا ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ اور آپ کی ماں کی بہن ہیں۔ اور فاطمہ بنت ابی حُبَیْش بن مُطّلب بن اسد آپ کی چچازاد بہن ہیں، کیونکہ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عُروہ بن زُبیر بن عوام بن خُویلد بن اَسد اور محمد بن ابی عَدی ثقہ، حافظ اور مامون ہیں۔ یہ اعتراض تو صرف معتزلہ ہی کر سکتے ہیں جو خبرِ واحد کی حُجیّت کے قائل نہیں ہیں تاکہ بہت سی سُنن کو باطل قرار دے سکیں۔ پس ان کے سب دلائل ساقط ہو گئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

اور ہم نے جو کہا ہے وہی ہمارے جمہور اصحاب کا قول ہے:

امام ابوحنیفہؒ، سُفیان ثوریؒ، اَوزاعی، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ایام حیض میں پیلے اور مٹیالے رنگ کا خون حیض ہوگا، لیکن ایامِ حیض کے علاوہ دیگر ایام میں یہ حیض نہیں ہوگا۔

لَیث بن سعد فرماتے ہیں کہ ایامِ حیض کے علاوہ دیگر ایام میں خون اور پیلے و مٹیالے رنگ کا خون حیض شمار نہیں ہوگا لیکن ایامِ حیض میں یہ سب کچھ حیض شمار ہوگا۔

امام مالکؒ اور عُبَیداللہ بن حسنؒ[1] فرماتے ہیں کہ پیلے اور مٹیالے رنگ کا خُون حیض ہے، خواہ ایامِ حیض میں ہو یا غیر ایامِ حیض میں!

امام ابُو یوسفؒ اور محمدؒ فرماتے ہیں کہ خُون اور پیلے رنگ کا خُون ایامِ حیض میں تو حیض ہی ہے۔ ایامِ حیض میں حیض کی آمد سے قبل مٹیالے رنگ کا خون حیض نہیں ہے البتہ حیض کے بعد یہ حیض ہی سمجھا جائے گا اور ان میں سے کوئی بھی غیر ایام میں حیض شمار نہیں ہوگا۔

ایامِ حیض کے علاوہ دیگر دنوں میں خُون کے بارے میں ان ائمہ و فقہاء کرام میں عظیم اضطراب پایا جاتا ہے، حالانکہ غیر دنوں میں ان میں سے کچھ بھی حیض شمار نہیں ہوتا۔

---

[1] عبیداللہ بن حسن عَنبری، بصرہ کے قاضی، فقیہ اور ثقہ ہیں، انہی کا قول ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہے۔ آپ کی اس غلطی پر گرفت کی گئی اور بقولِ بعض آپ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ ۱۰۵ھ میں ولادت اور ۱۶۸ھ میں وفات ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت جب ایامِ حیض سے تین یا تین سے بھی زیادہ دن پہلے خون دیکھے جو ایامِ حیض میں منقطع ہو یا ایامِ حیض کے بعد متصل تین دن سے کم رہے تو ان میں سے کوئی بھی حیض نہیں ہوگا اور اس کے باعث عورت نماز، روزہ اور مباشرت ترک نہیں کرے گی۔ اگر دو بار ایسا متبسلا ہی ہو تو پھر یہ حیض متصل ہی سمجھا جائے گا۔

امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے معمول کے ایام سے دو دن یا اس سے کم مدت پہلے خون دیکھے جو ایام میں تین یا تین سے زیادہ دن تک متصل رہے تو یہ سب حیض ہوگا بشرطیکہ دس دنوں سے زیادہ تجاوز نہ کرے۔

نیز امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ایامِ حیض سے تین یا تین سے زیادہ دن پہلے خون دیکھ لے اور ایامِ حیض کے متصل بھی تین یا تین دن سے زیادہ ایام تک خون دیکھتی رہے تو کبھی تو آپ اسے حیض قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ معمول سے پہلے کے دنوں کا خون تو حیض نہیں ہے البتہ ایام کے درمیان کا خون حیض ہے۔ اور یہ سب مغالطہ آرائیاں ہیں اس سے بچنا ہی چاہیے۔

ابو ثور اور ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ غیر ایامِ حیض میں پیلے اور مٹیالے رنگ کا خون حیض نہیں ہے ایامِ حیض میں خون سے پہلے اگر یہ برآمد ہو تو پھر بھی یہ حیض نہیں ہے، البتہ خون کے متصل بعد ہو تو اسے حیض سمجھا جائے گا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ حیض ہے تو ترکِ نماز و روزہ جائز نہیں کیونکہ ان کا وجوب یقینی ہے۔ اور نہ وطی سے منع کی جائے گی کیونکہ اس کی حلّت بھی یقینی ہے۔ جتنی کہ حیض کے بارے میں یقین ہو جائے تو نماز، روزہ اور وطی حرام ہوں گے کیونکہ یقینی حلّت کو کوئی یقینی حُرمت ہی ساقط کر سکتی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیان صحیح نہیں بلکہ اس میں غلطی کی آمیزش ہے۔ ان کے پیش کردہ یہ دونوں مقدمے تو درست ہیں مگر یقین صرف نص ہی سے ثابت ہو سکتا ہے اور نص سے صحیح طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سیاہ خون کے علاوہ دوسرا کوئی خون، خواہ وہ کسی رنگ کا ہو حیض نہیں ہے اور نماز، روزے، اور مباشرت سے مانع بھی نہیں ہے پس ان کی پیش کردہ دلیل، ان کے خلاف ثابت ہوئی۔ اگر یہ نص موجود نہ بھی ہوتی تو پھر بھی ان کی بات درست نہ تھی، کیونکہ نماز اور روزہ ایسے فرائض ہیں کہ ان کی فرضیت یقینی ہے

وطی بھی ایسا حق ہے کہ بیوی یا لونڈی کے سلسلہ میں اس کی اباحت یقینی ہے اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ حیض ان سب کو حرام قرار دیتی ہے، لہٰذا جس حیض کے ساتھ آپ نماز، روزہ اور وطی کو حرام قرار دے رہے ہیں اس کی اس پوزیشن کے بارے میں کوئی نص وارد ہونی چاہیے یا یقینی اجماع ہونا چاہیے مختلف فیہ دعویٰ سے بات نہیں بنتی جب اصولی طور پر یہ بات درست ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نہ نص سے ثابت ہے نہ اجماع، اور نہ لغت سے کہ سیاہ رنگ کے خون کے علاوہ اور کوئی خون بھی حیض ہے۔ ہاں یقینی نص، اجماع اور لغت سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ سیاہ رنگ کا خون ہی حیض ہے لہٰذا جس کے بارے میں نص یا اجماع نہ ہو اسے حیض سے تعبیر کرنا جائز نہیں۔

پہلے قول والے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تو درست کہ سیاہ خون ہی حیض ہے لیکن جب سرخی بھی سیاہی کا جز ہے تو سرخ خون کو بھی حیض ہی ہونا چاہیے! اسی طرح زرد رنگ کا خون سرخ رنگ کے خون کا جز ہے۔ لہٰذا زرد رنگ کے خون کو بھی حیض ہونا چاہیے نیز مٹیالے رنگ کا خون زرد رنگ کے خون کا جز ہے یعنی جب خون کی یہ تمام قسمیں بعض حالات میں حیض ہیں، تو انہیں تمام حالات میں ہی حیض ہونا چاہیے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیاس ہے اور قیاس سب کا سب باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت حق ہو بھی تو یہ بالکل باطل ہے، معارضہ کے طور پر ہم یہ بھی کہیں گے کہ بالکل سفیدی جب طہارت ہے اور اجماع ہے کہ حیض نہیں ہے تو مٹیالے رنگ کا خون جو غیر شفاف سفیدی کا حامل ہوتا ہے اسے بھی حیض نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح پیلے رنگ کا خون جو مٹیالے رنگ کے خون ہی کی ایک قسم ہے، اسے بھی حیض قرار نہیں دینا چاہیے۔ اسی طرح سرخ رنگ کا خون، پیلے رنگ کے خون کی ایک قسم ہے لہٰذا سرخ رنگ کے خون کو بھی حیض نہیں ہونا چاہیے اور خون کی یہ قسمیں جب کہ بعض احوال بلکہ اکثر میں حیض نہیں ہیں، تو کسی حال میں اسے حیض نہیں ہونا چاہیے!

یہ بات ان کے قیاس کی نسبت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ سرخ، پیلے یا مٹیالے رنگ کا خون کسی حالت یا کسی وقت میں حیض ہو سکتا ہے اور نہ اس بارے میں قطعاً کوئی نص ہے، نہ اجماع ہے، نہ ایسا قیاس ہے جو غیر معارض ہو، نہ کسی صحابی کا کوئی غیر معارض قول ہے اور ان سب حضرات نے اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ جب ایام معلوم کے علاوہ غیر ایام حیض میں ان میں سے کسی رنگ کا خون نظر آئے تو وہ حیض نہیں ہے

پس ان کا قیاس باطل ہُوا اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہی حق ہے۔ اگر قیاس کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کے علاوہ کوئی دوسرا قیاس صحیح نہیں۔

اسی طرح ان حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ سُرخی سیاہی کا، زردی سُرخی کا اور مٹیالا پن پیلے کا جزء ہے، اس سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے مقابلہ میں ہم نے خود دعویٰ پیش کر دیا ہے لہٰذا ان کے یہ سب اقوال باطل قرار پائے۔ نص اور اجماع کی روشنی میں صرف ہمارا قول ہی درست ثابت ہُوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

۲۵۵ حیض ختم ہونے کے بعد غُسل فرض ہے

جب حیض ختم ہو جائے تو عورت کے لیے اُس وقت تک نماز اور کعبہ کا طواف جائز نہیں جب تک وہ اپنے سر اور سارے بدن کو پانی سے دھو نہ لے (یعنی غُسل نہ کرلے) اگر پانی موجود نہیں یا عورت بیمار ہے اور پانی کا استعمال تکلیف دِہ ہے تو پھر اُسے تیمم کرنا ہوگا۔ اگر عورت نے روزے کی نیت سے صبح کی اور اُس نے غسل نہیں کیا تو وہ صبح کی نماز سے پہلے غسل یا اگر اہلِ تیمم میں سے ہے تو تیمم کرلے۔ اس صورت میں اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

ان سب مسائل پر اجماع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

وإذا أدبرت الحيضة فتطهّري۔

"جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کر لو"

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

"جب پاک ہو جائیں، تو ان کے پاس جاؤ۔"

اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب ہمارے پاس پانی نہ ہو تو زمین ہی ہمارے لیے پاک ہے" لہٰذا جب حائضہ عورت کے پاس پانی موجود نہ ہو تو پھر اس کے لیے تیمّم کرنا واجب ہے۔ غُسل اور تیمّم کو مذکورہ مقدار سے زیادہ مؤخر کرنے میں اختلاف ہے، جسے ہم "کتاب الصیام" میں بیان کریں گے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

۲۵۶ حیض کے بعد وطی کس وقت جائز ہے

حیض کے خاتمہ کے بعد عورت کے خاوند یا آقا کا اس سے وطی کرنا اُس وقت تک حلال نہیں جب تک یہ اپنے سر

اور سارے بدن کو دھو نہ لے (یعنی غسل نہ کرلے) یا اگر اہل تیمّم میں سے ہے تو جب تک تیمّم نہ کرے یا اگر یہ نہ کرسکا تو وضو یا تیمّم کرلے اور اگر وضو بھی نہ کرسکے تو پانی سے اپنی شرمگاہ کو ضرور دھوئے۔ ان چار صورتوں میں سے کسی ایک کے بعد اس سے وطی حلال ہے۔

اس کی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے :۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ (البقرہ : ۲۲۲)

"اور آپ سے وہ لوگ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ وہ تو نجاست ہے لہٰذا ایامِ حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے، ان کے پاس جاؤ۔"

"حَتّٰى يَطْهُرْنَ" کے معنی یہ ہیں کہ یہاں تک کہ انہیں طہارت حاصل ہو جائے اور خاتمۂ حیض کا نام طہارت ہے اور "فَإِذَا تَطَهَّرْنَ" ان کے فعل کی صفت ہے اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا اسے شریعت اور لغت میں "تطہیر" "طُہور" اور "طُہر" کہا جاتا ہے لہٰذا ان مذکورہ چار صورتوں میں سے عورت کسی ایک صورت کو انجام دے لے، اس کی حالت طہارت کی ہوگی! چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا (التوبہ : ۱۰۸)

"اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں"

نص اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ اس آیت میں "أَنْ يَتَطَهَّرُوا" سے مراد فرج اور دُبر کا پانی سے دھونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنابت و حدث سے تیمّم بھی طہارت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :۔

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ : ۶)

"اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو۔"

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ" "اللہ وضو کے بغیر نماز قبول

نہیں فرماتا" (تو ان دلائل سے معلوم ہوا کہ) جو شخص فرمان باری فَإِذَا تَطَهَّرْنَ (جب وہ پاک ہو جائیں) کو صرف غسل کے معنی میں محدود کرتا ہے اور اس سے وضو، تیمّم اور استنجاء مراد نہیں لیتا تو اس کی یہ بات بغیر علم کے ہے اور اس نے کلامِ الٰہی جن معانی پہ وارد ہو سکتا ہے، ان میں سے بغیر کسی دلیل کے بعض کی تخصیص کر دی ہے۔

ہم ان سے یہ بھی عرض کریں گے کہ آپ نے شفق کے بارے میں یہی طرزِ عمل کیوں اختیار نہیں کیا، کیوں آپ نے فرمایا ہے کہ جس چیز پر بھی شفق کا اطلاق ہو سکے، اس کے غروب ہونے کے ساتھ عشاء کا وقت ہو جائے گا، کبھی تو لفظ کو تم اس کے تمام مقتضیات پر محمول کرتے ہو اور کبھی محض دعویٰ و ہوس کی بنیاد پر اس کے تقاضوں میں سے بعض پر اسے محمول کر لیتے ہو!

اگر کوئی یہ کہے کہ ایّام ماہواری کے آغاز ہی سے عورت سے مباشرت حرام ہو جاتی ہے اور اس پر اجماع ہے لہٰذا اس کے حلال ہونے کی صورت بھی ایسی ہونی چاہیے جس پر اجماع ہو۔

ہم عرض کریں گے کہ یہ بات بالکل باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے، اسے نہ کسی نص نے واجب قرار دیا ہے اور نہ اجماع نے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جب کوئی چیز بالاجماع حرام ہو اور پھر اسے حلال قرار دینے کے سلسلہ میں کوئی نص آ جائے تو وہ مباح ہو گی اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس کے مباح ہونے پر اجماع ہے یا اختلاف ہے۔

اگر تمہارے اس قاعدہ کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو تمہارے اکثر اقوال باطل قرار پائیں گے مثلاً تم نے مُحدث اور جُنبی کے لیے بالاجماع نماز کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا ان کے لیے نماز کو حلال قرار دینے کی صورت میں بھی اجماع ہونا چاہیے۔ تم جُنبی کے لیے تیمّم سے نماز جائز قرار نہیں دیتے ہو خواہ وہ مہینہ بھر پانی نہ پاتے حالانکہ اس مسئلہ پر اجماع نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن خطابؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم اور اسود تیمّم سے نماز کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح جو شخص وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی نہ ڈالے، اس کی نماز کو انہوں نے باطل قرار دیا ہے کیونکہ اس کی صحت پر اجماع نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے یا آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ کرے، تو اس کی نماز کو بھی انہوں نے باطل قرار دیا ہے روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر شرعی احکام و مسائل میں سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس سے

معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ ہی سراسر فاسد ہے۔ اور اس پر جو قول متفرع ہے وہ بھی فاسد ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جو حضرات ہمارے ہمنوا ہیں، ان میں سے عطاء، طاؤس اور مجاہد مشہور ہیں اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

حنفیہ کی رائے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر عورت کا معمول دس ایام ہیں تو دس ایام کے خاتمہ کے بعد عورت سے وطی حلال ہے، خواہ اس نے غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو، ایک نماز کا وقت گزر گیا ہو یا نہ گزرا ہو، اس نے وضو کیا ہو یا نہ کیا ہو، تیمم کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اپنی شرم گاہ کو دھویا ہو یا نہ دھویا ہو، اور اگر اس کے ایام حیض دس دنوں سے کم ہوں تو غسل کیے بغیر اس سے وطی حلال نہیں یا طہارت کے بعد قریبی نماز کا وقت گزر گیا ہو اور اگر ایک ہی نماز کا وقت گزرا ہے، جس کے وقت پر یا اس سے پہلے یہ پاک ہوئی ہے اور اس نے غسل نہیں کیا تو اس سے وطی جائز ہے خواہ اس نے غسل، تیمم، وضو، اور استنجا میں سے کوئی کام بھی نہ کیا ہو، اور اگر عورت اہل کتاب میں سے ہو تو وہ جونہی پاک ہو اس سے ہر حال میں وطی حلال ہے۔

ان جیسے اقوال سے سلامت رہنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس مسئلہ میں کوئی روایت ذکر نہیں کی گئی۔ تابعین میں سے بھی کسی سے اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں کہ سالم بن عبداللہ، سلیمان بن یسارؒ، زہریؒ اور ربیعہ فرماتے ہیں کہ جب تک عورت غسل نہ کرے، اس سے وطی منع ہے لیکن ان حضرات کے اقوال جبکہ وہ ان اقوال میں منفرد ہوں یعنی کسی سے ان کی مخالفت بھی ثابت نہ ہو پھر بھی حجت ہیں لیکن یہاں تو ان اقوال میں ان ہی جیسے دوسرے اشخاص نے ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

کتنے ہی ایسے مسائل ہیں، جن میں انہوں نے بے شمار حضرات صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہ کی تھی۔ اس سے قبل ہم اس کی بہت سی مثالیں ذکر کر چکے ہیں اور آئندہ بھی ذکر کریں گے۔ انہی میں سے یہ روایت بھی ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور نافع بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں اور نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن ان حضرات نے محض اپنی آراء سے ان حضرات صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے۔

۲۔حضرت ابوبکرؓ، ثابت بن قیسؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ران کا پردہ نہیں ہے۔صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن ان حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے، اس طرح کی مثالیں بہت ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی منشا "فَاِذَا تَطَهَّرْنَ" کے تقاضوں میں سے بعض سے ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر اس کی وضاحت فرما دیتے۔جب آپ نے اس کی کوئی تخصیص نہیں بیان فرمائی اور ہمارے لیے اس کا سمجھنا قرآن پر موقوف قرار دیا ہے۔ تو ہمیں قطعی طور پر یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے بعض تقاضوں کا ارادہ نہیں کیا جبکہ بعض دیگر کو چھوڑ دیا گیا۔

اگر یہ کہیں کہ ہمارے قول میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے تو ہم عرض کریں گے کہ حاشاللہ ہرگز نہیں بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ جب وطی کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تو اسے حرام قرار نہ دیا جاتے۔اگر یہ حضرات یہ اعتراض کریں کہ جب تک اس کے لیے نماز پڑھنا حلال قرار نہیں پاتا، اس وقت تک وطی بھی حلال نہیں ہوگی، ہم عرض کریں گے کہ یہ دعویٰ حسبِ ذیل وجوہ واسباب کے باعث باطل ہے۔

اوّل: اس دعویٰ کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔

دوم: کئی ایسی حالتیں ہیں، جن میں عورت سے وطی تو جائز ہے مگر عورت کے لیے ان حالتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں مثلاً جنابت اور حدث کی حالتیں۔

سوم: ان سے یہ بھی کہا جاتے گا کہ آپ نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ عورت سے اس وقت تک صحبت جائز نہیں جب تک اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ان حضرات کے نزدیک روزہ فقط رؤیتِ طہارت ہی سے جائز ہو جاتا ہے۔ہمارا یہ دعویٰ ان کے دعوے کے مقابلہ میں ہے۔

اگر بعض حضرات یہ کہیں کہ تحریم تو معمولی اشیاء کے ساتھ ہو سکتی ہے لیکن تحلیل کے لیے اشیاء کا غیر معمولی ہونا ضروری ہے مثلاً جن عورتوں سے باپ دادا نے نکاح کیا ہو، ان کی حرمت محض ان کے نکاح کرنے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے لیکن وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ نکاح کرکے مباشرت نہ کرلے۔

ہم عرض کریں گے کہ بات ایسی نہیں جیسے آپ نے کہی بلکہ اس قاعدہ کے فاسد و باطل ہونے کے ساتھ ساتھ

آپ نے خود اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ آپ نے ان غیر معمولی اشیاء کو ترک کر دیا ہے، جنہیں مخالفین نے پیش کیا ہے۔ اسے کہتے ہیں جانب داری!

حضرت حسن بصریؒ تو اس کے قائل ہیں کہ وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، پہلے خاوند کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اور پھر نکاح کے بعد مباشرت و انزال بھی ہو۔ جبکہ سعید بن مُسیّبؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت فقط نکاح ہی سے حلال ہو جاتی ہے، خواہ مباشرت و دخول نہ بھی ہُوا ہو۔

پھر ان حضرات سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تمہارے اس قاعدے کے خلاف ہم یہ پاتے ہیں کہ تحلیل کا پہلو بہت معمولی اشیاء سے ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت کی شرم گاہ کے استعمال میں جہنّم رسید ہونے کی وعید، رجم کے ذریعہ اس کی جان کی بربادی اور کوڑوں وغیرہ کی سزا تھی لیکن یہی عورت محض دو یا تین کلموں کے ذریعہ اس کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی شخص سے یُوں کہے کہ "اپنی بچّی میرے نکاح میں دے دو" اور وہ جواب میں یہ کہے کہ "مَیں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا" یا اس طرح کہ "عورت رضامندی کا اور ولی اجازت کا اظہار کر دے" یا کسی لونڈی کا آقا کسی شخص سے مخاطب ہوتے ہُوئے یہ کہہ دے کہ "یہ مَیں نے تمہیں ہبہ کر دی ہے"۔ لیکن تحریم کے لیے اشیاء کا غیر معمولی ہونا ضروری ہے۔ مثلاً تین طلاقیں، یا عدّت کی مدّت کا ختم ہونا، اسی طرح ہم پاتے ہیں کہ رَبِیبَہ (منکوحہ کی لڑکی جو اس کے پہلے خاوند سے ہو) کی حُرمت کے لیے نکاح اور دخول دونوں ضروری ہیں ورنہ صرف عقد سے ہی حُرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ان مثالوں سے معلوم ہُوا کہ ان حضرات نے جو کچھ کہا تھا یہ محض خلطِ مبحث اور ایک باطل قول ہے۔ حق بات یہ ہے کہ تحریم بھی اسی چیز سے ثابت ہوتی ہے جس سے تحلیل کا ثبوت ہوتا ہے محض اشیاء کا معمولی و غیر معمولی ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تحریم و تحلیل کی بُنیاد صرف کتاب و سُنّت ہے اور کچھ نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۵۷۔ حائضہ کے لیے نماز و روزہ کی قضا

جس نماز کے وقت میں حائضہ کو کچھ طہارت حاصل ہو جائے، اس کی قضا دے نیز ایامِ حیض میں جو روزے رہ گئے ہوں، ان کی بھی قضا ضروری ہے۔ یہ متفق علیہ نص ہے جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

۲۵۸۔جس نماز کے اوّل یا آخر وقت حیض جاری ہو اُس کا حکم

جب کسی عورت کو نماز کے اوّل یا آخر وقت میں حیض شروع ہوا اور وہ یہ نماز نہ پڑھ سکی ہو تو اُس سے یہ ساقط ہو جائے گی اور اس کا اعادہ بھی ضروری نہیں۔امام ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے نیز محمد بن سیرین اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی۔امام نخعی، شعبی، قتادہ اور اسحاق فرماتے ہیں کہ قضا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسے نماز پڑھنا ممکن تھی تو پھر قضا ضروری ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے وقت مقررہ رکھا ہے جس کا اوّل و آخر ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپؐ نے نماز اوّل وقت بھی پڑھی ہے اور آخر وقت بھی، تو معلوم ہُوا کہ جو شخص نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرتا ہے وہ گناہگار نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصیت کا کوئی کام نہیں کرتے تھے تو یہ عورت بھی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنے کے باعث گناہگار نہیں اور جب اسے تاخیر کرنے کی اجازت ہے اور اس نے اس سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حیض آگیا اور حیض نے اس سے اس فریضہ کو ساقط کر دیا۔

اگر نماز اوّل وقت پڑھنا ہی واجب ہوتی تو اوّل وقت کے بعد پڑھنے والے کی نماز قضا ہوتی، ادا نہ ہوتی اور تاخیر کے باعث فاسق قرار پاتا لیکن یہ بات غلط ہے اور اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں!

۲۵۹۔جب نماز کے آخر وقت میں عورت پاک ہو اور اُس نماز کا پڑھنا اُس کے لیے ممکن نہ ہو

جب کوئی عورت کسی نماز کے بالکل آخر وقت میں پاک ہو اور وضو و غسل کرتے کرتے وقت ختم ہو جائے تو یہ نماز اس کے ذمہ فرض نہ ہو گی اور نہ اس کی قضا ضروری ہے، اوزاعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے یہ نماز پڑھنا ہو گی!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بغیر نماز پڑھنا مشروع قرار نہیں دیا اور نمازوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اوقات مقرر کیے ہیں لہٰذا جس وقت گزرنے سے پہلے اس کے لیے طہارت ممکن ہی نہ ہوئی تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اس نماز کی مکلف ہی نہیں جس کو ادا کرنا اس کے لیے اس کے وقت پر حلال نہیں ہے لہٰذا اس کی ادائیگی اس کے ذمہ بعد میں فرض نہ ہو گی۔

۲۶۰۔ حیض میں جماع کے علاوہ باقی سب جائز ہے

آدمی اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ جماع کے علاوہ تلذذ کے لیے باقی سب کچھ کر سکتا ہے۔ حائضہ عورت کا شوہر حالتِ حیض میں اپنی بیوی کی شرم گاہ کے کناروں سے بھی بغیر دخول لطف اندوزی کر سکتا ہے، مگر دُبر میں دخول ہر وقت حرام ہے

اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ آپ اپنی بیوی کے بستر سے ایام حیض میں علیحدگی اختیار کر لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب، سعید بن مُسیّب اور عطاء، امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ازار سے اوپر یعنی ناف سے لے کر اوپر تک عورت کے بدن کے ساتھ تلذذ کر سکتا ہے، ناف کے نیچے کے حصہ کا استعمال جائز نہیں مگر حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت صحیح نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کو اختیار کرنے والے حضرات کی دلیل حسبِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ۔

(البقرۃ۔ ۲۲۲)

"اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ نجاست ہے لہٰذا ایامِ حیض میں تم عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں تم ان سے مقاربت نہ کرو۔۔۔"

اور یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے [جسے ہم نے بطریق ابی داؤد، از سعید بن عبد الجبار، از عبد العزیز الدّراوردی، از ابوالیمان، از امِ ذرہ روایت کیا ہے کہ] امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایامِ حیض میں میں بستر کے بجائے چٹائی پر آجاتی اور پاک ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جاتی (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابوالیمان کثیر بن الیمان الرحال کے واسطہ سے ہے جو کہ مشہور نہیں ہے (بلکہ مستور ہے) نیز امِ ذرہؒ[1] مجہول ہے لہٰذا یہ ساقط الاعتبار ہو گئی۔

---

[1] اگر ابن حزم کو ان دو راویوں کا علم نہیں ہو سکا تو دوسروں کو ہو گیا ہے ابوالیمان کا ابن حبان نے "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ امِ ذرہ حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں، ابن المنکدر، ابوالیمان اور عائشہؓ بنت سعد نے آپ سے روایت کی ہے لہٰذا آپ کی

آیت حضرت ابن عباسؓ کے عمل کو واجب قرار دینے والی ہے ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی صحیح بیان آجاتے تو وہیں رُک جانا پڑے گا۔ لہٰذا آیت کے معاملہ کو ہم نے مؤخر کر دیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے مذہب اختیار کرنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں :

۱۔[ہم نے ابن وہب، از مخرمہ بن بُکیر، از پدر خود، از کُریب مولیٰ ابن عباسؓ روایت کیا کہ] اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام کی حالت میں میرے ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے میرے اور آپؐ کے مابین کپڑا ہوتا تھا۔ (مسلم، کتاب الطہارۃ)

۲۔[ہم نے بطریق لیث بن سعد، از زُہری، از حبیب مولیٰ عُروہ از نُدبہ مولیٰ میمونہؓ روایت کیا کہ] حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے حائضہ کے ساتھ اپنے بدن کو لگا لیا کرتے تھے جب اس کے نصف رانوں تک کپڑا باندھا ہوتا تھا یا کپڑا گھٹنوں تک ہوتا اور اس نے ازار باندھا ہوتا۔ (ابوداود، نسائی کتاب الطہارۃ)

۳۔[ہم نے بطریق ابوخلیفہ، از مُسدّد، از ابوعوانہ، از عمر بن ابی سلمہ، از ابوسلمہ روایت کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایام کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سویا کرتی تھیں اور آپ دونوں کے مابین کپڑا ہوتا تھا۔ (مُسند احمد ۶ : ۷۸)۔

۴۔[ہم نے بطریق ابواسحاق، از عاصم بن عَمرو بَجلی روایت کیا کہ] کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ انسان کے لیے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ آدمی کے لیے حائضہ عورت کا کتنا حصہ حلال ہے ؟ تو آپ نے فرمایا ازار سے اوپر کا حصہ اور جب تک وہ پاک

جہالت مرتفع ہوگئی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر بھی ثقات میں کیا ہے عجلی کہتے ہیں کہ یہ تابعیہ ہیں لہٰذا مجہول نہ رہیں۔ احمد شاکر (ابن حجرؒ نے ابوالیمان کو مستور کہا ہے اور رام ذرہ کو مقبول۔ اور یہ کم سے کم وصف ہے جسے ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے خود ہی تقریب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ مستور اُسے کہیں گے جس کی توثیق ثابت نہ ہو اگرچہ اس سے ایک سے زیادہ آدمیوں نے روایت بھی کیا ہو۔ اور جس راوی کو مقبول کہیں گے اس کی روایت بشرط متابعت قبول کی جاتی ہے گی۔ ابن حبان نے ان دونوں کو اپنی کتاب ثقات میں داخل کر کے تساہل برتا ہے اور یہ اہل علم پر واضح ہے پھر یہ روایت صحیح ترین روایات کے مخالف ہے اس لیے بھی قابل قبول نہیں (ابوالاشبال پاکستانی)

نہیں ہو جاتی ازار کے نیچے مت جھانکو۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ۱: ۳۲۲)

و نیز یہ روایت بطریق ابو اسحاق از عُمیر مولیٰ عمرؓ بھی اسی طرح مروی ہے۔ (بیہقی ۱ : ۳۱۲)

نیز بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از مالک بن مغول، از عاصم بن عمرو از حضرت عمرؓ بھی اسی طرح مروی ہے۔

نیز بطریق مُسدّد، از ابوالاحوص، از طارق بن عبدالرحمٰن از عاصم بن عمرو بھی مروی ہے (سُنن سعید بن منصور، ۲ : ۸۷ مطولاً، ابن ابی شیبہ ۴ : ۲۵۶)

[ہم نے بطریق ہارون بن محمد بن بکار، از مروان بن محمد از ہیثم بن حمید، از علاء بن حارث روایت کیا کہ] حضرت حرام بن حکیم سے روایت ہے کہ ان کے چچا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جب میری بیوی کے ایام ماہواری ہوں تو پھر میرے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا، ازار سے اُوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے (ابو داؤد کتاب الطہارۃ)

[ہم نے بطریق ہشام بن عبدالملک الیزنی از بقیہ بن ولید از سعید بن عبداللہ اغطش، از عبدالرحمٰن بن عائذ ازدی بن قرط امیر حمص روایت کیا کہ] حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر بیوی کے ایام ماہواری ہوں تو پھر خاوند کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا ازار سے اُوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے لیکن اس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے۔ (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ)

[ہم نے بطریق عبدالرحیم بن سلیمان، از محمد بن کُریب، از کُریب روایت کیا کہ] حضرت ابن عباسؓ سے پُوچھا گیا ایام ماہواری میں خاوند کے لیے عورت کا کیا کچھ جائز ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم نے سُنا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو ایسے ہی ہے واللہ اعلم — ازار سے اوپر جو کچھ ہے وہ حلال ہے۔

[ہم نے بطریق محمد بن جہم از محمد بن فرج از یونس بن محمد، از عبداللہ بن عمر، از ابی النضر از ابی سلمہؓ روایت کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ آدمی کے لیے اس کی حائضہ بیوی سے کیا کچھ حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جو کچھ ازار سے اُوپر ہے۔"

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب ہم ان آثار کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ حضرت میمونہؓ سے جو دو روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک مخرمہ بن بُکیر سے مروی ہے، جو وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ نیز ابن معین فرماتے ہیں کہ مخرمہ ضعیف ہے،

اور اس کی حدیث کوئی شئی نہیں[1]۔

حضرت میمونہؓ سے مروی دوسری حدیث بطریق ندبہ ہے اور یہ مجہول اور غیر معروف ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو لیث سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ نَدَبَۃ [نون اور دال پر زبر کے ساتھ] ہے مگر اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے ان کا تلفظ نُدْبَۃ [نون پر پیش اور دال پر سکون کے ساتھ] بتاتے ہیں۔

یونس کہتے ہیں کہ بُدَیَّۃ [باء پر پیش دال پر زبر اور یاء پر تشدید کے ساتھ] ہے اور یہ سب زہریؒ سے روایت کرنے والے ہیں۔ پس حضرت میمونہؓ سے مروی دونوں روایتیں ساقط ہو گئیں!

حضرت عائشہؓ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک بطریق عمر بن ابی سلمہ ہے اور شعبہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی[2]، لہٰذا یہ روایت بھی ساقط ہوئی۔ دوسری روایت بطریق عبداللہ بن عمرؓ ہے اور یہ عمری صغیر ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے البتہ اس کا بھائی عُبَیداللہ ثقہ ہے۔ پس حضرت عائشہؓ سے مروی دونوں روایتیں بھی ساقط ہو گئیں۔

حدیث عمرؓ منقطع ہے کیونکہ ابواسحاق کا عُمَیر مولیٰ عمرؓ سے سماع یعنی حدیث سننا اور روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق زہیر بن حرب از عبداللہ بن جعفر مخرمی[3] از عُبَیداللہ بن عَمرو جزری، از زید بن ابی انیسہ از ابواسحاق از عاصم بن عَمرو از عُمَیر مولیٰ عُمر جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند بھی ساقط ہے کیونکہ عاصم بن عَمرو کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں بلکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ انہوں نے اسے

---

[1] یہ درست کہ مخرمہ نے اپنے باپ سے حدیث کی سماعت نہیں کی۔ بقول بعض انہوں نے اپنے باپ سے ایک حدیث یعنی حدیث وتر روایت کی ہے اور یہ درست نہیں کہ وہ ضعیف ہے کیونکہ امام مالکؒ، امام احمدؒ، ابن مدینیؒ اور ابن سعد کے علاوہ کئی دیگر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

[2] یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ امام ابن معینؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ کی ایک حدیث کو صحیح کہا ہے ابن حنبل کہتے ہیں صالح، تقہ ہیں ان شاء اللہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں حسن الحدیث لاباس بہٖ۔ ابن عدیؒ کا قول شاید سب سے زیادہ مبنی بر عدل و انصاف ہے۔

[3] مَخرمی میم پر زبر اور خاء پر سکون اور راء غیر مشدد کے ساتھ ہے۔ میرا خیال ہے کہ امام ابن حزم کا یہاں مخرمی کا ذکر کرنا خطا ہے کیونکہ یہ مخرمی تو ۱۷۰ھ میں فوت ہو گیا تھا اور عُبَیداللہ بن عمرو جزری ۱۸۰ھ میں فوت ہوا ہے لہٰذا یہ بات بعید ہے کہ مخرمی ان سے روایت کرے، پھر کسی نے یہ ذکر بھی نہیں کیا کہ مخرمی نے اس سے روایت کی ہے بظاہر درست یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ بن جعفر الرقی ہے، اور وہ عُبَیداللہ بن عَمرو سے روایت کرنے میں معروف ہے۔ رقی کی وفات ۲۲۰ھ میں ہوئی ہے۔

عمرؓ سے منقطع ذکر کیا ہے:۔

اس روایت کو ہم نے اس طرح بھی روایت کیا ہے: زُہَیر بن معاویہ از ابواسحاق از عاصم بن عَمرو شامی۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جو حضرت عمرؓ کے پاس آئے تھے۔ پھر پوری حدیث بیان کی (طحاوی ۲: ۳۷)۔ نیز ہم نے اسے بطریق شعبہ از عاصم بن عَمرو بجلی روایت کیا اور وہ ان لوگوں میں سے ایک شخص سے جنہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تھا، روایت کیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ گویا عاصم نے اسے ایک مجہول راوی سے اور پھر اس نے دو مجہول راویوں سے روایت کیا ہے، لہٰذا یہ روایت بھی بالکل ساقط ہو گئی۔

حرام بن حکیم کی جو اپنے چچا سے روایت ہے، یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ حرام بن حکیم[۱] ضعیف ہے اور یہ وہی آدمی ہے جس سے مذی کے باعث خُصْیَتَیْن دھونے کی روایت مروی ہے۔ نیز اس روایت کو حرام سے مروان بن محمد نے بھی روایت کیا ہے اور وہ بھی ضعیف ہے[۲]۔

حدیثِ معاذؓ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ بقیۃ سے مروی ہے اور وہ قوی نہیں اور وہ سعید اغطش سے روایت کرتا ہے جو مجہول ہے اور پھر اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس سے بچنا زیادہ بہتر ہے حالانکہ یہ حضرات اس کے قائل نہیں۔ حدیث ابن عباسؓ کی سند بھی محقق نہیں[۳] پس یہ سب روایات ساقط الاعتبار ثابت ہوئیں، ان میں سے کوئی

---

[۱] یمنی نسخہ میں یہاں دونوں جگہ حزام ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۹۳ میں بھی اسی طرح ہے جو تصحیف ہے۔ ابن سعد میں حرام بن معاویہ بھی ہے امام بخاریؒ نے حرام بن حکیم اور حرام بن معاویہ کے مابین فرق کیا ہے۔ خطیبؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ سے وہم ہوا ہے کیونکہ یہ ایک ہی آدمی ہے معاویہ بن صالح یعنی اس کے باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ حرام کی عجلی، دحیم اور ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ابن حجرؒ نے "تہذیب" میں لکھا ہے کہ ابن حزمؒ نے "المحلّٰی" میں بغیر دلیل کے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

[۲] مروان بن محمد اسدی طاطری ثقہ ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابو محمد بن حزم نے انہیں ضعیف قرار دینے میں غلطی کی ہے کیونکہ سلف میں سے ابن قانع کے علاوہ اور کسی نے انہیں ضعیف قرار نہیں دیا اور ابن قانع کا قول قناعت بخش نہیں ہے۔

[۳] پھر سند ضعیف بھی ہے کیونکہ اس سند میں محمد بن کریب ہے، جسے امام احمد اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

بھی ایسی نہیں جس سے استدلال جائز ہو۔

پھر جب ہم اپنے قول کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے جو صحیح روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۲۹۷۔ ہم نے بطریق عبداللہ بن شداد حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام ماہواری میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ جب وہ حیض میں ہوتیں، ازار کے اوپر مباشرت کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

۲۹۸۔ ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن اسود وابراہیم نخعی از اسود حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جوشِ حیض کے زمانہ میں حکم دیتے کہ ازار باندھ لو، اور پھر آپ ان سے مباشرت کرتے تھے لیکن تم میں سے کون ہے جو اپنی حاجت نفس پر اس طرح قابو پا سکے جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے۔ یعنی باوجود خواہشِ نفس حرام سمجھتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارت)۔

۲۹۹۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از عمرو بن منصور، از ہشام بن عبدالملک الطیالسی، از یحییٰ بن سعید القطان از جابر بن صبح از خلاس بن عمرو بیان کیا کہ] وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ ایام ماہواری میں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں لیٹتے، اگر آپ کو میری طرف سے کوئی چیز لگ جاتی تو اسے دھو ڈالتے یعنی اُسی حصہ کو اس سے زیادہ نہیں اور اسی میں نماز بھی پڑھ لیتے اور پھر آ کر میرے ساتھ لیٹ جاتے (ابوداؤد کتاب الطہارۃ وکتاب النکاح اور نسائی کتاب الطہارہ وکتاب الصلاۃ)

۳۰۰۔ [ہم سے عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمۃ از ایوب از عکرمہ بیان کیا کہ] ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حائضہ بیوی سے کچھ ارادہ کرتے (یعنی مباشرت کا) تو اس کے مقام خاص پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال دیتے۔ (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، سُنن بیہقی ۱: ۳۱۴)۔

۳۰۱ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از زُہیر بن حرب، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از حماد بن سلمہ، از ثابت بنانی بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ یہودی حائضہ عورتوں کے ساتھ نہ کھانا کھاتے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ مل جل کر رہتے صحابہ کرامؓ نے اس بارے میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:-

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ الخ (البقرہ: ۲۲۲)

"اور آپ سے وہ لوگ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے وہ نجاست ہے سو ایام حیض میں تم عورتوں سے کنارہ کش رہو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان ایام میں عورتوں کے ساتھ جماع کے علاوہ تم سب کچھ کر سکتے ہو! (مسلم کتاب الطہارہ، ابوداؤد کتاب الطہارہ و کتاب النکاح، ترمذی کتاب التفسیر، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

اس حدیث کا تعلق اس آیت کے نزول کے فوراً بعد سے ہے گویا آیت میں بیان کردہ حکم الٰہی کا یہ بیان ہے لہٰذا اس سے تجاوز جائز نہیں۔ لغت میں محیض کے معنی جائے حیض کے ہیں اور اس سے مراد شرم گاہ ہے یہی فصیح و معروف ہے اور اسی کے مطابق یہ آیت، حدیث مذکور کے موافق ہوگی اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان ایام میں عورتوں کی جائے حیض سے الگ رہو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ منقول ہے اس میں سے صحیح یہی ہے۔

چنانچہ ہم نے اسے روایت کیا بطریق ایوب سختیانی، از ابو معشر، از ابراہیم نخعی کہ حضرت مسروق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب میری بیوی کے ایام ماہواری ہوں، تو میرے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا "اندام نہانی کے سوا سب کچھ!" (دارمی نے سند اور متن میں کچھ اختلاف کے ساتھ کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے)۔

حضرت علی بن ابی طلحہ[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ" کے بارہ میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اندام نہانی میں وطی سے بچو۔ (تفسیر طبری ۲: ۲۲۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، مسروق، حسن، عطاء، ابراہیم نخعی اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوری، محمد بن حسن اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی صحیح قول یہی ہے۔ امام داؤد اور دیگر اصحاب حدیث کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ کچھ زبان درازی کی پروا نہ کرنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث انس منسوخ ہے اور

---

[1] "تہذیب" میں علی بن طلحہ کے ترجمہ میں ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن آپ سے سماع ثابت نہیں۔

حدیثِ عمرؓ — جو کہ صحیح نہیں — حضرت عمرؓ سے مروی غیر صحیح روایت کو قرار دیا ہے کیونکہ حدیث انسؓ حدیث عمرؓ کے مخالف ہونے کے ساتھ نزول آیت کے متصل تھی۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: یہ سراسر جھوٹ اور بے علمی کی بات ہے اگر حدیث عمرؓ صحیح بھی ہو تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ نزولِ آیت کے بعد کی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے کی ہو جب یہ دونوں باتیں ممکن ہیں تو پھر حتمی طور پر ایک ہی پر منحصر کرنا جائز نہیں اور ایک غیر صحیح حدیث کی بنا پر محض جھوٹے گمان کی وجہ سے اس یقین کا ترک کرنا جائز نہیں جو قرآن سے ثابت ہے اور جسے نزولِ آیت کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اس پر بس نہیں بلکہ دو اور حدیثیں جو صحیح اور ثابت ہیں جنہیں ہم نے روایت کیا ہے:

۳۰۱۔ اوّل بطریق اَعمش، از ثابت بن عُبَید، از قاسم بن محمد از حضرت عائشہؓ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے چٹائی لا دو" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں حالتِ حیض میں ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ "ماہواری تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے" (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الطہارۃ)

۳۰۲۔ دوم بطریق یحییٰ بن سعید قطّان، از یزید بن کیسان از ابوحازم از حضرت ابوہریرۃؓ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، آپؐ نے فرمایا عائشہؓ! مجھے یہ کپڑا پکڑا دینا تو حضرت عائشہؓ نے کہا میں حالتِ حیض میں ہوں، آپؐ نے فرمایا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم، نسائی کتاب الطہارۃ)

یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ صرف مقامِ حیض سے اجتناب ہے اور بس! وباللہ التوفیق

۲۶۱۔ نفاس کا حکم

جو کام حیض میں ممنوع ہیں، وہی نفاس میں بھی ممنوع ہیں، اس مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، ہاں البتہ نفاس والی عورت بیت اللہ شریف کا طواف کرسکتی ہے کیونکہ طواف سے ممانعت حالتِ حیض کے بارے میں وارد ہے، نفاس کے بارے میں نہیں ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھول ہوگئی ہو۔ "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا"

پھر استدراک سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاس بھی صحیح طور پر حیض ہی ہے لہٰذا اس کے لیے بھی ہر وہ حکم ہوگا، جو حیض کے لیے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

أَنَفِسْتِ؟ "کیا تمہیں حیض شروع ہوگیا ہے"

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا جی ہاں! یعنی آپ نے اس حدیث میں حیض کے لیے نفاس کا لفظ استعمال فرمایا اور اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حیض کی طرح نفاس سے فراغت کے بعد بھی غسل واجب ہے۔

۲۶۲۔ حیض ونفاس کے ایام میں شادی

حیض ونفاس کے ایام میں عورتوں کی شادی کی جا سکتی ہے اور وہ مسجد میں داخل ہو سکتی ہیں، جُنبی بھی شادی کر سکتا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی ممانعت وارد نہیں! نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مومن نجس نہیں ہوتا" اہلِ صُفّہ جو ایک کثیر جماعت پر مشتمل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسجد میں شب باشی کرتے اور بلاشک وشبہ انہیں احتلام بھی ہوتا تھا لیکن انہیں کبھی بھی مسجد میں سونے سے منع نہیں کیا گیا۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جُنبی اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہوں، ہاں اگر راستہ عبور کر رہے ہوں تو پھر داخل ہو سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا۔ (النساء: ۴۲)

"اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تاوقتیکہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔ اور حالتِ جنابت میں بھی نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو۔ البتہ راہ سے گزرتے ہوئے اگر درمیان میں مسجد آ جائے تو گزر سکتے ہو۔"

ان حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ زید بن اسلم یا کسی اور نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اوقاتِ نماز میں تم مسجد کے قریب نہ جاؤ۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ زید کا قول حجت نہیں، اگر یہ صحیح ہے کہ زید نے یہ کہا ہے، تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ ارادہ اوقاتِ نماز میں مسجدوں کے قریب جانے سے منع کرنے کا ہو لیکن فرمایہ دے کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (تم نماز کے قریب نہ جاؤ)۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ آیت کا تعلق نفسِ نماز ہی سے ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ و جُنبی بالکل مسجد سے نہ گزریں۔ امام ابوحنیفہؒ اور سُفیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی اضطراری حالت کے باعث انہیں گزرنا ہی پڑے تو تیمم کر کے گزریں۔ اس سلسلہ میں ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ہم نے بطریق اَفلَت بن خلیفہ، از جَسرہ بنت دِجاجہ، از حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے ہٹا دو کیونکہ میں حائضہ اور جُنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ)

۲۔ ہم نے بطریق (عبدالملک بن حمید) ابن ابی غَنِیّہ، از ابوالخطاب ہجری، از محدوج ذہلی، از جَسرہ بنت دِجاجہ، از حضرت ام سلمہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ارشاد فرمایا کہ یہ مسجد جُنبی و حائضہ کے لیے حلال نہیں۔ ہاں نبی، ازواجِ مطہرات، علیؓ اور فاطمہؓ کے لیے حلال ہے۔

۳۔ ہم نے بطریق عبدالوہاب، از عطاء خفاف، از ابن ابی غَنِیّہ، از اسماعیل، از جَسرہ بنت دِجاجہ از حضرت اُمّ سلمہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مسجد ہر جُنبی آدمی اور ہر حائضہ عورت کے لیے حرام ہے مگر محمدؐ، ازواجِ مطہراتؓ، علیؓ اور فاطمہؓ کے لیے حلال ہے۔

۴۔ ہم نے بطریق محمد بن حسن بن زَبالہ، از سفیان بن حمزہ، از کثیر بن زید، از مُطّلِب بن عبداللہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کے علاوہ اور کسی جُنبی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ مسجد میں بیٹھے یا مسجد سے گزرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب دلائل باطل ہیں۔ حدیث ۱ میں اَفلَت غیر مشہور ہے، ثقہ بھی نہیں۔ ۲ میں محدوج ساقط ہے، یہ جَسرہ سے مُعضَل روایات بیان کرتا ہے اور ابوالخطاب ہجری مجہول ہے۔ ۳ میں عطاء خفاف کا نام عطاء بن مسلم ہے، یہ مُنکَر الحدیث ہے اور اسماعیل مجہول ہے۔ ۴ میں محمد بن حسن مذکور بالکذب ہے اور کثیر بن زید[1] بھی

---

[1] کثیر بن زید، اسلمی و سہمی ہے کسی نے ان پر کذب کے ساتھ جرح نہیں کی البتہ مختلف فیہ ضرور ہے بعض ائمہ نے اس کی توثیق اور بعض نے تضعیف کی ہے۔ ابن حجرؒ "تہذیب" میں فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ، کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کے بارے میں اختلاط

اسی طرح ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل ساقط ہو گئی۔

۴۳۰۔ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عُبَید بن اسماعیل از ابو اُسامہ از ہشام بن عُروہ، از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عرب خاندان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئی اس کے لیے مسجد میں ایک خیمہ یا ایک چھوٹا جھونپڑا بنا دیا گیا تھا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ عورت مسجد نبوی میں سکونت پذیر تھی حیض عورتوں کی عادت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد میں رہنے سے منع نہیں فرمایا اور جس سے آپ نے منع نہ فرمایا ہو وہ فعل مُباح ہوتا ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی قبل ازیں ذکر کر آتے ہیں کہ میرے لیے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حائضہ و جُنُبی کے لیے تمام زمین مباح ہے، زمین ساری مسجد ہے تو یہ جائز نہیں کہ بعض مسجدوں سے ان کو روک دیا جائے اور بعض سے نہ روکا جائے۔

اگر حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کو بتا دیتے، جب آپ کے ایام ماہواری تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صرف طوافِ بیت اللہ سے منع فرمایا اور یہ یقینی طور پر باطل ہے کہ آپ کے لیے اگر مسجد میں داخل ہونا حلال نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں نہ فرمایا۔ صرف طواف ہی سے کیوں منع فرمایا۔ مُزنی، داؤد اور کئی دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۶۳۔ حائضہ سے وطی گناہ ہے

جس شخص نے حائضہ عورت سے وطی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی لہٰذا اس پر فرض ہے کہ توبہ و استغفار کرے البتہ کفارہ کوئی نہیں۔

کا شکار ہو گئے ہیں "صلح" کے بارے میں بطریق کثیر بن عبداللہ سے روایت ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی سند اس طرح ہے: کثیر بن زید از پدر خود از جد خود "الصلح جائز بین المسلمین" .... الحدیث پھر انہوں نے لکھا ہے کثیر بن عبداللہ بن زید بن عمرو ساقط ہے اور اس کے سقوط پر اتفاق ہے اس سے روایت حلال نہیں ... خطیب نے ابن حزمؒ کا تعاقب کیا ہے، پھر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن حجرؒ نے ان دونوں کو ایک ہی سمجھا ہے حالانکہ کثیر بن زید کے بارے میں اس میں سے کچھ بھی نہیں کہا گیا جو ابن حزمؒ نے کہا ہے البتہ یہ کثیر بن عبداللہ کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر خون کی حالت میں جماع کیا ہے تو ایک دینار اور اگر انقطاع خون کی حالت میں کیا ہے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ آپ سے یہ روایت بھی ہے کہ جس نے حائضہ سے وطی کی وہ ایک گردن آزاد کرے۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حائضہ سے وطی کرنے والا ایک دینار صدقہ کرے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ اگر اس کے پاس موجود ہے، دینار نہیں تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اوزاعی اور محمد بن حسنؒ ایک دینار صدقہ کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک دینار صدقہ کردے اور اگر چاہے تو نصف دینار۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک گردن آزاد کرے، اگر نہ طاقت رکھتا ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

جن حضرات نے دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ بطریق مقسم، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک یا نصف دینار صدقہ کرے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر خون خالص اور تازہ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلے رنگ کا ہو تو نصف دینار صدقہ کرے (ابوداؤد کتاب الطہارۃ وکتاب النکاح، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۲۔ بطریق شریک از خُصَیف، از عکرمہ از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے وطی کرے تو وہ نصف دینار صدقہ کرے (نسائی: کتاب عشرۃ النساء، کبریٰ)۔

۳۔ بطریق اوزاعی، از یزید بن ابی مالک از عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ حیض میں وطی کرنے والے کو حکم دیا کہ دینار کے دو خمس صدقہ کرے۔ (ابوداؤد، بیہقی کتاب الطہارۃ)

۴۔ بطریق عبدالملک بن حبیب از اصبغ بن فرج، از سبیعی، از زید بن عبدالحمید، از پدر خود از حضرت عمرؓ بن خطاب روایت ہے کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے وطی کی تو معلوم ہوا کہ وہ حائضہ ہے پھر انہوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نصف دینار صدقہ کرو۔ (دارمی نے کتاب الطہارۃ میں کچھ اختلافِ سند و متن کے ساتھ روایت کیا ہے)

۵۔ بطریق عبدالملک بن حبیب، از مکفوف، از ایوب بن خوط، از قتادہ از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے

کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایک یا نصف دینار صدقہ کرے۔

۶۔ بطریق موسیٰ بن ایوب، از ولید بن مسلم، از ابن جابر، از علی بن بذیمہ، از سعید بن جُبیر از حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ایسے شخص کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا جس نے حائضہ عورت سے مباشرت کرلی تھی (سُنَن نَسائی، کتاب عشرۃ النساء۔ کبریٰ)۔

۷۔ بطریق محمود بن خالد، از ولید بن مسلم از عبدالرحمٰن بن یزید سُلَمی از علی بن بذیمہ از سعید بن جُبیر از حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلی روایت کے مانند مروی ہے (حوالہ پہلی روایت میں گذر چکا)

جن حضرات نے اس کا کفّارہ ایک غلام آزاد کرنا، یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا بتایا ہے انہوں نے ماہ رمضان میں دن کے وقت بحالتِ روزہ وطی کرنے پر قیاس کیا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ۱۔ حدیث مِقسَم ہے اور راس میں مقسم قوی نہیں لہٰذا اس کے ساتھ احتجاج درست نہیں، ۲۔ حدیث عکرمہ کو شریک نے خصَیف سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ ۳۔ حدیثِ اَوزاعی مرسل ہے، ۴ و ۵۔ عبدالملک بن حبیب کی دونوں حدیثیں ناقابلِ احتجاج ہیں، اگر اس کے علاوہ اور کوئی ضعیف راوی نہ بھی ہوتا تو صرف اسی کے باعث ہی روایت ساقط ہے۔ لیکن ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت سَبیعی سے ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ علاوہ ازیں یہ روایت مُرسَل بھی ہے۔ دوسری روایت مکفوف سے ہے، اس کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ اور وہ ایوب بن خوط سے روایت کرتا ہے اور یہ ایوب بھی ساقط ہے۔

۶ و ۷۔ ولید بن مسلم کی دونوں حدیثیں بطریق موسیٰ بن ایوب اور عبدالرحمٰن بن یزید مروی ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں لہٰذا اس باب کے تمام آثار ساقط الاعتبار ہو گئے۔

حالتِ حیض میں وطی کرنے والے کو حالتِ روزہ میں وطی کرنے والے پر قیاس کرنا بھی باطل ہے۔ جن حضرات کی عادت بے سروپا آثار۔ مثلاً حرام سے مروی حدیث اِستِظہار، نبیذ سے وضوء کی حدیثیں، احادیث الجعل فی الآنف، قہقہہ سے وضو کی حدیث، بسرہ بنت دجاجہ وغیرہ کی حدیثیں کہ حائضہ اور جنبی مسجد میں داخل نہ ہوں، اور اسی طرح بے سروپا وہ روایتیں کہ حائضہ اور جُنُبی قرآن نہ پڑھیں۔۔۔ قبول کرنے والوں پر یقیناً لازم تھا کہ وہ ان آثار سے استدلال کرتے، کیونکہ یہ

آثار اپنی علتوں کے باوجود اپنی دُم بریدہ روایتوں سے جن کو یہاں ان حضرات نے قبول کیا ہے بہرکیف بہتر ہیں لیکن ان حضرات کی اضطرابی کیفیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات مُرسل، مُسند، قوی اور ضعیف روایات سے استدلال اسی وقت کرتے ہیں جب ان کی تقلید کے موافق ہوں یعنی صحت وسقم کا اعتبار نہیں بلکہ تقلیدی مزعومات کی پاسداری مقصود ہے۔

جو رمضان میں کھانے کو رمضان میں مباشرت پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ کو واجب قرار دیتے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ حیض میں مباشرت کرنے والے کو، رمضان میں بوقت دن مباشرت کرنے والے پر قیاس کرتے کیونکہ ان دونوں نے حلال فرج میں وطی کی ہے جو اس عارضی صفت کے باعث حرام ہُوا تھا، ان کے فاسد قیاسات کے بجائے یہ قیاس زیادہ صحیح ہے کیونکہ وطی کرنے والے کا وطی کرنے والے پر قیاس، کھانے والے کے وطی کرنے والے پر قیاس کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح تیل کا کنگھی پر قیاس، براز کرنے والے کا پیشاب کرنے والے پر، خنزیر کا کُتّے پر، مسلمان بیوی کی شرم گاہ کا ملعون چور کے ہاتھ پر قیاس، یہ سب باطل قیاس ہیں۔ اس سے ہر ذی شعور پر واضح ہو جائے گا کہ یہ نہ نصوص کے مطابق عمل کرتے ہیں اور نہ قیاس کے موافق بلکہ یہ سراسر مقلد ہیں یا مستحسن!

وباللہ تعالیٰ التوفیق!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہماری پوزیشن یہ ہے کہ اگر ان آثار میں سے کوئی صحیح ہو تو ہم ان کے مطابق عمل پیرا ہونے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے تو جب حالت حیض میں وطی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے کچھ واجب قرار نہیں دیا تو اس کے لیے وہ حرام نہیں ہُوا بلکہ معصیت میں واقع ہُوا پس اللہ نے جتنا لازم قرار دیا ہے اس سے زیادہ اس پر لازم قرار دینا جائز نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے لازم ہوگا کہ اس معصیت کے کام سے توبہ کرے نیز استغفار اور تعزیر واجب ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بُرائی کا کام دیکھے تو اُسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کرے۔ ہم اس حدیث کو قبل ازیں بالاسناد ذکر کر چکے ہیں۔ تعزیر کی مقدار کیا ہو؟ یہ ہم اپنے مقام پر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ عزّوجل۔

۲۶۴۔ حاملہ عورت اور خُون

ہر وہ خُون جسے حاملہ عورت دیکھے بچّے کی ولادت سے قبل تک نہ وہ حیض ہے اور نہ نفاس اور حاملہ کے خون کے باعث کوئی چیز بھی ممنوع نہیں

یہ مسئلہ کہ حاملہ کا خون حیض نہیں، نیز اس کی دلیل بھی ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

یہ خونِ نفاس بھی نہیں کیونکہ اس نے ابھی تک حمل وضع ہی نہیں کیا، اور وہ حائض بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اس کی وجہ سے اس کے واجبات جو ثابت شدہ ہیں جیسے نماز، روزے اور جوازِ جماع، یہ جھوٹے دعووں سے ساقط نہیں ہوں گے بلکہ ان کے سقوط کے لیے نص چاہیے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۵۔ معمّر خاتون اور سیاہ خون

اگر کوئی معمّر خاتون سیاہ رنگ کا خون دیکھے، تو یہ خونِ حیض سمجھا جائے گا لہٰذا اس صورت میں اس خاتون کو نماز، روزہ، طواف اور وطی کی ممانعت ہو گی۔ اس کی دلیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جسے ہم قبل ازیں اسناد کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہوتا ہے، اور جب کوئی عورت اسے دیکھے تو نماز ترک کر دے" نیز حیض کی بابت آپ کا یہ ارشاد کہ "یہ ایک ایسی شئے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم کے لیے فرض قرار دے دیا ہے" یہ خون سیاہ رنگ کا جو بناتِ آدم سے برآمد ہو اس کے لیے کوئی نص یا اجماع نہیں ہے کہ یہ حیض نہیں ہے، جیسا کہ حاملہ کی بابت نص آگئی ہے۔ اگر منکرین حسبِ ذیل ارشادِ باری ذکر کریں۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ۔ (الطلاق: ۴)

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم کو (ان کی عدّت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہے"

تو ہم عرض کریں گے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی نااُمّیدی کی بابت خبر دی ہے، یہ خبر نہیں دی کہ ان کی نااُمّیدی سے حیض بالکل منقطع ہو جاتا ہے، اور پھر یہ کہ حیض سے ناامیدی اس بات کو مستلزم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں حیض پیدا کر ہی نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی بھی نہیں کی اور نہ اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا۔ (النور: ۶۰)

"اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ نکاح سے مایوس ہیں لیکن اس سلسلہ میں کوئی ممانعت نہیں ہے

کہ وہ نکاح کر ہی نہیں سکتیں، اور اس مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں یعنی حیض سے مایوس اور نکاح کی امید نہ رکھنے والی عورتوں کے بارہ میں جو کلام الٰہی وارد ہے ، اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں یہ مطلب نہیں کہ وہ اب نکاح نہیں کر سکتیں یا انہیں اب حیض آ ہی نہیں سکتا۔ معمر خاتون کے سلسلہ میں جو قول ہمارا ہے امام شافعیؒ کا بھی وہی قول ہے ۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق ۔

۲۶۶۔ حیض کی مدت حیض کی کم از کم مدت یہ ہے کہ ایک دفعہ آجائے پس جب بھی کوئی عورت اپنے اندام نہانی میں سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو فوراً نماز اور روزے سے رک جائے ، اس حالت میں اس کے خاوند اور آقا کے لیے وظیفہ زوجیت ادا کرنا بھی حرام ہو جاتا ہے ۔ اگر خون سیاہ رنگ کے بعد عورت سُرخ رنگ ، یا گوشت کے پانی جیسا ، یا پیلا ، مٹیالا یا سفید خون دیکھے یا مقام کو بالکل خشک دیکھے تو وہ پاک ہو گئی ہے لہٰذا غسل کرے یا اگر اہل تیمم میں سے ہے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے ، اور روزہ رکھے ، وظیفہ زوجیت ادا کرے اور یہی اس کا ہمیشہ کے لیے دستور ہو گا ۔ جب بھی سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو ان اُمور سے رُک جائے کیونکہ یہ حیض ہے اور جب بھی سیاہ رنگ کے علاوہ اور کسی قسم کا خون دیکھے تو یہ حیض نہیں بلکہ طہر سمجھا جائے گا ، طلاق کی عدت میں بھی اسی اصول کو پیشِ نظر رکھے ، اگر حیض کا خون طوالت اختیار کر جائے تو سترہ دن تک وہ حیض ہی ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو جائے خواہ خون کم ہو یا زیادہ تو وہ حیض نہیں ہے ۔ اس کا حکم ہم ان شاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے !

اس کی دلیل وہ نص ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہے اور جسے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف خون ہے" اس کے علاوہ جو خون ہو وہ حیض نہیں ہے ۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات کی تعیین نہیں فرمائی بلکہ واجب یہ قرار دیا ہے کہ جب بھی عورت اسے دیکھے تو نماز ، روزہ اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی سے رُک جائے اور جب یہ ختم ہو جائے تو پھر یہ سب کچھ بدستور جائز ہو گا لہٰذا جب تک حیض برقرار رہے ، وقت کی تعیین نہیں کی جائے گی ۔ البتہ کسی نص یا اجماع سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حیض نہیں ہے لیکن سترہ دن سے کم کے سلسلہ میں چونکہ نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع لہٰذا جس بات پر اجماع ہو جائے کہ یہ حیض نہیں ہے اسے اختیار کیا جائے گا اور حیض کے احکام سے اعراض کر لیا جائے گا ۔

اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اور آپؐ نے سیاہ

رنگ کے خون پر حیض کا حکم لگایا ہے پس وہ حیض ہی ہے اور ان اُمورِ مذکورہ سے مانع !

لیکن اس بارے میں کوئی نص یا اجماع نہیں ہے کہ بعض طُہر جس کے باعث نماز و روزہ کی ادائیگی مُباح ہو جاتی ہے، عدّت میں طُہر شمار نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فرق کرتا ہے تو وہ یقینی طور پر خطا کار ہے اور اس بات کا قائل ایسی بات کر رہا ہے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی ذکر ہے اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں، نہ قیاس سے ثابت ہے اور نہ اجماع سے ! بلکہ قرآن و حدیث تو صرف اسی بات کو واجب قرار دیتے ہیں جو ہم نے کہی ہے کہ حالت حیض میں عورت نماز و روزے سے رُک جائے، جب حیض ختم ہو جائے تو ان کی ادائیگی شروع کر دے جب حیض ختم ہو جائے تو وہ حالتِ طُہر ہو گی، دو حیضوں کے درمیان کی مدت طُہر ہے، اس کا شمار عدّت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط

" اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رکھیں "

تو جو شخص " ایامِ قرء " کی حد بندی کرتا ہے تو اس کی یہ بات سراسر باطل اور علم کے بغیر ہے، اس سلسلہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع ! اس مسئلہ میں تین اعتبار سے ائمہ و فقہاء کے مابین اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

اوّل : حیض کی کم از کم مدّت ۔

دوم :۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدّت

سوم : اس اعتبار سے عدّت اور نماز و روزہ میں فرق ۔

حیض کی کم از کم مدّت کے بارے میں ایک گروہ کا کہنا ہے، وہ ایک ہی بار حیض کا آجانا ہے جس کے باعث عورت کو نماز و روزہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی ترک کرنا پڑے گی ۔ عدّت میں اس کی کم از کم مدّت تین دن ہے۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے ۔ امام مالکؒ سے یہ بھی روایت ہے، عدّت میں کم از کم مدّت پانچ دن ہے۔

ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ نماز، روزہ، مباشرت اور عدّت کے سلسلہ میں کم از کم مدّتِ حیض یہ ہے کہ صرف ایک دفعہ حیض آجائے ۔ اوزاعیؒ، داؤد اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے

ایک یہی ہے

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حیض کی کم ازکم مدت ایک دن رات ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ مشہور یہی قول ہے عطاء کا بھی یہی قول ہے۔

ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ کم ازکم مدتِ حیض تین دن ہے، اگر تین دن سے پہلے خون منقطع ہوجائے تو یہ استحاضہ ہے حیض نہیں ہے۔ لہٰذا نماز، روزہ ترک نہ کرے، امام ابوحنیفہؒ، ان کے اصحاب اور سفیان کا یہی قول ہے۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حیض کی مدت چھ یا سات دن ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول یہ بھی ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے نماز، روزہ، حرمتِ وطی اور عدت کے مابین فرق کیا ہے، ان کا قول بالکل غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن سے، نہ حدیث صحیح وضعیف سے، نہ اجماع سے، نہ کسی صحابی کے قول سے، نہ قیاس سے، نہ احتیاط سے اور نہ ہی رائے کی روشنی میں اس کی کوئی معقول وجہ نظر آتی ہے لہٰذا اس قول کو ترک کرنا واجب ہے۔

جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حیض کی کم ازکم مدت چھ یا سات دن ہے۔ ہمارے نزدیک ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عادت یہی ہے۔

ان حضرات نے ایک حدیث بھی ذکر کی ہے جسے ہم نے بطریق ابن جریج، از عبداللہ بن محمد، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ روایت کیا وہ اپنے چچا عمران بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ان کے لیے چھ یا سات دن مدت مقرر کی (ترمذی کتاب الطہارۃ مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۲۹۹)

نیز بطریق حارث بن ابی اُسامہ، از زکریا بن عدی، از عبداللہ بن عمرو الرقی، از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ از عم خود از مادرِ خود روایت کیا کہ حضرت حَمنہ بنت جَحش ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حیض کے چھ یا سات دن گزارو — جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے — پھر غسل کرو اور جب پاک صاف ہوجاؤ تو چوبیس یا تئیس دن نمازیں پڑھو اور اتنے دن ہی روزے رکھو اور ہر ماہ ایسے ہی کرو جیسا کہ عورتوں کا حیض وطہر کے سلسلہ میں معمول ہے[1]

[1] دیکھیں صفحہ آئندہ پر:

ابوعُبَید نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسے اس عورت پر محمول کیا ہے، جسے نیا نیا حیض آنے لگا ہو!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔ ایک تو اس لیے صحیح نہیں کہ ابنِ جُرَیج نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے سماع نہیں کیا۔ اسی طرح یہ حدیث ہمیں حمام نے از ابن عباس بن اصبغ، از ابن ایمن از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ از امام احمد بن حنبلؒ بیان کی ہے۔ ابنِ جُریج کہتے ہیں مجھے ابن عقیل سے یہ حدیث پہنچی ہے حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ابنِ جُرَیج نے اسے نعمان بن راشد سے روایت کیا ہے اور نعمان کا ضعیف ہونا مشہور ہے۔ شریک اور زہیر بن محمد نے بھی اسے روایت کیا ہے اور یہ دونوں بھی ضعیف راوی ہیں۔ عمرو بن ثابت سے بھی یہ مروی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔ عمر بن طلحہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ طلحہ کے کسی بیٹے کا نام عمر نہیں!

دوسری روایت اس لیے صحیح نہیں کہ یہ بطریق حارث بن ابی اُسامہ ہے اور حارث متروک ہے، لہٰذا یہ روایت باطل ہوئی۔[۱]

انہوں نے جو یہ کہا کہ حیض کے سلسلہ میں عورتوں کا معمول یہی ہے، تو یہ بھی کوئی حُجّت نہیں کیونکہ اس معمول

[ا] حاشیہ صفحہ سابق:۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے ج ا ص ۱۱۶ اور ترمذی نے ج ا، ص ۲۷ میں بطریق زہیر بن محمد از ابن عقیل روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے ج ا ص ۱۱۲ میں بطریق شریک از ابن عقیل روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے عبیداللہ بن عمرو رقی، ابنِ جُرَیج اور شریک نے از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از ابراہیم بن محمد بن طلحہ، اور وہ اپنے چچا عمران سے اور وہ اپنی ماں حمنہ سے۔ مگر ابن جریج نے عمر بن طلحہ کہا اور صحیح عمران بن طلحہ ہے۔ مَیں نے محمد ـــ یعنی امام بخاریؒ ـــ سے اس حدیث کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] یمنی نسخہ کے حاشیہ پر درج ہے کہ شیخ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول مُصنّف کی قلت معرفت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ حارث کے روایت کرنے کے باعث اس حدیث کو ساقط قرار دے رہے ہیں، حارث کے سوا گویا اور کسی نے اسے روایت ہی نہیں کیا حالانکہ ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ترمذی اور ابوداؤد نے اسے تخریج کیا ہے اور اس سے قبل ہم نے اسے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

کی رعایت کا قرآن و سنت اور اجماع سے وجوب ثابت نہیں اور پھر عورتیں تو کئی ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں حیض بالکل ہی نہیں آتا لہٰذا اس کے لیے حیض کا حکم ہی نہیں ہوگا اور بعض کو اس مدت سے زیادہ آتا ہے اور بعض کو کم، لہٰذا یہ یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت پانچ دن ہے، یہ قول بھی بلا دلیل ہے اور جو قول بلا دلیل ہو وہ ساقط ہوتا ہے۔

جن حضرات نے کم از کم مدت تین دن قرار دی ہے ان کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اُن ایام کے بقدر نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اسے ہم نے بطریق ابی اُسامہ، از ہشام بن عُروہ از عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش سے فرمائے تھے۔ (بیہقی ۱: ۳۲۴)

ہم نے بطریق سُہیل بن ابی صالح، از زہری، از عُروہ بن زُبیر روایت کیا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اسماءؓ کو یا حضرت اسماءؓ نے انہیں حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا جائے، آپ نے فرمایا اتنے دن بیٹھی رہو جتنے دن تم بیٹھا کرتی ہو پھر غسل کرلو (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ کم سے کم مدت جس پر "ایام" کا اطلاق ہو سکتا ہے، تین دن ہے (ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے بھی ہے)۔

[ہم نے بطریق جعفر بن محمد بن بریق، از عبدالرحمٰن بن نافع درخت، از اسد بن سعید بلخی، از محمد بن حسن صدفی، از عبادہ بن نسی، عبدالرحمٰن بن غنم روایت کیا کہ] حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین سے کم اور دس سے زیادہ دن حیض نہیں ہوتا۔ (العلل المتناہیہ ۱: ۳۸۳)

انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ہم نے اسے بطریق جلد بن ایوب، از معاویہ بن قرہ از حضرت انس بن مالکؓ روایت کیا (عبدالرزاق، ج ۱ص ۲۹۹ و بیہقی ج ۱، ص ۳۲۲، دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹)

ہم نے بطریق ابو عقیل از بُہیہ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہی فتویٰ دیا[1]۔ اور حضرت حسن کا بھی یہی قول ہے۔

---

[1] یہ اثر اس سند کے ساتھ مجھے نہیں ملا (احمد محمد شاکر) ۶۶۱

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ بطریق حضرت عائشہؓ، فاطمہؓ اور اسماءؓ جو صحیح روایت اس سلسلہ میں ہے، یہ اُن کے لیے حُجت نہیں بن سکتی، کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ امر اسے دیا تھا جس کا کوئی معمول ہو، اور یہ ایک ایسی نص ہے جس سے اِعراض ممکن نہیں، جس کے ایّام کا کوئی معمول ہی نہ ہو، آپ کے اس حکم کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک جمِ غفیر جیسے: یحییٰ بن سعید قطان، زہیر بن معاویہ، حماد بن زید، سفیان ثوری، ابن عُیَینہ، ابومعاویہ، جریر، عبداللہ بن نُمیر، ابنِ جریج، دَراوَردی اور وکیع بن جرّاح یہ سب ہشام بن عُروہ سے روایت کرتے ہیں، ہشام اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔"

نیز اس حدیث کو امام مالکؒ، لیث بن سعد، سعید بن عبدالرحمٰن، حماد بن سلمہ اور عمرو بن حارث نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض کے ایام گزر جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھنی شروع کر دو۔"

اسی طرح اَوزاعی نے زُہری سے اور انہوں نے عُروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور منذر بن مغیرہ نے حضرت عُروہ سے روایت کیا، اور ان سب کے الفاظ یہ ہیں: "جب حیض آجائے" یا "جب قرؤ آجائے" یا "جب سیاہ خون آجائے"۔ یعنی انہوں نے ایّام کا ذکر نہیں کیا۔

۳۰۵ [ہم سے عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن رمح وقتیبہ از لیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از جعفر بن ربیعہ، از عراک بن مالک، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ]:

اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ امّ حبیبہؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے خون کے بارے میں پوچھا؛ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے ان کے ٹب کو بھرا ہُوا دیکھا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اتنی مدّت ٹھہری رہو جتنی مدت تم حیض کے باعث ٹھہری رہتی تھیں، پھر غسل کر کے نماز شروع کر دو۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)

یہ اُس عورت کے لیے حکم ہے جس کے حیض کی کم از کم مدّت تین دن یا ایک دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اور یہ سارے فتاوے حق ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنا حلال نہیں اور نہ کسی چیز کو اس کے ظاہر سے پھیر دینا درست ہے

اور نہ کسی کے لیے یہ کہنا حلال ہے کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بھی وہی ہے یعنی آپ نے تین ہی دن کا ارادہ کیا تھا، اگر کوئی یہ کہتا ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ان کا استدلال ساقط ہو گیا۔

حدیث معاذؓ بھی حد درجہ ساقط ہے کیونکہ یہ بطریق محمد بن حسن صدفی ہے اور وہ مجہول ہے[1]۔ گویا بلا شک و شبہ یہ روایت موضوع ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ایام کا اطلاق تین پر ہوتا ہے، اس سے کم پر نہیں ہوتا۔ لیکن اس آیت

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۔ (النساء : ۱۱)

"اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے"

کے بارے میں کہتے ہیں کہ إِخْوَةٌ سے مراد صرف دو بھائی ہیں تو انہوں نے یہاں اس حدیث میں لفظ ایام سے دو دن مراد کیوں نہیں لیا؟ حضرت انسؓ و حضرت عائشہؓ کے اقوال سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ انسؓ کا قول بطریق جلد بن ایوب مروی ہے اور وہ ضعیف ہے اور عائشہؓ کا قول بطریق ابو عقیل مروی ہے اور وہ قوی نہیں، پھر اگر حضرت انسؓ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کے اقوال صحیح ثابت بھی ہوں تو حجت نہیں کیونکہ دیگر صحابہ کرامؓ سے ان دونوں کی مخالفت میں اقوال منقول ہیں جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان کے ناقابل حجت ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فتویٰ اسے دیا تھا جس کے ایام کا باقاعدہ معمول ہو لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہوا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے، ان کے پاس بھی نصوص کی روشنی میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی اس سلسلہ میں اجماع کا مدعی ہے تو وہ خطا کار ہے کیونکہ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک ایسی عورت کو جانتے ہیں جو بوقت صبح حالتِ حیض میں ہوتی ہے تو شام کو حالتِ طہارت میں (بیہقی ۱ : ۳۲۰،

---

[1] احمد شاکر نے حاشیہ میں فرمایا: اس کی اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں۔

دارقطنی (۱:۲۰۹)۔

امام مالکؒ وشافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ خون دیکھنے سے یہ واجب ہوتا ہے کہ نماز و روزہ اور وطی ترک کر دی جاتے اور یہی احکام حیض ہیں، لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ جو عورت ایامِ حیض میں خون دیکھے، اس کی بابت تم کیا فتویٰ دو گے؟ اس بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ یہ عورت حائضہ ہے اور نماز و روزہ اسے ترک کر دینا چاہیے، پھر ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ اگر حیض کے بعد طُہر کو دیکھ لے؟ تو سب کہیں گے کہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے۔ پس اس جواب سے ان کے اقوال کا فساد ظاہر ہو گیا۔

انہیں چاہیے تھا کہ جب عورت اپنے ایامِ حیض میں خون دیکھ لے تو یہ فتویٰ دیتے کہ عورت نہ روزہ چھوڑے، نہ نماز ترک کرے اور نہ وظیفہ زوجیت کو ممنوع قرار دیا جائے حتیٰ کہ ایک دن رات گزر جائے یعنی جو کم از کم مدتِ حیض ایک دن اور رات قرار دیتے ہیں انہیں ایک دن و رات اور جو کم از کم تین دن اور رات مدت قرار دیتے ہیں انہیں تین دن اور رات بعد یہ فتویٰ دینا چاہیے لیکن جب یہ حضرات اس کے قائل نہیں اور نہ اہلِ اسلام میں سے کوئی اس کا قائل ہے تو اس سے ان کے اقوال کا فاسد ہونا ظاہر ہُوا اور ہمارے قول کی صحت پر اجماع ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ۔

نیز صحیح آثارِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے" یعنی (ان جیسے ارشادات میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے) وقت کی کوئی حد بندی وارد نہیں ہے اور ہمارا بھی یہی قول ہے۔

ہم اس سے قبل اصح اسناد کے ساتھ یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ جب عورت خالص شدید سُرخ رنگ کا خُون دیکھے تو نماز ترک کر دے اور جب طہارت دیکھے، خواہ لمحہ بھر ہی کے لیے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پندرہ دن ہے، اس سے ایک دن بھی زیادہ نہیں اور سعید بن جُبیرؒ نے تیرہ ۱۳ دن فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ نے دس ۱۰ دن فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان اخبار سے ہے جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "ایام" کا

لفظ دس پر صادق آتا ہے اور بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ ایامِ حیض اس سے کم بھی ہوتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ "ایام" کا اطلاق دس سے زائد پر نہیں ہوتا، یہ جھوٹ ہے۔ نہ تو لغت اس کی موافقت کرتا ہے اور نہ شریعت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۴)

"دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرے"

بغیر کسی قسم کے اختلاف کے اس آیت میں جو "ایام" کا لفظ آیا ہے، اس کا اطلاق تیس تک ہو سکتا ہے۔ اور حدیثِ معاذؓ کا باطل ہونا ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کسی نے نہیں کہا کہ ایامِ حیض دس دن سے کم ہوتے ہیں۔ یہ بھی کذب ہے کیونکہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ بعض حضرات کے بقول ایامِ حیض چھ یا سات دن ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت پانچ دن ہے پس معلوم ہُوا کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور جو اس طرح کا دعویٰ ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے ایامِ حیض کی تیرہ دن مدت مقرر کی ہے، ان کا قول بھی بلا دلیل ہے۔ مدتِ حیض پندرہ دن قرار دینے والوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی روایت ہے کہ ثقہ راوی نے اسے خبر دی کہ ایک عورت کو سترہ دن حیض آیا کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے زیادہ سے زیادہ جو مدت سُنی ہے وہ سترہ ایام ہے۔ آلِ ماجشون کی عورتوں کی بابت روایت ہے کہ انہیں سترہ دن حیض آتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحیح ہے کہ حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے، جب عورت اسے دیکھے تو نماز نہ پڑھے لہٰذا اسی فرمان کے آگے سرِ اطاعت خم کرنا واجب ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جب تک عورت خون دیکھتی رہے وہ حائضہ ہے، اس پر احکامِ حیض کا اطلاق ہوگا جب تک کہ نص یا اجماع نہ آجائے کہ سیاہ رنگ کا خون حیض نہیں اور نص سے یہ ثابت ہے کہ کبھی سیاہ رنگ کا خون آتا ہے لیکن وہ حیض نہیں ہے۔ حیض کی اکثر مدّت کے بارے میں چونکہ کوئی حد بندی نہیں کی گئی ہے لہٰذا اس بارے میں جو زیادہ سے زیادہ کہا گیا ہے، ہمیں اس کی رعایت کرنی پڑے گی، اور زیادہ سے زیادہ جو مدت بتائی گئی ہے، وہ سترہ دن ہے لہٰذا ہم بھی یہی کہیں گے اور اس مدت میں سیاہ رنگ کا خون دیکھنے کے باعث ترکِ نماز کو واجب قرار دیں گے۔ اس بات پر یقینی اجماع ہے کہ سترہ دن

سے زیادہ جو خون ہو وہ حیض نہیں ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر حیض پندرہ دن سے زیادہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ مدتِ حیض مدتِ طُہر سے بڑھ جائے گی اور یہ محال ہے؛

ہم عرض کریں گے کہ یہ کہاں سے ثابت ہُوا کہ یہ محال ہے، اور اگر کسی کو پندرہ دن سے زیادہ خون آئے تو کونسا امر مانع ہے کہ اسے حیض تسلیم نہ کیا جائے۔ ہمیں تو قرآن، سُنت، اِجماع، قیاس اور کسی صحابی کے قول سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۷۔ کم یا زیادہ مدّت طُہر کی کوئی حد نہیں

کم یا زیادہ مدّتِ طُہر کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی حیض کے بعد عورت بقیہ ساری عمر طُہر کی حالت میں رہے۔ اس میں کسی کو اختلاف بھی نہیں اور اس کا مشاہدہ بھی ہے۔ اور ایک گھنٹہ اور اس سے کچھ زیادہ کا بھی مشاھدہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ طُہر پندرہ دن سے کم نہیں ہوتی۔ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ حالتِ طہارت اُنیس دن سے کم نہیں ہوتی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان تین دن، چار دن، پانچ دن طُہر نہیں ہوتے۔ یہ سب ایک ہی حیض میں شمار ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک قول تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مانند ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حالتِ طُہر کی کم سے کم مدّت کی کوئی حد مقرر نہیں۔

ہمارے اصحاب اور حضرت ابنِ عباسؓ کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں، صحابۂ کرام میں سے کوئی بھی ابنِ عباسؓ کا مخالف نہیں ہے

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حالتِ طُہر پندرہ دن سے کم نہیں ہوتی، ان کے پاس بالکل کوئی دلیل نہیں ہے جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حالتِ طُہر اُنیس دن سے کم نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حائضہ کے لیے عدت تین حیض قرار دی ہے اور جسے حیض نہ آتا ہو اس کے لیے تین ماہ تو معلوم ہُوا کہ ہر حیض و طُہر کے مقابلہ میں ایک

ماہ ہے، گویا حیض و طُہر ایک ماہ سے کم عرصہ میں نہیں ہو سکتے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ایک ایسا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ میں نے حیض و طہر کے مقابلہ میں ایک ماہ رکھا ہے بلکہ کسی دو مسلمانوں کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ ہمارا اور ان کا قطعاً اختلاف نہیں کہ کئی عورتوں کو دو ماہ بعد اور کئی کو تین ماہ بعد حیض آتا ہے، اس قسم کی عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین حیض کا (عدت میں) انتظار کرے لہٰذا اس قول کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا بلکہ عدت تو وضعِ حمل کی صورت میں لمحہ بھر میں ختم ہو سکتی ہے لہٰذا ان کے تمام ظنونِ کاذبہ باطل ٹھہرے، جنہیں انہوں نے شرعیت کا درجہ دے رکھا تھا۔

امام مالکؒ کا قول بھی بالکل غلط ہے کیونکہ آپ نے دو حیضوں کے مابین پانچ دنوں کو طُہر قرار نہیں دیا، جبکہ یہ جائز قرار دیا ہے کہ ان دنوں میں عورت نماز و روزہ اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کر سکتی ہے تو جو عورت یہ امور سر انجام دے سکے وہ حالتِ طہارت میں کیوں نہیں شمار ہو گی۔ اور پھر امام صاحب ایک دن یا اس سے کم کو حیض شمار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اگر کسی کو اتنے عرصہ میں خون آ جاتے تو آپ رمضان کے روزے کے افطار اور ترکِ نماز کا حکم دیتے ہیں، یہ ایسے اقوال ہیں کہ انہیں فاسد ظاہر کرنا بھی تکلف ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے بھی کوئی ان کا قائل نہیں تھا۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ تمہارے قول کے مطابق تو عدت ایک یا دو دن میں ختم ہو سکتی ہے؛ تو ہم عرض کریں گے کہ اس سے کیا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کہیں ممانعت ثابت ہے؛ تم بزعم خود اصحابِ قیاس ہو اور ہم تمہارے سامنے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ عدت تو ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں ختم ہو سکتی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ اگر یہ کہیں کہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ عورت حاملہ ہو، ہم عرض کریں گے کہ عدت برأتِ حمل ہی کے لیے نہیں ہوتی اور اس کے کئی دلائل ہیں:۔

اوّل: یہ کہ تمہاری طرف سے ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کی نص یا اجماع سے تائید نہیں ہوتی۔

دوم: ہمارے اور تمہارے نزدیک سو برس کی بڑھیا کو بھی عدت گزارنا پڑتی ہے حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ اتنی معمر خاتون حاملہ نہیں ہوتی۔

سوم: جو عورت اس قدر چھوٹی عمر کی ہو کہ حاملہ ہو ہی نہ سکتی ہو اسے بھی عدّت پُورا کرنا پڑتی ہے۔

چہارم: بانجھ عورت کو بھی عدت پُوری کرنا پڑتی ہے۔

پنجم: خصی مرد کی عورت کو بھی عدّت گزارنا پڑتی ہے۔

ششم: عاقر یعنی جو حاملہ نہیں ہوتی اس عورت کو بھی عدّت کے دن گزارنا ضروری ہے۔

ہفتم: جس شخص نے کسی عورت سے صرف ایک مرتبہ وطی کی اور پھر وہ ہند[1] وغیرہ کی طرف کہیں غائب ہو گیا اور بیس سال تک وہاں رہا پھر اس نے عورت کو طلاق دی ،ہمیں اور ان سب کو یقین ہے کہ وہ عورت حاملہ نہیں لیکن اسے بھی عدّت پُورا کرنا ہوگی!

ہشتم: اگر عدّت حمل کے باعث ہوتی، تو ایک حیض ہی برأت کے لیے کافی تھا۔

نہم: نفاس کے فوراً بعد جس عورت کو طلاق دے دی جائے اس کے لیے بھی عدّت لازمی ہے حالانکہ اسے حمل نہیں ہے۔

دہم: مالکی حضرات ان کے بالکل برعکس ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت یہ کہے کہ اس کی عدّت تین ماہ سے کم مدّت میں ختم ہو گئی ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر یہ کہے کہ تین ماہ میں ختم ہوتی ہے تو پھر اس کی تصدیق کی جائیگی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ دن سے کم کے بارے میں عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، ساٹھ دن کے بارے میں تصدیق کی جائے گی۔ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں چوّن دنوں کے بارے میں تصدیق کی جائے گی اس سے کم کے بارے میں نہیں کی جائے گی۔ امام مالک چالیس دن، امام ابویوسف اُنتالیس، امام شافعی تینتیس دنوں کے بارے میں یہ فرماتے ہیں اس سے کم نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ ساری عمارت جسے انہوں نے اپنے اصولوں پر تعمیر کیا ہے ، ناقابل تسلیم ہے اور پھر حمل کے وجود کا بھی کوئی شائبہ نہیں گویا انہوں نے خود ہی اپنی علّت کو باطل اور دلیل کو کاذب قرار دیا ہے حمل نہ

---

[1] ہند سے مراد ملک ہندوستان ہے۔ چونکہ اُندلس سے ہند بعید ترین ملک ہے اس لیے یہ مثال دی ہے جیساکہ ہندوپاک میں کہا جاتا ہے کہ فلاں سات سمندر پار چلا گیا یعنی بہت دُور چلا گیا۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

ہونے کا یقین صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ گزر جاتے۔ حمل کے سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر یہ عورت کی بات کو سچ مانتے ہیں خواہ وہ سارے لوگوں سے زیادہ فاسق اور کاذب ہو!

ہم تو عورت کی تصدیق صرف اسی وقت کریں گے جب چار قابلِ اعتماد، عادل اور عالم عورتیں اس بات کی شہادت دے دیں۔ حمل کے سلسلہ میں احتیاط کا یہی تقاضا ہے، خصوصاً جب کہ ان میں سے اکثر لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حاملہ کو حیض بھی آسکتا ہے لہٰذا اس شخص کا قول باطل ہوا جو یہ کہتا ہے کہ رحم کی حمل سے براءت کے لیے عدت کو مقرر کیا گیا ہے۔

ہم نے بطریق ہُشَیم، از اسماعیل بن ابی خالد، از شعبی روایت کیا کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی اور وہ عورت ایک ماہ یا پینتیس راتوں میں تین بار حائضہ ہوئی۔ حضرت علیؓ نے شُریح سے فرمایا کہ اس کی بابت فیصلہ کرو۔ قاضی شُریحؒ نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر یہ عورت اپنے خاندان کی صادق اور عادل عورتوں کی یہ شہادت پیش کر دے کہ واقعی اس نے وہ خون دیکھا ہے جس کی موجودگی میں نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اور وہ حیض ہی ہے جس کے بعد ہر مرتبہ اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی۔ تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور اگر خاندان کی صادق و عادل عورتیں شہادت نہ دیں تو پھر اس عورت کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ کا فیصلہ درست ہے[1]

---

[1] اس اثر کو امام بخاریؒ نے "صحیح" میں تعلیقاً ذکر کیا ہے الفاظ یہ ہیں ویذکر عن علی وشریح ان جاءت ... الخ۔ ابن حجرؒ ج ۱، ص ۳۶۰ میں فرماتے ہیں کہ دارمی نے اس اثر کو موصولاً ذکر کیا ہے، رُواۃ بھی سب ثقہ ہیں لیکن جزم کے ساتھ اس لیے نہیں کہا کہ شعبی کے حضرت علیؓ سے سماع کے بارے میں تردّد ہے لہٰذا یہ نہیں کہا کہ انہوں نے شُریح سے سُنا ہے تاکہ موصول ہو جائے پھر انہوں نے اسے بطریق دارمی روایت کیا ہے، عینی نے ج ۲ ص ۳۰۶ میں بھی اسی طرح کہا ہے اور پھر "المحلّٰی" سے نقل کیا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ یہ اثر مسند دارمی میں اس طرح ہے کہ "اخبرنا یعلی - ھو ابن عبید - ثنا اسمٰعیل - ھو ابن ابی خالد - عن عامر - ھو الشعبی - قال جاءت امرأۃ الٰی علی تخاصم زوجھا طلّقھا فقالت قد حضت فی شھر ثلاث حیض فقال علی لشریح اقض بینھما، قال یا امیر المومنین وانت ھٰھنا! قال اقض بینھما؛ قال یا امیر المؤمنین وانت ھٰھنا قال اقض بینھما؛ قال ان جاءت من بطانۃ اھلھا ممن یرضی دینہ وامانتہ یزعم انھا حاضت ثلاث حیض تطھر عند کل قرء وتصلی جاز لھا والا فلا فقال علی قالون، وقالون بلسان الروم احسنت"!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ابن عباسؓ کے قول کے خلاف منقول نہیں ہے، ہمارا قول بھی یہی ہے حیض و نفاس کے تمام مسائل یکساں ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۶۸۔ نفاس کی مدّت

نفاس کی کم از کم مدّت کوئی نہیں، زیادہ سے زیادہ مدّت سات دن ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اگر نفاس کا خون یکبارگی خارج ہو جائے اور پھر منقطع ہو جائے اور دوبارہ شروع نہ ہو تو وہ نماز، روزہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی کر سکتی ہے؛ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر چالیس دنوں کے اندر خون آجائے تو وہ خونِ نفاس ہو گا۔ محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ اگر پندرہ دن کے بعد آئے تو وہ خونِ نفاس نہیں ہو گا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ دنوں کی یہ حد بندیاں چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی طرف سے نہیں ہیں لہٰذا یہ باطل ہیں۔

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؛ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ تو یہ فرمایا کہ ساٹھ دن ہے لیکن دوسری دفعہ اس سے رجُوع کر کے فرمایا کہ عورتیں اس مسئلہ کو زیادہ بہتر جانتی ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ مدّت چالیس دن قرار دیتے ہیں۔

جن حضرات نے ساٹھ دن مدّت بتائی ہے، ہمیں ان کی کوئی دلیل معلوم نہیں، جن حضرات نے چالیس دن مدّت بتائی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ روایات ذکر کی ہیں، ۱۔ حضرت ام سلمہؓ سے بطریق مُسَّہ اَزدِیہ روایت ہے لیکن مُسَّہ مجہول[1] ہے۔ ۲۔ حضرت عمرؓ سے بطریق جابر جعفر مروی ہے اور وہ کذّاب ہے۔ ۳۔ عائذ بن عمرو سے روایت

---

[1] اُمّ سلمہ کی حدیث بطریق مُسَّہ ابو داؤد نے ج ۱ ص ۱۲۳ میں روایت کی ہے نیز ملاحظہ فرمایئے ترمذی، ج ۱ ص ۳۰، ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۵، بیہقی، ج ۱ ص ۳۴۱۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے (عن علی بن عبد الاعلی عن ابی سہل عن مُسّة الازدیة عن امّ سلمة قالت کانت النفسآء تجلس علی عهد رسُول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم اربعین یومًا) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ علی بن عبد الاعلیٰ اور ابو سہل ثقہ ہیں۔ آپ کو بھی یہ روایت بطریق ابی سہل ہی معلوم تھی۔ امام حاکم نے بھی اسے مستدرک ج ۱ ص ۱۷۵ میں روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے البتہ حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ

ہے کہ ان کی بیوی نے بیس دنوں کے بعد ہی طُہر دیکھ لیا تو اُس نے غسل کر لیا اور اُن کے لحاف میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے اُسے لات ماری اور کہا کہ چالیس دن گزرنے دو اور میرے دین میں کمی نہ پیدا کر و [۳]۔ یہ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں اور اس سے زیادہ برا کون شخص ہو سکتا ہے جو اس دلیل سے استدلال کرے جس کو وہ خود حجت نہیں سمجھتا۔ درآنحالیکہ یہ روایت بطریق جلد بن ایوب مروی ہے اور وہ قوی راوی نہیں ہے ۴۔ بطریق حسن از عثمان بن ابی العاص اسی طرح مروی ہے [۴]۔ ۵۔ بطریق جابر، از خثیمہ از حضرت انس بن مالکؓ بھی اسی طرح روایت ہے (عبدالرزاق ۱:۳۱۲) ۶۔ بطریق وکیع از ابی عوانہ، از جعفر بن ایاس، از یوسف بن ماہک از ابن عباس روایت ہے کہ نفاس والی عورت قریباً چالیس دن تک انتظار کرے (بیہقی ۱: ۳۴۱، دارمی ۱: ۱۸۵)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کا قول حجت نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی ذکر کریں گے کہ انہوں نے صحابیؓ یا صحابہ کرام کی ایسے ایسے مسائل میں مخالفت کی ہے جن میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ مثلاً ابھی قریب ہی یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ کم از کم مدتِ طُہر کے مسئلہ میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی مخالفت کی ہے حالانکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے آپ کی مخالفت منقول نہیں ہے۔ مالکیوں اور شافعیوں کو چاہیے تھا کہ ان روایات کے مطابق عمل پیرا ہوتے، جو یہاں ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے ذکر کی ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز و روزہ کو یقینی طور پر فرض قرار دیا ہے نیز اس کے خاوند کو اس کے ساتھ

مُسّہ مجہول الحال ہے "تہذیب" میں حافظ نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔ امام دارقطنیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ "لا یقوم بہا حجۃ" جبکہ ابن قطان فرماتے ہیں "لا نعرف" [۳] دارقطنی ص ۸۲ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ معاویہ بن قرہ سے جلد بن ایوب کے سوا اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا اور وہ ضعیف ہے۔

[۴] حاکم نے مستدرک ۱: ۱۷۶ میں مرفوعاً اور بیہقی نے ۱: ۳۴۱ میں موقوفاً روایت کیا ہے۔ حاکم نے فرمایا کہ حسن کا سماع عثمان بن ابی العاص سے نہیں ہے اس لیے اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے اور حاکم کی موافقت امام ذہبیؒ نے بھی کی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ

مباشرت کی اجازت دی ہے، ان اُمور سے یہ صرف خونِ حیض کے باعث ہی رُک سکے گی اور کوئی چیز ان اُمور سے مانع نہیں ہے۔ اور خونِ نفاس بھی خونِ حیض ہی ہے۔

۳۰۶۔[ہم سے حمام از ابن مفرج از ابن الاعرابی از دبری از عبدالرزاق از معمر از جابر بیان کیا کہ] ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ ولادت کے بعد عورت سات یا چودہ راتیں انتظار کرے اور پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے۔ جابر کہتے ہیں کہ شعبیؒ نے کہا ہے کہ اتنا عرصہ انتظار کرے جتنا کوئی عورت زیادہ سے زیادہ انتظار کر سکتی ہے (عبدالرزاق ۳۱۲)

۳۰۷۔[سند سابقہ کے ساتھ از عبدالرزاق، از معمر و ابن جریج، معمر از قتادہ اور ابن جریج از عطاء یہ روایت کرتے ہیں کہ] بالکہ جب بچے کو جنم دے، تو وہ اپنے گھر کی دیگر عورتوں کی طرح انتظار کرے۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے (عبدالرزاق ۱: ۳۱۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اوزاعیؒ نے اہلِ دمشق سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت نے بچے کو جنم دیا ہو تو وہ تیس راتیں انتظار کرے اور اگر بچی کو جنم دیا ہو تو چالیس راتیں انتظار کرے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ، عطاءؒ، قتادہؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور شافعیؒ نے اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی ہے اور کچھ حدود کی شرط عائد کر دی ہے جن پر قرآن، سُنت اور اجماع دلالت نہیں کرتے مگر ہم تو اس مسئلہ میں صرف وہی کہیں گے جس پر اجماع ہے، اور وہ یہ کہ یہ ایک ایسا خون ہے جو ان تمام اُمور سے مانع ہے جن سے حیض مانع ہے۔

۳۰۸۔[ہم سے حمام، از یحییٰ بن مالک بن عائذ، از ابوالحسن عبیداللہ بن ابی غسان، از ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ ساجی، از ابو سعید اشج، از عبدالرحمٰن بن محمد محاربی، از سلام بن سلیمان مدائنی، از حمید بیان کیا کہ] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ سلام بن سُلیمان ضعیف اور منکر الحدیث ہے[1]

مرسل صحیح نہیں ہوتا اور نہ حُجت، پھر حسن کے مراسیل تو دوسروں سے زیادہ ضعیف ہوتے ہیں۔

[1] اس حدیث کو ابنِ ماجہ نے ج ۱ ص ۱۱۶، ۱۱۷ میں روایت کیا ہے "بطریق محاربی از سلام بن سُلیم یا سلم۔ ابوالحسن کو شک ہے جبکہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابو الاحوص از حُمید از انس ہے" یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ حافظ ہیثمیؒ نے اس گمان پر اعتماد کرتے ہوئے "زوائد" میں کہا ہے کہ "اس حدیث کی سند صحیح اور رجال ثقہ ہیں" حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نفاس کی کم از کم مدت پچیس[۲۵] دن ہے جبکہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم مدت گیارہ دن ہے لیکن یہ دونوں مدتیں اللہ کی مقرر کردہ نہیں ہیں۔ ان حضرات پہ بہت تعجب ہے جو از خود اس قسم کی حد بندی مقرر کر لیتے ہیں اور پھر انہیں بُرا محسوس نہیں ہوتا بلکہ ان لوگوں کو یہ بُرا کہتے ہیں جو فقط ان اُمور کی پابندی کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور جن پر مسلمانوں کا پختہ اجماع ہو چکا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار پھر اپنی بات دُہراتے ہیں کہ نفاس کے خُون کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ خونِ حیض ہے اس کی مدت اور حکم سب حیض کی طرح ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرماتے ہُوئے نفاس کے لفظ کو حیض کے معنی میں استعمال کیا تھا کیونکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ نیز آپؐ نے سیاہ رنگ کے خون کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جب آئے تو نماز سے اجتناب کر لیا جائے۔

بہت ہی ضعیف ہے۔ ابوالاحوص سلام بن سلیم حنفی تو ثقہ اور حافظ ہے لیکن اس نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا بلکہ یہ روایت تو سلام بن سلیمان مدائنی کی ہے جسے ابن سلیم یا ابن سلم کہا جاتا ہے اور وہ جیسا کہ ابن حزمؒ نے فرمایا منکرالحدیث ہے اور ابن خراش نے اسے کذاب کہا ہے۔ اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس نے ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کی ہیں گویا عمداً ایسا کیا ہے۔ ابن حزمؒ نے یہاں سند میں جو نام کی تصریح کر دی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام ہی ہے ابوالاحوص نہیں، جو ثقہ ہے۔ بیہقی نے سُنن میں یُوں کہا ہے کہ اسی طرح سلام طویل نے حمید سے اور اس نے انسؓ سے روایت کیا۔ حافظ نے تہذیب میں فرمایا ہے کہ ابن عدی نے ان سے کئی حدیثیں بیان کی ہیں لیکن ان کی متابعت نہیں ملتی اور ان کی وہ روایت بھی بیان کی ہے جسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے یعنی نفاس کے وقت کے سلسلہ میں حدیثِ انس، ابن عدی نے اس کے علاوہ اس سلسلہ میں اور کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ ابن حبان نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہی راوی ہے جس نے نفاس کے وقت کی تعیین کے سلسلہ میں حدیثِ انسؓ ذکر کی ہے۔ علامہ زیلعیؒ نے بھی "نصب الرایۃ" ج ا ص ۲۰۷ میں اسی روایت کو باعثِ علت قرار دیا ہے۔ بیہقی نے اسے ج ا ص ۳۴۳ میں بطریق زید عمی، از ابی ایاس از حضرت انس روایت کیا ہے۔ زید عمی بہت ضعیف ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ حضرت انسؓ سے بہت سی بے اصل اور موضوع روایات روایت کرتا ہے جس سے دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ قصد و ارادہ سے ایسا کرتا ہے۔

یہ حضرات چونکہ قیاس کی بنیاد پر بات کرتے ہیں، نفاس کو حیض پر قیاس کرنے کی وجہ ہی سے انہوں نے مباشرت اور صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی سے منع کیا ہے اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ نفاس کی مدّت کو بھی حیض کی مدت پر قیاس کر لیتے (لیکن چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا معلوم ہُوا کہ یہ قیاس کا اصول غلط ہے) وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۶۹۔ جب بچیاں پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا خون دیکھیں اُس کا حکم

جب لڑکی پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا خون دیکھے تو یہ حیض ہو گا جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس خون کے جاری ہونے کے ساتھ ہی وہ نماز و روزہ چھوڑ دے گی۔ نیز اس حالت میں اس کا شوہر یا لونڈی ہو تو اس کا مالک وطی نہیں کرے گا۔ اگر خون کی رنگت بدل جائے یا سترہ دن یا اس سے بھی کم مدت میں بالکل منقطع ہو جائے تو یہ صحیح طُہر ہو گا لہٰذا وہ غُسل کر کے نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور اس کا شوہر اس سے ہمبستر بھی ہو گا۔ اگر سترہ دن تک سیاہ رنگ کا خون ہی جاری رہے تو یہ حیض ہو گا، اگر سترہ دن کے بعد بھی سیاہ رنگ کا خون جاری رہے تو غسل کر کے ان سب مذکورہ اُمور کو سرانجام دے کیونکہ اس کی حالت طہارت کی سی ہو گی اور وہ سترہ دن کے بعد حائضہ کے حکم میں نہ ہو گی۔ ہاں اگر خون منقطع ہو جائے یا رنگ بدلنے لگ جائے تو جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا، جب سیاہ رنگ کا خون ہو تو حائضہ ہو گی اور جب خون کا رنگ بدل جائے، یا خون منقطع ہو جائے یا سترہ دن سے زیادہ عرصہ ہو جائے تو پھر یہ عورت پاک ہو گی!

اگر عورت حائضہ ہے اور پھر طاہر ہو گئی مگر خون کا سلسلہ جاری ہے تو وہ اسی طرح کرے کہ جب اس کے معمول کے ایام یا وقت آئے خواہ مہینے میں کئی بار، یا ایک بار یا کئی مہینوں بلکہ سال میں ایک بار آئے تو وہ ان تمام اُمور سے رُک جائے جن سے حائضہ رُک جاتی ہے، جب یہ معمول کے ایام یا وقت گزر جائے تو وہ غسل کرے اب کی حالت طہارت کی ہو گی اور وہ سب امور سرانجام دے سکے گی، جب تک خون کا رنگ نہ بدلے، یا خون منقطع نہ ہو وہ اسی طرح کرتی رہے اور اگر ایام کا کوئی باقاعدہ معمول نہ ہو تو وہ آخری ایام پر انحصار کرے گی اور اگر اسے وقتِ حیض کی پہچان ہی نہ ہو تو اس کے لیے فرض ہو گا کہ ہر نماز کے لیے غُسل اور وضو کرے یا غُسل و وضو کے ذریعہ ظہر آخری وقت میں پڑھ لے اور عصر پہلے وقت میں، پھر غُسل و وضو کے ساتھ مغرب آخری وقت میں اور عشاء اوّل وقت میں پڑھ لے، فجر کی نماز کے لیے الگ غُسل اور وضو کرے، اور اگر چاہے تو ظہر کے اوّل وقت میں غسل کر کے ظہر و عصر، اور مغرب

کے اول وقت میں غسل کرکے مغرب وعشاء کی نماز پڑھ لے اور ہر نماز کو وقت پر پڑھنا ہی ضروری ہے (یعنی اسی صورت میں) اور راستے ہر فرض ونفل نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی عورت اس سے عاجز و قاصر ہو تو وہ تیمم کرلے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے۔

اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جو ہم اپنی اس کتاب میں مسائل حیض کے آغاز میں بسند ذکر کر آتے ہیں کہ "حیض کا خون سیاہ رنگ کا معروف ومشہور خون ہوتا ہے۔ پس جب یہ ہو تو عورت نماز سے رُک جائے اور اگر کسی دوسرے رنگ کا خون ہو تو پھر وضو کرکے نماز پڑھے۔"

نیز آپ کا یہ فرمان کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو غسل کرکے نماز پڑھے۔"

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں "جب حیض ختم ہو جائے تو خون کو دھو کر وضو کرلے" اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب معمول کے ایام کے بقدر عرصہ گزر جائے تو اپنے آپ سے خون کو دھو دو اور وضو کرکے نماز پڑھو۔"

یہ روایت ہم تک بطریق حماد بن زید وحماد بن سلمہ، از ہشام بن عُروہ، از پدر خود از ام المؤمنین، حضرت عائشہؓ اسی طرح پہنچی ہے (مسلم نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی کتاب الطہارۃ) گویا ان روایات کی روشنی میں یہ واجب ہو جاتا ہے کہ خون کے رنگ بدلنے کا لحاظ رکھا جائے۔

اور وہ روایت جسے ۳۰۹ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از احمد بن ابی رجاء از ابواُسامہ بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن عُروہ بن زُبیر سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی کہ] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حُبَیش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے استحاضہ کی شکایت ہے اور میں پاک نہیں رہ سکتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں یہ تو ایک رگ ہے، اپنے معمول کے ایامِ حیض میں نماز چھوڑ دو اور پھر غسل کرکے نماز شروع کردو (بخاری کتاب الطہارۃ)۔

۳۱۰ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن رمح وقُتیبہ از لَیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از جعفر بن ربیعہ، از عراک بن مالک، از عُروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خُون کی بابت پوچھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے ٹب کو خون سے بھرا ہُوا دیکھا ـــ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے معمول کے

ایّامِ حیض کے بقدر (صوم وصلوٰۃ کی ادائیگی سے) رُکے رہو اور پھر غسل کر کے نماز شروع کر دو (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الطہارۃ)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہُوا کہ جب خون طوالت اختیار کر جائے تو پھر معمول کے ایّامِ حیض کی رعایت کرنا فرض ہوگا۔

وہ عورت جس کے حیض کا ابھی آغاز ہی ہُوا ہو اور اس کا خون سیاہی کے بجائے اور کوئی رنگت اختیار نہ کرتا ہو اور پہلے سے اس کے حیض کی مقدار معیّن نہ ہو تو ہمیں یقین ہے کہ اس پر نماز و روزہ واجب ہے اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ سیاہ رنگ کے خون کا کچھ حصہ حیض ہے اور کچھ حیض نہیں ہے لیکن کوئی شخص اپنی رائے سے خون کے کچھ حصہ کو حیض اور کچھ کو غیر حیض قرار نہیں دے سکتا اگر کوئی ایسا کرے گا، تو اس نے گویا بغیر اذنِ الٰہی شریعت سازی کی یا بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی بات کو منسوب کر دیا جو اللہ کی طرف سے نہیں، لہٰذا اس صورتِ حال میں عورت کے لیے نماز اور روزہ کا ترک جائز نہیں ہوگا کیونکہ ان کی فرضیت یقینی ہے جبکہ خون کے کچھ حصہ کا حیض ہونا ظنی ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ یہ حیض نہ ہو اور ظن تو سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور ہم نے یہ جو کچھ کہا ہے امام مالکؒ اور داؤد ظاہری بھی یہی کہتے ہیں۔

اَوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کی عورت (جسے حیض کا آغاز ہی ایسا ہُوا ہے کہ لگاتار جاری ہے) اپنے آپ کے لیے اپنی ماں، خالہ یا پھوپھی کے ایّام کی تعداد کو معیار قرار دے لے، ان کی تعداد سے جو ایّام زائد ہوں گے وہ استحاضہ قرار دیئے جائیں گے۔ اگر ماں، خالہ یا پھوپھی کے ایّام کے معمول کا اسے علم نہ ہو تو پھر ہر ماہ سات دن حیض شمار کرے اور باقی ایّام کو استحاضہ پر محمول کرے اور روزہ رکھے (نماز پڑھے) سُفیان ثوری اور عطاء بھی یہی کہتے ہیں کہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ایّام کو معیار قرار دے لے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ماہ ایک دن رات کو حیض سمجھے اور باقی ایّام کو استحاضہ شمار کر کے نماز، روزہ کی ادائیگی کرتی رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت ہر ماہ میں سے دس دن حیض کے سمجھے اور باقی ایّام کو استحاضہ پر محمول کرے اور نماز و روزہ کی ادائیگی کرتی رہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان سب سے کہا جائے گا کہ آپ حضرات نے یہ قطعی فیصلہ کہاں سے کر لیا کہ وہ ہر مہینے ضروری طور پر کچھ ایام کو حیض کے ایام سمجھے کیونکہ اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ اسے حیض بالکل ہی نہ آتا ہو۔ آپ حضرات نے محض ظن کے ساتھ نماز و روزہ جیسے یقینی فرائض کو ترک کیوں کر دیا۔ پھر کسی کے لیے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ کم از کم مدتِ حیض پر اکتفا کرے تاکہ نماز یقینی صورتِ حال میں ترک کرے کیوں کہ دوسرا شخص یہ کہہ دے گا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض کا لحاظ رکھنا پڑے گا تاکہ حالتِ حیض میں نماز و روزہ اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی نہ کر پائے لیکن یہ دونوں قول ہی فاسد ہیں کیونکہ ان کی بنیاد ظن پر ہے اور دین میں ظن کی بنیاد پر کوئی حکم لگانا جائز نہیں۔ ہمیں یقین ہے اور ذرہ بھر شک نہیں کہ اس عورت کو پہلے کبھی حیض نہیں آیا، نماز اور روزہ اس پر فرض ہیں۔ اس کے خاوند کے لیے اس کے ساتھ وطی جائز ہے لیکن یہ ہمیں نہیں معلوم اور نہ ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ خون حیض ہے لہٰذا یقین اور لازمی فرائض کا محض ظنِ کاذب کی بنیاد پر ترک کر دینا حلال نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

ایسی عورت کے لیے ہر نماز کے وقت وضو کرنے کی دلیل ہم اپنی اسی کتاب میں وضو اور موجباتِ وضو کے مسائل کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔

ہر دو نمازوں یا ہر نماز کے لیے غسل کرنے کی دلیل یہ ہے:۔

۳۱۱۔[ہم سے حمام بن احمد از عباس بن اصبغ از محمد بن عبدالملک بن ایمن از علّان[1] از محمد بن بشار از وہب بن جریر بن حازم از ہشام دستوائی، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کیا کہ] حضرت اُم حبیبہؓ بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ انہیں خون آتا تھا اور انہوں نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کر لیا کرے۔

۳۱۲۔[سند سابقہ کے ساتھ ابن ایمن تک پھر از احمد بن محمد برتی قاضی از ابو معمر از عبدالوارث بن سعید از تنوری، از حسین معلم، از یحییٰ بن ابی کثیر بیان کیا کہ] ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے زینب بنت

---

[1] علّان، محدثین میں سے ایک جماعت کا لقب ہے غالباً یہاں جو شخصیت مراد ہے وہ ہے علی بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ مخزومی مصری جو طحاوی کے شیخ ہیں۔ ۱۰ر شعبان ۲۷۲ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔

ابی سلمہ مخزومی نے خبر دی کہ ایک عورت کو خون آتا تھا، جو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کے حبالۂ عقد میں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ہر نماز غسل کر کے پڑھا کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پروردہ ہے، اس نے آپ کی گود میں تربیت پائی اور شرفِ صحبت حاصل کیا ہے[1]۔

۳۱۳۔[سندِ سابقہ کے ساتھ ابن ایمن تک پھر از عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، از پدر خود از محمد بن سلمہ، از محمد بن اسحاق، از زہری، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] حضرت اُمِّ حبیبہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہیں استحاضہ شروع ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کریں۔

۳۱۴[ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن سلیم از ابن الاعرابی از ابو داؤد از ہنّاد بن السّری، از عبدہ بن سلیمان از محمد بن اسحاق، از زہری، از عروہ بیان کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُمِّ حبیبہ بنتِ جحشؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں استحاضہ کی تکلیف شروع ہوئی تو آپؐ نے انہیں ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا۔

۳۱۵۔[ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک خولانی از محمد بن بکر از ابو داؤد از وہب بن بقیہ از خالد بن اسمٰعیل از سہیل بن ابی صالح از زہری، از عروہ بن زبیر بیان کیا کہ] حضرت اسماء بنت عُمیس سے روایت ہے کہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہ بنت ابی حُبیش کو استحاضہ شروع ہو گیا ہے تو آپؐ

---

[1] زینبؓ کی اس حدیث کو ابوداؤد نے ج ا ص ۱۱۸ اور بیہقی نے ج ا ص ۳۵۱ میں بطریق ابی معمر عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج از عبدالوارث اسی سند و الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے نیز بیہقی نے بطریق اوزاعیؒ، از یحییٰ بن ابی کثیر از ابو سلمہ عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ روایت کیا ہے کہ زینب بنت اُمِّ سلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مُعتکف تھیں اور انہیں خون آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرو۔ اس کی سند صحیح ہے لیکن شاید اوزاعی یا آپ سے روایت کرنے والے راوی سے خطا ہو گئی ہے کیونکہ زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹی عُمر کی تھیں اور بالغ نہ تھیں لہٰذا ان کے سماع کے بارہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ حبشہ میں ان کی ولادت ہوئی بعض نے کہا ہے کہ مدینہ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ بہر حال اس روایت میں کچھ نہ کچھ خطا ضرور ہے۔

نے فرمایا کہ انہیں چاہیے کہ ظہر وعصر کے لیے ایک غسل کریں، مغرب وعشاء کے لیے ایک غسل کریں اور فجر کے لیے ایک غسل کریں اور ان اوقات کے مابین وضو کرلیا کریں۔ (ابوداؤد، کتاب الطہارۃ)

یہ آثار، جنہیں چار صحابیات (۱) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ (۲) حضرت زینب بنت ام سلمہؓ (۳) حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور (۴) حضرت ام حبیبہؓ بنت جحشؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، بدرجہ صحیح ہیں۔ حضرت عائشہ وام حبیبہؓ سے انہیں حضرت عروہؓ اور حضرت ابوسلمہؓ نے روایت کیا ہے، ابوسلمہ نے حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے، جبکہ عروہ نے حضرت اسماءؓ سے روایت کیا ہے یعنی یہ نقلِ متواتر موجبِ علم ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے:

ہم نے بطریق لیث بن سعد، از ابن شہاب، از عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ام حبیبہؓ کو استحاضہ شروع ہوا تو آپ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ یعنی حضرت ام حبیبہؓ کا تو یہ عمل تھا اور حضرت عائشہؓ بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تردید نہیں فرماتیں (اشارۃً امام مسلم نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر، از ایوب سختیانی حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت کا خط آیا، آپ نے اسے مجھے پڑھنے کے لیے دیا، تو اس میں لکھا تھا کہ مجھے استحاضہ کے باعث بے پناہ تکلیف ہے، عرصہ دراز سے میں نماز کو چھوڑے ہوئے ہوں حضرت علیؓ بن ابی طالب سے جب اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فتویٰ یہ دیا کہ میں ہر نماز کے لیے غسل کیا کروں۔ خط کا مضمون سن کر حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے، اللہ کی قسم حضرت علیؓ نے جو فتویٰ دیا ہے، مجھے بھی اس کے علاوہ اور کوئی حل نظر نہیں آتا، البتہ ظہر وعصر کے لیے ایک غسل اور مغرب وعشاء کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک مستقل غسل کرنا پڑے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کوفہ تو بہت سرد علاقہ ہے اور یہ بار بار غسل اس عورت پر بہت گراں گزرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے اس سے بھی زیادہ تکلیف میں مبتلا کرسکتا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۳۰۵)

یہ روایت درج ذیل طرق سے بھی مروی ہے:

(۱) سفیان ثوری، از اشعث بن ابی الشعثاء، از سعید بن جبیرؓ از ابن عباسؓ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۳۰۸)

(۲) ابن جُریج از عمرو بن دینار از سعید بن جُبیر از ابن عباسؓ۔

(۳) شعبہ وحماد بن سلمہ، از حماد بن ابی سلیمان، از سعید بن جُبیر، از ابن عباسؓ۔

ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوبکر بن احمد بن خالد، از پدرِ خود از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال، از ابن جُریج[1] از ابوزُبیر بیان کیا کہ حضرت سعید بن جُبیر سے روایت ہے کہ ایک مستحاضہ عورت نے حضرت ابن زُبیر کی طرف لکھا کہ مجھے ہر نماز کے لیے غُسل کرنے کا فتویٰ دیا گیا ہے، تو اس کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بھی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ پھر اس عورت نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مسئلہ پُوچھا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

(مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۶ وعبدالرزاق ۱: ۳۰۸ مختصراً)

بطریق ابی مجلز، ابن عمرؓ سے مُستحاضہ کی بابت یہ فتویٰ منقول ہے کہ اسے ہر نماز کے لیے غسل کرنا چاہیے۔ عِکرمہ اور مُجاہد نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مجاہد نے آپ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر اور عصر کی نماز کو مقدّم کر کے پڑھ لے اور دونوں کے لیے ایک غُسل کرے۔ اِسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدّم کر کے ایک ہی غُسل سے پڑھ لے اور فجر کو ایک غسل سے پُڑھ لے۔

ہم نے بطریق ابنِ جُریج، عطاء سے روایت کیا کہ مُستحاضہ ایامِ حیض میں انتظار کرے اور جب یہ ایام ختم ہو جائیں تو پھر ظہر وعصر ایک غُسل سے پڑھے۔ ظہر کو تھوڑا سا مؤخر اور عصر کو تھوڑا سا مقدّم کر کے پڑھ لے اسی طرح مغرب وعشاء بھی ایک غُسل سے پڑھ لے صبح کے لیے ایک الگ غُسل کرے۔

(مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۳۰۴ مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۷)

ہم نے بطریق سفیان ثوری، از منصور بن معتمر از ابراہیم نخعی بھی عطاء کے قول کی مانند روایت کیا ہے۔

(مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۳۰۷ مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۱۲۷)

نیز ہم نے بطریق مُعاذ بن ہشام دستوائی، از پدرِ خود، از قتادہ از سعید بن مُسیّب روایت کیا کہ مُستحاضہ غُسل کرے اور نماز پڑھے۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اُمّ حبیبہؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، اور ابن زُبیرؓ

[1] امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ حجاج بن منہال نے ابن جریج سے نہ سُنا ہے اور نہ ان کو پایا ہے۔

کی اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی ہے، البتہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مُستحاضہ ہر روز ظہر کی نماز کے لیے غُسل کرے۔ اس کو ہم نے اسی طرح بطریق مُعمر، از ہشام بن عُروہ روایت کیا اور وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے وضاحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مُستحاضہ ہر روز ظُہر کی نماز کے لیے غُسل کرے۔

تابعین میں سے عطاء، سعید بن مُسیّب اور ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور ان سب روایات کی اسانید حد درجہ صحیح ہیں۔ حنفیوں، مالکیوں اور شافعیوں پر تعجب ہے کہ جب کسی صحابی کا قول ان کی خواہش و تقلید کے موافق ہو تو اس کی مخالفت پر طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی تقلید کے موافق نہ ہو تو ثابت شدہ سُنتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رد کر دیتے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سُنّت سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ جو عورت خون میں تمیز کر سکتی ہے اُس کے لیے خونِ سیاہ رنگ حیض اور باقی طُہر ہوگا یعنی اس کا معاملہ تو واضح ہے اور یہ بھی سُنت سے ثابت ہے کہ جو عورت خون میں تمیز نہ کر سکتی ہو وہ اپنے معمول کے ایام کی مدت کی رعایت کر کے اسے حیض سمجھے اور باقی مدت کو طُہر سمجھ لے۔ اور ہم پر یہی واجب ہے کہ ہم اسی کی پابندی کریں۔

اور وہ عورت جس کے ایام مختلف ہوں یعنی بدلتے رہتے ہوں اور ان کا کوئی خاص معمول نہ ہو، وہ اتصالِ خُون سے پہلے کے آخری حیض کو بنیاد بنائے کیونکہ آخری حیض سے پہلے کے تمام واقعات یقینی طور پر باطل ہو گئے ہیں لیکن وہ عورت جو خون میں تمیز نہ کر سکتی ہو اور نہ اس کے ایام کا کوئی معمول ہو اور وہ عورت جسے ہر نماز یا دو نمازوں کے لیے غسل کا حکم ہے یعنی ان عورتوں کے تین احکام و صفات ہیں، ان میں سے دو کے لیے تو حکم منصوص ہیں، تیسرا حکم گویا تیسری صفت کے پیش نظر ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا قول ہے کہ عورت تبدیلیٔ خون کے حکم کو غلبہ دے اور معمول کی رعایت نہ کرے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایام کے حکم کو غلبہ دے اور تبدیلیٔ خون کی رعایت نہ کرے، لیکن یہ دونوں عمل خطاء ہیں کیونکہ ان کے عمل سے ترکِ سُنّت لازم آتا ہے جو جائز نہیں۔

امام شافعیؒ، ابنِ حنبلؒ، ابو عُبیدؒ اور داؤد ظاہری نے دونوں حکموں کو لیا ہے مگر امام احمد بن حنبل اور ابو عُبید نے

. ایام کے غلبہ کا لحاظ رکھا ہے اور تبدیلیٔ خون کا لحاظ صرف اس عورت کے لیے رکھا ہے جو اپنے ایام کو نہ پہچانتی ہو اور جو اپنے ایام کو پہچانتی ہو اُس کے لیے ایام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، خواہ خون میں تبدیلی آتی رہتی ہو! امام شافعیؒ و داؤدؒ نے تبدیلیٔ خون کے حکم کا اعتبار کیا ہے، خواہ عورت اپنے ایام کو پہچانتی ہو یا نہ پہچانتی ہو، ان دونوں اماموں نے وقتِ حیض کی رعایت کا حکم صرف اس عورت پر لگایا ہے جس کے خون میں کوئی تبدیلیٔ رنگت نہ آتی ہو۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ ان میں سے کونسا عمل حق ہے؛ تو ہمیں صحیح نص کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حیض صرف سیاہ رنگ کا خون ہے، اس کے علاوہ اور کسی رنگ کا خون حیض نہیں ہوتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "حیض سیاہ رنگ کا معروف خون ہے"، تو صحیح بات یہ ہے کہ جس کے خون کا رنگ بدل گیا ہو وہ مکمل حالتِ طہارت میں ہے۔ اِستحاضہ کے حکم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح خون سرخ رنگ کا ہو یا بالکل سفید ہو ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی یقینی امر ہے کہ معمول کے ایام سے قبل جب خون کا رنگ بدل جائے تو یہ بالکل صحیح طہارت ہے!

اب صرف اس سیاہ رنگ کے خون کے بارے میں اشکال باقی رہ گیا جو متصل ہو۔ اس سلسلہ میں نص یہ ہے کہ جو عورت اپنے وقت کو پہچانتی ہو وہ تو وقت کا لحاظ رکھے اور جو عورت اپنے وقت کو بھول گئی ہو وہ ہر نماز کے لیے یا دو نمازوں کے لیے ایک غسل کرے۔ وباللہ التوفیق!

جو حضرات ان اخبار کو ترک کرتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے پاس قیاس، قولِ صحابی، قرآن اور سُنّت سے کیا دلیل ہے؟

امام مالکؒ کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت جس کا خون متصل ہو اگر اس کا حیض بارہ دن یا اس سے کم ہو تو وہ تین دن مزید انتظار کرے، اگر حیض تیرہ دن ہے تو دو دن انتظار کرے اور اگر چودہ دن ہے تو ایک دن انتظار کرے اور اگر پندرہ دن حیض ہے تو پھر مزید کچھ انتظار نہ کرے لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جس کی نہ قرآن تائید کرتا ہے اور نہ صحیح یا سقیم سُنّت، نہ قولِ صحابی اور نہ قیاس، اور نہ معقول رائے یا احتیاط! بلکہ اس قول سے بلا وجہ فرض نماز و روزہ کا ترک لازم آتا ہے۔

امام مالکؒ کے بعض مقلدین نے اس باطل روایت سے استدلال کیا ہے جسے ہم نے بطریق ابراہیم بن حمزہ، از دراوردی از حرام بن عثمان، از عبدالرحمٰن و محمد پسران جابر روایت کیا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اسماء بنت مرشد حارثیہ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، میں بھی اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے خلافِ معمول کچھ اور طرح کا حیض آنے لگا ہے۔ طُہر کے تین یا چار دن بعد پھر خون آجاتا ہے، جس کے باعث میرے لیے نماز پڑھنا ممکن نہیں رہتا؟ آپ نے فرمایا جب یہ صورتِ حال ہو تو تین دن تک رُکے رہو اور پھر چوتھے دن غسل کرکے نماز شروع کردو، الا یہ کہ تم دفعۃً سیاہ رنگ کا خون دیکھو۔[2]

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ احتجاج نہایت قبیح ہے کیونکہ یہ خبر باطل ہے۔ حرام بن عثمان منفرد ہے اور وہ غیر ثقہ ہے۔ خود امام مالکؒ نے بھی اسے غیر ثقہ کہا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے جابر جعفی پر جرح کی ہے اور فرمایا کہ میں نے جابر سے زیادہ جھوٹا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ اسی طرح امام مالکؒ نے حرام بن عثمان اور صالح مولی التوأمہ پر جرح کی ہے لیکن تعجب ہے اُن مالکیوں اور حنفیوں پر، اس کے باوجود حرام اور صالح کی روایات سے اس وقت استدلال میں قطعاً کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور امام مالکؒ کی جرح کی بھی تکذیب کردیتے ہیں، جب انہیں

---

[1] مرشد، شین کے ساتھ ہے۔ الاصابۃ میں اس نام کو ثا کے ساتھ مرثد لکھا گیا ہے جو طباعت کی غلطی ہے اس اسماء سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے جو صحیح نہیں، جیسا کہ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" ص ۲۶ ۷ میں ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" ج ۵ ص ۳۹۶ میں ابن حجرؒ نے "اصابہ" ج ۸ ص ۱۱ میں، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴۵ میں ذکر کیا ہے کہ اس کے باپ کا نام مرشدہ ہے اس نے ضحاک بن خلیفہ سے شادی کی اور ثابت و ابا جبیرہ وغیرہ کو جنم دیا۔ یہ مشرف بہ اسلام ہوئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر بیعت بھی کی۔

[2] اس روایت کو بیہقی نے مختصر لیکن ابن اثیرؒ نے مطول و معلق ذکر کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں اسے احکام اسماعیل بن اسحاق قاضی اور ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، حرام بن عثمان منفرد ہے۔ امام شافعیؒ و ابن معینؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حرام سے روایت کرنا حرام ہے۔ ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے حرام بن عثمان سے پوچھا کہ کیا عبدالرحمٰن بن جابر، محمد بن جابر اور ابو عتیق ایک ہی ہیں ہم کہنے لگا اگر آپ چاہیں تو میں انہیں دس بنادیتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص انتہائی کذاب تھا۔ غیر معروف اسماء میں ردّ و بدل کرنے سے قطعاً حیا محسوس نہیں کرتا تھا۔

یہ معلوم ہو جاتے کہ ان کی روایات، ان کی تقلید کے لیے حجت ہیں۔ اسی طرح اگر جابر جعفی کی کسی روایت سے مخبول کی تقلید کی تائید ہوتی ہو تو وہ امام ابوحنیفہؒ کی جرح کو جھٹلاتے ہوئے اس سے استدلال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں فرماتے۔ بحمداللہ ہمارا معاملہ ان کے شیوخ کے ساتھ ان کی نسبت بہتر ہے، ہم امام مالکؒ کی جرح کی تردید نہیں کرتے بلکہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں: مزید براں یہ کہ اگر یہ خبر صحیح بھی ہو تو پھر بھی ان کے لیے حجّت نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی شئے نہیں جو امام مالکؒ کے قول کے مطابق ہو یا ان کی اس تقسیم کے موافق ہو بلکہ یہ تو امام مالکؒ کے قول کے مخالف ہے اور اس سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے اِلّا یہ کہ عورت خون دیکھے پس معلوم ہُوا کہ اس روایت سے ان کا استدلال کرنا باطل ہے۔

ان میں سے بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اسے ہم "حدیثِ مُصَرَّاۃ"[1] پر قیاس کر لیتے ہیں یا اس مدّت پر قیاس کر لیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود کے لیے مقرر فرمائی تھی[2] لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جو علم کے بجائے دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخِذْلَانِ۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ مُستحاضہ نماز، روزہ کی ادائیگی تو کرے لیکن اس کا خاوند اُس کے ساتھ مباشرت نہ کرے (دارمی، کتاب الطہارۃ)۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ اس کی یہ حالت یا تو حیض ہو گی یا غیر حیض، یعنی طہارت کی ہو گی۔ اور اگر اس کی حالتِ نفاس بھی نہیں ہے تو پھر تیسری اور کوئی حالت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر اُس کی حالتِ حیض ہے تو نماز و روزہ کی ادائیگی حلال نہیں، اگر حالتِ حیض و نفاس

---

[1] مُصَرَّاۃ، اس بکری، اُونٹنی یا کسی بھی دُودھ والے جانور کو کہتے ہیں، جسے فروخت کرنے سے کئی دن پہلے نہ دوہا گیا ہو تاکہ خریدنے والے کو یہ دھوکا دیا جا سکے کہ یہ جانور بہت دُودھ دیتا ہے، ایسا کرنے سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے۔ (مترجم)

[2] مدّتِ قومِ ثمود سے مُراد یہ ہے کہ جب قومِ ثمود نے اُونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عذاب سے ڈراتے ہُوئے فرمایا تھا: تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ (اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھا لو۔ یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا)۔ ہُود، آیت ۶۵۔

نہیں تو پھر خاوند کے لیے وظیفہ زوجیت کی ادائیگی حلال ہے بشرطیکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک صائم، معتکف یا مُحْرِم نہ ہو یا خاوند نے عورت سے ظہار نہ کر رکھا ہو، پس یہ قول بھی باطل قرار پایا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

فطرت

۲۷۰۔ وہ امور جو مُستحب ہیں

(۱) مسواک کرنا مُستحب ہے، اگر ممکن ہو ہر نماز کے لیے مسواک کرنا افضل ہے (۲) بغل کے بالوں کی صفائی (۳) ختنہ (۴) زیرِ ناف بالوں کی صفائی (۵) ناخنوں کا کاٹنا بھی مُستحب ہے۔ البتہ مونچھوں کا کاٹنا فرض ہے۔ عورت کے لیے چہرے کے بالوں کا اکھیڑنا حلال نہیں ہے (۶) جُنبی آدمی کے لیے یہ مُستحب ہے کہ اگر وہ کھانے، پینے یا سونے کا ارادہ کرے تو وضو کرلے۔ یاد رہے کہ ان اُمور کے لیے وضو کرنا فرض نہیں ہے، ہاں اگر ایک دفعہ کے بعد دوبارہ مباشرت کرنا چاہے تو پھر وضو کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے اپنی دو بیویوں یا دو سے زیادہ بیویوں، یا لونڈیوں اور بیویوں سے مباشرت کی اور ہر دو کے مابین غسل کرلیا تو بہتر ہے اور اگر سب کے ساتھ مباشرت کے بعد آخر میں غُسل کیا تو پھر بھی درست ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم نے۔ ۳۱۶ [از عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوبکر بن ابی شَیبَہ از سُفیان بن عُیَینَہ، از زُہری، از سعید بن مُسَیّب روایت کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اَلفطرۃُ خمس۔ او خمس من الفطرۃ۔ الختان والاستحداد وتقلیم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب ۔ (بخاری، کتاب اللباس، ابوداؤد، کتاب الترجّل، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ)

"فطرت پانچ اُمور ہیں یا پانچ امور کا تعلق فطرت سے ہے (۱) ختنہ کرنا (۲) زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا (۳) ناخنوں کا کٹوانا (۴) بغل کے بالوں کی صفائی کرنا۔ اور (۵) مونچھوں کو چھوٹا کرنا۔

۳۱۷ [بسندِ سابقہ ہم نے از قُتَیبَہ بن سعید و عمرو الناقد، از سُفیان بن عُیَینَہ از ابی الزِّنَاد، از اعرج روایت کیا کہ]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لولا اَنْ اشق علی اُمتی لامرتھم بالسواك عند کل صلوٰۃ (مسلم، ابوداؤد، کتاب الطہارہ، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

"اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ اُمت مشقت میں پڑ جائے گی، تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیتا۔"

آپ نے چونکہ حکم نہیں دیا لہٰذا ہر نماز کے لیے مسواک کرنا فرض نہیں ہے!

۳۱۸ [بسند سابقہ ہم نے از یحییٰ بن یحییٰ و قتیبہ، از جعفر بن سلیمان ضبعی، از ابی عمران جونی روایت کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ:

وُقِّتَ لنا فی قص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانۃ الا نترك اکثر من اربعین لیلۃ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، ابوداؤد کتاب الترجل، ترمذی کتاب الاستیذان)

"ہمارے لیے وقت مقرر فرمایا گیا کہ ہم چالیس دن سے قبل قبل مونچھ کاٹ لیں، ناخن تراش لیں، بغل کے بال اکھیڑ لیں اور زیر ناف کو صاف کر لیں۔ اور چالیس دن سے زیادہ انہیں نہ چھوڑا جائے۔"

مونچھ تراشنے اور داڑھی بڑھانے کی فرضیت پر یہ روایت دال ہے:

۳۱۹ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از سہل بن عثمان از یزید بن زریع از عمر بن محمد از نافع بیان کیا کہ] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی۔ (بخاری کتاب اللباس، مسلم کتاب الطہارۃ)

۳۲۰ [ہم سے یونس بن عبداللہ از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم از احمد بن خالد بن محمد بن عبدالسلام خشنی، از محمد بن بشار از یحییٰ بن سعید قطان بیان کیا کہ] محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ مجھ سے عثمان بن عبیداللہ بن رافع[1] نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ

[1] عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع (یہ عثمان ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے ہیں اس روایت کو ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" ج ۳ ق ۲ ص ۱۵۶ میں مختصراً بیان کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ ج ۳ ق ۲ ص ۲۲۲ سے ۲۲۵ مختلف سندوں سے بیان کیا ہے اور انہی دونوں کتابوں میں ان کا ترجمہ بھی ہے) و نیز اس اثر کو امام بیہقیؒ نے ج ۱ ص ۱۵۱ میں بطریق فریابی از سفیان، از محمد بن عجلان

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اصحابِ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو اس قدر کاٹا کرتے تھے کویا انہیں مونڈھا گیا ہو میں نے عرض کیا کہ کن کن حضرات کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا کہ جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدریؓ، سلمہ بن اکوعؓ، انس بن مالک اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کو۔

۳۲۱ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع، از شعبہ از حکم بن عُتَیبَہ، از ابراہیم نخعی، از اسود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حالتِ جنابت میں جب سونے یا کچھ کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

۳۲۲ [ہم سے یونس بن عبداللہ از محمد بن معاویہ از احمد بن شُعَیب از سُوَید بن نصر از عبداللہ ابن مبارک از یونس بن یزید، از زُہری از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے تو وضو کر لیتے اور اگر کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو ہاتھ دھو لیتے اور پھر کھا پی لیتے (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

اگر کہا جائے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت پہنچتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا وضو اور استنجا کر کے سو رہو۔

از عبیداللہ بن ابی رافع روایت کیا ہے کہ میں نے ابوسعید خُدری، جابر بن عبداللہ، ابن عمرؓ، رافع بن خدیج، ابواُسَید انصاری، ابن الاکوع اور ابورافع کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو اس قدر خوب کاٹتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا گویا انہوں نے مونڈ ڈالی ہیں بیہقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو اسی طرح پایا ہے۔ امام بیہقی کے علاوہ دیگر ائمہ نے فرمایا ہے از عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع اور بعض نے کہا ہے کہ ابورافع نہیں بلکہ ابن رافع ہے (تاریخ کبیر امام بخاری میں بھی رافع و ابورافع دونوں واقع ہیں) میرا خیال ہے کہ ابورافع کا نام غالباً رافع ہے، اور اسی طرح جن لوگوں نے عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع کہا ہے وہ صحیح ہے۔ صرف عبیداللہ بن ابی رافع غالباً سہو ہے اگرچہ ابن ابی شیبہ نے بھی مصنّف ۸: ۵۶۵ میں بھی کہا ہے یعنی عبیداللہ بن ابی رافع۔ لیکن امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے "عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع" کہا ہے اور ابن حزم نے بھی ان دونوں کی متابعت کی ہے)۔

ہم عرض کریں گے کہ: ۲۲۳ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن معاویہ از وکیع، از سفیان ثوری، از ابی اسحاق، از اسود بن یزید بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حالتِ جنابت میں اسی طرح پانی کے استعمال کے بغیر ہی سو جاتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) اور ترمذی و ابوداؤد دونوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

۲۲۴ [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابوعیسیٰ بن ابی عیسیٰ از احمد بن خالد از محمد بن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از ابوالاحوص سلام بن سلیم حنفی از ابواسحاق، از اسود بیان کیا کہ] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مسجد سے واپس تشریف لاتے، تو جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دیتا، نماز ادا فرماتے، پھر بستر یا اہلیہ کی طرف توجہ فرماتے، اگر بیوی کی طرف حاجت ہوتی تو اُسے پورا فرماتے اور پھر اسی طرح پانی کے استعمال کے بغیر سو جاتے، جب اذان سنتے تو بیدار ہو جاتے، حالتِ جنابت ہوتی تو غسل فرماتے، حالتِ جنابت نہ ہوتی تو وضو کر کے دو رکعت نماز ادا فرماتے اور مسجد تشریف لے جاتے (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ مختصراً)

اس حدیث میں عموم ہے یعنی اس میں وضو و غسل دونوں کا ذکر ہے، جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ سفیان سے اس حدیث میں خطا ہوتی ہے، وہ خود خطا کار ہے اور اس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں اگر کہا جائے کہ زُہیر بن مُعاویہ نے اس کی مخالفت کی ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ سفیان، زہیر کی نسبت زیادہ حافظ ہے، اگر زیادہ حافظ نہ بھی ہوتا تو بعض راویوں کا بعض سے اختلاف کرنا کسی ایک راوی کی خطا کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ ثقہ راوی کی اس کی تمام مرویات میں تصدیق کی جاتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حضرت عائشہؓ کا یہ قول آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمیشہ کے عمل پر دلالت کرتا ہے۔ مباشرت کرنے والے کے لیے وضو کے بغیر سو جانے کے جواز کے جو حضرات قائل ہیں ان میں سے سعید بن مُسیّبؒ، ربیعہؒ، یزید بن ہارونؒ، شافعیؒ اور ابو ثورؒ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

۲۲۵ [ہم سے احمد بن محمد جسور از وہب بن مَسَرّۃ از ابن وَضّاح از ابوبکر بن ابی شَیبہ از یزید بن ہارون و ہشیم و حفص بن غیاث بیان کیا] یزید فرماتے ہیں کہ: حماد بن سلمہ نے از عبدالرحمٰن بن ابی رافع اور وہ اپنی پھوپھی سلمیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک رات سب عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے

ہر ایک کے پاس غُسل فرمایا[1]۔

ہُشَیم کہتے ہیں کہ حمید طویل نے از حضرت اَنس بن مالکؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات، ایک ہی غُسل کے ساتھ سب عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے[2]۔

اور حفص بن غیاث نے از عاصم، از ابی المتوکل از حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے اور پھر دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو دونوں کے مابین وضو کرے[3]۔

---

[1] حدیث ابو رافعؓ مُسند احمد (ج ۶ ص ۸) میں از عفان (و ج ۶ ص ۹ و ۱۰ میں) از عبد الرحمٰن و ابو کامل (و ج ۶ ص ۳۹۱ میں) از یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ ہے، ابوداؤد نے ج ا ص ۸۴ میں اسے از موسیٰ بن اسماعیل از حماد روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے ج ا ص ۱۰۷ میں بطریق عبد الصمد از حماد روایت کیا ہے۔ منذریؒ نے اس حدیث کو نسائی کی طرف اور شوکانیؒ نے ترمذی و نسائی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مجھے یہ روایت ترمذی و نسائی میں نہیں ملی (احمد شاکر) ترمذی کی طرف نسبت تو سہو ہے البتہ نسائی نے عشرۃ النساء باب ۲۰ میں روایت کیا ہے اور یہ روایت سُنن کبریٰ میں ہے صغریٰ میں نہیں (ثناء حنیف) و نیز بیہقی نے اسے ج ا ص ۲۰۳ و ۲۰۴ میں روایت کیا ہے۔

[2] حدیث اَنسؓ کو مسلم نے ج ا ص ۹۸، ابوداؤد نے ج ا ص ۸۷، ترمذی نے ج ا ص ۳۰، نسائی نے ج ا ص ۵۱، ۵۲، ابن ماجہ نے ج ا ص ۱۰۶، اور بیہقی نے ج ا ص ۲۰۴ میں مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بخاریؒ نے ج ا ص ۴۳ میں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن رات کے ایک ہی وقت میں سب ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔ میں نے حضرت اَنسؓ کی خدمت میں عرض کیا، کیا آپ کو اس کی طاقت تھی؟ حضرت اَنسؓ نے فرمایا ہم بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت بخشی گئی تھی۔ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ایک ہی غُسل کے ساتھ سب کے پاس جایا کرتے تھے لیکن سیاق سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ ابن ابی شیبہ ۱: ۷۴ میں یہ روایت بالتصریح ہے۔

[3] حدیث ابو سعید کو ابوداؤد نے ج ا ص ۸۸ میں از عمرو بن عون از حفص بن غیاث روایت کیا ہے، مسلم نے اسے ج ا ص ۹۶، ترمذی نے ج ا ص ۳۰، نسائی نے ج ا ص ۵۱ اور ابن ماجہ نے ج ا ص ۱۰۶ میں روایت کیا ہے۔ منتقیٰ میں اسے احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مسند ج ۳ ص ۲۸) شوکانی نے اسے ابن خزیمہ (ج ا ص ۱۰۹)، ابن حبان اور حاکم کی طرف منسوب کیا ہے، انہوں نے

۲۷۱۔ وہ برتن جن کا استعمال جائز نہیں

کسی بھی آدمی یا عورت کے لیے کسی ایسے برتن میں وضو و غسل کرنا یا کھانا پینا حلال نہیں جو کسی انسان کی ہڈی سے بنایا گیا ہو۔

ہم اس کتاب میں قبل ازیں مُردار کے چمڑے کی بحث میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مومن و کافر کو دفن کرنا واجب ہے اور مُثلہ کرنا حرام ہے۔ اُس برتن کا استعمال بھی جائز نہیں جو خنزیر کی ہڈی سے بنایا گیا ہو۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر آتے ہیں کہ خنزیر سارے کا سارا نجس ہے۔ اُس برتن کا بھی استعمال جائز نہیں جو کسی ایسے مُردہ جانور کی کھال سے بنا ہو جسے دباغت نہ دیا گیا ہو، یا چاندی اور سونے کا برتن ہو۔

۳۲۶ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن ابی شیبہ اور ولید بن شجاع از علی بن مسہر از عبیداللہ بن عمر از نافع مولیٰ ابن عمر، از زید بن عبداللہ بن عمر از عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق بیان کیا کہ] اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے (بخاری، مسلم، ابن ماجہ کتاب الاشربہ)

۳۲۷ [ہم سے محمد بن سعید بن نبات از عبداللہ بن نصر از قاسم بن اصبغ از ابن وضاح از موسیٰ بن مُعاویہ از وکیع از شعبہ از حکم بن عُیَیْنَہ از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کیا کہ] حضرت حُذَیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حریر و دیباج کے پہننے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ ان (کفار) کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں[1]۔ (بخاری کتاب الاطعمہ و کتاب الاشربہ و کتاب اللباس، مسلم کتاب الاطعمہ)

یہ زائد الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ "دونوں دفعہ کے مابین غسل کرنا زیادہ نشاط بخش ہے۔" شوکانی ؒ نے اس روایت کو بیہقی و ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی روایت میں ہے کہ "نماز کی مانند وضو کرتے۔" بیہقی میں یہ الفاظ نہیں ہیں، ملاحظہ فرمائیے ج ۱، ص ۲۰۴۔ بیہقیؒ کی حدیثِ عائشہؓ میں ہے کہ "جب آپ حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے، تو نماز کی مانند وضو کرتے۔" لیکن یہ اور وہ الگ الگ روایات ہیں۔

[1] اصحابِ صحاح ستہ نے اس حدیث کو مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے، معنی سب کا ایک ہے۔ امام ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی صحت پر اجماع ہے۔

ابو داؤد، ترمذی کتاب الاشربہ، نسائی کتاب الزینہ، ابن ماجہ کتاب الاطعمہ وکتاب اللباس)

کسی ایسے برتن کا استعمال بھی جائز نہیں، جسے ناحق کسی سے لے لیا ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ۔ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق خون بہانا اور ناحق مال چھیننا حرام ہے)۔

۲۷۲۔ وہ برتن جن کا استعمال جائز ہے

اوپر جن برتنوں کا ذکر ہُوا، ان کے علاوہ تانبا، پیتل، رانگا (قلعی)، قزدیر، شیشہ، زمرّد اور یاقوت وغیرہ کے ہر قسم کے برتنوں کا استعمال جائز ہے یعنی ان میں مرد اور عورتیں کھا پی بھی سکتے ہیں اور وضو و غسل بھی کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: ۲۹)

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں، تمہارے لیے پیدا کیں"

نیز فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۱۱۹)

"اور اُس نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دَعُوْنِىْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ... الحدیث" جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں، تم مجھے چھوڑے رہو، تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرامؑ سے اختلاف نے ہلاک کیا تھا لہٰذا جب میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کر دوں، تو اس سے اجتناب کرو"

پس ہر وہ چیز جس کے بارے میں شریعت میں سکوت اختیار کیا گیا ہے یعنی تحریم یا امر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، اس کا استعمال مباح ہے۔

وہ برتن جسے سونے کی پالش کی گئی ہو یا سونے کا پیوند وغیرہ لگایا گیا ہو، عورتوں کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، مردوں کے لیے جائز نہیں۔ عورتوں کے لیے بھی جواز اس لیے ہے کہ ان برتنوں کو سونے کا نہیں کہا

جا سکتا۔ اور آپ کا فرمان ہے کہ ریشم اور سونا میری اُمّت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہے[1] لیکن وہ برتن جسے چاندی کی پالش کی گئی ہو چاندی کی تار یا چاندی کا پیوند لگا یا گیا ہو اس کا مردوں عورتوں سب کے لیے استعمال جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ برتن چاندی کا نہیں کہلا سکتا۔ وباللہ تعالیٰ نتأید، وھو حسبنا و نعم الوکیل!

۲۷۳۔ بعض اعضاء کی طہارت سے معذوری

جو شخص اپنے بعض اعضاء کی طہارت سے عاجز ہو یعنی ہاتھ پاؤں یا ان کا بعض حصّہ کٹا ہو تو ان کا حکم ساقط ہو جائے گا اور صرف باقی صحیح سلامت اعضاء کا دھونا ہی فرض ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم "جب مَیں تمہیں کوئی حکم دوں، تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ"

اگر جسم میں کوئی زخم ہو تو اس کے دھونے کا حکم ساقط ہو جائے گا البتہ باقی جسم یا اعضاء کے دھونے کا حکم باقی رہے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اگر کسی انسان کے ایک یا دونوں ہاتھوں، یا دونوں پاؤں یا چہرہ یا جسم کے دیگر بعض حصّوں پر پھوڑے پھنسیاں ہوں اور یہ صورتِ حال کسی مرض کی شکل اختیار کر گئی اور پانی کے استعمال میں حرج ہو تو تیمم کرلے کیونکہ مریض کے لیے یہی حکم ہے۔ اگر پانی کے استعمال میں مشقت نہ ہو تو پانی میں ڈبو دے یا اس پر پانی بہا لے۔ یہی کافی ہوگا اور اگر اس کی یہ صورتِ حال باقاعدہ مرض نہ ہو تو جس قدر اعضاء کا دھونا ممکن ہو انہیں دھولے جن اعضاء کے دھونے میں حرج ہو، ان کے دھونے کا حکم ساقط ہو جائے گا، خواہ اعضاء قلیل ہوں یا کثیر، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

یہ جائز نہیں کہ وضو کرتے ہوئے بعض اعضاء کا تیمم کر لیا جائے اور بعض کو دھو لیا جائے اور نہ غُسل میں ایسا جائز ہے کیونکہ اس سلسلہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اجماع، ہاں اس سلسلہ میں صرف ایک صورت ایسی ہے جسے ہم قبل ازیں بھی ذکر کر آئے ہیں[2] اور وہ صورت یہ ہے کہ پانی اس قدر کم ہو کہ اس سے سارے اعضاء کا

---

[1] جب اسے سونا نہیں کہا جا سکتا اور اس بارے میں کتاب و سُنّت سے کوئی حُرمت کی دلیل نہیں تو پھر یہ تفریق کہ عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہے کس بنیاد پر؟ اگر حلال ہے تو دونوں کے لیے اور حرام ہے تو دونوں کے لیے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

[2] ملاحظہ فرمائیے اس کتاب کا مسئلہ ۲۴۴ ۶۹۳

وضو یا غسل نہ ہو سکتا ہو۔ وباللہ التوفیق!

۲۷۴۔ مشکوک پانی کا حکم | جس شخص کے پاس پانی تو موجود ہو لیکن اسے شک ہو کہ شاید اس میں کتے نے منہ ڈالا ہے یا نہیں؟ عورت کا بچا ہوا ہے یا نہیں؟ تو بلا شبہ وہ اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ پہلے سے حالتِ طہارت میں ہے اور اس کے ساتھ طہارت جائز ہے لیکن پھر اسے شک ہوا کہ شاید یہ حرام ہے یا نہیں؟ لیکن حق اور یقین کو ظن کے ساتھ ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا (النجم : ۲۸)۔ "ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا"

اگر شک کی صورت یہ ہو کہ شاید یہ پانی ہے یا بعض نباتات کا نچوڑ؟ اس صورت میں اس کے ساتھ وضو یا غسل جائز نہیں کیونکہ اس کی بابت اسے کبھی بھی یقین نہیں رہا کہ اس کے ساتھ طہارت جائز ہے۔ وضو اور غسل فرض ہیں اور فرض کی ادائیگی شک کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کے سامنے دو یا دو سے زیادہ برتن ہوں اور ان میں سے ایک میں تو یقینی طور پر پاک پانی ہو اور باقی سب میں کتے نے منہ ڈالا ہو یا ایک میں کتے نے منہ ڈالا ہو اور باقی سب پاک ہوں لیکن وہ یہ تمیز نہ کر سکتا ہو کہ کتے نے کس برتن میں منہ ڈالا ہے اور کس میں نہیں ڈالا تو جائز ہے کہ جس سے چاہے وضو کرے بشرطیکہ اُسے کسی برتن کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ غیر طاہر ہے اور اس کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر برتن کا پانی انفرادی طور پر دراصل پاک تھا۔ اگر اسے یقین ہو جائے کہ جس پانی کے ساتھ اس نے طہارت حاصل کی ہے، وہ پاک نہیں تھا یعنی اس نے حرام پانی کے ساتھ وضو یا غسل کیا ہے تو اس پر فرض ہوگا کہ دوبارہ طہارت حاصل کرے۔

اگر ان مختلف برتنوں میں ایک ایسا ہو جس میں پانی کے بجائے کوئی عرق وغیرہ ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کس برتن میں ہے، تو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی وضو کرنا حلال نہیں کیونکہ اگر وہ وضو کرے تو اسے یقینا نہیں ہوگا کہ اس نے پانی کے ساتھ وضو کیا ہے اور یقین ظن سے نہیں ختم ہوتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق و ھو حسبنا ونعم الوکیل!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وصلی اللہ علیٰ محمد وآلہٖ وسلم

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

۲۷۵۔ نماز کی قسمیں

نماز کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض اور (۲) نفل

فرض نماز وہ ہے، جسے عمداً ترک کرنے سے اللہ عزوجل کی نافرمانی لازم آتی ہو یعنی نماز پنجگانہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر، ان میں سے اگر کوئی نماز بھول جائے یا کسی کی ادائیگی سے قبل سو جائے، تو اس کی ادائیگی اصل نماز کی ادائیگی کے مانند ہی ہے۔

فرض نماز کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جو ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد، عورت، آزاد اور غلام سب پر متعین طور پر فرض ہے یعنی فرض عین اس فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔

(۲) فرض کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے، یہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جو ادائیگی کے لیے حاضر ہو جائے، جب بعض مسلمان اس فرض کو ادا کر لیں تو باقی سب پر سے فریضہ ساقط ہو جائے گا جیسے نمازِ جنازہ۔

نفل نماز سے مراد وہ نماز ہے، جسے اگر کوئی عمداً ترک کر دے، تو اس سے اللہ عزوجل کی نافرمانی لازم نہ آتے مثلاً وتر، صبح کی سُنتیں، عیدین کی نماز، نمازِ استسقاء، نمازِ کسوف، نماز چاشت، وہ نوافل جن کی فرض نماز سے پہلے یا بعد ادائیگی کی جاتی ہے، نمازِ تراویح، تہجد اور وہ سب نوافل وغیرہ جنہیں آدمی ادا کرتا ہے۔ یہ نمازیں فرض تو نہیں البتہ ان کا ترک ناپسندیدہ ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عقلی طور پر سوچا جائے، تو نماز کی مذکورہ دو قسمیں ہی ہو سکتی ہیں، یعنی جب آدمی کسی چیز کو ترک کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آئے گی یا اس کے ترک سے نافرمانی لازم نہیں آئے گی۔ درمیانی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

فرض، واجب، حتم، لازم اور مکتوب، ان سب الفاظ کا معنیٰ ایک ہے۔ اسی طرح تطوّع اور نفل کا معنیٰ ایک ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایک تیسری قسم "واجب" بھی ہے۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: یہ خطا ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور ایک غیر مفہوم قول ہے کیونکہ اس کا قائل اپنی مراد کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ اس سے کیا مراد ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ان میں سے بعض کی بعض دیگر کی نسبت زیادہ تاکید ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ بعض نوافل کی بھی بعض دیگر کی نسبت زیادہ تاکید ہے لیکن اس کے باوجود وہ نفل ہی ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ یہ واجب کیا چیز ہے؛ فرض ہے یا نفل؛ اس کا تارک گناہگار ہوگا یا نہیں؛ کیونکہ ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت نہیں اگر اس کا تارک گناہگار ہے تو یہ فرض ہوگا اور اگر گناہگار نہیں ہے تو فرض نہیں ہوگا بلکہ نفل ہوگی۔

۲۲۸ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از قتیبہ بن سعید از مالک بن انس از ابوسُہیل بن مالک[1] بیان کیا کہ] مالک بن ابی عامر اصبحی سے روایت ہے کہ انہوں نے طلحہ بن عُبید اللہ سے سُنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے اسلام کے بارہ میں سوال کیا؛ آپؐ نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ آپ نفل پڑھیں ــــ پھر باقی حدیث ذکر کی ہے ــــ جب وہ آدمی واپس لوٹا تو وہ کہتا جا رہا تھا کہ اللہ کی قسم میں اس سے کچھ کم کروں گا نہ زیادہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہوگیا۔ (بخاری کتاب الایمان وکتاب الصوم وکتاب الشہادات، وترک الحیل مسلم کتاب الایمان ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ وکتاب الایمان والنذور، نسائی کتاب الصلاۃ وکتاب الصوم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ یہ نص صریح ہے جو ہمارے قول کی دلیل ہے کہ نمازیں صرف دو ہی قسم کی ہیں۔ ایک فرض اور دوسری نفل، یعنی فرض نمازیں صرف پنجگانہ ہی ہیں اور ان کے علاوہ ساری نفل ہیں۔ اور یہ وہ نص ہے جس سے اختلاف کرنے کی گنجائش کسی شخص کے لیے نہیں ہے۔

[1] ابوسُہیل کا نام نافع بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے، آپ امام مالکؒ بن انس کے چچا ہیں۔

نذر کا پورا کرنا اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ: ۱) "اپنے اقراروں کو پورا کرو۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے، اسے اطاعت کرنی چاہیے۔"

اُمّت میں سے کسی کا بھی اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں، جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ کافر ہے۔

نمازِ جنازہ کے فرضِ کفایہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ "تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھو!"

اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جب کچھ لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں، تو باقی لوگوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ باقی نمازوں کے نفل ہونے کے بارے میں ہمارے سب مخالفین کا بھی اجماع ہے، ہاں وتر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ واجب ہے بعض متقدمین سے بھی مروی ہے کہ یہ فرض ہے۔

جن لوگوں نے کہا ہے کہ وتر فرض ہے، ان کے خلاف دلیل وہ روایت ہے،

۳۲۹ [جیسے ہم نے بسند سابقہ یعنی حدیث ۳۲۸ والی سند مسلم تک پھر از حرملہ بن یحییٰ از ابن وہب از یونس بن یزید از ابن شہاب روایت کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ نے حدیثِ اسراء ذکر کی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے میری اُمّت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تخفیف کے لیے رجوع کرنے کا ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ پانچ ہیں اور ان کا ثواب پچاس کے برابر ہے (مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ)۔ (بخاری، کتاب الانبیاء، مسلم کتاب الایمان، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ اللہ عزوجل کی طرف سے خبر ہے کہ اس حکم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ پانچ نمازوں میں تبدیلی کا اب کوئی امکان نہیں، اس نص کے باعث اس حکم میں نقص کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا لہٰذا اس شخص کا

قول باطل ہو گیا جو کہتا ہے کہ وتر اور رات کی تہجّد فرض ہے اور حسن بصری سے بھی یہی قول مروی ہے۔ علاوہ ازیں

۲۳۰۔ [ہم سے یونس بن عبداللہ از ابو عیسیٰ بن ابی عیسیٰ از احمد بن خالد از ابن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ از حسین بن علی جُعفی از زائدہ، از عبدالملک بن عُمیر، از محمد بن مُنتَشِر، از حُمید بن عبدالرحمٰن بیان کیا کہ] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک آدمی نے عرض کیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ نماز جو رات کی تنہائیوں میں ادا کی جاتے۔ اس نے پھر عرض کیا رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے اس مہینہ کے روزے، جسے لوگ محرّم کہتے ہیں (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصّوم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ و کتاب الصوم)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ نمازِ تہجّد فرض نہیں ہے اور وتر بھی نمازِ تہجّد کا حصّہ ہے لہٰذا یہ بھی فرض نہیں۔ ان دو روایتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے، جو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا تھا کہ "عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ بنو کہ پہلے وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا لیکن پھر اس نے قیامِ لیل ترک کر دیا" (بخاری کتاب التہجّد)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حفصہؓ سے ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ فرمایا کہ "عبداللہ بہت اچھے آدمی ہیں، کاش رات کو نماز پڑھیں"!

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان جو بطریق احمد بن حنبل، از یحیٰی بن سعید قطان، از عبداللہ بن عمر از نافع از ابن عمرؓ مروی ہے کہ وتر کو رات کی نماز کے آخر میں پڑھو (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، اور بخاری میں بھی یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں از یحیٰی از عبیداللہ از نافع از ابن عمرؓ مرفوعاً ہے)۔

نیز آپؐ کا یہ فرمان کہ "صبح سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو" اور "اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو"

یہ سب ارشادات ندب پر دال ہیں لہٰذا اس سے ہٹ کر اور کچھ کہنا جائز نہیں!

لیکن یہ حدیث کہ جب کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے کنارہ پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک لگاتا ہے کہ سوتے رہو ابھی رات بہت لمبی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب آدمی نماز پڑھ لے تو گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ بُرا از نشاط اور خوش و خرّم ہو جاتا ہے، ورنہ خبیث النفس اور سُست ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صبح تک سویا رہا اور نماز کے لیے بیدار نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا۔"

یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صبح کی نماز کے لیے بیدار ہونا فرض ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور ایک دلیل دوسری دلیل کے مخالف نہیں ہوتی کیونکہ جو دلیل اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وہ مختلف فیہ نہیں ہوتی اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہے۔

نیز ہم نے از شعبہ، از ابو اسحاق سبیعی، از عاصم بن ضمرہ از حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت کیا کہ "وتر حتمی نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

و نیز از سفیان ثوری، از ابو اسحاق، از عاصم، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وتر فرض نہیں ہے، اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے (حوالہ پہلی روایت میں گزر چکا)

حضرت عُبادہ بن صامتؓ سے اس شخص کی تکذیب مروی ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وتر واجب ہے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔

اور ہم نے از حجاج بن منہال روایت کیا کہ جریر بن حازم نے فرمایا: میں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے سوال کیا: کیا ابن عمرؓ اپنی سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں اور کیا وتر کو دیگر نوافل کی نسبت کوئی فضیلت حاصل ہے؟ (مختصر قیام اللیل، ص ۱۹۷)

نیز ہم نے بطریق ایوب سختیانی از سعید بن جبیر روایت کیا کہ ان سے پوچھا گیا کہ جو شخص صبح تک وتر نہ پڑھ سکے؟ فرمایا وہ کسی دوسرے دن پڑھ لے (مصنف عبدالرزاق ۳ : ۹)

و نیز بطریق حضرت قتادہ ہم نے روایت کیا کہ سعید بن مُسیّب سے ایک آدمی نے وتر کی بابت سوال کیا تو حضرت سعید نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز پڑھی ہے اگر تم چھوڑ دو تو کوئی حرج نہیں، آپ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے، اگر تم چھوڑ دو تو کوئی حرج نہیں، آپ نے دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھی ہیں، اگر تم نہ پڑھو تو کوئی حرج نہیں (عبدالرزاق ۳ : ۳، بیہقی ۲ : ۴۶۸)

ابن جُریج سے روایت ہے کہ انہوں نے عطاء سے پوچھا "کیا وتر، صبح کی دو رکعتیں یا فرض نمازوں سے آگے

نیچے کچھ اور واجب ہے؛ انہوں نے فرمایا نہیں (عبدالرزاق ۳:۳)۔ امام شافعیؒ، داؤد ظاہری اور جمہور متقدمین و متاخرین کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا اگر یہ قول ہے کہ وتر فرض ہے، تو ہم اس قول کا بطلان پہلے ذکر کر آئے ہیں اور اگر آپ کا قول یہ ہے کہ وتر واجب ہے یعنی نہ فرض اور نہ نفل، تو یہ بھی ایک فاسد قول ہے اور اس مسئلہ کے آغاز میں ہم اسے باطل ثابت کر چکے ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وتر فرض تو نہیں ہے البتہ جو ترک کر دے اسے ادب سکھایا جائے گا نیز ترکِ وتر اس کی شہادت کو مجروح کر دیتا ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بیّن خطاء ہے کیونکہ ترکِ وتر سے یا معصیتِ الٰہی لازم آتی ہے یا نہیں آتی اگر معصیت لازم آتی ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ فرض کے ترک کے علاوہ اور کسی چیز کے ترک سے معصیت لازم نہیں آسکتی ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وتر فرض ہے حالانکہ امام مالکؒ اس کے قائل نہیں اور اگر کوئی کہے کہ ترکِ وتر سے معصیت لازم نہیں آتی تو یہ سراسر باطل ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے یا اس کی شہادت کو مجروح قرار دیا جائے۔ جو معصیتِ الٰہی کا مرتکب نہ ہو وہ مُحسن ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبہ: ۹۱) نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نوافل میں سے وتر کی ازحد تاکید آئی ہے، اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں، وتر کے بعد نمازِ چاشت اور تحیۃ المسجد کی دو رکعت کی بہت زیادہ تاکید ہے، علاوہ ازیں جو باجماعت نماز پڑھ چکا ہو اور پھر وہ جماعت کو پالے تو اس جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور نمازِ کسوف اور جمعہ کے بعد چار رکعتوں کی بھی بہت تاکید ہے کیونکہ ان نمازوں کے پڑھنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور جن کا آپؐ نے حکم دیا ہو ان کی تاکید ان کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، جن کا آپؐ نے حکم نہ دیا ہو۔

۱۔ ہم نے بطریق مالک، از عامر بن زبیر از عمرو بن سُلیم زُرَقی حضرت ابوقتادہ سُلَمیؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

۲۔ و نیز از عبدالوارث بن سعید تنّوری، از ابوالتیّاح[1] از ابوعثمان نہدی، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے

[1] یہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

کہ مجھے میرے دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں ہر مہینے تین روزے رکھا کروں، اشراق کی دو رکعت پڑھا کروں اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔ (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ونیز بخاری کتاب الصوم)

۳۔ ہم نے از شعبہ، از ابو نعامہ، از عبداللہ بن صامت حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز بروقت پڑھا کرو، پھر اگر باجماعت نماز مل جاتے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو کیونکہ یہ بہتر زیادتی ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۴۔ ہم نے از سفیان بن عُیَینہ، از سہل بن ابی صالح، از پدر اُو از حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ (بیہقی ۳ : ۲۳۹ کچھ اختلاف کے ساتھ)۔

۵۔ بطریق حضرت حسن ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ سُورج اور چاند کو کسی کی موت کے باعث گرہن نہیں لگتا، جب تم ان دونوں کو گرہن لگا ہُوا دیکھو تو نماز پڑھو حتیٰ کہ گرہن ختم ہو جاتے (بخاری کتاب الصلوٰۃ وکتاب اللباس نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۲۳۱ [ہم سے حمام از عباس بن اصبغ از ابن ایمن از ابن وضاح از حامد بن یحییٰ از سفیان بن عُیَینہ از سُہیل بن ابی صالح از پدر خود بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (یہ روایت کچھ اختلاف کے ساتھ صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہے)

ان کے علاوہ دیگر نوافل کے بارے میں کوئی حکم نہیں آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و ترغیب سے ثابت ہیں۔ ہم نے جو ان کے ترک کو مکروہ سمجھا ہے تو اس لیے کہ یہ نیکی کے کام ہیں اور فرمانِ الٰہی ہے :

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (الحج : ۷۷) ۔" اور نیک کام کرو"

۲۷۶۔ نابالغ پر نماز فرض نہیں

نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر نماز فرض نہیں۔ البتہ یہ بات مُستحب ہے کہ جب شعُور کو پہنچیں تو انہیں نماز سکھا دی جائے ان پر نماز فرض نہ ہونے کی

(حاشیہ صفحہ سابق) ۱؎ ابوالتیاح کا نام یزید بن حمید ہے اور ابوعثمان نہدی کا نام عبدالرحمٰن بن مل ہے یمنی نسخہ میں ابوالتیاح اور ابوعثمان الهزلی ہے جو کہ خطأ محض ہے۔

دلیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان ہے کہ "تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، ان میں آپ نے بچّے کا بھی ذکر کیا حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے"۔ یہ حدیث پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ اور نماز سکھانے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابن عباسؓ کو بلوغت سے قبل نماز کے بعض احکام سکھائے اور انہیں نماز کے لیے امام مقرر کیا۔ مُستحب یہ ہے کہ سات سال کے بچّے کو نماز کی مشق کرائی جائے اور جب بچّہ دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا باقاعدہ ادب سکھایا جائے۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

۳۳۲ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از ابن الاعرابی از ابوداؤد از محمد بن عیسیٰ از ابراہیم بن سعد از عبدالملک بن ربیع بن سَبرہ، از پدرِ خود، از جدِ خود بیان کیا کہ] آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بچّہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو (نہ پڑھنے کے باعث) مارو۔ [1] (ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۲۷۷۔ کن حالات میں فرض نماز ساقط ہو جاتی ہے؟

مجنون، بے ہوش اور حیض و نفاس والی عورت پر نماز فرض نہیں ہے۔ ان کے ذمّہ قضا بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر مجنون و بے ہوش کو اس وقت افاقہ ہو، نیز حیض و نفاس والی عورت اُس وقت پاک ہو کہ طہارت کے بعد ابھی تک نماز کا وقت ہو تو اُس نماز کو پڑھنا ان کے لیے فرض ہو گا۔ اس کی دلیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ فرمان ہے کہ "تین شخص مرفوع القلم ہیں"۔ ان میں آپ نے مجنون کو بھی شمار کیا حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے۔ حیض و نفاس والی عورت کو بھی ان ایّام کی نمازوں کی قضا نہیں دینا پڑتی، اس پر یقینی طور پر اجماعِ اُمّت ہے۔

بے ہوش کے بارے میں حضرت عمّار بن یاسرؓ، عطاء، مجاہد، ابراہیم، حماد بن ابی سُلیمان اور قتادہ سے روایت ہے کہ بے ہوش آدمی قضا نہ دے (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۶۸ و ۲۶۹)، سفیان فرماتے ہیں کہ اگر غروبِ آفتاب کے وقت ہوش میں آئے تو صرف ظہر اور عصر کی قضا دے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر پانچ نمازیں بے ہوشی میں

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۵، ترمذی، ج ۱ ص ۸۳۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے، ابوداؤد نے اس کے ہم معنی عبداللہ بن عمرؓو بن عاص سے بھی روایت ذکر کی ہے ـــ اس روایت کی سند میں راوی سَبرہ، ابن معبد جُہنی ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان کے باپ کا نام عوسجہ ہے۔ آپ صحابی ہیں، غزوۂ خندق میں حاضر ہوئے اور حضرت مُعاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

گزریں تو ان کی قضا دے اور اگر پانچ سے زیادہ گزریں تو پھر ان کی قضا نہ دے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول حد درجہ فاسد ہے کیونکہ آپ نے جو فرمایا ہے اس کی تائید میں کوئی نص یا قیاس ذکر نہیں کیا۔ آپ کے قول کے مطابق اگر کوئی چھ نمازوں میں بے ہوش رہا تو اس کے ذمہ قضا نہیں لیکن اگر کوئی پانچ نمازوں میں بے ہوش رہا تو اس کے ذمہ قضا ہے یعنی آپ نے نہ تو بے ہوش کو بے ہوش پر قیاس کیا کہ قضا کو ساقط قرار دے دیتے اور نہ بے ہوش کو سونے والے پر قیاس کیا کہ قضا کا وجوب باقی رکھتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے حضرت عمارؓ کے قول کے خلاف مروی ہے حضرت عمارؓ سے جو روایت ہے وہ بھی یہ کہ وہ چار نمازوں میں بے ہوش رہے، تو آپ نے ان کی قضا دی۔

جیسا کہ از عبدالرزاق از ابن جُریج از نافع روایت ہے کہ حضرت ابن عُمرؓ کو ایک بار اس قدر شدت کی تکلیف تھی کہ آپ بے ہوش ہو گئے حتیٰ کہ آپ نے نماز ترک کر دی اور جب ہوش میں آئے تو آپ نے اس متروکہ نماز کو نہ پڑھا (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۸) ۔عبداللہ بن عُمرؓ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر ایک دن رات بے ہوش رہے اور اس عرصہ میں فوت شدہ نمازوں کی آپ نے قضا نہ دی (مُصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۹ مُصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۷۰)۔

ابن جُریج ۔ ابن طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے کہ مریض جب بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئے تو نمازوں کی قضا نہ دے۔ معمر کہتے ہیں کہ میں نے امام زہریؒ سے بے ہوش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قضا نہ دے (مُصنف عبدالرزاق ۲: ۴۷۹)

حماد بن سلمہ، یُونس بن عُبَید کے حوالہ سے حضرت حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بے ہوش کی بابت فرمایا کہ جس نماز کے وقت اسے ہوش آیا ہو، اس کی قضا نہ دے۔

حماد کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن بَہدَلہ سے پُوچھا کہ آپ نے بے ہوشی کے دَور کی نمازوں کو پڑھا انہوں نے فرمایا نہیں انہیں نہیں پڑھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بے ہوش چونکہ عقل و فہم سے عاری ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے حکم مرفوع ہو جاتا ہے یعنی جب دوسرے لوگوں پر نماز کی ادائیگی فرض ہوتی ہے، ان مذکورہ لوگوں پر فرض نہیں ہوتی لہٰذا اس کی

غیر وقت میں ادائیگی جائز نہیں ہوتی کیونکہ اصل وقت میں اسے حکم ہی نہ تھا اور جس نماز کا من جانب اللہ حکم نہ ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۷۸- اِن لوگوں پر نماز فرض ہے

اگر کوئی شخص حالتِ سکر (نشہ) میں ہو حتیٰ کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے، یا نیند یا نسیان کے باعث نماز کا وقت ختم ہو جائے تو ان لوگوں پر نماز کی ادائیگی بہر حال فرض ہے نشہ کی بابت فرمانِ الٰہی ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النّسآء: ۴۳)

"جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو مُنہ سے کہو سمجھنے لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔"

یعنی نشہ والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک نماز پڑھنا جائز قرار نہیں دیا حتیٰ کہ اسے یہ معلوم ہونے لگ جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

۳۲۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شعیب از قُتیبہ بن سعید از حماد بن زید از ثابت بُنانی از عبداللہ بن رباح بیان کیا کہ] حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اِنّہ لیس فی النوم تفریط اِنما التفریط فی الیقظۃ فاذا نسی احدکم صلوٰۃً اونام عنہا فلیصلّہا اذا ذکرہا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

"کوتاہی وہ نہیں جو حالتِ نیند میں سرزد ہو بلکہ کوتاہی وہ ہے جو عالمِ بیداری میں ہو لہٰذا جب تم میں سے کوئی کسی نماز کو بھول جائے یا ادائیگی سے قبل سو جائے تو وہ اس وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے"

یہ روایت بطریقِ انسؓ بھی مسنداً مروی ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، کتاب الصّلوٰۃ) اور اس پر یقینی اجماع ہے!

۲۷۹- جو شخص عمداً نماز ترک کر دے

جس شخص نے عمداً کوئی نماز ترک کر دی حتیٰ کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ اس کی قضا پر کبھی بھی قادر نہیں ہو سکتا، اسے دیگر نیک اعمال اور نوافل بکثرت ادا کرنے چاہییں تاکہ روزِ قیامت اس کی میزان وزنی ہو، نیز اسے توبہ و استغفار بکثرت کرنی چاہیے۔

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عمداً کسی نماز کو ترک کر دیا حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو گیا تو وہ اگلی نمازوں کے قبل اس کی قضا کرے۔ امام مالکؒ و ابوحنیفہؒ زیادہ نمازوں کی بابت بھی یہی کہتے ہیں یعنی وہ اگلی نماز کے وقت اس سے پہلے پہلے پڑھ لے خواہ متروکہ نمازیں پانچ ہوں یا ان سے کم اور خواہ ان کی ادائیگی میں مصروفیت کے باعث حاضر نماز کا وقت ختم ہو یا ختم نہ ہو اور اگر متروکہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں تو پہلے حاضر نماز کو پڑھے۔

ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۴-۵)

"تو ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔"

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم: ۵۹)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا گویا اسے کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عنقریب ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔"

ہمارا استدلال ان آیات سے یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی خروجِ وقت کے بعد نماز درست ہوتی تو اس کے لیے یہ تباہی و بربادی کی نوید کیوں ہوتی اور وہ جہنم رسید کیوں ہوتا کیونکہ ویل وغیّ اُس شخص کے لیے نہیں ہیں جو نماز کی آخر وقت میں ادائیگی کرتا ہے کیونکہ وہ تو بہر صورت ادائیگی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر فرض نماز کے لیے وقت مقرر کیا ہے جس کا باقاعدہ آغاز اور اختتام ہے۔ اس متعیّن وقت میں اگر ادائیگی نہ کی جائے تو پھر کسی دوسرے وقت میں اس کی ادائیگی باطل ہوتی ہے یعنی جو شخص قبل از وقت پڑھے یا بعد از وقت دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں نے بے وقت پڑھی ہے، ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ رہے بلکہ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی میں یہ دونوں یکساں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق :۱)

"جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

علاوہ ازیں قضا ایک شرعی فریضہ ہے اور شریعت صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی مقرر کی ہے تو جو شخص قصداً نماز ترک کرنے والے پر قضا کو فرض قرار دیتا ہے، ہم اس سے پوچھیں گے کہ یہ بتاؤ کہ جس نماز کے ادا کرنے کا آپ اسے حکم دے رہے ہیں کیا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا یا کوئی اور ہے؟ اگر یہ کہیں کہ یہ وہی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ قصداً نماز ترک کرنے والا گویا عاصی نہیں ہے کیونکہ اس نے امر الٰہی کو سرانجام دیا ہے اور پھر تمہارے قول کے بموجب تو اس شخص پر کوئی گناہ یا ملامت نہیں ہے جو نماز کو قصداً اس حد تک ترک کیے رکھتا ہے حتیٰ کہ وقت ختم ہو جاتا ہے حالانکہ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ یہ وہ نماز نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو ہم عرض کریں گے کہ آپ سچ کہتے ہیں اور آپ کا یہ اعتراف ہی کافی ہے کیونکہ اس طرح آپ نے اعتراف کر لیا کہ اسے ایسے حکم کا پابند کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے۔ پھر ہم ان سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وقت کے بعد نماز کو قصداً ترک کرنا اطاعت ہے یا معصیت؟ اگر یہ کہیں کہ اطاعت ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اس سے تو تمام اہلِ اسلام کے اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے نیز قرآن اور سُننِ ثابتہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ اطاعت نہیں بلکہ معصیت ہے تو ہم عرض کرینگے کہ یہ بالکل سچ ہے لہٰذا یہ باطل ہے کہ معصیت کا کوئی کام کسی امرِ اطاعت کا قائم مقام ہو سکے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی زبانی تمام اوقاتِ نماز کی حد بندی کر دی ہے ہر نماز کا ایک اوّل وقت رکھا ہے کہ اس سے پہلے اس نماز کو ادا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہر نماز کا ایک آخر وقت ہے کہ اس کے بعد اسے ادا نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اُمت میں سے کسی فرد کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر بعد از وقت بھی نماز کی ادائیگی درست ہوتی تو وقت کی آخری حد مقرر کرنے کے کیا معنی؟ یعنی وقت کی آخری حد مقرر کر دینا گویا ایک لغو کلام ہُوا اور اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی لغو کلام کو منسوب کیا جاتے۔

ہر عمل کو ایک محدود وقت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، جسے غیر وقت میں سرانجام دینا صحیح نہیں۔ اگر غیر وقت

میں صحیح ہو تو پھر وقتِ مقررہ گویا وقت ہی نہیں ہے اور یہ ایک بیّن امر ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے بعد از وقت نماز کو جائز قرار کیوں دیا حالانکہ قبل از وقت ادائیگی کو آپ جائز قرار نہیں دیتے؟ اگر یہ حضرات اجماع کا دعویٰ کریں تو یہ غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ قبل از وقت نماز کے جواز کے قائل ہیں۔ حنفی، شافعی اور مالکی قبل از وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ ارتداد سے جو جہاد کیا تو یہ اس لیے کہ آپ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے میں اس کے خلاف جہاد کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے یہاں ان حضرات نے زکوٰۃ اور نماز کے حکم کے درمیان فرق کیا ہے۔ یاللعجب! اگر یہ حضرات نص یا نظر کے اعتبار سے فرق کا دعویٰ کریں تو اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اگر یہ حضرات اعتراض کریں کہ تم لوگ بھول نے والے، سونے والے اور نشہ والے کو ہمیشہ اجازت دیتے ہو کہ وہ نمازوں کی قضا دے سکتے ہیں، تو یہ تمہارے وقت کے تعیّن کے سلسلہ میں قول کے خلاف ہے؟

ہم عرض کریں گے کہ بھولنے والے، سونے والے اور نشہ والے کے لیے نماز کا وقت ہمیشہ دراز رہتا ہے اور ختم ہوتا ہی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ جس وقت تک چاہیں نماز کو مؤخر کر کے پڑھ لیں۔ تاخیر کے باعث گناہگار نہیں ہوں گے۔

تمام احکام الٰہی تین قسموں میں منقسم ہیں، چوتھی کوئی قسم نہیں (۱) پہلی قسم اُن احکام کی ہے جو وقت کے ساتھ معلق نہیں ہیں۔ انہیں جب بھی ادا کر دیا جائے جائز ہے مثلاً جہاد، عمرہ، نفلی صدقہ، دعا وغیرہ، اگرچہ انہیں جب بھی ادا کیا جائے جائز ہے لیکن جلد ادائیگی کرنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ..... (آلِ عمران: ۱۳۳)

"اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض (آسمان اور زمین کے برابر ہے)"۔

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے اوّل وقت کی تو حد بندی کی گئی ہے لیکن آخر وقت کی کوئی حد مقرر نہیں جیسا کہ زکوٰۃ، اس کی قبل از وقت ادائیگی جائز نہیں، وجوب کے بعد یہ فریضہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ اس کے آخری وقت کی اگرچہ کوئی حد مقرر نہیں ہے، تاہم ادائیگی میں جلدی کرنا مذکورہ دلیل کے باعث افضل ہے۔

(۳) تیسری قسم ان احکام کی ہے، جن کے لیے وقت کے اوّل و آخر کی حد مقرر کر دی گئی ہے، ان احکام کی ادائیگی نہ قبل از وقت جائز ہے اور نہ بعد از وقت۔ اوّل، اوسط اور آخر وقت میں سے ہر وقت جائز ہے، مثلاً نماز، حج اور رمضان کے روزے۔

ہم اپنے مخالفین سے عرض کریں گے کہ آپ نے اس بارے میں تو ہمارے ساتھ اتفاق فرمایا کہ فریضۂ حج کی ادائیگی مقررہ وقت کے علاوہ اور کسی وقت درست نہیں، روزہ بھی دن کے علاوہ اور کسی وقت جائز نہیں لیکن نماز کے بارے میں آپ نے یہ کیسے جائز قرار دے دیا کہ یہ وقت کے بعد بھی جائز ہے حالانکہ ان میں سے ہر حکم کے لیے وقت مقرر ہے جس کا باقاعدہ آغاز و اختتام ہے۔

اگر یہ حضرات کہیں کہ عمداً نماز مؤخر کرنے والے کو ہم بھولنے والے پر قیاس کر لیتے ہیں ؟ تو ہم عرض کریں گے کہ قیاس سب کا سب باطل ہے، اگر قیاس کی کوئی صورت حق بھی ہو تو یہ جو تم نے پیش کی ہے یہ بالکل باطل ہے کیونکہ اصحابِ قیاس کے نزدیک قیاس یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی نظیر پر محمول کر لیا جائے۔ کسی چیز کو اس کی ضد پر محمول کرنے کو قیاس نہیں کہتے، اہلِ قیاس میں سے کسی کو بھی اس بات سے اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ جو حضرات قیاس کے قائل نہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا اس کی ضد پر قیاس کرنا جائز نہیں گویا اس بات پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قصد و ارادہ، نسیان کی ضد ہے معصیت، اطاعت کی ضد ہے بلکہ اسے حج پر قیاس کرنا زیادہ بہتر تھا بشرطیکہ قیاس حق ہو۔ حنفی اور مالکی وجوبِ کفّارہ کے سلسلہ میں قصد و ارادہ سے جھوٹی قسم کھانے والے کو اس شخص پر قیاس نہیں کرتے جو قصد و ارادہ سے جھوٹی قسم نہ کھانے والا ہو، بلکہ قصداً جھوٹ بولنے والے سے یہ کفّارہ کو ساقط قرار دے دیتے ہیں اور غیر ارادی طور پر جھوٹی قسم کھانے والے پر کفّارہ واجب قرار دیتے ہیں، اسی طرح یہ حضرات قصد و ارادہ سے قتل کرنے والے کو وجوبِ کفّارہ کے سلسلہ میں غلطی سے قتل کرنے والے پر قیاس نہیں کرتے بلکہ قصد و ارادہ سے قتل کرنے والے سے کفّارہ کو ساقط قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات مُرتد کے لیے نمازوں کی قضا کے قائل نہیں پس یہ ایک تناقض ہے جو مخفی نہیں اور دعویٰ بے دلیل ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

قصد و ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کروانے کے لیے (حتیٰ کہ وقت ہی ختم ہو جاتے) اگر قضا واجب ہوتی

تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرما دیتے کبھی نہ بھولتے اور اس کے بیان کو ترک کر کے ہمیں کبھی مشکل میں مبتلا نہ کرتے (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)۔ پس ہر وہ حکم جو قرآن و سنت سے ثابت نہیں وہ باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "من فاتته صلوٰة العصر فكانما وتر اهله وماله" یعنی جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی تو گویا اس کا اہل و مال تباہ ہوگیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز فوت ہو جاتے، اس کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور اگر دوبارہ حصول کی کوئی سبیل ہو تو وہ فوت شدہ نہیں ہے، جیسا کہ بھولی ہوئی نماز فوت نہیں ہوتی۔ اس بات پر پوری اُمت کا قولاً اور حکماً اجماع ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جائے تو وہ فوت ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی قضا یا ادائیگی ممکن ہوتی تو اسے فوت شدہ قرار دینا کذب و باطل ہوتا تو یقینی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ فوت شدہ نماز کی قضا ممکن ہی نہیں ہے۔

ہمارے اس قول کے مطابق جن حضرات کا قول ہے، ان میں سے حضرت عمر بن خطابؓ، آپ کے صاحبزادے عبداللہ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ، بُدیل عُقیلیؒ، محمد بن سیرینؒ، مطرف بن عبداللہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

ہم نے بطریقِ شعبہ از یعلیٰ بن عطاء، عبداللہ بن خراش[1] سے روایت کیا کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے ایک شخص کو ایک صحیفہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا پڑھنے والے! جو شخص بر وقت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی لہٰذا پہلے نماز پڑھ لو پھر جو جی چاہے پڑھنا (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم فی ضمن مجموعۃ الحدیث ص۵۰۶)

ابراہیم بن منذر حزامی اپنے چچا ضحاک بن عثمان[2] سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے

---

[1] غالباً یہاں عبداللہ بن خراش سے مراد الکعبی ہیں یعنی عبداللہ بن خراش الکعبی ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (ج۲، ق۲ ص۴۶) میں ان کا مختصر ترجمہ دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کعبی حضرت ابوہریرہؓ اور کعب احبار سے روایت کرتے ہیں۔

[2] ضحاک بن عثمان نامی شخص دو ہیں ایک تو ضحاک بن عثمان بن عبداللہ بن خالد بن حزام بن خویلد بن اسد، یہاں یہ مراد نہیں کیونکہ یہ قدیم ہیں اور ابراہیم کے چچا ہیں بلکہ ان کے دادا کے چچا ہیں یہاں جو مراد ہیں وہ پہلے ضحاک کا پوتا ہے یعنی ضحاک بن عثمان بن ضحاک،

مقام جابیہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ خبردار نماز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ نے شرط یہ لگائی ہے کہ اس وقتِ مقررہ کے علاوہ اور کسی وقت نماز درست نہیں۔

بطریقِ محمد بن مثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابونضرہ، از سالم بن جعد از حضرت سلیمان صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے کہ نماز ایک میزان و ترازو ہے، جس نے پورا تولا، اسے پورا اجر و ثواب ملے گا اور جس نے کمی کی تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کمی کرنے والوں کے بارے میں کیا کہا گیا ہے (عبدالرزاق ۲: ۳۷۳ والدولابی ۲: ۱۴۱)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کو وقت سے مؤخر کر دیا اس نے کمی کی ہے۔

بطریقِ وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم بن ابی النجود، از مصعب بن سعد بن ابی وقاصؓ از حضرت سعدؓ روایت ہے کہ آپ نے فرمانِ باری تعالیٰ:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ - (الماعون: ۵)

"جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں"

کے بارے میں فرمایا کہ اس میں "سہو" سے مراد وقت کی عدمِ پابندی ہے (مصنف ابن ابی شیبہؒ ۱: ۳۱۶ وکشف الاستار ۱: ۱۹۸)[۱]۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک بعد از وقت نماز جائز ہوتی تو اس کے لیے تباہی و بربادی کی نوید نہ ہوتی!

اور بسندِ سابق یعنی ... از وکیع از مسعودی از قاسم بن عبدالرحمٰن و حسن بن سعدؒ روایت ہے کہ حضرت

اصحابِ مالکؒ میں سے ہیں ابراہیم بن منذر کے حقیقی چچا نہیں بلکہ کلالہ کے چچا ہیں کیونکہ ابراہیم یعنی بن منذر بن عبداللہ بن منذر بن مغیرہ بن عبداللہ بن خالد بن حزام بن خویلد ضحاک ثانی یعنی جو پوتا ہے اس سے روایت کرنے میں معروف ہیں بہرحال یہ اثر منقطع ہے کیونکہ ضحاک اوّل ۱۵۳ھ میں اور ضحاک ثانی ۱۸۰ھ میں فوت ہوا، ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کو نہیں پایا۔

[۱] طبری نے ج ۳ ص ۲۰۱ میں اسے بطریقِ وکیع ذکر کیا ہے اور اسے مصعب بن سعد کا کلام قرار دیا ہے نیز کئی دیگر طرق سے

عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ :

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج : ۲۳)

"جو نماز کا التزام رکھتے اور بلاناغہ پڑھتے ہیں"

اور

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ (المومنون : ۹)

"اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں"

سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان آیات سے مراد اوقاتِ نماز کی پابندی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا خیال تو یہ تھا کہ شاید ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نماز ترک نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ مراد نہیں کیونکہ ترکِ صلوٰۃ سے تو کفر لازم آتا ہے۔ (طبرانی کبیر ۹ : ۲۱۴، سیوطی تفسیر در منثور ۵ : ۵، طبری ۱۶ : ۴۷، مجمع الزوائد ۷ : ۱۲۹)۔

بطریق محمد بن مثنیٰ از عبدالاعلیٰ از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ روایت ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ نماز کے لیے وقت اسی طرح مقرر ہے لہٰذا بر وقت نماز پڑھا کرو۔ (مصنف عبدالرزاق ۱ : ۵۳۵،

بطریق محمد بن مثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی از حماد بن زید از یحییٰ بن عتیق روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے سُنا کہ نماز کے لیے وقت وحد مقرر ہے، جو شخص قبل از وقت نماز پڑھتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے جو بعد از وقت پڑھتا ہے۔

بطریق سحنون، از ابن قاسم روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے مجھے خبر دی کہ بنو امیہ جب نمازوں

حضرت مصعب عن ابیہ کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے۔

[۱] (صفحہ سابق) محلّٰی مطبوعہ و مخطوطہ دونوں میں خلل ہے غالباً اس سے قبل کی کچھ عبارتیں چھوٹ گئی ہیں۔

[۲] اس مقام پر محلّٰی کے قلمی نسخوں میں شدید اختلاف واقع ہے جیسا کہ احمد شاکر نے حاشیہ میں واضح کیا ہے: قاسم سے مراد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ہیں جو مسعودی کبیر ہیں اور ان سے راوی وکیع کے اُستاد یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود مسعودی ہیں

کو بہت تاخیر سے پڑھنے لگے تو قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ گھر نماز پڑھ لیا کرتے تھے پھر مسجد میں آکر ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں جب آپ سے گفتگو کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ نماز پڑھنا، نہ پڑھنے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے (مدوّنہ امام مالکؒ ج ۱ ص ۸۷)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ واضح ہے کہ پہلی نماز آپ جو پڑھتے تھے وہ فرض اور دوسری نفل ہوتی تھی لہٰذا یہ دونوں نمازیں صحیح ہیں کیونکہ بعد از وقت تو کوئی نماز، نماز ہی نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں۔

اسد بن موسیٰ، مروان بن معاویہ فزاری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں پر یہ عیب لگاتے ہوئے فرمایا:

أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم: ۵۹)

"جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔"

اس آیت میں ان کا نماز کو ضائع کرنا سے اسے ترک کر دینا مراد نہیں ہے کیونکہ اگر وہ ترک کر دیتے تو کافر ہو جاتے بلکہ وہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے تھے[1]۔

بطریق عبد الرزاق از معمر از بُدیل عقیلی روایت ہے کہ بندہ جب ہر وقت نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز اوپر چڑھتی ہے اور اس سے آسمان میں نور پھیل جاتا ہے اور کہتی ہے کہ تُو نے میری حفاظت کی، اللہ تیری حفاظت کرے۔ جب بغیر وقت کے پڑھے تو اسے لپیٹ دیا جاتا ہے جیسا کہ پُرانے کپڑے کو لپیٹا جاتا ہے اور اسے اس کے مُنہ پر مارا جاتا ہے۔ تعجّب کی بات ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا جو یہ قول ہے کہ جو بر وقت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نماز کامل نہیں۔ کچھ دوسرے لوگوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد:

"جو شخص رکوع و سجود میں اپنی پُشت سیدھی نہ کرے، اس کی نماز نہیں" (مُسند امام احمد ۴: ۲۳، ابن ماجہ

---

[1] حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا اسی کے ہم معنی قول سیرت عمر بن عبد العزیزؒ لابن الجوزی ص ۸۶ اور تفسیر طبری ج ۱۶ ص ۷۴ میں موجود ہے۔

کتاب الصلوٰۃ، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۶۹، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ پہلی روایت علی بن شیبان سے مروی ہے اور دوسری روایت ابومسعود انصاری سے مروی ہے)

نیز یہ حدیث کہ

"جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابوعوانہ، ابن ابی شیبہ، ابن جارود، دارقطنی، امام شافعی کتاب الام طبرانی فی الصغیر ص ۴۲ - احمد ۵: ۳۱۴، ۳۲۱، ۳۲۲)

سے بھی یہی مراد لیا ہے کہ اس کی نماز کامل نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ جو تم نے دعویٰ کیا ہے تو کیوں؟ اگر یہ کہیں کہ کلام عرب میں یہ طرز کلام مروج ہے، ہم عرض کریں گے کہ کلام عرب میں جو رواج ہے وہ یہ کہ "لا" بالکل نفی کے لیے ہے، ہاں اگر کوئی نص یا حسی ضرورت در پیش ہو تو الگ بات ہے۔

پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جو تم نے کہا ہے، یہ درست ہے تو پھر بھی یہ ہماری دلیل ہے اور ہمارے قول کے مطابق ہے کیونکہ ہر نماز جو غیر کامل اور نا تمام ہو وہ ساری کی ساری باطل ہے اور اس میں ہمارا یا تمہارا کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ اس کا تعلق نقص فرائض سے ہے، ہم عرض کریں گے کہ وقت بھی فرائض نماز سے ہے اور اس پر ہمارا، تمہارا اور ہر مسلمان کا اجماع ہے پس یہ نماز ہے جس میں اس نے ایک فرض جان بوجھ کر ترک کر دیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا حضرات صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس کے مخالف نہیں اور یہ حضرات صحابی کی مخالفت پر صرف اس وقت طعن تشنیع کرتے ہیں جب ان کی خواہشات کے موافق ہو۔ حضرت عمرؓ، معاذؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اور ابوہریرہؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کا یہی موقف تھا کہ جو شخص قصد و ارادہ سے ایک بھی فرض نماز چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو جائے، وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

اور یہ لوگ یعنی حنفی اور مالکی مرتد کی اس نماز کی قضا کے قائل نہیں جس کا وقت ختم ہو گیا ہو، یہ صحابہ کرام بھی اس شخص کے لیے قضا کے قائل نہیں، جو اپنے قصد و ارادہ سے نماز ترک کر دے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ بھی نماز کے مخاطب ہیں، نماز کو مؤخر کرنے کے سلسلہ میں ان کا کوئی

عذر بھی قابلِ قبول نہیں خواہ جہاد و قتال ہو یا خوف یا شدّتِ مرض ہو یا سفر درپیش ہو کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ (النساء: ۱۰۲)

"اور (اے پیغمبرؐ) جب تم اُن (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی رہے"

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ (البقرہ: ۲۳۹)

"اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو)"

اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قطعاً اجازت نہیں دی کہ نماز کو اس قدر مؤخر کر دیا جائے حتیٰ کہ وقت ہی ختم ہو جائے حتیٰ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میدانِ جنگ میں بھی نماز کو مؤخر نہیں کیا بلکہ آپ نے مجاہدین کے دو گروہ بنا دیئے تھے، نماز وقت پر ہی ادا فرمائی خواہ اس سلسلہ میں غیر قبلہ ہی کی طرف رُخ کرنا پڑا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ "صلوٰۃ الخوف" کے باب میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انتہائی مجبور و لاچار مریض کے لیے بھی وقت سے مؤخر کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہاں یہ اجازت دے دی ہے کہ اگر مریض کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ کر پڑھنے سے عاجز ہو تو لیٹ کر پڑھ لے، پانی کے استعمال سے عاجز ہو تو تیمّم کر کے پڑھ لے، اگر مٹی نہ ملے تو بغیر تیمّم ہی کے پڑھ لے، تو جن حضرات نے یہ اجازت دی ہے کہ قصد و ارادہ سے نماز ترک کرنے والا بعد از وقت پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی، معلوم نہیں انہوں نے یہ اجازت کہاں سے لی ہے؟ حالانکہ قرآن، سُنّت (صحیح ہو یا سقیم) صحابی کے قول اور قیاس سے تو ایسی اجازت معلوم نہیں ہوتی۔

بعض حضرات نے تو اس قدر جسارت کی ہے کہ یہاں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جنگِ خندق کے دن ظہر و عصر کی نمازیں بعد از غروبِ آفتاب پڑھنے کا ذکر کر دیا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قصد و ارادہ سے ان نمازوں کو ترک کیا تھا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ایسا کہنا صریحاً کفر ہے کیونکہ یہ

حضرات اس بارے میں ہمارے ساتھ متفق ہیں اور اُمّت میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں کہ جو شخص قصد و ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کر دے کہ وقت ہی ختم ہو جائے، وہ فاسق ہو جاتا ہے، اس کی شہادت ناقابلِ قبول اور وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسی بات کہتا ہے تو وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کافر، مشرک اور مرتد ہے، اس کا مال بھی مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور خون بھی! مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔

بعض نے ارشادِ باری تعالیٰ:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۱۴) "اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

خمس صلوات کتبھن اللہ تعالیٰ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، دارمی، مالک، احمد)

"پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہیں"

کو یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس کا سقوط نص یا اجماع کی دلیل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کا ایک باقاعدہ وقت مقرر فرمایا ہے جس کا آغاز بھی ہے اختتام بھی کہ نہ آغازِ وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی درست ہے اور نہ اختتام کے بعد! لہٰذا جو شخص اس آیت و خبر کے عموم سے استدلال کرتا ہے، اسے چاہیے کہ قبل از وقت یا بعد از وقت نماز پڑھ لیا کرے حالانکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے مقرر کرنے کے خلاف ہے۔

بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جو حضرت انسؓ کے طریق سے مروی ہے کہ فتح تُستر[1] کی

---

[1] تُستر خوزستان کا سب سے بڑا شہر ہے، یہ لفظ شوشتر کی تعریب ہے، اس کے معنی اَطیب و احسن کے ہیں جیسا کہ یاقوت نے کہا سنہ ۱۶ھ یا ۱۷ھ میں یہ شہر فتح ہوا، حضرت انسؓ کا یہ اثر فتح الباری ج ۲، ص ۳۶۲ میں ہے۔

صبح لڑائی بڑی شدّت اختیار کر گئی تھی لہٰذا مجاہدین طلوعِ آفتاب کے بعد ہی نماز پڑھ سکے (بخاری کتاب صلوٰۃ الخوف فی باب الصلوٰۃ عند مناہضۃ الحصون۔ فتح الباری ۲ : ۳۶۱ و ۳۶۲، البدایۃ والنہایۃ ۷ : ۸۶)۔

لیکن یہ خبر صحیح نہیں کیونکہ اسے مکحول نے روایت کیا ہے اور انہوں نے حضرت انسؓ کو نہیں پایا[1]، پھر اگر اس خبر کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ انہوں نے یہ پہچانتے ہوئے نماز کو ترک کیا کہ وقت ختم ہو رہا ہے بلکہ وہ بلاشک وشبہ بھول گئے تھے کیونکہ عام مسلمانوں کے بارہ میں بھی اچھا ظن رکھنا چاہئیے صحابہ کرام کی شان تو عام مسلمانوں سے بہت ہی بلند ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کو نماز یاد ہوتی، تو وہ صلوٰۃِ خوف پڑھ لیتے جیسا کہ حکمِ الٰہی ہے یا پیادہ اور سوار ہو کر پڑھ لیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لازم قرار دیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ کہنا جائز نہیں! وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۸۰۔ ترکِ نماز کے باعث توبہ و استغفار

ہم نے جو یہ کہا کہ جو شخص قصد و ارادہ سے نماز کو اس حد تک ترک کر دے کہ وقت ہی ختم ہو جائے، وہ استغفار کرے اور بکثرت نوافل پڑھے، تو یہ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُواْ ٱلشَّهَوَٰتِۖ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحٗا فَأُوْلَٰٓئِكَ يَدۡخُلُونَ ٱلۡجَنَّةَ ۔ (مریم : ۵۹-۶۰)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے (یعنی وقت سے بے وقت کر کے پڑھا) سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔"

---

[1] ابن حزمؒ کی یہ بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ ابن ابی حاتم نے "مراسیل" ص ۷۷ میں لکھا ہے "حدثنا ابی قال سألت ابا مسھر ھل سمع مکحول من احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال ما صح عندنا الا انس بن مالک" اسی طرح ابن حجرؒ نے تہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰ میں امام ترمذیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکحول نے واثلہ، انس اور ابو ہند داری سے سنا ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مکحول نے ان کے علاوہ اور کسی صحابی سے نہیں سنا۔ بخاری کی صنیع سے بھی مکحول کا سماع ثابت ہوتا ہے)۔

یہ بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔(آلِ عمران:۱۳۵)

"اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔"

یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے :

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال:۷-۸)

"تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔"

نیز یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے :-

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۔ (الانبیاء: ۴۷)

"اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے، تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔"

اُمّت کا اس بات پر اجماع ہے اور سب نصوص بھی اسی طرح وارد ہیں کہ نفل بھی نیکی کا جزء ہے اور فرض بھی جزء، اگرچہ ان کی جزئیت کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا ضروری ہے کہ نوافل کے کثیر اجزاء مل کر فرض کے برابر ہو جائیں یا اس سے بھی بڑھ جائیں! اور یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ :

لَا يُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ (آل عمران :) "اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔"

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود: ۱۱۴)

"کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔"

مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۔(الزلزال)

"جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اس کا مرجع ہاویہ ہے۔"

۲۴۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از ابوداؤد از یعقوب بن ابراہیم از اسماعیل بن علیہ از یونس از حسن بیان کیا کہ] انس بن حکیم ضبیؒ کی ابوہریرہؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ روزِ قیامت

لوگوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمائے گا حالانکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ میرے بندے کی نماز دیکھو، اس نے اسے پوری طرح ادا کیا ہے یا کوئی کمی رہنے دی ہے؟ اگر نماز مکمل ہوگی تو اسے مکمل لکھا جائے گا اور اگر نماز میں کوئی کمی رہی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو کیا میرے بندے کے نامہ اعمال میں نوافل بھی ہیں؟ اگر نوافل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کے فرائض کی کمی کو نوافل سے تکمیل کردو، پھر اسی حساب سے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔[1] (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۲۵ [امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از داؤد بن ابی ہند، از زرارہ بن ابی اوفی بیان کیا کہ] حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پھر پوری حدیث بیان کی اسی طرح جس طرح پہلی روایت گزر چکی ہے) اس میں یہ بھی فرمایا کہ پھر زکوٰۃ کے بارے میں اسی طرح سوال و جواب ہوگا، پھر دیگر اعمال کا اسی طرح مؤاخذہ کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۲۶ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب اور محمد بن مثنیٰ دونوں از یحییٰ بن سعید قطان از عبیداللہ ابن عمر از نافع بیان کیا کہ] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا تنہا پڑھنے کی نسبت ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (مسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۲۷ [ہم نے بسند سابقہ از مسلم از اسحاق بن ابراہیم از مغیرہ بن سلمہ مخزومی از عبدالواحد بن زیاد از عثمان بن حکیم روایت

---

[1] حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو منذری رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "المنتقیٰ" میں احمد، ترمذی اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نسائی میں یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیے ج ۱ ص ۸۱، ۸۲ حاکم نے اسے "مستدرک" ج ۱ ص ۲۶۲ میں روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ انس بن حکیم ضبّی کا ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، جبکہ ابن قطان اور ابن مدینی نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ کو منذری نے ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حاکم نے بھی اسے ج ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۳ میں روایت کیا ہے اور اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

کیا کہ عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف لاتے اور تنہا بیٹھ گئے تو میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا، انہوں نے فرمایا اسے برادر زادے! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی، اس نے گویا نصف رات کے برابر قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی باجماعت ادا کر لی اس نے گویا ساری رات قیام کیا (مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

ان احادیث کی روشنی میں نفل اور فرض کے اجر و ثواب کی مقدار معلوم ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے ادائیگی فرض میں کوتاہی ہو جائے اُسے نفل سے پورا کر دیا جائے گا لیکن اس شخص کے لیے جس نے توبہ و استغفار کو اپنایا اور کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی لیکن جو شخص قصد و ارادہ کے ساتھ فرائض کو ترک کرتا ہے اور صرف نوافل ہی پر اکتفا کرتا رہتا ہے تاکہ اس سے فرائض کی کمی کو پورا کر سکے تو وہ نوافل کی ادائیگی میں بھی گناہگار ہو گا کیونکہ اس نے نوافل کا غلط استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوافل کے پڑھنے کا حکم اس لیے نہیں دیا تاکہ فرائض کو دانستہ ترک کر دیا جائے بلکہ انہیں تو زیادہ خیر و برکت کے حصول کا ایک ذریعہ بنایا ہے، ہاں فرائض میں جو کوتاہی رہ جاتے وہ بھی ان سے پوری کی جائے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض کو دانستہ ترک کرے صرف نوافل ہی پڑھے جائیں اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے یہ نوافل بھی مقبول نہ ہونگے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من عَمِل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردٌّ (مسلم)

"جس نے ہمارے امر کے خلاف کوئی عمل کیا تو وہ مردود ہے"

اگر کوئی یہاں اس روایت کو ذکر کرے کہ جو شخص فرض ادا نہیں کرتا، اس کا نفل بھی مقبول نہیں جیسا کہ کسی تاجر کا جب تک رأس المال محفوظ نہ ہو اس کا نفع درست نہیں ہو سکتا ـــــ تو یہ روایت باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ اسے موسیٰ بن عبیدہ ربذیؒ[1] نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے اور عبدالملک بن حبیب اندلسی، از مکفوف[2] از ایوب بن خوط روایت کیا ہے اور یہ تینوں راوی اس قدر ضعیف ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک

---

[1] موسیٰ ثقہ ہے لیکن حافظے کے اعتبار سے ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ یہ راوی لا شئ ہے۔

[2] مکفوف کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے لسان ج ۶ ص ۱۷۴ میں کیا ہے اور حائضہ کے ساتھ مباشرت کے مسئلہ میں اس پر مؤلف کی جرح

بھی اگر کسی سند میں ہو تو ضعف کے لیے کافی ہے لیکن اس میں تو تینوں ہیں اور پھر یہ روایت مرسل بھی ہے علاوہ ازیں اس کی ایک سند اس طرح بھی ہے "عبدالملک بن حبیب، از مطرف، از مالک بے شک ابوبکر صدیق ... . اس میں ایک تو عبدالملک ساقط الاعتبار ہے[1] اور دوسری بات یہ کہ یہ سند منقطع ہے، اگر روایت صحیح ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اس شخص سے متعلق ہے جو فرائض دانستہ ترک کر کے صرف نوافل پر اکتفا کرتا رہے تاکہ فرائض میں کوتاہی کی تلافی ہو سکے، اپنے اس فعل پر اصرار کرتا رہے اور اس پر کسی ندامت یا توبہ کا اظہار نہ کرے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

پانچ فرض نمازیں

۲۸۱۔ فرض نمازوں کی رکعات

ہر بالغ، عاقل، آزاد، غلام، مرد اور عورت پر جو پانچ نمازیں فرض ہیں، وہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح ہیں۔ صبح کے فرض صرف دو رکعتیں ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فرض ہیں خواہ کوئی تندرست ہو یا بیمار، مسافر ہو یا مقیم، خائف ہو یا امن والا!

مغرب کی ہمیشہ تین رکعتیں فرض ہیں، صبح کی طرح ان میں بھی کوئی تبدیلی نہیں۔ ظہر، عصر اور عشاء میں سے

نقل کی ہے کہ یہ "مکفوف غیر معروف ہے"، پھر حافظ نے لکھا ہے کہ یہ "اصل میزان" میں گزر چکا ہے کہ قاسم بن عبداللہ مکفوف اور اس سے پہلے کا راوی اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، جو ایوب بن خوط سے روایت کرتا ہے۔ فاللہ اعلم

[1] ہم کئی دفعہ یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مؤلف عبدالملک بن حبیب پر بلاوجہ جرح کرتے ہیں، عبدالملک عالم جلیل ہیں، ہاں حدیث میں خطا کر جاتے ہیں کیونکہ حدیث ان کا فن نہ تھا۔ (احمد شاکر) جب حدیث کی روایت میں غلطی کر جاتے ہیں تو ابن حزم کی جرح ان پر بلاوجہ کیسے ہوئی؟ ابوالاشبال پاکستانی)

ہر ایک کی مقیم پر خواہ مریض ہو یا تندرست ہو، خائف ہو یا امن میں، چار چار رکعات فرض ہیں۔

ان امور پر قطعی اور یقینی اجماع ہے۔ قدیم یا جدید کسی دور میں بھی اُمت کے کسی فرد کو بھی اس سے اختلاف نہیں رہا۔

وہ مسافر جو حالتِ امن میں ہو۔ اس پر ان میں سے ہر نماز کی صرف دو دو رکعتیں فرض ہیں لیکن وہ مسافر جو حالتِ خوف میں ہو، وہ اگر چاہے تو دو دو رکعتیں پڑھ لے اور اگر چاہے تو ایک ایک رکعت کر کے پڑھ لے۔

اس سلسلہ میں اختلاف موجود ہے کہ سفر کی نوعیت کیا ہو؟ زمانہ اور مسافت کے اعتبار سے سفر کی مقدار کیا ہو؟ حالتِ سفر میں قصر کرنا فرض ہے یا اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے قصر کر لو اور اگر چاہو تو پوری پڑھ لو؟ کیا سفر کی حالتِ خوف میں ایک ہی رکعت کفایت کر سکتی ہے یا نہیں؟

ان سب مسائل پر ہم ان شاء اللہ ان کے ابواب میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے اور دلائل کے ساتھ بتائیں گے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وبہ تعالیٰ نستعین وبہ نتأید!

نفل نماز کی اقسام

۲۸۲۔ وہ نوافل جن کی بہت تاکید ہے

ہم اپنی اس کتاب کے کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں یہ ذکر کر آتے ہیں کہ نوافل میں سب سے زیادہ مؤکد وہ ہیں جن کی ادائیگی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور پھر ان کے مخصوص نام رکھے ہیں، ان کے علاوہ وہ نوافل ہیں جن کا آپ نے حکم تو نہیں دیا لیکن مندوب ہیں مثلاً فجر ثانی کے بعد اور نمازِ صبح سے قبل دو رکعتیں، نمازِ عیدین، نمازِ استسقاء، قیامِ رمضان، زوال کے بعد اور ظہر سے قبل چار رکعتیں، ظہر کے بعد چار رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں ——— یہ چار اگر چاہے تو اکٹھی بھی پڑھ سکتا ہے اور اگر چاہے تو دو دو کر کے بھی پڑھ سکتا ہے ——— عصر کے بعد دو رکعتیں، غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں، عشا کی نماز سے پہلے دو رکعتیں، سفر

سے واپسی کے بعد مسجد میں دو رکعتیں، وضو کے بعد نوافل اور پھر دن رات کے مختلف اوقات میں جو نوافل کوئی پڑھ سکے!

۳۲۸ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از زہیر بن حرب از یحییٰ بن سعید قطّان از ابن جُریج از عطاء، از عُبید بن عُمیر بیان کیا کہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جس قدر شدّت کے ساتھ صبح سے پہلے کی دو رکعتوں کو ادا فرمایا کرتے تھے، دیگر نوافل کو نہیں! (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۲۹ [بسند سابقہ از مسلم از محمد بن عُبید غُبَری از ابوعوانہ از قتادہ از زرارہ بن اَوفیٰ، از سعد بن ہشام بن عامر] اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نمازِ استسقاء بھی پڑھی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عزوجل نمازِ استسقاء کے باب میں ذکر کریں گے نیز آپ نے قیامِ رمضان کی بھی رغبت دلائی ہے، اسے بھی ہم ان شاء اللہ قیامِ رمضان کے باب میں ذکر کریں گے۔

۳۳۰ [بسند سابقہ از مسلم از یحییٰ نیشاپوری از ہُشیم از خالد حذّاء] عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نفل نماز کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں چار رکعت قبل از ظہر ادا فرماتے، پھر لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرماتے، پھر گھر تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے، پھر لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے اور گھر تشریف لا کر دو رکعت پڑھتے، پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۱ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق از ابن الاعرابی از ابوداؤد از حفص بن عمر حوضی از شعبہ از ابی اسحاق، از عاصم بن ضَمرہ بیان کیا کہ] حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم عصر سے پہلے دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

۳۳۲ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از محمد بن مُعاویہ از احمد بن شُعیب از اسماعیل بن مسعود از یزید بن زُریع از شعبہ از ابواسحاق

بیان کیا کہ] عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے، عصر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور ہر دو کے مابین ملائکہ مقربین، انبیاء کرام اور ان کے متبع مومنوں اور مسلمانوں پر سلام بھیجا کرتے تھے۔ (ترمذی، نسائی ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۴۲ [بسند سابقہ از احمد بن شعیب از محمد بن مثنیٰ از محمد بن عبدالرحمٰن از حصین بن عبدالرحمٰن، از ابی اسحاق روایت ہے کہ] عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ اور ظہر کے بعد بھی چار رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (حوالہ پہلی روایت میں گزر چکا)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر عمل حسن اور مباح ہے کیونکہ ان روایات کے سب راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔

۳۴۳ [ہم سے عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک از محمد بن بکر از ابوداؤد، از عبداللہ بن محمد نفیلی از اسماعیل بن علیہ از سعید جُریری از عبداللہ بن بُریدہ بیان کیا کہ] حضرت عبداللہ بن مُغفّل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہے، ہر دو اذانوں کے مابین نماز پڑھ سکتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس عموم میں عشاء کی اذان واقامت، مغرب کی اذان واقامت اور صبح کی اذان واقامت داخل ہے۔

۳۴۴ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از محمد بن مثنیٰ از ضحاک ابو عاصم از ابن جُریج از ابن شہاب از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک، از پدر خود عبداللہ و عمّ خود عبیداللہ بن کعب بن مالک از پدر خود] کعب بن مالک روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب دن کو چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرما کر مسجد ہی میں تشریف فرما ہو جاتے۔ (بخاری، ابوداؤد، کتاب الجہاد، مسلم کتاب الصلوٰۃ)

۳۴۵ [بسند سابقہ از مسلم از عبد بن حُمَید از عبدالرزاق از معمر از زہری، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان کے بارے میں رغبت دلایا کرتے تھے، ہاں یہ حکم نہیں دیا کرتے تھے کہ انہیں ضرور ادا کیا جائے۔ (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، نسائی، ترمذی کتاب الصوم)

۳۴۶ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی از ابراہیم بن احمد بلخی از فَربری از بُخاری از اسحاق بن نصر از ابواُسامہ، از ابوحیانؒ تیمی، از ابوزرعہ بیان کیا کہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم نے سب سے اچھا کام کون سا کیا ہے، مَیں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سُنی۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک میرا سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ مَیں نے دن یا رات کے جس لمحہ میں بھی وضو کیا تو اس کے بعد جس قدر توفیق ہو سکی نفل نماز ضرور پڑھی (بخاری کتاب الصلوٰۃ، مُسلم کتاب الفضائل، نسائی کتاب المناقب کبریٰ)

فصل

مغرب سے پہلے دو رکعتیں

۲۸۳۔ مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں اختلاف

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:۔ کچھ حضرات نے غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے نفل پڑھنے سے منع کیا ہے، ان میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان حضرات کے پاس اس روایت کے علاوہ اور کیا دلیل ہے؟ وہ روایت یہ ہے:۔

۳۴۷ [ہم سے احمد بن محمد بن عبداللہ الطّلمَنکی از محمد بن احمد بن مُفرّج از صموت از بزار از عبدالواحد بن غیاث از حیان بن عُبیداللہ از عبداللہ بن بُریدہ بیان کیا کہ] حضرت بُریدہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کے علاوہ ہر دو اذانوں (اذان و اقامت) کے مابین نماز ہے۔[1]

---

[1] دیکھیں صفحہ آئندہ پر

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حیان بن عبید اللہ "الا المغرب" کے ذکر کرنے میں منفرد ہے اور وہ خود مجہول ہے[۱]۔ صحیح وہ ہے جسے جُریری نے عبیداللہ بن بُریدہ سے روایت کیا ہے اور جسے ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

---

[۱] (حاشیہ صفحہ سابق) اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے، زیلعیؒ نے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۲۸۷ میں بزار ہی کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ دار قطنیؒ نے ص ۹۸ و ۹۹ میں اسے عبدالغفار بن داؤد اور عبدالواحد بن غیاث از حیان روایت کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے ج ۱ ص ۴۷۴ میں اسے بطریق عبداللہ بن صالح از حیان روایت کیا ہے (کشف الاستار ج ۱ ص ۳۳۴ و مجمع الزوائد ۲: ۲۳۱)۔

[۱] حیان مجہول نہیں بلکہ معروف ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ان کا پورا نام حیان بن عبید اللہ بن حیان ابو زہیر ہے، روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ یہ سچے آدمی ہیں۔ بزار اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں جیسا کہ زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ابن بریدہ سے حیان بن عبید اللہ کے علاوہ اور بھی کسی نے روایت کیا ہو اور وہ اہل بصرہ میں سے مشہور آدمی ہیں، لا بأس بہ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ نے جو اسے مجہول قرار دیا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے۔ ہاں یہ حدیث ضرور ضعیف ہے کیونکہ حیان نے اس میں بہت ہی خطا کی ہے۔ اسی وجہ سے اس اور دیگر احادیث میں خطا کرنے کے باعث حیان کے بارے میں امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ "لیس بالقوی"۔ امام بیہقیؒ نے سنن ج ۱ ص ۴۷۴ میں سند اس طرح ذکر کی ہے: ہم سے ابو عبداللہ حافظ از محمد بن اسماعیل، ابوبکر محمد بن اسحاق یعنی ابن خزیمہ۔ اس حدیث کے بعد لکھا ہے کہ حیان بن عبید اللہ نے اس سند میں غلطی کی ہے کیونکہ کہمس بن حسن، سعید بن ایاس جریری اور عبدالمومن العتکی نے اس خبر کو از ابن بریدہ، از عبداللہ بن مغفل روایت کیا ہے اپنے باپ سے نہیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے طریق مجرّہ اختیار کیا ہے یعنی اس شیخ نے جب ابن بریدہ از پدر خود کی روایات دیکھیں تو گمان کر لیا کہ شاید یہ روایت بھی انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے ذکر کی ہے اور جب انہوں نے عام لوگوں کو دیکھا کہ وہ قبل از مغرب نماز نہیں پڑھتے تو وہم کر لیا کہ قبل از مغرب نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور حدیث میں بھی ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ اس حدیث میں خطا ہونے پر یہ بات بھی دال ہے کہ ابن مبارک کہمس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن بریدہ، مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اگر ابن بریدہ نے اپنے باپ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہوتا جسے حیان بن عبید اللہ نے "ما خلا صلوٰۃ المغرب" کے الفاظ کی صورت میں آپ کی طرف منسوب کیا ہے، تو وہ کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ کرتے۔

ابراہیم نخعیؒ سے انہوں نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے (بیہقی ۲ : ۴۷۶)۔ لیکن یہ دلیل کوئی شے نہیں کیونکہ یہ روایت منقطع ہے۔ ابراہیم نخعیؒ نے ان مذکورہ صحابہ کرام میں سے کسی کو نہیں دیکھا بلکہ ان کی تو ولادت ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے کئی سال بعد ہوئی[1] پھر یہ کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو پھر بھی حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان مذکورہ صحابہ کرام نے اس سے منع کیا ہے یا اسے مکروہ سمجھا ہے اور اس بارے میں ہم ان کے مخالف نہیں ہو سکتے کہ سب نوافل کا ترک مباح ہے۔ بشرطیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے اعراض کے باعث ترک نہ کیا جا رہا ہو کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ پھر اگر یہ بھی صحیح ثابت ہو جائے کہ ان صحابہ کرامؓ نے ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے منع کیا ہے ـــــ اور اللہ کی پناہ کہ ایسا ثابت ہو ـــــ تو ان کا یہ منع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دو رکعت پڑھنے والے صحابہ کرامؓ کے خلاف حُجّت نہیں ہو سکتا۔

ان حضرات نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی عمامہ پر مسح کے سلسلہ میں مخالفت کی ہے حالانکہ ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت بطور دلیل موجود تھی، تو انہوں نے جب چاہا صحابہ کرامؓ کی مخالفت کر دی اور جب چاہا ان کی مخالفت کو بہت اہمیت دے دی۔ یہ ان کا معمول ہے لہٰذا اس طرزِ عمل پر تعجب نہیں کرنا چاہیے لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دین کے ساتھ مذاق ہے۔ متأخر مقلدین ایسا ہی کرتے ہیں۔

ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ و بیہقی ۲ : ۴۷۶)

یہ دلیل بھی کوئی شی نہیں کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ یہ ابوشعیب یا شعیب کے واسطہ سے ہے اور ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے ان دو رکعتوں سے منع کیا ہے اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نوافل کو ترک کیا جا سکتا ہے، ناحق مخالفت نہیں

---

[1] یمنی نسخہ میں ہے کہ دو سال بعد ولادت ہوئی لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ابراہیم کی ولادت ۵۰ھ میں ہوئی جیسا کہ ابن حبان نے ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ اثر امام محمد بن حسن نے "کتاب الآثار" میں از ابوحنیفہ، از حماد بن ابی سلیمان از ابراہیم روایت کیا ہے۔

کی جا سکتی! اگر یہ بھی صحیح ثابت ہو جائے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان دو رکعتوں سے منع کیا ہے تو آپ کی یہ ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دو رکعتیں پڑھنے والے صحابہ کرامؓ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

ان لوگوں پر تعجب ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کو تو حجت نہیں سمجھتے کہ "میں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں اور ان میں سے کسی نے قنوت نہیں کیا" حالانکہ یہ روایت صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے حجت اس لیے تسلیم نہیں کیا کہ یہ ان کی تقلید کے مخالف تھی اور یہ روایت جو صحیح بھی نہ تھی اس لیے حجت تسلیم کر لی کہ یہ ان کی تقلید کے موافق تھی۔ وھذا عجیب جدًا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ مغرب سے قبل دو رکعت نفل پڑھنے کے سلسلہ میں ہمارے دلائل حسب ذیل ہیں:

۳۴۸ [ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد از ابراہیم بن احمد از فربری از بخاری از عبداللہ بن یزید مقری از سعید بن ابی ایوب بیان کیا کہ] یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ میں نے مرثد بن عبداللہ یزنی ابوالخیر سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں عقبہ بن عامر جہنی کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ آپ ابوتمیم کے اس طرز عمل کے باعث تعجب نہ کریں گے کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے بھی دو رکعت پڑھتے ہیں؟ عقبہؓ نے جواب دیا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا اب ایسا کرنے سے کیا امر مانع ہے؟ انہوں نے فرمایا "مصروفیت" (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۴۹ [بسند سابقہ از بخاری از محمد بن بشار از محمد بن جعفر غندر روایت ہے کہ] شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عامر انصاری سے سنا آپ حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے ذکر کرتے تھے کہ مؤذن جب اذان کہتا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ حضرات ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو یہ حضرات ان رکعتوں کو مغرب سے پہلے پڑھ رہے ہوتے تھے (بخاری، نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۰ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوکریب و ابوبکر بن ابی شیبہ از ابن فضیل، از مختار بن فلفل بیان کیا کہ] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غروبِ آفتاب کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے پوچھا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا آپ ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے، نہ حکم دیتے اور نہ منع فرماتے (مسلم، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی بات کا اقرار فرماتے جو حق اور حسن ہوتی، جب بھی کوئی مکروہ بات دیکھتے تو اس پر کراہت کا اظہار فرماتے، جب بھی کوئی غلط بات دیکھتے تو اس سے منع فرما دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

"تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ بطریق عبدالوارث بن سعید از عبدالعزیز بن صُہیب حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے، جب مؤذن مغرب کی اذان کہتا تو ہم فوراً ستونوں کے پیچھے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے حتیٰ کہ اگر کوئی اجنبی آدمی مسجد میں داخل ہوتا تو وہ سمجھتا کہ شاید نماز (فرض) پڑھی جا چکی ہے کیونکہ صحابہ کرام بڑی کثرت سے ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ و بیہقی ۲: ۴۷۵)

گویا اس حدیث میں عموم ہے کہ صحابہ کرامؓ کا یہ معمول تھا۔

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی و عبدالرزاق از سفیان ثوری، از عاصم بن بَہدَلہ، حضرت زِرّ بن حُبَیش سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور اُبَیّ بن کعبؓ کو دیکھا کہ وہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۶)

بطریق حماد بن زید از عاصم از زِرّ از عبدالرحمٰن و اُبَیّ بھی اسی طرح روایت ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ دونوں حضرات ان دو رکعتوں کو ترک نہیں کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص ۴۷)

بطریق معمر از زہری حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ، از یزید بن خمیر، از خالد بن مَعدان از رَغبانؒ مولی حبیب بن مَسْلَمہ

[1] سنن بیہقی میں یہ نام زَغبان چھپا ہے جو غلط ہے صحیح رغبان ہے یعنی "ر" کے ساتھ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کا ترجمہ

روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعتوں کو اسی قدر اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے جس قدر اہتمام سے فرائض کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔ (بیہقی ۲: ۴۷۶ والبخاری فی التاریخ، ج ا، ق ۲ ص ۲۳۹)

بطریق وکیع از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ از حضرت سعید بن مسیّب روایت ہے کہ میں نے سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص کے علاوہ اور کسی فقیہ کو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا (ابن ابی شیبہ ۲ : ۳۵۰)۔

بطریق حجاج بن منہال، از حماد بن سلمہ از داؤد وراق از جعفر بن ابی وحشیہ روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص ۴۷ بسند دیگر)

بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از شعبہ، از سلیمان بن عبدالرحمٰن[1] از حضرت راشد بن یسار روایت ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے بیعت رضوان کرنے والے پانچ اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے (بیہقی ۲ : ۴۷۶ وقیام اللیل مروزی ص ۴۷)

بطریق محمد بن جعفر، از شعبہ از حکم بن عتیبہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کے ساتھ نماز پڑھی، وہ مغرب سے پہلے بھی دو رکعت پڑھا کرتے تھے (مختصر قیام اللیل ص ۴۸)

بطریق وکیع از یزید بن ابراہیم روایت ہے کہ میں نے سنا کہ حضرت حسن بصریؒ سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رضائے الٰہی کے طلبگار کے لیے یہ دو بہت ہی حسین و جمیل ہیں (مختصر قیام اللیل، ص ۴۸)

امام شافعیؒ اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

بیان کیا ہے۔ اور بخاری نے یہ اثر بھی ذکر کیا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح قاموس ج ا ص ۲۷۴ میں ذکر کیا ہے کہ ابن رغبان مولی حبیب بن مسلمہ فہری اہل شام سے تعلق رکھتے ہیں، بغداد کی مسجد میں امام و خطیب تھے، اس میں ابن کی زیادتی صحیح نہیں بلکہ خطا ہے اور اس اثر کی سند حسن ہے۔

[1] سلیمان بن عبدالرحمٰن کے بارے میں نہیں معلوم کہ کون ہیں؟ میرا خیال ہے کہ یہ سلیمان بن عبدالرحمٰن بن عیسیٰ ہیں، جن کا تہذیب ج ۴ ص ۲۰۸ میں تذکرہ ہے، ان کے شیخ راشد بن یسار کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کون ہے اور نہ مجھے ان کے حالات معلوم ہو سکے ہیں۔

۲۸۴- ایک دفعہ پڑھی ہُوئی نماز کو دوہرانا

جس شخص نے ایک دفعہ کسی نماز کو پڑھ لیا ہو اور پھر اس نے دیکھا کہ باجماعت اسی نماز کو ادا کیا جا رہا ہے، تو اس کے لیے دوبارہ باجماعت پڑھ لینا مُستَحَب ہے اور اسے ترک کرنا مکروہ ہے۔ ہر نماز کے بارہ میں یہی حکم ہے۔ خواہ قبل ازیں اس نے اس نماز کو کسی عذر کے باعث تنہا پڑھا تھا یا باجماعت، جب بھی وہ اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا ہوتا ہُوا دیکھے تو شریک ہو جائے، خواہ اُسے کئی بار پڑھنی پڑے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اسے دوبارہ بالکل نہ پڑھے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف ظُہر اور عشاء کی دوبارہ پڑھ سکتا ہے اور کوئی نہیں، خواہ انہیں اس نے قبل ازیں باجماعت پڑھا ہو یا تنہا! جو نماز اس نے پہلے پڑھی ہے، وہی اس کی اصل نماز ہے (یعنی فرض)، مگر جمعہ کی نماز، اگر اس نے گھر تنہا پڑھی ہے، تو نماز ہو جائے گی لہٰذا اسے گھر نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ مسجد میں چلا گیا اور امام صاحب نے ابھی تک نمازِ جمعہ سے سلام نہیں پھیرا تو اس نے گھر جو نماز پڑھی تھی، وہ باطل ہو جائے گی اور جو وہ امام کے ساتھ پڑھے گا وہی فرض کی ادائیگی ہوگی۔

امام ابویوسفؒ اور محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ صرف مسجد کی طرف نکلنے ہی سے گھر میں پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ جب وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے گا تو پھر وہ نماز باطل ہوگی، جو اس نے گھر پڑھی تھی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نمازِ فرض تنہا گھر میں پڑھی اور پھر اس نے اسی نماز کو باجماعت ادا ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اسے باجماعت ادا کرے، مغرب کے علاوہ سب نمازوں کو اسی طرح دُہرایا جا سکتا ہے۔ ان دونوں نمازوں میں سے کون سی فرض شمار ہوگی، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر ایک دفعہ باجماعت پڑھ لی ہو تو پھر اس نماز کو دُہرانے کی ضرورت نہیں!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے نماز دُہرانے سے منع کیا ہے، ان کی دلیل حسبِ ذیل روایت ہے:
ہم نے بطریقِ ابوداؤد از ابوکامل یزید بن زُرَیع از حسین معلّم از عمرو بن شُعَیب[1] از حضرت سُلیمان بن یسار

[1] منذری نے اس حدیث کو نسائی (کتاب الصّلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے اور اسے عمرو بن شُعَیب کے باعث معلول قرار دیا ہے لیکن عمرو ثقہ اور حُجّت ہے۔ سُلیمان بن یسار مولیٰ میمونہ فقہاءِ سبعہ میں سے ایک ہیں اور یہ اسناد صحیح ہے۔

روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے پاس مقام بلاطؔ[1] میں گیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا فرماتے تھے کہ ایک دن میں ایک نماز کو دو بار مت پڑھو (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ خبر صحیح ہے اور اس کے خلاف عمل حلال نہیں، اور یہ ان کے لیے دلیل نہیں بن سکتی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم یہ کہیں کہ وہ یہ نیت کر کے نماز پڑھے کہ یہ وہی ہے جو پہلے پڑھ چکا ہے یعنی ایک ہی دن میں وہ دو مرتبہ نماز ظہر دو مرتبہ نماز عصر، دو مرتبہ نماز مغرب دو مرتبہ نماز عشاء پڑھے۔ یہ کُفر ہے۔ کسی کو بھی یہ کہنا حلال نہیں ہے ہاں نفل نماز پڑھ سکتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نص منقول ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ صبح اور عصر کے بعد چونکہ نوافل جائز نہیں لہٰذا ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، آپ نے اس سلسلہ میں وارد شدہ اخبار کو احادیثِ امر پر غالب کر دیا ہے لیکن ہم نے احادیثِ امر کو غالب کیا ہے۔ ہم اس مسئلہ اور اس کے بعد والے مسئلہ پر گفتگو مکمل کرنے کے بعد یہ ذکر کریں گے کہ ان دو عملوں میں سے کون سا صحیح ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

امام مالکؒ نے جو فرمایا ہے کہ مغرب کی نماز کو نہ دوہرایا جائے تو اس کی آپ نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ مغرب کی نماز دن کا وتر ہے، اگر کوئی دوبارہ پڑھ لے تو اس سے مغرب کی نماز شفع ہو جائے گی اور وتر باطل ہو جائے گا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ ان میں سے ایک نفل ہے اور دوسری فرض اور اس پر ہمارا اور ان کا اجماع ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ نفل، فرض کو شفع نہیں بنا سکتا۔

انہوں نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ تین رکعت نفل نہیں ہوتے کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے" لیکن یہ ان کی حُجّت نہیں بن سکتی کیونکہ جس

[1] بلاط، مدینہ میں ایک مشہور جگہ ہے۔

ذاتِ اقدس نے یہ خبر دی ہے کہ دن رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ جب نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی نماز کی تخصیص نہیں کی، اسی ذاتِ اقدس نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ وتر کو ایک یا تین رکعت کے ساتھ نفل بنا لیا جائے (یعنی وتر بھی از قسم نفل ہی ہے)۔

اس خبر سے حجّت پکڑنے پر تعجب ہے کہ یہ کیسے بھول گئے کہ یہ خود کہہ چکے ہیں کہ ظہر، عصر اور عشاء کو باجماعت ادا کر لینا چاہیے گویا انہوں نے ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنے کی اجازت دے دی جو صریحاً تناقض ہے، حق بات یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سب ارشاداتِ گرامی برحق ہیں، بعض کو بعض کے ساتھ رد نہ کیا جائے بلکہ سب ارشادات پر ایسے ہی عمل کیا جائے جیسا کہ ان کا تقاضا ہے۔

انہوں نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ جب وہ مغرب کی نماز باجماعت ادا ہوتے دیکھے گا تو وہ یقینی طور پر مغرب کے وقت ہی میں پڑھی جا رہی ہوگی اور جو نماز وقت کے اندر ادا کی جا رہی ہو اس کے بارے تنگیٔ وقت کا عذر باطل ہے۔ لہٰذا انہوں نے اور حنفیوں نے مغرب کی تخصیص کے سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مالکیوں نے جو یہ تخصیص کی ہے کہ جس نے تنہا نماز پڑھی ہو وہ پڑھ لے، یہ تخصیص غلط ہے کیونکہ اس سلسلہ میں قرآن، سنت، قولِ صحابی، قیاس اور رائے سے کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اگر منفرد طور پر نماز پڑھنے والے کے لیے فضیلت ہے تو باجماعت پڑھنے والے کے لیے زیادہ افضلیت ہے، کیونکہ باجماعت نماز ادا کرنا بہر حال افضل ہے اور قطعاً کوئی فرق نہیں کہ اس نے پہلے بھی نماز باجماعت ادا کی ہے یا نہیں؟

انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کی فرض نماز کون سی ہے؟ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس بارے میں ان کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر وہ اس جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے جسے ادا کیا جا رہا ہو بشرطیکہ سنّتِ رسُول سے اعراض مقصود نہ ہو تو وہ گناہگار نہیں ہوگا تو بلاشک پھر یہ نفل ہی ہوگی کیونکہ یہ نفل ہی کی صفت ہے کہ اسے جو چاہے پڑھے اور جو نہ چاہے نہ پڑھے (یعنی اس کی پہلی نماز ہی فرض ہوگی)۔

علاوہ ازیں جب وہ باجماعت نماز ادا کرے اور قبل ازیں بھی وہ اسے ادا کر چکا ہو اور دونوں کے بارے

میں ہی فرض کی نیت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان اور اجماع کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا کیونکہ اس نے دن میں دو مرتبہ ایک ہی فرض نماز کو ادا کیا ہے یا اگر وہ دونوں مرتبہ ہی کوئی نیت بھی نہ کرے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے بالکل نماز پڑھی ہی نہیں، بغیر نیت پڑھی ہوئی کوئی نماز بھی مقبول نہیں ہوگی اور وہ اس طرح گناہگار و نافرمان بھی ہوگا لہٰذا اس کے لیے یہ نیت کرنا ضروری ہوگا کہ ان میں سے نفل کون سی نماز ہے اور فرض کون سی، اس سلسلہ میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں!

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ دوسری نماز فرض ہوگی۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے کسی عذر کے باعث اکیلے نماز پڑھی ہے یا پہلے باجماعت پڑھی ہے تو بلاشک یہ پہلی مرتبہ پڑھی ہوئی نماز ہی فرض تصور ہوگی کیونکہ اسے اس نے بہ نیتِ فرض ادا کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ۔

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"

(بخاری بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب النکاح، کتاب المناقب، کتاب العتق، کتاب الحیل۔ مسلم کتاب الجہاد۔ ابو داؤد کتاب الطلاق۔ ترمذی کتاب الجہاد۔ نسائی کتاب الطہارۃ، وکتاب الایمان والنذور وکتاب الطلاق وابن ماجہ کتاب الزھد)۔

اگر اس نے پہلے بلا کسی عذر کے نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے تو پہلی نماز باطل ہوگی اور دوسری فرض ہوگی، اس صورت میں اسے دوبارہ باجماعت نماز پڑھنا ضروری بھی ہوگا۔ آئندہ ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے کہ باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے۔ اور جمعہ و غیر جمعہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کا بغیر عُذر کے گھر جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں جو قول ہے، وہ کئی وجوہ کے باعث باطل ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ انہوں نے جمعہ و غیر جمعہ میں بغیر دلیل کے تفریق کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جمعہ و غیر جمعہ میں فرق کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ اگر اس نے بغیر عذر کے گھر جمعہ پڑھ لیا تو جائز ہوگا، یہ غلط ہے اور تیسری وجہ یہ کہ جس نماز کو پہلے جائز بتایا گیا اسے بعد میں محض مسجد کی طرف نکلنے یا امام

کے ساتھ شریک ہونے کے باعث باطل قرار دے دیا گیا۔ یہ سب آراء فاسدہ ہیں اور دین میں بغیر علم کے اقوال کے مترادف ہیں، جب یہ سب اقوال باطل ثابت ہوئے تو اب ہم اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ارشادات ذکر کرتے ہیں:۔

۳۵۱ [ہم سے عبداللہ بن یوسف از احمد بن فتح از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج از ابوالربیع زہرانی و ابوکامل جحدری از حماد بن زید از ابی عمران جونی از عبداللہ بن صامت بیان کیا کہ]

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تم پر ایسے اُمراء مُسلط ہو جائیں گے جو نمازیں تاخیر سے پڑھیں گے یا فوت کر کے پڑھیں گے تو آپ کیا کریں گے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا، اس صورت حال میں آپ کا ارشاد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نماز بر وقت پڑھ لو اور پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز کو پاؤ تو پڑھ لو یہ تمہارے لیے نفل ہو گی (مسلم ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۲ [بسند سابقہ از مسلم زہیر بن حرب از اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ از ایوب سختیانی، از ابوالعالیہ[1] البراء روایت ہے کہ] ابن زیاد نے نماز کو مؤخر کر دیا، اسی اثناء میں عبداللہ بن صامت آ گئے، مَیں نے ان کے پاس ابن زیاد کی اس حرکت کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ جیسے آپ مجھ سے اس بارے میں پُوچھ رہے ہیں اسی طرح مَیں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا تھا اور حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تھا کہ جیسے آپ مجھ سے پُوچھ رہے ہیں، اسی طرح مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا تھا تو آپ نے میرے ران پر مارا اور فرمایا کہ نماز بر وقت پڑھ لیا کرو اور اگر ان کے ساتھ نماز پاؤ تو پڑھ لو اور یہ نہ کہو کہ مَیں پہلے پڑھ چکا ہُوں لہٰذا اب نہیں پڑھوں گا (مسلم، نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام ہے اور ہر نماز کے لیے ہے اور ہر شخص کے لیے خواہ وہ پہلے باجماعت پڑھ چکا ہو یا تنہا، ان اُمور میں سے کسی کی تخصیص جائز نہیں بلکہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق!

سلف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا کہ آپ نے یہی

---

[1] ابوالعالیہ کا نام زیاد بن فیروز ہے بعض نے اس کے علاوہ اور نام بھی بتایا ہے بصری، تابعی اور ثقہ ہیں شوال سنہ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

فتویٰ دیا تھا۔ اسی بطریق حماد بن سلمہ، از حمید، از انس بن مالکؓ روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت نعمان بن مُقَرِّنؓ نے آپس میں ملاقات کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے پاس نمازِ فجر پڑھ کر گئے، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ نمازِ فجر پڑھ رہے تھے لیکن انہوں نے دوبارہ ان کے ساتھ پھر پڑھ لی (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۷۷)

بسندِ سابقہ یعنی بطریق حماد بن سلمہ، از ثابت بُنانی وحمید از حضرت انسؓ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ فجر کی نماز مربد میں پڑھ کر جب جامع مسجد میں آئے تو دیکھا کہ حضرت مُغیرہ بن شعبہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ مرد اور عورتیں شریکِ نماز ہیں، ہم نے بھی ان کے ساتھ دوبار نماز پڑھ لی۔

نمازِ فجر کے بارے میں صحابۂ کرام کا یہ عمل امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مخالف ہے، وہ پہلے بھی باجماعت پڑھ چکے تھے، اس سے امام مالکؒ کے قول کی مخالفت ہو رہی ہے، صحابۂ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے تخصیص کی ہو کہ صرف وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے جس نے پہلے انفرادی طور پر نماز پڑھی ہو۔

بطریقِ عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر[1]، از سعد بن عُبَیْد از صلہ بن زُفَر عَبْسی روایت ہے کہ میں حضرت حُذَیفہ کے ساتھ باہر نکلا، آپ کا گزر مسجد کے پاس سے ہوا تو آپ نے وہاں ظُہر کی نماز پڑھی حالانکہ قبل ازیں آپ اسے پڑھ چکے تھے، پھر بوقتِ عصر مسجد کے پاس سے گزرے تو ان کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ قبل ازیں نمازِ عصر پڑھ چکے تھے، پھر آپ مسجد کے پاس سے گزرے تو آپ نے مغرب کی نماز بھی ان کے ساتھ ادا کی حالانکہ آپ قبل ازیں نمازِ مغرب پڑھ چکے تھے، آپ نے دوبارہ پڑھی جانے والی نمازِ مغرب کو ایک اور رکعت پڑھ کر شَفْع بنا لیا تھا۔ (مُصنّف ابن ابی شَیْبہ ۲: ۲۷۶ میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ روایت موجود ہے)

حضرت قَتادہ فرماتے ہیں کہ عصر بھی جماعت کے ساتھ لوٹائی جا سکتی ہے۔ حضرت سعید بن مُسَیَّب فرماتے

---

[1]، [2] دونوں جگہ جابر سے مراد جابر بن یزید جعفی ہے جسے مؤلف نے بہت ہی ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ کئی بار گزر رہا ہے۔

ہیں قوم کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرو کیونکہ تنہا پڑھنے کی نسبت باجماعت نماز کی ادائیگی ستائیس درجے زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے۔

از سفیان از جابر از حضرت شعبیؒ روایت ہے کہ اگر سب نمازیں دوہرائی جائیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۷۸)

ابن جُریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں گھر میں فرض نماز پڑھ لوں اور پھر اسے لوگوں کے ساتھ باجماعت پالوں تو دوبارہ پڑھ لیتا ہُوں، گھر میں پڑھی ہوئی نماز کو نفل سمجھتا ہوں اور باجماعت پڑھی ہوئی نماز کو فرض، خواہ ایک ہی رکعت پاؤں! ابن جُریج کہتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ جب آدمی مغرب کی نماز گھر پڑھ لے اور پھر لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہُوئے دیکھے تو کیا کرے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس صورت میں گھر میں پڑھی ہُوئی نماز کو مَیں ایک رکعت کے ساتھ شَفَع بنا لیتا ہُوں، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتا ہُوں اور جماعت کے ساتھ پڑھی ہُوئی نماز کو فرض تصوّر کر لیتا ہُوں۔

از وکیع از عمر بن حسان روایت ہے کہ مَیں ابراہیم نخعیؒ اور عبدالرحمٰن بن اسودؒ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم لوگوں کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ نماز میں مصروف ہیں، تو ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، جب امام نے سلام پھیرا تو ابراہیم نے کھڑے ہو کر ایک رکعت کے ساتھ نماز کو شفع بنا لیا۔۔۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۷۶)۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے نماز کو شفع نہیں بنایا تھا کیونکہ دونوں طرح ہی جائز ہے شفع بنانا بھی اور نہ بنانا بھی کیونکہ یہ نفل ہے اور کسی چیز کے سلسلہ میں ممانعت وارد نہیں ہے!

حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہمیں عثمان بتّی نے ابوالضُّحٰی سے خبر دی کہ حضرت مسروق نے مغرب کی نماز پڑھی اور پھر کچھ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھتے ہُوئے دیکھا تو ان کے ساتھ شریک ہو گئے، پھر ایک رکعت کے ساتھ مغرب کو شفع بنا لیا۔

وکیع، حضرت ربیع بن صَبِیح سے روایت کرتے ہیں کہ فجر اور عصر کے علاوہ ہر نماز دوہرائی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر مسجد میں بیٹھے ہُوئے اذان ہو جائے تو پھر نماز کے بجائے فرار ہونا زیادہ قبیح ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات وہ روایت ذکر کریں جو بطریق عبدالرزاق، از ابن جُریج از حضرت نافع مروی ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا اگر آپ نے اپنے اہل وعیال میں نماز پڑھی ہو اور پھر مسجد میں امام کے ساتھ باجماعت پالیں تو امام کے ساتھ بھی پڑھ لیں البتہ صبح اور مغرب کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ یہ نمازیں ایک دن میں دوبار نہیں پڑھی جا سکتیں۔

تو یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے، امام ابوحنیفہؒ نے عصر کی نماز کا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے بھی دوبارہ نہیں پڑھا جا سکتا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کو نہیں دوہرایا جا سکتا، جو شخص حق اور دلیل کے خلاف چلتا ہے، اس نے گویا مدِ مقابل کے موقف کو مضبوط کر کے اپنی پوزیشن کو کمزور کر لیا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۲۸۵۔ عصر کے بعد دو رکعتیں

امام مالکؒ اور ابوحنیفہؒ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع کیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز ظہر کے فرائض سے پہلے یا بعد کی دو سنتیں نہ پڑھ سکا ہو وہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرے تو اس شخص پر لازم ہے کہ اس وقت ہمیشہ اُن کو ادا کرتا رہے اور ہرگز ترک نہ کرے۔ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں نہ میں یہ دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور نہ ہی پڑھنے والے پر نقد و جرح کرتا ہوں۔ ابوسلیمان ان کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔

۳۵۴۔ [حافظ ابن حزمؒ بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن الحجاج، از قتیبہ، از اسماعیل بن جعفر، از محمد بن ابی حرملہ، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اُن دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا جو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا آپؐ یہ دو رکعتیں عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے پھر کسی مشغولیت، یا بھول جانے کی وجہ سے آپؐ نے یہ دو رکعتیں عصر کے بعد ادا کیں اور پھر اس کو معمول بنا لیا۔ آپؐ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی نماز ادا کرتے تو اس التزام کو قائم رکھتے۔ (مسلم و نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اس سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ اُن کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ دو رکعتیں وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو بھول جائے یا مشغول رہنے کی وجہ سے ان کو

ادا نہ کر سکا ہو۔ اگر نماز ادا کرنا اس وقت میں پسندیدہ فعل نہ ہوتا تو آپ ایسے وقت میں ان کو ادا نہ فرماتے۔

امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو ہم نے بطریق ابو داؤد، از عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف، از عم خود یعقوب بن ابراہیم بن سعد، از پدر خود، از محمد بن اسحاق، از محمد بن عمرو بن عطاء، از ذکوان مولیٰ عائشہؓ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے اور دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے جس طرح آپ کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے مگر دوسروں کو اس سے منع کیا کرتے تھے (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصلوٰۃ)

نیز وہ اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق البزار، از یوسف بن موسیٰ، از جریر بن عبد الحمید، از عطاء بن السائب، از سعید بن جبیر، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم نے عصر کے بعد دو رکعتیں اس لیے ادا کی تھیں کہ ظہر کے بعد مال آیا تھا جس کی تقسیم میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ ظہر کے بعد والی دو رکعتیں پڑھ نہ سکے تھے چنانچہ وہ آپ نے عصر کے بعد ادا کیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اس فعل کا اعادہ نہ کیا۔

وہ اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق ابن ایمن، از قاسم بن یونس، از ابو صالح عبد اللہ بن صالح، از لیث، از خالد بن یزید[1]، از سعید بن ابی ہلال، از عبد اللہ بن بابی[2] مولیٰ عائشہؓ[3]، از موسیٰ بن طلحہ روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے آئے تو ہم اُن سے ملے۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے اُن دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے کہا یہ بات مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتائی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حضورؐ نے یہ دو رکعتیں آپ کے یہاں ادا کی تھیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں البتہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا تھا کہ آپؐ نے یہ دو رکعتیں اُن کے یہاں ادا کی تھیں۔ پھر حضرت معاویہؓ نے مسور کو یہ بات دریافت کرنے کے لیے اُمِ سلمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد میرے یہاں تشریف لائے

[1] خالد بن یزید الجمحی المصری کی کنیت ابو عبد الرحیم ہے۔ یہ ثقہ راوی تھے ۱۳۹ھ میں وفات پائی۔

[2] بعض اہلِ علم کے نزدیک ان کا نام عبد اللہ بن باباہ یا ابن بابیہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تین مختلف اشخاص کے نام ہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ یہ ایک ہی شخص کا نام ہے۔ اس کے والد کے نام میں اختلاف ہے ابن المدینی اور بخاری کا قول یہی ہے۔

[3] یہاں ان کو مولیٰ عائشہؓ کہا گیا ہے جب کہ التہذیب میں مولیٰ آلِ حُجیر بن ابی اہاب یا مولی العلی بن اُمیۃ قرار دیا گیا ہے واللہ اعلم

اور دو رکعتیں ادا کیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آج میں نے آپ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ قبل ازیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ایک جھگڑنے والے نے مجھے ان کی ادائیگی سے روک دیا۔ یہ دو رکعتیں ہیں جن کو میں عصر سے پہلے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے چاہا کہ اب ان کو ادا کر لوں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے قبل ازیں آپؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد۔ (مجمع الزوائد ۲:۲۲۳)

نیز وہ اس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو اسحاق السَّبِیعی، از عاصم بن حمزہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرض نمازوں کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ماسوا فجر اور عصر کے۔[1] (ابوداؤد، نسائی، بیہقی کتاب الصلوٰۃ)

نیز اُس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو بعض لوگوں نے بطریق حماد بن سلمہ، از الازرق بن قیس، از ذکوان حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ کر میرے گھر میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ نے یہ ایسی نماز پڑھی ہے کہ پہلے کبھی نہ پڑھی تھی۔ فرمایا میرے یہاں مال آیا تھا جس کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے میں ظہر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکا جو میں فرضوں کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ وہ میں نے اب ادا کر لی ہیں۔ میں نے عرض کی کیا ہم بھی اُن کی قضا پڑھ لیا کریں جب پڑھی نہ جا سکی ہوں؟ فرمایا "نہیں" (مجمع الزوائد ۲:۲۲۴)

وہ اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جو بطریق ابو اُسامہ، از ولید بن کثیر، از محمد بن عمرو بن عطاء، از عبد الرحمٰن بن ابی سفیان[2] منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج کر عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپؐ نے دو رکعتیں میرے یہاں نہیں پڑھی تھیں، البتہ اُمّ سلمہؓ نے بتایا تھا کہ آپؐ نے دو رکعتیں اُن کے یہاں ادا کی تھیں۔ پھر معاویہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کی طرف ایک شخص کو

---

[1] اِس حدیث کو ابوداؤد نے بطریقِ محمد بن کثیر از ثوری روایت کیا ہے (ابوداؤد، ج ۱، ص ۴۹۲) نیز بیہقی نے بطریقِ حسین بن حفص از ثوری (ج ۲، ص ۴۵۹)

[2] محلّٰی کے ایک نسخہ میں عبد الرحمٰن بن سفیان ہے۔ مگر متن میں مذکور نام قابلِ ترجیح ہے۔ مصری نسخہ میں بھی اُسی طرح مذکور ہے۔ دونوں نسخوں میں اس سے آگے بالاتفاق عبد الرحمٰن بن ابی سفیان مذکور ہے۔ مجھے اِس عبد الرحمٰن کا تعارف اسماء الرجال کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ (الجرح والتعدیل ۵:۲۴۲) میں اور تاریخ کبیر ۵:۲۹۲ میں امام بخاری نے ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

بھیجا۔ انہوں نے کہا آپؐ نے یہ دو رکعتیں میرے گھر میں ادا کی تھیں۔ اس سے قبل یا بعد میں نے آپؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ دو رکعتیں وہ ہیں جو میں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ میرے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آئے تو میں انہیں ادا کرنا بھول گیا حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھ لی۔ پھر مجھے یاد آیا تو میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ میں انہیں مسجد میں ادا کروں اور لوگ مجھے دیکھیں۔ اس لیے میں نے یہ دو رکعتیں آپ کے یہاں ادا کیں۔

امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کے بعد ہم وہ احادیث ذکر کریں گے ـــــــ وباللہ التوفیق

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کے لیے حجت نہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ذکوان نے حضرت عائشہؓ سے جو روایت کی ہے وہ اس لیے حجت نہیں کہ اُس میں ان دو رکعتوں سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نماز بھی نہ پڑھی جائے۔ اور یہ صحیح ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہوئی تو واجب ٹھہرا کہ حضورؐ کے عمل اور نہی دونوں پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ ہم عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ جو نماز آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی ہے وہ پڑھ لی جائے۔ گویا اقل اکثر سے مستثنیٰ ہے۔ اس طرح ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہو جائے گا اور ہم کسی کی مخالفت کے بھی مرتکب نہیں ہوں گے۔

جو شخص دو رکعتیں عصر کے بعد نہیں پڑھتا جو حضورؐ نے پڑھی تھیں اور ان کو ادا کرنے سے اس لیے منع کرتا ہے کہ حضورؐ نے عصر کے بعد نماز ادا کرنے سے منع کیا تھا، اور دوسرا وہ شخص جو عصر کے بعد نماز پڑھنے سے حضورؐ کی نہی پر اس لیے عمل پیرا نہیں ہوتا کہ آپؐ نے عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کی تھیں بالکل یکساں ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ اگر حضرت اُم سلمہؓ یہ فرماتیں کہ آپؐ ان کو ادا کرنے سے منع کیا کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوتا کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا جواز آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر حدیث کے الفاظ میں اضافہ اور جھوٹ کی آمیزش نہیں کی جا سکتی۔ اور جس نے ایسا کیا اُس نے اپنا گھر جہنم میں بنا لیا۔ لہٰذا اُن کا احتجاج اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

باقی رہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث تو وہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر معلول ہے:۔

(۱) جریر بن عبد الحمید نے عطار سے اس وقت سنا تھا جب عطار کا حافظہ خراب ہو گیا اور اُس کی عقل جاتی رہی

تھی۔ یہ بات محدثین کے نزدیک معروف ہے[1]۔

(۲) دُوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کی روایت صحیح ہوتی اور ہم اس کو ابن عباسؓ کی زبانی سُنتے تو بھی یہ حُجّت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ابنِ عباسؓ نے صرف وہ بات بتائی ہے جس کا اُن کو علم تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات بیان کی جس کا ابنِ عباسؓ کو علم نہ تھا۔ اور وہ یہ کہ حضورؐ تا حیات یہ دو رکعتیں ادا کرتے رہے۔ اور یہ زائد علم ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔

جو شخص پُورے وثوق سے کہے کہ مجھے فلاں بات کا علم ہے۔ اُس کی بات اُس شخص کی نسبت احسن ہے جو کہے کہ مجھے علم نہیں۔ اور یہ دونوں ہی سچے ہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ابنِ عباسؓ کا یہ قول صحیح ہوتا اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت منقول نہ ہوتی تاہم یہ قول حُجّت نہ ہوتا، اس لیے کہ جس کام کو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک مرتبہ انجام دیں وہ دائمی طور پر حق اور حُجّت ہوتا ہے۔ جب تک حضورؐ اس کام سے منع نہ کریں۔ جو شخص یہ بات کہے کہ رسُولِ کریمؐ کا فعل اُس وقت تک حجت نہیں ہوتا جب تک آپ اُس کو بار بار نہ کریں تو وہ شخص کافر اور مُشرک ہونے کے ساتھ ساتھ کم عقل بھی ہے اس لیے کہ یہ بات اُس وقت بھی کہی جا سکتی ہے جب کہ آپؐ نے یہ کام دو تین مرتبہ یا ہزار مرتبہ انجام دیا ہو۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ کوئی صاحبِ عقل و دانش اور مسلم ایسی بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

مُوجبِ حیرت تو یہ امر ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابی جب کوئی حدیث روایت کرکے خود ہی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ اُس حدیث کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ اور بسندِ صحیح حضرت ابن عباسؓ سے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی روایت منقول ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے پھر ابن عباسؓ کی مخالفت کی وجہ سے اُنہوں نے اس حدیث کو معلول کیوں نہ قرار دیا۔ مگر انہیں تناقض و تضاد کی چنداں پروا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث کلیۃً ساقط الاحتجاج

---

[1] التہذیب میں عطاء پر تنقید کرتے ہوئے امام احمد سے منقول ہے کہ "جس نے عطاء سے پہلے سُنا تھا اُس کا سماع صحیح ہے۔ اور جس نے بعد میں سُنا وہ معتبر نہیں۔ سفیان اور شعبہ نے عطاء سے اوائل عمر میں سُنا تھا۔ بخلاف ازیں جریر اور خالد نے بعد ازاں سُنا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں عطاء بن السائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ لہٰذا جریر اور اُس کے رفقاء کا سماع احادیثِ صحیحہ پر مشتمل نہیں۔

ٹھہری ـــــ وباللہ التوفیق

جہاں تک موسیٰ بن طلحہ کی روایت کا تعلق ہے وہ بوجوہ حُجّت نہیں ہے :-

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔کیونکہ اس کی سند میں ابوصالح[1] کاتب لیث ضعیف راوی ہے نیز سعید بن ابی ہلال بھی ضعیف[2] ہے۔علاوہ ازیں اس میں موسیٰ بن طلحہ نے حضرت امّ سلمہؓ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے سماع کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں دو رکعت پڑھنے کی ممانعت مذکور نہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ہمارے لیے حجّت ہوتی۔کیوں کہ اس میں مذکور ہے کہ آپؐ نے نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کی تھیں۔اگر ان کا پڑھنا ناروا یا مکروہ ہوتا تو آپ دو رکعتیں نہ پڑھتے۔اور آپ کا فعل حق اور ہدایت ہے۔خواہ ایک دفعہ کیا ہو یا ہزار مرتبہ۔جو شخص کہے کہ آپ کا فعل ضلالت ہے وہ کافر ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ سے اس کے خلاف منقول ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔کیوں کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ نے یہ دو رکعتیں میرے یہاں ادا نہیں کیں۔حالانکہ ائمہ حدیث نے بتواتر نقل کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

---

[1] عبداللہ بن صالح ابوصالح کاتبِ لیث بن سعد ثقہ راوی ہے۔مگر بعض احادیث کے روایت کرنے میں اس سے غلطی صادر ہوئی ہے۔لہٰذا اس پر یہ گرفت کی گئی ہے۔وہ اپنے شیخ سے بعض روایات نقل کرنے میں منفرد ہے جو کسی اور نے نقل نہیں کیں۔اس لیے بعض نے اُن سے انکار کیا ہے حالانکہ یہ انکار درست نہیں۔یحییٰ بن بکیرؒ کہتے ہیں لیث جب بھی ہمارے پاس آتے ابوصالح اُن کے ہمراہ ہوتا تھا۔یہ تمام سفروں میں لیث کے ہم رکاب ہوتا تھا (التہذیب) اس لیے کچھ بعید نہیں کہ اسے وہ بات معلوم ہو جو دوسروں کو معلوم نہ ہو۔حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابوصالح سے روایت کیا ہے۔

[2] سعید ثقہ راوی ہے۔ابن سعد، العجلی، ابن خزیمہ، دارقطنی، خطیب، بیہقی، ابن عبدالبر اور دیگر محدثین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔امام احمدؒ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ احادیث میں کس چیز کی آمیزش کر دیتا ہے۔توثیق کرنے والوں کے اقوال کی موجودگی میں یہ الفاظ تضعیف کے لیے کافی نہیں ہیں۔ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ممکن ہے ابن حزمؒ نے یہ بات امام احمدؒ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہی ہو۔

وسلم دو رکعتیں ہمیشہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ادا فرماتے رہے۔ مثلاً عُروہ بن زُبیر، عبداللہ بن زُبیر، مسروق، اسود بن یزید، طاؤس، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ایمن اور دیگر راویانِ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بعینہٖ یہی بات حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن ابی سفیان نقل کیا ہے۔ عبدالرحمٰن[1] مجہول راوی ہے۔ مزید براں اُس نے ذکر نہیں کیا کہ یہ حدیث اُس نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے سُنی ہے۔ یہ حدیث چونکہ کذب پر مشتمل ہے لہٰذا اس کے موضوع ہونے میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہیں۔ اور کذب اُس قول میں پایا جاتا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: آپؐ نے دو رکعتیں میرے یہاں نہیں پڑھی تھیں۔ ہم قبل ازیں اُن لوگوں کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے اس قول کی تردید کی ہے۔

مزید برآں اس حدیث میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے ہرگز صادر نہیں ہو سکتے یعنی یہ الفاظ کہ "مَیں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں مسجد میں دو رکعتیں ادا کروں جب کہ لوگ دیکھ رہے ہوں اِس لیے مَیں نے یہ رکعتیں آپ کے یہاں ادا کیں"

اس کی وجہ یہ ہے کہ دو رکعتوں کا ادا کرنا یا تو مکروہ ہوگا یا حرام یا مُباح۔ مکروہ یا حرام ہونے کی صورت میں جو شخص رسُولِ کریمؐ کی جانب اس بات کو منسوب کرے کہ آپ چھُپ کر محرمات کا ارتکاب کرتے تھے وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ اُس نے رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فاسق ٹھہرایا۔ حالانکہ آپؐ کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ ہر بات لوگوں کو بتا دیں۔ قرآن میں فرمایا:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ۔ (ہُود: ۸۸) "مَیں نہیں چاہتا کہ جس امر سے مَیں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں"

یہ بات محال اور ممتنع ہے کہ رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مکروہ نماز پڑھنے کی زحمت فرمائیں جس میں اجر و ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔ یہی وہ تکلف ہے جس کے بارے میں آپؐ کو یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (ص: ۸۶) "اور مَیں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہُوں"

---

[1] یہ عبدالرحمٰن بن ابی سفیان بن حُوَیطب ہے جس کا ترجمہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ کبیر ۵: ۲۹۳، اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ۵: ۲۴۲ میں کیا ہے۔ (ابوالاشبال)

اور پناہ بخدا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی اور اختیار سے ایسا کام انجام دیں۔ ماسوا اُس کام کے جس سے تقرّبِ الٰہی حاصل ہوتا ہو۔ اور گاہے اللہ تعالیٰ ایسی بات کو آپ کے ذہن سے فراموش کر دیتا ہے جس میں ہمارے لیے حصولِ تقرّب کا کوئی سامان نہ ہو۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا تعلق ہے وہ ہرگز حجّت نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ نے اُس حدیث میں وہی بات بتائی ہے جس کا آپ کو علم تھا۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے حضورؐ کو دو رکعتیں پڑھتا نہیں دیکھا۔ اور آپ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں۔ مگر اس سے دو رکعتوں کی ممانعت یا کراہت مستفاد نہیں ہوتی جس طرح حضورؐ نے رمضان کے سوا کبھی پورے ماہ کے روزے نہیں رکھے تھے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورے ماہ کے نفلی روزے مکروہ ہیں۔ مزید برآں حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے راویوں نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے یہ دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق بتا دیا۔ لہٰذا یہ سب لوگ سچے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ اِن شاء اللہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ صحابی جب کوئی حدیث روایت کر کے اُس کی خلاف ورزی کرے تو یہ حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہاں وہ یہ بات کیوں نہیں کہتے؟

باقی رہی حمّاد بن سلمہ کی روایت کردہ حدیث جو اُنہوں نے بطریقِ اَزرق بن قیس، از ذکوان از اُمّ سلمہ نقل کی ہے تو وہ منکر روایت ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت حمّاد بن سلمہ کی کُتب میں مذکور نہیں۔ مزید برآں یہ حدیث منقطع بھی ہے ذکوان نے اس کو حضرت اُمِّ سلمہؓ سے نہیں سُنا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوالولید طیالسی نے اس کو بطریقِ حماد بن سلمہ، از اَزرق بن قیس، از ذکوان، از عائشہؓ از اُمّ سلمہؓ روایت کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے گھر میں عصر کے بعد دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ مَیں نے عرض کی یہ دو رکعتیں کیسی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مَیں یہ دو رکعتیں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ میرے پاس باہر سے مال آیا تھا اُس کی تقسیم میں مشغول رہنے کی وجہ سے مَیں نے یہ اب ادا کی ہیں۔

یہ متّصل روایت ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ "کیا ہم بھی ان کی قضا کیا کریں؟ فرمایا نہیں۔" لہٰذا ثابت ہُوا کہ اس اضافے کو ذکوان نے اُمّ سلمہ سے نہیں سُنا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ الفاظ اُس نے کس سے اخذ کیے؟ لہٰذا یہ ساقط الاعتبار ہیں[1] بشرطِ صحّت بھی یہ الفاظ اس لیے حجت نہیں کہ ان میں اُن رکعتوں کو ادا کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔

[1] البتہ مؤلف نے ذکوان کی جو روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے وہی معروف ہے۔ اور ذکوان کی روایت اُمّ سلمہؓ سے منکر ہے۔ بیہقی ج ۲ ص ۴۵۷

بلکہ صرف قضا سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کے کلام کو اس بات پر محمول نہیں کرنا چاہیے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ ایسا کرنے والا دین میں دجل و تلبیس کا مرتکب ہوتا ہے۔

جس حدیث میں عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ہم اس کو اس مسئلہ کے بعد مع نقد و تبصرہ ذکر کریں گے ——— بِحَوْلِ اللہِ وَقُوَّتِہٖ۔

امام شافعیؒ نے حدیثِ نبوی "جب آپؐ کوئی نماز ادا کرتے تو اُس کی پابندی کرتے" سے جو استدلال کیا ہے وہ ان کے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جو شخص عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا نہ بھولا ہو وہ یہ دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتا۔ اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا مباح ہے۔ اس لیے کہ اگر نماز جائز نہ ہوتی تو آپؐ قضا یا ادا کسی صورت میں بھی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتے تھے۔ آپ کے ادا کرنے میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ کام جائز اور پسندیدہ ہے۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو صرف وہی شخص ادا کرے جو بھول جانے کی وجہ سے ان کو ادا نہ کر سکا ہو۔ پس اُن کا احتجاج ساقط ہوا۔

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں جب مخالفین کے پیش کردہ دلائل کا بُطلان واضح ہو چکا تو اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو عصر کے بعد دو رکعتوں کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔

عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے دلائل

۳۵۴۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن الحجاج، از زہیر بن حرب و محمد بن عبداللہ بن نمیر روایت کیا ہے۔ زُہیر جریر سے روایت کرتے ہیں، اور ابن نُمیر اپنے والد سے۔ پھر دونوں مل کر ہشام بن عُروہ سے، وہ اپنے والد] اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یہاں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا کبھی ترک نہ کیا۔ (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۵۔ نیز بدین سند [تا مسلم، از علی بن حُجر، از علی بن مُسہر، از ابو اسحاق شیبانی، از عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید، از پدر خود] حضرت

ؒ نے ذکوان کی حضرت عائشہؓ سے روایت بطریق عبدالملک بن ابراہیم، از حمّاد، از الازرق، از ذکوان نقل کی ہے۔ اس میں قضا سے متعلق اضافہ مذکور نہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے گھر میں دو نمازوں کے ادا کرنے کو خفیہ یا علانیہ کبھی ترک نہیں کیا یعنی نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں۔ (بخاری، مسلم، نسائی، کتاب الصّلوٰۃ)

۲۵۶۔ بدیں سند [تا مسلم۔ از حسن الحلوانی، از عبد الرزاق، از معمر، از ابن طاؤس، از پدرِ خود] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی ترک نہ کیں۔ (مسلم کتاب الصّلوٰۃ)

۲۵۷۔ ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد بلخی، از الفربری، از بخاری، از ابو نُعیم الفضل بن دُکین، از عبد الواحد بن ایمن، از پدرِ خود] اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ مجھے اُس ذات کی قسم جو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو لے گئی (وفات دی) حضورؐ نے نمازِ عصر کے بعد دو رکعت ادا کرنا کبھی ترک نہ کیا حتیٰ کہ وفات پائی۔ فرماتی ہیں، آپؐ نے اس وقت وفات پائی جب نماز ادا کرنا آپ پر گراں گزرتا تھا۔ (بخاری، کتاب الصّلوٰۃ)

دو رکعتوں کے بارے میں اس حدیث میں بہت تاکید پائی جاتی ہے۔ دو رکعتوں پر مشتمل حدیث کو اُمّ المومنین اُمِّ سلمہ و میمونہ، تمیم داری، عمر بن الخطاب، زید بن خالد الجُہنی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ احادیث متواتر کے درجہ پر فائز ہیں اور ان سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

۲۵۸۔ ہم نے بطریق [حمام، از عبّاس بن اَصبغ، از ابن ایمن، از احمد بن محمد البرتی القاضی، از ابو معمر یعنی عبد اللہ بن عمرو الرقی، از عبد الوارث بن سعید، از حنظلہ یعنی ابن ابی سفیان الجُمَحی، از عبد اللہ بن الحارث بن نوفل] روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ آپؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ کیسی نماز ہے؟ لوگوں نے کہا عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ ابن زبیرؓ لوگوں کے ساتھ آئے تو حضرت معاویہؓ نے کہا یہ کیسا فتویٰ ہے جو آپ دے رہے ہیں کہ عصر کے بعد نماز پڑھا کرو؟ ابنِ زبیرؓ نے کہا کہ مجھے رسولِ اکرمؐ کی اہلیہ نے بتایا تھا کہ آپؐ نے عصر کے بعد نماز پڑھی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے کہا یہ حدیث میمونہ بنتِ حارث نے بیان کی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت میمونہؓ کی طرف دو آدمیوں کو بھیجا۔ انہوں نے کہا میں نے تو یہ حدیث بیان کی تھی کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ایک لشکر کو تیار کر رہے تھے اور اسی میں مشغول رہے حتیٰ کہ عصر کا وقت ہو گیا چنانچہ آپ نے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر لوٹ کر وہ نماز پڑھی جو عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ فرماتی ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب نماز پڑھتے یا کوئی کام کرتے تو اُس کی پابندی فرماتے۔ یہ سُن کر ابن زبیرؓ نے کہا کیا

آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی؟ بخدا ہم ضرور یہ نماز پڑھا کریں گے۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۳ مختصراً)

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ابن زبیرؓ کی دلیل کو غلبہ حاصل ہو گیا لہٰذا اُس پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔

• ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہمارے مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز پڑھنے والے کو پیٹا کرتے تھے اور ابن عباسؓ بھی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں، خواہ حضرت عمرؓ ہوں یا کوئی اور۔ بلکہ حضورؐ کا قول حضرت عمرؓ اور دوسروں پر حجت ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کی کئی جماعتوں نے اس ضمن میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کی ہے۔

۳۵۹۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از محمد بن احمد بن مُفرج، از عبداللہ بن جعفر بن الورد[1]، از یحییٰ بن ایوب بن بادی العلاف، از یحییٰ بن بُکیر، از لیث بن سعد، از ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل یعنی یتیم[2] عُروہ بن زُبیر، از عُروہ، از تمیم داری] روایت کیا ہے۔ یا مجھے بتایا گیا کہ تمیم داری نے نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔ اندریں اثنا حضرت عمرؓ تشریف لاتے اور اُن کو دُرّے سے مارنے لگے۔ تمیم نے اُن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو آپ بیٹھ گئے۔ تمیم نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ نے مجھے کیوں مارا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس لیے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور میں نے اس سے منع کر رکھا ہے۔ تمیم نے کہا میں نے یہ رکعتیں اُس ہستی کی ہمراہی میں ادا کی تھیں جو آپ سے بہتر تھی یعنی رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے گروہِ صحابہ! میرا مقصد آپ کو ان دو رکعتوں سے روکنا نہیں۔ مجھے یہ اندیشہ دامنگیر ہے کہ تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں جو عصر و مغرب کے مابین نماز پڑھنے لگیں۔ حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جس میں حضورؐ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ مگر یہ لوگ اُسی طرح نماز پڑھتے چلے جائیں جس طرح ظہر اور عصر کے درمیان پڑھتے ہیں۔ پھر کہیں کہ ہم نے فلاں فلاں شخص کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۲)

۳۶۰۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مُفرج، از ابن الاعرابی، از الدّبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے،

---

[1] المحلّٰی کے ایک نسخہ میں الوراد ہے مگر وہ صحیح نہیں، عبداللہ کا ترجمہ دیکھیے (التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۵، ۴۲۹) بادی بروزن وادی۔

[2] ان کو یتیم عُروہ اس لیے کہا گیا کہ ان کے والد نے اس کی تربیت عُروہ کے سپرد کی تھی۔

ابنِ جُریج کہتے ہیں مَیں نے ابو سعید الاعمیٰ[1] سے سُنا وہ السائب مولیٰ الفارسیین سے روایت کرتے ہیں۔ وہ زید بن خالد الجُہنی سے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے عہدِ خلافت میں عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو دُرّے سے مارنے لگے۔ انہوں نے نماز کو جاری رکھا۔ جب نماز سے فارغ ہُوئے تو زید بن خالد نے کہا۔ اَے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم میں یہ دو رکعتیں ہرگز ترک نہیں کروں گا۔ کیوں کہ مَیں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر اُن کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اَے زید بن خالد! اگر مجھے یہ خدشہ دامنگیر نہ ہوتا کہ لوگ ان کو رات تک نماز کو جاری رکھنے کا ذریعہ بنا لیں گے تو میں ان کی وجہ سے لوگوں کو نہ مارتا۔ (مجمع الزوائد ۲ : ۲۲۳) مُصنّف عبد الرزاق ۲ : ۴۳۱)۔

یہ نصِّ جلی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد آفتاب کے زرد پڑنے اور غروبِ آفتاب کے قریب ہونے تک نوافل ادا کرنے کو جائز تصوّر کرتے تھے۔

ہم نے بسندِ صحیح از شُعبہ، از ابو جمرہ نصر بن عمران الضُّبعی روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما نے کہا، مَیں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر پیٹا کرتے تھے پھر ابنِ عباسؓ نے کہا اگر تم چاہو تو عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک نماز پڑھ سکتے ہو (مُصنّف عبد الرزاق ۲ : ۴۳۳)۔

حافظ ابنِ حزم فرماتے ہیں ہمارے مخالفین اُس صحابی کے بارے میں جو حدیث کو روایت کرکے اُس کی مخالفت کرے کہتے ہیں کہ اگر انہیں اُس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوتا تو اُس کی مخالفت نہ کرتے۔ لازماً انہیں یہاں بھی وہی بات کہنی چاہیے کہ اگر ابنِ عباسؓ کے پاس حضرت عمرؓ کے فعل سے مضبوط تر علم نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کے موقف کی مخالفت نہ کرتے۔

اِسی قسم کی ایک روایت بطریق شُعبہ، از ابو شُعَیب، از طاؤس بھی منقول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں انہوں نے یُوں کیوں نہ کہہ دیا کہ اگر عبد اللہ بن عمرؓ ایسا زائد علم نہ رکھتے ہوتے جو اُن کے والد کے فعل سے پختہ تر تھا تو ہرگز اپنے والد کی مخالفت نہ کرتے؛ ہم نے عبد الرزّاق سے روایت کیا ہے۔ وہ ابنِ جُریج سے وہ

---

[1] مجھے اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ ابو سعید اور اس کا شیخ السائب کون لوگ ہیں؟

عطاء بن ابی رباح سے نقل کرتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ و اُمّ سلمہؓ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۳۰)

اسی طرح ہم نے حماد بن سلمہ اور ہشام بن عُروہ سے روایت کیا ہے، حماد عطاء ابن السائب سے وہ سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ عصر کے بعد کھڑی ہو کر دو رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ اور اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ بیٹھ کر چار رکعت ادا کیا کرتی تھیں۔ جب حضرت میمونہؓ سے اس ضمن میں سوال کیا گیا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں فرمایا وہ نوجوان ہیں اور میں بوڑھی ہوں۔ اس لیے میں (بیٹھ کر) ان کی دو رکعت کے عوض چار رکعت پڑھ لیتی ہوں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہیں جو اُمّ سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اُن سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بھی یہ رکعتیں پڑھ لیا کریں؟ فرمایا "نہیں"۔

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زُبیرؓ اور عبداللہ بن زُبیر عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۳۵۳)

ہم نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔ وہ معمر سے وہ ہشام بن عُروہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مسجد حرام میں عبداللہ بن زُبیرؓ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہم اُن کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھتے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۳۴)

و نیز عبدالرزاق معمر سے وہ زُہری سے وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ المُنکدِر نے عصر کے بعد نوافل ادا کیے تو حضرت عمرؓ نے انہیں پیٹا۔ (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۲۸)

ابن حزمؒ فرماتے ہیں: المنکدر اور السائب دونوں رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی تھے۔

و نیز عبدالرزاق معمر سے وہ ابن طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو نفل پڑھنا ترک کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی تو پھر پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوایوبؓ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا حضرت عمرؓ ان کی وجہ سے لوگوں کو پیٹا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۳۳)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ عصر کے بعد

نماز پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ہم نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کیا ہے وہ شعبہ و سفیان دونوں سے وہ ابواسحاق السبیعی سے وہ عاصم بن ضمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک سفر میں عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اپنے خیمہ میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۴)

نیز محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے وہ ابواسحاق سبیعی سے روایت کرتے ہیں کہ ''میں نے ابو جحیفہ سے عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا ''یہ دو رکعتیں اگر فائدہ نہیں دیں گی تو نقصان بھی نہیں پہنچائیں گی۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۳)

و نیز یحییٰ بن سعید القطان شعبہ سے روایت کرتے ہیں، وہ یزید بن خُمیر سے وہ عبداللہ بن یزید سے وہ جبیر بن نُفیر سے، کہا، حضرت عمرؓ نے عُمیر بن سعد کو خط لکھ کر انہیں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے سے منع کیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا ''میں تو ان کو کبھی ترک نہیں کروں گا، جو غصّے سے پھٹنا چاہے پھٹ جائے۔

و نیز حمّاد بن زید، انس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''میں حضرت انسؓ بن مالک کے ساتھ ان کی اراضی کی طرف گیا جو بذق نامی جگہ میں پندرہ میل کے فاصلہ پر تھی۔ اسی دوران عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ حضرت انسؓ نے کشتی پر ایک گدیلہ تھا اُس پر بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھائی پھر سلام پھیر دیا، پھر دو رکعتیں اور پڑھائیں۔

و نیز یزید بن ہارون سے روایت ہے۔ وہ عمّار بن ابی مُعاویہ الدھنی سے، وہ ابوشعبہ التیمی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز کے بعد طواف کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ (البیہقی ۲: ۴۶۳)

و نیز عبدالرحمٰن بن مہدی، سُفیان ثوری سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مؤذّن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے صرف غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا (مجمع الزوائد ۲: ۲۲۶)

و نیز عبدالرزاق مَعمر سے روایت کرتے ہیں، وہ ابواسحاق سبیعی سے، وہ ابوالاحوص سے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''ایک زمانہ آئے گا جس میں خطیب زیادہ اور علماء کم ہوں گے۔ طویل خطبہ دیا کریں گے اور نماز تاخیر سے ادا کریں گے۔ حتیٰ کہ

کہا جائے گا" موت سے ہم گھٹنے کا وقت آگیا" میں نے عرض کی اس کا کیا مطلب ؟ کہنے لگے جب آفتاب بہت ہی زرد پڑ جاتا ہے تم میں سے کوئی شخص جب یہ زمانہ پائے تو وقت پر نماز ادا کر لیا کرے۔ بعد ازاں ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرے۔ جو نماز اس نے تنہا پڑھی ہے اسے فرض قرار دے، اور جو اُن کے ساتھ پڑھی ہے اس کو نفل تصور کرے۔ (مصنّف عبدالرزاق ۲: ۳۴۲)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، ام المؤمنین عائشہؓ، اُم سلمہؓ، میمونہؓ، عبداللہؓ بن زبیر اور دیگر صحابہ جو موجود تھے، نیز تمیم الداریؓ، المنکدرؓ، زیدؓ بن خالد الجہنی، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابوجحیفہ، ابوالدرداء، انسؓ، حسنؓ بن علی، بلالؓ، طارقؓ بن شہاب، ابن مسعودؓ، نعمان بن بشیر اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر موجود ہیں۔ اب بتائیے باقی کون رہا جو ان میں شامل نہیں ہے؟

ان کے خلاف صحابہ سے کوئی روایت منقول نہیں۔ البتہ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب صحابی کسی ضمن میں کہے کہ یہ آنحضورؐ کا خاصہ ہے، جب کہ دیگر صحابہ اسے عام قرار دیں تو اسے عام ہی تصور کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کی خصوصیت کسی نص صحیح سے ثابت ہو جائے ظاہر ہے کہ وہ موجود نہیں۔ دوسری روایت حضرت معاویہؓ سے منقول ہے جس میں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے سے منع تو نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ مذکور ہے کہ لوگ عہدِ رسالت میں عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک اور ضعیف روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسلاً منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

- - - - کہ جس بات کو حضرت عمرؓ ناپسند کرتے تھے میں بھی اسے ناپسندیدہ تصور کرتا ہوں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی اباحت منقول ہے۔ ابوبکرؓ کے نزدیک آفتاب پر زردی چھا جانے کے بعد ہر قسم کی نماز ممنوع ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بکثرت تابعین جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا عصر کے بعد دو رکعتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ان میں سے ہشام بن عُروہ اور انس بن سیرین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن طاؤس سے کہ میرے والد عصر کے بعد دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا کرتے تھے۔ (مصنّف عبدالرزاق ۲: ۴۳۳)

حمّاد بن سلمہ، یعلیٰ بن عطاء سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یزید بن طلق سے کہ عبدالرحمٰن بن بَیلمانی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابراہیم بن مَیسرہ سے کہ طاؤس نے اُن کی موجودگی میں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں پھر ابراہیم سے دریافت کیا کیا تم عصر کے بعد نماز پڑھتے ہو؟ میں نے کہا "جی ہاں!" کہنے لگے" اللہ کی قسم تم بہت اچھا کرتے ہو"۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۳۳)

یحیٰی بن سعید القطّان شعبہ سے روایت کرتے ہیں، وہ اَشعث بن ابی الشعثاء سے (جن کا نام اَشعث بن سلیم ہے) وہ کہتے ہیں میں اپنے والد، عمرو بن میمون، اَسود، مسروق اور ابو وائل کے ہمراہ سفر پہ روانہ ہوا۔ یہ سب لوگ ظہر و عصر کے بعد دو دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۵۲)

محمد بن جعفر غُندر شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو اسحاق سَبیعی سے کہ میں نے قاضی شُریح کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا (مُصنّف ابن ابی شیبہ نے دوسری سند سے ۲: ۳۵ میں روایت کیا ہے)

محمد بن المثنّیٰ، معاذ بن معاذ العنبری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے قتادہ سے سُن کر بتایا کہ سعید بن المسیّب عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

محمد بن المثنّیٰ ابو عاصم النبیل سے روایت کرتے ہیں وہ عمر بن سعید سے، کہ میں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر کو عصر کے بعد طواف کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے دیکھا۔ حسن سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

یہ دیکھیے ہشّام بن عُروہ، انس بن سیرین، طاؤس، عبدالرحمٰن بن بَیلمانی، ابراہیم بن مَیسرہ، ابو الشّعثاء اور ان کا بیٹا اَشعث، عمرو بن میمون، مسروق، اَسود، ابو وائل، قاضی شُریح، سعید بن المُسیّب، قاسم بن محمد اور دیگر اہلِ علم مثلاً عبداللہ بن ابو ہُذیل، ابو بُردہ بن ابو موسیٰ، عبدالرحمٰن بن اَسود، احنف بن قَیس، ابو خیثمہ اور ابو ایّوب ہاشمی سب اسی کے قائل ہیں۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے۔

۲۸۶۔ قضا کی ادائیگی میں دانستہ تاخیر جائز نہیں

جو فرضی نماز بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے رہ گئی ہو اُس میں دانستہ تاخیر جائز نہیں۔ جب آفتاب زرد پڑ جائے تو دانستہ نفل ادا کرنا جائز نہیں۔ غروبِ آفتاب کے بعد ادا کیے جائیں جب آفتاب دوپہر کے وقت ٹھیک سر پر ہو اُس وقت نماز جائز نہیں حتیٰ کہ آفتاب ڈھل جائے۔ نماز فجر سے سلام پھیرنے

کے بعد نماز جائز نہیں حتیٰ کہ آفتاب صاف اور سفید پڑ جائے۔ البتہ بھول جانے یا سو جانے سے جو نماز رہ گئی ہو وہ ان اوقات میں ادا کی جا سکتی ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل۔ ان اوقات (سہ گانہ) میں نمازِ جنازہ، استسقاء، صلوٰۃ الکسوف اور تحیۃ المسجد ادا کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان اوقات میں سے کسی وقت میں نماز کے لیے وضو کرے تو اس کے ساتھ نوافل ادا کر سکتا ہے۔ البتہ یہ بات جائز نہیں کہ کوئی شخص دانستہ یاد ہونے کے باوجود ان نمازوں کو ترک کر دے حتیٰ کہ یہ اوقات شروع ہو جائیں۔ جو شخص ایسا کرے اس کی یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں ارادۃً نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

طلوعِ فجر کے بعد اگر کسی شخص نے نمازِ فجر ادا نہ کی ہو تو وہ حسب منشا نوافل ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد اور نماز مغرب کی ادائیگی سے قبل بھی نوافل جائز ہیں۔ ہم جو کچھ قبل ازیں بیان کر چکے ہیں داؤد (ظاہری) اس سے متفق ہیں۔ البتہ وہ کہتے ہیں کہ نمازِ عصر کے بعد کہ غروبِ آفتاب کے ابتداء نوافل ادا کرنا جائز ہے۔ اس ضمن میں جو نہی وارد ہوئی تھی منسوخ ہو چکی ہے۔

حنفی مسلک

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی طرح بھی نہ تو فوت شدہ فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں نہ غیر فوت شدہ اور نہ ہی نوافل۔

وہ اوقاتِ ثلاثہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) آفتاب کی ٹکیہ نمودار ہونے سے اس کے سفید اور صاف ہونے تک۔

(۲) آفتاب کے سر پر آنے سے لے کر زوال تک بجز روزِ جمعہ کے۔ اس لیے کہ جو شخص اس وقت جامع مسجد میں آئے وہ نماز ادا کر سکتا ہے۔

(۳) آفتاب کے مائل الی الغروب ہونے سے لے کر پوری طرح غروب ہونے تک۔ البتہ اُس روز کی عصر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ وہ غروبِ آفتاب کے وقت، غروب سے پہلے اور اس کے بعد ادا کی جا سکتی ہے۔ ان اوقات میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر ادا کرے تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کے فرائض، نمازِ جنازہ اور سجدہ ہائے تلاوت ادا کیے جا سکتے ہیں

مگر ان میں نوافل، طواف کے بعد کی دو رکعتیں اور وہ نماز جس کی نذر مانی گئی ہو ادا کرنا جائز نہیں۔ وہ تین اوقات یہ ہیں :-

۱۔طلوعِ فجرِ ثانی سے لے کر نمازِ فجر ادا کرنے تک۔ البتہ نمازِ فجر کی دو سنتیں ادا کرنا جائز ہے۔

۲۔نمازِ عصر کے بعد سے لے کر، آفتاب کے مائل الی الغروب ہونے تک۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفتاب کے زرد پڑ جانے پر سجدہ ہائے تلاوت اور نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔

۳۔غروبِ آفتاب سے لے کر نمازِ مغرب ادا کرنے تک۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوتھا مکروہ وقت وہ ہے جب کوئی شخص جمعہ کے روز مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو شخص صبح کی نماز کا آغاز کرے، جب وہ نماز کا تھوڑا یا بہت حصہ ادا کرلے تو آفتاب نمودار ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اور اگر کوئی شخص تشہّد کے لیے اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر تشہّد میں بیٹھا جاتا ہے، اس کے بعد آفتاب کی ٹکیہ نمودار ہونے لگے، اور ابھی اُس نے سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ اور اگر اس حالت میں کھلکھلا کر ہنس پڑے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر بقدرِ تشہّد بیٹھنے اور سلام پھیرنے سے قبل وہ دانستہ یا نادانستہ اپنا وضو توڑ دے، یا دانستہ و نادانستہ گفتگو کرنے لگ جائے تو اس کی نماز مکمّل ہو جائے گی۔ اس حالت میں قہقہہ لگانے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

قاضی ابویوسفؒ اور محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر طلوعِ آفتاب سے پہلے بقدرِ تشہّد بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ اگر کسی شخص نے عصر کی نماز شروع کی، اور اس کا کچھ حصہ ادا کیا، خواہ وہ تکبیر ہی کیوں نہ ہو، یا زیادہ حصّہ ادا کیا اور آفتاب یا اس کا کچھ حصّہ ڈوب گیا تو نماز کو جاری رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے نمازِ فجر کی سنّتیں اپنے گھر میں ادا کیں اور پھر مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور رکعتیں دوبارہ ادا نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب کے بعد مسجد میں آیا تو کھڑا ہو کر اقامت کا انتظار کرے، نہ بیٹھے اور نہ نماز پڑھے۔ ابویوسفؒ کہتے ہیں بیٹھ جائے مگر نماز نہ پڑھے۔

مالکیہ امام مالکؒ کہتے ہیں ان تمام اوقات میں بھولے ہوئے یا چھوٹے ہوئے تمام فرائض ادا کر سکتا ہے۔ نمازِ فجر کے بعد اس وقت تک نوافل ادا نہ کیے جائیں جب تک آفتاب نمودار ہو کر صاف اور سفید نہ ہو جائے۔ اسی طرح نمازِ عصر کے بعد آفتاب غروب ہونے تک کوئی نماز ادا نہ کی جائے۔ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب ادا کرنے سے پہلے بھی کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔ اس وقت جو شخص مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے۔ طلوعِ فجر کے بعد صرف نمازِ فجر کی دو سنتیں پڑھی جائیں، دیگر نوافل نہ پڑھے جائیں۔ البتہ اگر کسی شخص پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہو اور وہ نمازِ تہجد رات کو ادا نہ کر سکا ہو تو وہ طلوعِ فجر کے بعد اور نمازِ فجر سے پہلے اسے ادا کر سکتا ہے۔ جو شخص فجر کی سنتیں اپنے گھر میں ادا کر کے مسجد میں آئے تو اگر چاہے دو رکعت پڑھ لے اگر چاہے بیٹھا رہے اور نماز نہ پڑھے۔ امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر وہ سنتیں پڑھ چکا ہو تو بیٹھا رہے اور دوبارہ نہ پڑھے۔

دوپہر کے وقت جب آفتاب سر پر ہو امام مالکؒ کے نزدیک نوافل ادا کرنا جائز ہے اور مکروہ نہیں آپ کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد اچھی طرح روشنی ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ جائز ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک نمازِ عصر کے بعد آفتاب زرد ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ جائز ہے۔ سجدہ ہائے تلاوت کے بارے میں اُن سے دو قول مروی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد جب تک آفتاب اچھی طرح روشن نہ ہو سجدہ جائز نہیں۔ اسی طرح عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد آفتاب کے روشن ہونے سے پہلے اور نمازِ عصر کے بعد آفتاب زرد پڑنے سے پہلے سجدۂ تلاوت جائز ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں جو شخص ان آیات کی تلاوت اوقاتِ ممنوعہ میں کرے اُسے چاہیے کہ آیتِ سجدہ کو چھوڑ کر اگلی پچھلی آیتوں کو باہم ملا دے۔

شافعیہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان اوقات میں فوت شدہ فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح تمام مامور بہا نوافل بھی ادا کرنا درست ہے۔ ممنوع بات یہ ہے کہ ان اوقات میں نوافل کا آغاز نہ کیا جائے۔ البتہ یوم الجمعہ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے کہ جمعہ کے روز اور مکہ میں ان تمام اوقات میں نوافل کا ادا کرنا جائز ہے۔

امام ابن حزم ان مسالک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ نے اس ضمن میں جو تقسیم کی ہے وہ فاسد اور متناقض دعاوی پر مبنی ہے۔ کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اقوالِ صحابہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں"

علیٰ ہذا القیاس امام مالکؒ کے اقوال بھی دلیل و برہان سے عاری ہیں۔ خصوصاً آپ کا یہ قول کہ آیتِ سجدہ کو تلاوت کے وقت ساقط کر دیا جائے۔ یہ نظمِ قرآن کو بگاڑنے والی بات ہے۔ یہ ایسا قول ہے جو علماءِ سلف میں کسی سے منقول نہیں۔ اسی طرح دوپہر کے وقت کو جب آفتاب سر پہ ہوتا ہے اوقاتِ ممنوعہ سے خارج کرنا بھی احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ ان احادیث کا کوئی معارض نہیں۔

امامِ شافعیؒ نے مکہ مکرمہ اور دیگر دیار و بلاد اور یوم الجمعہ اور دیگر ایام کے مابین جو تفریق کی ہے وہ دو ضعیف آثار پر مبنی ہے جن کو ہم نے روایت کیا ہے۔ ایک قول میں ہے کہ ان اوقات میں نماز ممنوع ہے بجز مکہ کے، اور دوسرے میں ہے کہ یوم الجمعہ نماز کے لیے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں آثار ساقط الاحتجاج ہیں، ائمۂ حدیث میں سے کسی نے بھی ان کو روایت نہیں کیا۔ لہٰذا ایسے آثار کو نظر انداز کر کے احادیثِ صحیحہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ کوشش یہ کی جائے کہ یا تو جملہ احادیث کو معمول بہا بنایا جائے یا ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دینے کے دلائل کو جانچا پرکھا جائے جیسا کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔[1]

---

[1] مکہ کی تخصیص پر مشتمل حدیث کو بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۱) نے بطریق شافعی از عبداللہ بن المؤمل از حمید مولیٰ عفراء از قیس بن سعد از مجاہد از ابوذر روایت کیا ہے۔ دوسری روایت بطریق ابراہیم بن طہمان از حمید از عبداللہ المؤمل منقول ہے جو ضعیف ہے۔ ابن طہمان کی متابعت سے اس حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے بیہقی نے اس حدیث کو اس کے راوی حمید الاعرج کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ثقہ راوی نہیں ہے۔ ابن الترکمانی نے بیہقی پر یہ گرفت کی ہے کہ حمید کو منکر الحدیث، اور وضاع قرار دینا سخت غلطی ہے۔ اس لیے کہ وہ حمید الاعرج کوفہ کا قصہ گو ہے جس کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں جو حمید ہے وہ ابن قیس الاعرج المکی ابوصفوان مولیٰ عفراء ہے جو کہ ثقہ راوی ہے۔ بخاری و مسلم نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حدیث میں جو علت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اس لیے کہ مجاہد کا سماع ابوذر سے ثابت نہیں جیسا کہ بیہقیؒ نے

۳۶۱- ابن حزمؒ کہتے ہیں، ہم نے [ہمام سے روایت کیا، وہ عباس بن اصبغ سے، وہ محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، وہ عبداللہ بن احمد بن حنبل سے، وہ اپنے والد سے وہ عفان بن مسلم سے وہ ہمام بن یحییٰ سے، وہ قتادہ سے وہ ابوالعالیہ سے، وہ] حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ چند پسندیدہ آدمیوں نے میرے پاس شہادت دی جن میں پسندیدہ تر حضرت عمرؓ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں۔ ایک تو نماز فجر کے بعد حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو اور دوسرے عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو" (مسند امام احمد ۱: ۳۹)

ہم نے اس حدیث کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ چونکہ یہ سند صحیح ہے اس لیے ایک سند پر اکتفا کیا۔ اس کی جملہ اسانید صحیح ہیں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی سب نے اس کو کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے)

۳۶۲- [ہم نے روایت کی، عبداللہ بن یوسف سے، وہ احمد بن فتح سے وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے وہ مسلم بن الحجاج سے وہ یحییٰ بن یحییٰ سے وہ عبداللہ بن وہب سے وہ موسیٰ بن علی بن رباح سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ] میں نے حضرت عقبہ بن عامر الجہنی کو یہ کہتے سنا کہ تین اوقات ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (۱) جب کہ آفتاب نمودار ہو حتیٰ کہ بلند ہو جائے (۲) دوپہر کے وقت جب کہ سورج سر پر ہو جب تک ڈھل نہ جائے (۳) جب آفتاب مائل الی الغروب ہو حتیٰ کہ ڈوب جائے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الجنائز اور نسائی کتاب الصلوٰۃ و کتاب الجنائز اور بیہقی ۲: ۴۵۴)

کہا ہے کہ ابن الترکمانی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ابوذر سے نقل ہو کر ہم تک یہ بات پہنچی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

باقی رہا دوسرا اثر جس میں مذکور ہے کہ یوم الجمعہ نماز کے لیے مخصوص ہے تو میں نے اس کو مرفوع نہیں پایا۔ بلکہ یہ حسن کا قول ہے جس کو بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے اس موضوع سے متعلق کچھ اور احادیث نقل کی ہیں جو سب کی سب ضعیف ہیں صرف پہلا قول صحیح ہے مگر اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

ہم نے یہ اوقات الصُنابحی اور دیگر رُواۃ و رجال سے بھی نقل کیے ہیں۔

۳۶۳۔ [ہم نے اس حدیث کو روایت کیا عبداللہ بن ربیع سے، وہ عمر بن عبدالملک الخولانی سے، وہ محمد بن بکر سے، وہ ابوداؤد سجستانی سے، وہ ربیع بن نافع سے جس کی کنیت ابوتوبہ ہے، وہ محمد بن مُہاجر سے، وہ عبّاس بن سالم سے، وہ ابوسلام سے، وہ ابواُمامہ باہلی سے، وہ عمرو بن عَبَسہ السُّلَمی سے] وہ کہتے ہیں مَیں نے عرض کی یا رسُول اللہ! رات کے کس حصّے میں دُعا قبول کی جاتی ہے؟ فرمایا "رات کا آخری نصف"۔ جتنی نماز چاہو پڑھو۔ اس نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ صبح کی نماز ادا کر کے فارغ ہو جاؤ۔ پھر نماز سے رُک جاؤ حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو کر ایک یا دو نیزے کے برابر بلند ہو جائے۔ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور کفّار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر جتنی نماز چاہو پڑھو وہ نماز مقبول ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ نیزے کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ اس وقت جہنم کو گرم کیا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جب آفتاب ڈھل جائے تو جتنی نماز چاہو پڑھو۔ وہ نماز مقبول ہو گی اور اس کو لینے کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھ کر رُک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور کفّار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر طویل حدیث ذکر کی (ابوداؤد، کتابُ الصّلوٰۃ اور ترمذی کتاب الدعوات)۔

ہم نے متعدد طُرق سے بطریق مالک از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از عبداللہ الصنابحی، روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے۔ جب آفتاب بلند ہوتا ہے تو سینگ الگ ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب سر پر ہوتا ہے تو سینگ پھر اس کے قریب آ جاتا ہے جب آفتاب ڈھلتا ہے تو سینگ جُدا ہو جاتا ہے جب آفتاب ڈوبنے کو ہوتا ہے تو سینگ اس کے قریب آ جاتا ہے اور جب ڈوب جاتا ہے تو سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے (ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا)" (زرقانی شرح موطا مالک ۲: ۵۰۴، والتمہید ۴: ۱، نسائی، ابن ماجہ الصّلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں حیرت ہے کہ مالکیہ اس حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کے شیخ سے مروی ہے، ان آثار و احادیث کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ وہ ان کی بنا پر ان اوقات میں نماز کو بالکل جائز تصوّر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم نے بطریقِ محمد بن جعفر از شُعبہ از عاصم بن سلیمان الاحول از بکر بن عبداللہ المزنی روایت کی ہے کہ ابوبکرہؓ اپنے ایک باغ میں تھے۔ سو جانے کی وجہ سے وہ عصر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ جب بیدار ہوئے تو سُورج زرد پڑ چکا تھا۔

جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے عصر کی نماز ادا کی۔

مزید برآں ہم نے بطریق عبدالرزاق از معمر و سفیان ثوری از ایوب سختیانی از محمد بن سیرین، روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ ان کے یہاں ایک باغ میں آتے اور سو جانے کی وجہ سے نماز عصر ادا نہ کر سکے پھر انہوں نے وضو کیا اور جب سورج غروب ہو گیا تو نماز عصر ادا کی (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۳-۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۶۶)

ہم نے اسی سند کے ساتھ سفیان ثوری سے روایت کی ہے وہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کعب بن عجرہ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سوئے رہے اور نماز فجر ادا نہ کر سکے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو کعب بن عجرہ نے مجھے آواز دے کر بٹھا لیا۔ جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو مجھے کہنے لگے "اٹھ کر نماز ادا کرو۔"

(مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۶۶)

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی و ابو عامر عقدی از سفیان ثوری از زبید بن جبیر از ابو البختری[1] روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دوپہر کو نماز پڑھنے والے کو پیٹا کرتے تھے۔

ابو البختری حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے رفیق تھے۔

بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ان اوقات میں فوت شدہ نمازیں ادا کرنا جائز ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نماز فجر ادا کر رہا ہو اور آفتاب طلوع ہو جائے تو وہ اسے جاری رکھے۔ اسی طرح غروب آفتاب کے وقت نماز ادا کر رہا ہو تو نماز کو منقطع نہ کرے۔ ان کے نزدیک ان اوقات میں ایسی نفلی نماز ادا کی جا سکتی ہے شرعاً

---

[1] ابو البختری کا اسم گرامی سعید بن فیروز ہے۔ یہ تابعی تھے اور بعض صحابہ سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ بکثرت صحابہ سے انہوں نے مرسلاً روایت کی ہے۔ دیکھیے طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۴۔ ابن حجر التہذیب میں لکھتے ہیں "انہوں نے حضرت عمرؓ، علی، حذیفہ، سلمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کی ہے" ابن معین کہتے ہیں "انہوں نے حضرت علیؓ سے کچھ نہیں سنا۔ ابن المدینی، ابو زرعہ اور شعبہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۷، ۲۸) شاید ابن حزم نے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے ان کی بعض روایتوں کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ ان کے رفقاء میں سے ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

جس کا حکم دیا گیا ہو۔

انہوں نے اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جو یہ ہیں

۳۴۶۔ [عبداللہ بن ربیع نے سنائی۔ انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شُعَیب سے، انہوں نے حُمَید بن مسعدہ سے، انہوں نے یزید بن زُریع سے، انہوں نے حجاج احول سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے] اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اُس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو نماز پڑھے بغیر سو جاتے یا اُس سے غفلت کرے۔ فرمایا اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آجاتے تو ادا کرلے (نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)

اور اسی سند کے ساتھ احمد بن شُعَیب تک [وہ قُتَیبہ بن سعید سے وہ حماد بن زید سے وہ ثابت البنانی سے وہ عبداللہ بن رَباح سے، وہ] ابو قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، نیند کی حالت میں کوئی کوتاہی نہیں۔ کوتاہی صرف بیداری کی حالت میں ہے تم میں سے کوئی شخص جب نماز کو بھول جاتے یا سو جانے کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو جب یاد آتے اسے ادا کرلے" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتابُ الصّلوٰۃ)

حضورؐ کا یہ حکم عام ہے۔ اس میں فرضی یا نفلی سب نمازیں شامل ہیں۔ قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صلوٰۃ الکسوف، دو رکعت تحیّۃ المسجد، نماز جنازہ اور دیگر نفلی نمازوں کا حکم دیا تھا۔

سلف کی ایک جماعت اسی پر گامزن ہے جیسا کہ ہم نے بطریق (عبدالرزاق از مَعمر از قتادہ) روایت کیا ہے کہ مِسوَر بن مَخرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے یہاں آتے اور ان کو حدیثیں سنانے لگے ابن عباسؓ سو گئے اور مِسوَر چپکے سے چلے گئے۔ ابن عباسؓ جب بیدار ہوئے تو صبح ہو چکی تھی۔ اپنے غلام سے کہنے لگے بتائیے کیا میں سُورج نکلنے سے پیشتر نماز عشاء کے چار فرض، تین وتر، صبح کی دو سُنّتیں اور ایک رکعت پڑھ سکتا ہوں؟ اُس نے کہا جی ہاں! چنانچہ آپ نے یہ نماز ادا کی۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۵۸۵)

اسی سند کے ساتھ عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عطاء بن ابی رَباح سے وہ عطاء بن یَحنَس سے کہ انہوں نے ابوہریرہؓ کو فرماتے سُنا "اگر تمہیں نماز فجر کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت ادا کرنے میں عُجلت سے کام لیجیے۔ اگر تم طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لو تو دوسری کی تکمیل میں جلدی مت کرو" (مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۵۸۶)

اسی سند کے عبدالرزاق تک - وہ معمر سے روایت کرتے ہیں - وہ زہری سے اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے - وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی - آپ نے سورۃ البقرہ شروع کی اور اسے دو رکعتوں میں مکمل کیا - جب ابوبکرؓ فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا تمہارے سلام پھیرنے سے پہلے آفتاب طلوع ہونے والا تھا - کہنے لگے " اگر آفتاب طلوع ہو بھی جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا " (بیہقی ۱ : ۳۷۹)

اسی سند کے ساتھ معمر نے عاصم بن سلیمان سے اُس نے ابوعثمان النہدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی - جب فارغ ہوئے تو ہر شخص کو اس بات کا احساس ہوا کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے - ان سے کہا گیا آپ ایسے وقت میں فارغ ہوئے ہیں جب آفتاب طلوع ہونے والا ہے - فرمایا اگر سورج طلوع ہو بھی جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا - (بیہقی ۱ : ۳۷۹)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، یہ صحیح السند نصِ جلی ہے اس مسئلہ میں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب و رفقاء نماز فجر میں طلوعِ آفتاب کو نماز کا قاطع تصوّر نہیں کرتے تھے -

حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے جمعہ کے روز غسل کیوں نہیں کیا - حیرت ہے کہ حنفیہ اس کو جمعہ کے روز سقوطِ غسل کی دلیل ٹھہراتے ہیں - حالانکہ حضرت عمرؓ کا اعتراض جمعہ کے روز وجوبِ غسل کی دلیل ہے - پھر حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے نماز فجر کی حالت میں طلوعِ آفتاب کو جو نماز کا قاطع تصوّر نہیں کیا حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے - بلکہ اس ضمن میں صحابہ سے جو کچھ بھی مروی ہے وہ اس کو حجت نہیں گردانتے - صحابہ میں مجوّزین بھی ہیں اور مانعین بھی - ابوبکرؓ نے نمازِ عصر کو جو غروبِ آفتاب تک مؤخر کیا تھا وہ اس کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں - ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ بعض صحابہ نمازِ عصر کے بعد نفل ادا کرنے کو جائز تصوّر کرتے ہیں - اور بعض جماعت کے ساتھ اعادہ کا حکم دیتے اور سورج کے زرد پڑنے تک نماز کی اجازت دیتے ہیں - لہٰذا میں ان مسائل کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا -

ہم نے بطریقِ سفیان ثوری از مغیرہ بن مقسم از ابراہیم نخعی اس نماز کے بارے میں روایت کیا ہے جو بھول گئی ہو فرمایا جب یاد آئے تو ادا کرلے، خواہ وہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو عطاء، طاؤس اور دیگر اہلِ علم سے بھی اسی طرح منقول ہے (مصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۶۵ میں اس سے ملتی ہوئی روایت ہے)

ہم نے بطریقِ یحییٰ بن سعید قطان شعبہ سے روایت کی ہے۔ وہ موسیٰ بن عُقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے سُنا کہ ان کے والد (عبداللہ بن عمرؓ) نمازِ عصر اور فجر کے بعد طواف کیا کرتے تھے پھر طلوعِ آفتاب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ موسیٰ بن عُقبہ کہتے ہیں نافع اس کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ مَیں نے ان کو سالم کی یہ حدیث سنائی تو نافع نے کہا "سالم میرے پیش رَو اور مجھ سے بڑے عالم ہیں"۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۵ ص ۶۲ و ۶۳ میں یہی روایت قدرے اختلاف سے موجود ہے)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ نافع نے اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیز یہ کہ موسیٰ بن عُقبہ کا موقف بھی یہی ہے۔

ابنِ حزمؒ مزید کہتے ہیں ان اہلِ علم نے امر پر مبنی احادیث کو نہی کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں ان اوقات میں نماز سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ضروری نماز ہو جس کا حکم تمہیں دیا گیا ہو تو اس کو ان اوقات میں یا ان کے علاوہ ادا کر لو۔ دیگر علماء کہتے ہیں ان نمازوں کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ جن اوقات میں نماز سے منع کیا گیا ہے ان میں نماز ادا نہ کیا کرو۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جب دونوں طرح عمل کرنے کا امکان موجود ہے تو ایک عمل دوسرے سے افضل نہ ہو گا۔ اِلّا یہ کہ اُس کی کوئی دلیل موجود ہو۔ جب ہم نے تلاش کیا تو یہ دلیل ملی۔

۲۶۵۔ [ہمیں عبداللہ بن یوسف نے بتایا۔ اُس نے احمد بن فتح سے اُس نے عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، اُس نے احمد بن محمد سے اس نے احمد بن علی سے، اُس نے مسلم بن حجاج سے، اس نے یحییٰ بن یحییٰ سے، اُس نے مالک سے، اُس نے زید بن اسلم سے، اُس نے عطاء بن یسار سے اور بُسر بن سعید اور عبدالرحمٰن اعرج سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نمازِ فجر کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا کی اُس نے فجر کی نماز ادا کر لی۔ اور جس نے نمازِ عصر کی ایک رکعت غروبِ آفتاب سے پہلے ادا کر لی اُس نے عصر کو پا لیا"۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابنِ ماجہ نے اسے کتابُ الصّلوٰۃ میں روایت کیا ہے)

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ان اوقات میں نمازوں کی قضا فرض ہے۔ نیز یہ کہ یہ بات نہی سے مستثنیٰ ہے۔

اگر معترض کہے پھر تم یہ بات کیونکر کہتے ہو کہ جو شخص غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت سے کم پائے

اور طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت سے کم پاتے تو دونوں کو جاری رکھے اور ان کو مکمل کرلے؛ ہم کہتے ہیں کہ اوقات الصّلوٰۃ کے باب میں ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث ہے کہ نمازِ فجر کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک آفتاب کی کرن نمودار نہ ہو۔ اور نمازِ عصر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو (احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی)۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان الفاظ سے ان نمازوں کے آغاز کا وقت بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور انجام کا بھی۔

جب ہم نے اس حدیث پر غور کیا تو معلوم ہُوا کہ طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کا کچھ حصّہ باقی رہتا ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ عصر کا کچھ حصّہ باقی رہتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا مطلب اس حدیث میں ان دونوں نمازوں کے آغاز کا وقت بتانا ہے۔ گویا اِس حدیث سے اُس حدیث کے مضمون میں اضافہ ہوتا ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا" (یہ حدیث ابھی اُوپر گزری ہے) اور اضافے کا قبول کرنا واجب ہے۔ لہٰذا یہ بات نکھر کر سامنے آئی کہ اس حدیث میں امر نہی کے مقابلے میں راجح ہے۔

۳۶۶۔ دیگر اہلِ علم اِس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے [عبداللہ بن ربیع سے، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ ابن الاعرابی سے، وہ محمد بن اسماعیل صائغ سے، وہ عبداللہ بن یزید سے، وہ اسود بن شیبان سے، وہ خالد بن سُمیر[لہ]

لہ حافظ ابن حجر خالد بن سُمیر کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں: "ابنِ جریر طبری، ابن عبدالبرّ اور بیہقی نے اس سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں "کنّا فی جیش الامراء یعنی موتۃ والنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لم یحضرھا" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ موتہ میں حاضر نہ تھے"۔

ابُوداؤد نے بھی یہ جملہ اس حدیث میں روایت کیا ہے (ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۸-۱۶۹) طبری میں غزوۂ موتہ کا واقعہ بطریق خالد مذکور ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ حضورؐ اس میں موجود تھے (طبری، ج ۳ ص ۱۰۹) نیز مُسند احمد ج ۵، ص ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱۔ اس میں بھی آپؐ کی موجودگی کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ خالد کو اس حدیث میں وہم ہُوا ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ خالد نے ایک ہی روایت میں دو واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک موتہ کا واقعہ اور دوسرا نیند

سے، کہ عبداللہ بن رباح ہمارے یہاں مدینہ سے تشریف لائے] انصارِ مدینہ ان کو فقیہ کہتے تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں رسولِ کریمؐ کے شہسوار ابوقتادہؓ انصاری نے بتایا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمراء کا ایک لشکر بھیجا۔ آفتاب طلوع ہُوا تو ہم گھبرا کر نماز کے لیے بیدار ہوتے۔ حضورؐ نے فرمایا "ذرا ٹھہر جاتے حتیٰ کہ آفتاب اُونچا چڑھ آیا۔ آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے فجر کی دو سُنّتیں ادا کرلے۔ چنانچہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپؐ نے اذان کا حکم دیا، پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہُوئے تو فرمایا اللہ کا شکر ہے کسی دنیوی

کی وجہ سے نماز میں تاخیر کا قصّہ۔ جب راویوں نے اُن کے بیان کرنے میں اختصار سے کام لیا تو دونوں مِل جُل گئے۔ اور ایسے معلوم ہُوا گویا سو جانے کا واقعہ غزوۂ موتہ میں پیش آیا۔ حالانکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے وقت پیش آیا۔ چنانچہ ابوداؤد کے الفاظ اس کے مؤیّد ہیں۔ باقی ماندہ حدیث ابوداؤد میں یُوں ہے کہ "ہماری رُوحیں خدا کے قبضہ میں تھیں۔ اُس نے جب چاہا اُنہیں رہا کر دیا۔ تم میں سے جو شخص کل کو فجر کی نماز صحیح وقت پر پائے تو وہ اُس کے ساتھ ویسی ہی ایک نماز اور ادا کرلے۔ (سُنن بیہقی، ج ۲ ص ۲۱۶-۲۱۷) اِس آخری جملے میں اس کی علت بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمران بن حُصین کی صحیح روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ نے نماز سے فارغ ہو کر عرض کی یا رسُول اللہ! کیا کل ہم صحیح وقت پر اس کی قضا نہ دیں؟ فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے منع نہیں کرتا۔ اور اس نماز کو بھی تم سے قبول کرے گا۔" جیساکہ اگلی حدیث پر تبصرہ کرتے ہُوئے ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔

اس واقعہ کو چودہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ بکثرت صحابہؓ نے اس کو ابوقتادہؓ سے روایت کیا ہے مگر کل کو نماز ادا کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو راوی اس جملہ کو روایت کرنے میں منفرد ہے اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ پھر مجھے سُنن نسائی (ج ۱، ص ۱۰۱) میں یہ حدیث بطریق ثابت البنانی از عبداللہ بن رباح از ابوقتادہ ملی۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ جب طلوعِ آفتاب تک سوتے رہنے کی وجہ سے نماز فجر ادا نہ کرسکے تو آپ نے فرمایا "کل اس نماز کو وقت پر ادا کرنا۔" صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں "جو شخص ایسا کرے تو جب بیدار ہو نماز پڑھ لے۔ کل کو اسے اصلی وقت پر ادا کرے۔" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۹-۱۹۰) سُنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں "کل کو وقت پر ادا کرے۔" یعنی آپؐ نے حکم دیا کہ کل کو یہ نماز صحیح وقت پر ادا کریں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ خالد بن سُمیر نے یہ الفاظ سنے تو اس کا یہ مطلب سمجھا کہ کل کو اصلی نماز کے ساتھ اس نماز کا اعادہ کیا جائے۔ لہٰذا اُس نے حدیث کا جو مفہوم سمجھا تھا اس کے مطابق اسے روایت کیا۔ یہ احتمال اقرب الی القیاس ہے۔

مشغلہ نے ہم کو نماز سے نہیں روکا (تا آخر)

۳۶۷-(ہم کو احمد بن محمد بن الجسور نے حدیث سنائی۔ انہوں نے وَہب بن مَیسرہ سے انہوں نے ابن وضاح سے، انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، اُنہوں نے ابو اُسامہ سے، انہوں نے ہشام بن حسان سے، انہوں نے عمران بن حُصَین سے روایت کی) کہا ہم نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کا سفر کیا۔ پھر رات کے آخری حصّہ میں پڑاؤ کیا۔ جب ہم جاگے تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ ہم گھبرا کر وضو کرنے کے لیے دوڑے۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" آگے کوچ کیجیے"۔ چنانچہ ہم آگے چل پڑے۔ جب آفتاب بلند ہُوا تو ہم اُترے اور روزمرہ کی ضروریات سے فارغ ہُوئے۔ پھر ہم نے وضو کیا، پھر آپؐ نے بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان کہی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر بلالؓ نے تکبیر کہی اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی[1] (تا آخر)

---

[1] آگے چل کر ابن حزمؒ نے اس حدیث کو بطریق ابی داؤد مختصراً روایت کیا ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۲۱۷) نے اس حدیث کو بطریق مکی بن ابراہیم از ہشام روایت کیا ہے۔ دارقطنی (ص ۱۴۸) نے اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ایک بطریق روح بن عبادہ اور دوسرے بطریق ہشام تیسرے بروایتِ اعمش از اسماعیل از حسن۔ ابن حزمؒ نے اس کو الاحکام (ج ۷، ص ۱۰۸) میں بطریق ابن المدینی از عبدالاعلیٰ از ہشام روایت کیا ہے۔ سب کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ "ہم نے عرض کی یارسُول اللہ! کیا ہم کل کو بروقت نماز ادا نہ کریں؟ فرمایا" اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے منع نہیں کرتا اور اس نماز کو بھی قبول کرے گا" یہ "الاحکام" کے الفاظ ہیں ابن حزمؒ نے وہاں اس حدیث کو اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ حسن کے عمران سے سماع میں اختلاف واقع ہُوا ہے۔ البزار نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حسن کا سماع عمران سے ثابت ہے۔ حاکم نے بھی المستدرک (ج ۱، ص ۲۷۴) میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے بیان کیا کہ حسن کا سماع عمران سے ثابت ہے۔ الذہبیؒ نے بھی اپنے مختصر میں اس کی موافقت کی ہے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن حزمؒ آگے چل کر بذاتِ خود یونس کی روایت از حسن بن عمران سے استشہاد کرتے اور اس کو دیگر روایات کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ اندریں صورت ہمیں ابن حزمؒ سے اسی طرح کہنا چاہیے جس طرح وہ اپنے مخالفین سے کہتے ہیں کہ وہ صرف اس بات کو دیکھتے ہیں کہ آیا اس حدیث سے مسئلہ زیرِ بحث کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اُن کی اس بحث سے دوسرے مسئلہ میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔

۳۶۸-[ہمیں حمام نے حدیث سنائی - انھوں نے عباس بن اصبغ سے انہوں نے محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، انہوں نے ابن وضاح سے، انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے انہوں نے ہُشیم سے، انہوں نے حُصین سے، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے والد ابوقتادہؓ سے] روایت کی کہ ہم نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات سفر کیا۔ ہم نے عرض کی یا رسُول اللہ! اگر آپ رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ کریں تو کیا ہی اچھا ہو؟ فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ تم سو جاؤ اور نمازِ فجر ادا نہ کر سکو۔ ہمیں نماز کے لیے کون جگائے گا؟ بلالؓ نے عرض کی یا رسُول اللہ! میں آپؐ کو بیدار کروں گا۔ چنانچہ لوگوں نے پڑاؤ کیا۔ بلال ہودج کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے۔ جب رسُولِ کریم بیدار ہوتے تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "بلال تم کہاں رہے؟ عرض کی یا رسُول اللہ! مجھے اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھ پر آج تک نیند نے ایسا غلبہ نہیں کیا تھا۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا، تمہاری رُوحوں پر قبضہ کر لیا"۔ پھر آپؐ نے انہیں حکم دیا اور وہ اپنی حاجاتِ ضروریہ کے لیے (اِدھر اُدھر) چلے گئے۔ پھر وضو کیا، اس دوران سُورج اوپر چڑھ آیا۔ پھر آپؐ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری باب المواقیت ج ۱، ص ۸۷۔ کتاب التوحید، ج ۳، ص ۲۳۹۔ اس کو بیہقیؒ نے مختصراً روایت کیا ہے (ج ۱، ص ۴۰۳، نیز ج ۲، ص ۲۱۶)

۳۶۹-[ہمیں عبداللہ بن ربیع نے حدیث سنائی، انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شُعیب سے، انہوں نے علی بن حجر سے، انہوں نے اسماعیل بن جعفر سے، انہوں نے علاء بن عبدالرحمٰن سے] کہ وہ اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہاں بصرہ گئے۔ ان کا گھر مسجد کے قریب تھا۔ اُس وقت وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ جب ہم ان کے یہاں گئے تو انہوں نے پُوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھلی ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ ہم ابھی ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے ہیں حضرت انسؓ نے کہا "عصر پڑھ لیجیے"۔ ہم نے اُٹھ کر نماز ادا کی۔ جب ہم فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا میں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ "یہ منافقوں کی نماز ہے کہ بیٹھ کر عصر کا انتظار کرتا رہے۔ اور جب آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو تو اٹھ کر چار ٹھونگے مارے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرے۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مؤطا کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۰-ہم نے اس حدیث کو [بطریق مالک از علاء بن عبدالرحمٰن از انسؓ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ یہ منافقوں کی نماز ہے۔ ان میں سے ایک شخص بیٹھا رہتا ہے۔ جب سُورج زرد پڑ جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان یا ان کے اوپر ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگے مار لیتا ہے اور اُن میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے[1]۔

ہم قبل ازیں عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعُود کا قول ذکر چکے ہیں کہ ایسے اہلِ علم معرضِ ظہور میں آئیں گے جو خطبے کو طوالت دیں گے اور نماز دیر سے پڑھا کریں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا "مُردوں کی طرح دَم گھٹنے لگا ہے"۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا گیا اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جب آفتاب زرد پڑ جائے تم میں سے جو شخص اپنی زندگی میں ایسا موقع پائے تو فرضی نماز کو اُس کے وقت پر ادا کرے، پھر اُن کے ساتھ نماز پڑھے۔ جو نماز اُس نے تنہا پڑھی ہے اُس کو فرض تصوّر کرے اور جو ان کے ساتھ ادا کی اُس کو نفل سمجھے۔

اور وہ حدیث بھی جس کو ہم نے بروایتِ ابوذرؓ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "کیا کیفیت ہوگی تمہاری اُس وقت جب تم پر ایسے اُمراء مسلّط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کیا کریں گے؟ مَیں نے عرض کی آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا "نماز کو اُس کے وقت پر پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد اگر اُن کے ساتھ نماز (با جماعت) پاؤ تو ادا کر لو۔ وہ (دوسری نماز) تمہارے لیے نفلی نماز کی مانند ہو گی"۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ مذکورہ اوقات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ عیدین اور ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے سے منع کیا۔ جو شخص سو جانے یا بھُول جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکا

---

[1] اس حدیث میں اسی طرح وارد ہوا ہے۔ دوسری احادیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ بعض شارحینِ حدیث نے اس کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ جو لوگ اُن احادیث کی تکذیب کے عادی ہیں جو اُن کی ہوائے نفس سے ہم آہنگ نہ ہوں انہوں نے ان احادیث کو ہدفِ طعن بنایا ہے۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ آفتاب جب ایک قوم کے اوپر چمکتا ہے تو دوسری قوم سے اُس وقت غائب ہوتا ہے۔ اُن احادیث میں تمثیلی طور پر فرمایا کہ شیطان آفتاب پرستوں کو اس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ ان اوقاتِ ثلاثہ میں اس کو سجدہ کریں۔ بایں طور جب وہ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو گویا اُس شیطان کو سجدہ کرتے ہیں جو انہیں اس بات کی ترغیب دلاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

ہو اُس کو قضا کا حکم دیا۔ جس نماز کی نذر مانی ہو اور جن نوافل کا تم نے تذکرہ کیا ہے اُن کو ادا کرنے کا حکم دیا۔ حائضہ، مریض، مسافر کو اور نذر و کفارات میں روزوں کی قضا کا حکم ہے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان اس ضمن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ممنوعہ ایام میں یہ روزے ہرگز نہ رکھے جائیں۔ تم نے نہی کو امر کے مقابلے میں غالب ٹھہرایا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جن اوقات میں حضورؐ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اُس کو بھی اس مسئلہ پر قیاس کیا جائے یعنی ایک طرف تو آپؐ نے ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دیا اور دوسری جانب ان اوقات میں نماز ادا کرنے سے منع کیا۔ ورنہ تم سے کہا جائے گا کہ تم نے دو امر اور دو نہی کے مابین تفریق کیوں کی؟ مثلاً روزے کے معاملہ میں تم نے نہی کو امر کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ اور نماز کے سلسلہ میں امر کو نہی کے مقابلے میں غالب ٹھہرایا۔ یہ ناروا قسم کا تحکم نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے مخالفین کہتے ہیں اس امر کا احتمال ہے کہ رسولِ کریمؐ کی یہ حدیث کہ جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا۔ اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کو پالیا، اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت سے پہلے کی ہوگی۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ ہیں ہمارے مخالفین کے تمام اعتراضات! ان کے سوا انہوں نے دوسرا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مخالفین سے ہماری مراد احناف نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کا دامن دلیل و برہان سے بالکل عاری ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی انہوں نے خلاف ورزی نہ کی ہو، اور اپنی آرائِ فاسدہ کو ان میں گھسیڑا نہ ہو۔ ہماری مراد ان سے وہ متقدمین ہیں جنہوں نے ہر قسم کی نہی کو راجح ٹھہرایا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اسی طرح مالکیہ بھی مذکورہ آثار میں سے کسی سے بھی احتجاج نہیں کرسکتے۔ اس لیے کہ وہ ہر اثر کی خلاف ورزی کرچکے اور اُس میں تحکم کا ثبوت دے چکے ہیں۔ بلا دلیل و برہان انہوں نے بعض آثار کو فرض اور بعض کو نفل پر محمول کیا ہے۔ ہماری مراد اس سے وہ متقدمین ہیں جنہوں نے امر کو نہی کے مقابلہ میں غالب قرار دیا ہے۔ یہ کلام فقط ان دو فرقوں تک محدود ہے۔ ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ ان آثار میں سے وہ کسی کے ساتھ بھی احتجاج نہیں کرسکتے۔

باقی رہیں ابوقتادہ اور عمران بن حُصَین کی روایت کردہ دونوں احادیث تو ان میں وہ اضافہ ہے جو

دیگر روایات میں موجود نہیں، جیسا کہ:

۳۷۱ [ہمیں عبداللہ بن ربیع نے بتایا، انہوں نے محمد بن اسحاق سے سُنا، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے محمد بن اسماعیل صائغ سے، انہوں نے سلیمان بن حرب سے، انہوں نے حماد بن زید سے، انہوں نے ثابت البنانی سے، انہوں نے عبداللہ بن رَباح سے، انہوں نے ابو قتادہ سے سنا] پھر طویل حدیث ذکر کی اور اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسُولِ اکرمؐ سواری کے ایک طرف جھک گئے اور مَیں بھی آپؐ کے ساتھ جھک گیا۔ آپؐ نے فرمایا "دیکھو" مَیں نے عرض کی یہ ایک سوار ہے، یہ دو سوار ہو گئے، یہ تین سوار ہیں۔ حتیٰ کہ ہم سات آدمی ہو گئے۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "نمازِ فجر کا خیال رکھنا" اُن کے کانوں پر پردہ پڑ گیا اور آفتاب کی تپش محسوس کر کے بیدار ہُوئے۔ تھوڑی دیر چلتے رہے، پھر اُتر کر وضو کیا۔ بلالؓ نے اذان کہی۔ انہوں نے دو سُنتیں ادا کیں۔ پھر فجر کی نماز پڑھی اور سوار ہو گئے۔ صحابہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "ہم سے نماز کے معاملہ میں بہت کوتاہی ہوئی" یہ سُن کر رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "نیند کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری میں ہوتی ہے۔ جو شخص نیند کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے، یا بھول جائے تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے" اور باقی ماندہ حدیث ذکر کی۔[1]

۳۷۲ [عبداللہ بن ربیع نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابو داؤد سے، انہوں نے وہب بن بَقِیّہ سے، انہوں نے خالد سے، انہوں نے یونس بن عُبَید سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے] عمران بن حُصَین سے روایت کیا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سفر میں تھے۔ آپ صحابہ سمیت سو گئے اور نمازِ فجر ادا نہ کر سکے۔ جب آفتاب کی تمازت محسوس کی تو جاگے۔ تھوڑی دُور چلے یہاں تک کہ سورج خاصا بلند ہو گیا۔ پھر مُؤذّن کو حکم دیا، اس نے اذان دی اور آپؐ نے فجر کی دو سُنتیں ادا کیں۔ پھر تکبیر کہی اور نمازِ فجر ادا کی۔[2]

---

[1] دیکھیے ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۷-۱۶۸، بروایت موسیٰ بن اسماعیل از حماد مختصراً۔ جیسے یہاں ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "جب یاد آئے تو نماز پڑھ لے اور کل کو وقت پر نماز ادا کرے" اس کو مُسند احمد (ج ۵، ص ۲۹۸) میں بطریق یزید بن ہارون از حماد بن سلمہ از ثابت مطولاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے بھی اس حدیث کو پُوری طوالت کے ساتھ (ج ۱، ص ۱۸۹-۱۹۰) میں بطریق سُلیمان بن مُغیرہ از ثابت روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی (ج ۲، ص ۲۱۶) [2] دیکھیے ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۶۹-۱۷۰، نیز دارقطنی ص ۱۴۲

یونس اس حدیث کو حسن اور ثابت البنانی سے، وہ عبداللہ بن رباح سے روایت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حسن اور ثابت دونوں خالد بن سُمیر اور ہشام بن حسان سے بڑھ کر حافظ ہیں۔ یہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی گرمی سے بیدار ہوئے تھے۔ حس اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کی گرمی سے آدمی اس وقت بیدار ہوتا ہے جب آفتاب اچھی طرح سفید اور بلند ہو جائے، اس سے پہلے نہیں۔ عبداللہ بن ابی قتادہ کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ حضورؐ نے صحابہ کو انتظار کا حکم دیا تھا۔ بخلاف ازیں آپ نے قضائے حاجت کے لیے منتشر ہو جانے کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آپ نے اس روز نماز مؤخر کیوں کی؟ اگر اس حدیث میں تمازتِ آفتاب کا ذکر نہ بھی ہوتا تو اس میں اس امر کی کوئی دلیل نہ تھی کہ آپ نے نماز کو اس لیے مؤخر کیا تھا کہ آفتاب اس روز صاف اور روشن نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ بات کسی حدیث میں مذکور نہیں۔ نہ یہ کہ آپ نے فرمایا ٹھہرو، حتیٰ کہ آفتاب صاف اور بلند ہو جائے۔ یہ محض بعض راویوں کا ظن ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آتا۔

علاوہ ازیں ابوقتادہ اور عمران نے ہرگز یہ بات نہیں کہی کہ نماز کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آفتاب ہنوز سفید اور بلند نہیں ہوا تھا۔ یہ بات بلا دلیل و برہان اور مبنی بر ظن ہے کہ حضورؐ نے سورج کے صاف اور روشن نہ ہونے کی وجہ سے نماز مؤخر کی تھی۔ اور یہ دونوں باتیں بنصِ قرآن حرام ہیں اور رسول کریمؐ پر افترا پردازی کی ذیل میں آتی ہیں۔ لہٰذا یہ سخت گناہ کی موجب ہیں۔

بنابریں تاخیرِ نماز کا سبب معلوم کرنا واجب ٹھہرا۔ اس ضمن میں جب ہم نے جستجو سے کام لیا تو ہمیں یہ حدیث ملی جس کو:

۵۔ بطریق عبدالوہاب بن عبدالمجید از یونس۔ اس کو بیہقی ج ۱ ص ۴۰۴ نے بطریق عبدالوہاب بن عطار از یونس روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بسند دیگر ابھی گزری ہے اور ہم نے اس پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔

۳۷۳- [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے احمد بن فتح سے، انہوں نے عبدالوہاب بن عیسٰی سے، انہوں نے احمد بن محمد سے، انہوں نے احمد بن علی سے، انہوں نے مسلم بن حجاج سے، انہوں نے محمد بن حاتم سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید القطان سے، انہوں نے یزید بن کیسان سے، انہوں نے ابوحازم سلمان اشجعی سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رات کے پچھلے پہر پڑاؤ کیا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑ لے۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں شیطان نے آلیا ہے۔ ہم نے تعمیلِ ارشاد کی۔ پھر آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر تکبیر کہی گئی اور آپؐ نے نمازِ فجر پڑھائی۔ (مسلم و نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۴- [ہم کو عبداللہ بن ربیع نے حدیث سنائی۔ انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابوداؤد سجستانی سے، انہوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے، انہوں نے ابان بن یزید العطار سے، انہوں نے معمر سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے سعید بن المسیّب سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس جگہ تم غفلت کا شکار ہوئے ہو اس کو تبدیل کر لو۔" آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان و اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں بفضلہ تعالیٰ اس طرح جملہ اشکالات مرتفع ہوئے۔ مزید برآں یہ بات یقینی طور پر واضح ہوئی کہ حضورؐ نے نماز کو اس لیے مؤخر کیا تھا تاکہ اس جگہ سے نقلِ مکانی کر جائیں جہاں ان کو غفلت نے آلیا تھا اور وہاں شیطان آموجود ہوا تھا۔ تاخیرِ نماز کی وجہ یہ نہ تھی کہ آفتاب ابھی بلند نہ ہوا تھا۔

---

[1] ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۹۶-۱۹۷۔ عقبہ کہتے ہیں اس حدیث کو مالک، سفیان بن عیینہ، اوزاعی اور عبدالرزاق نے معمر اور ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں کیا۔ مزید برآں کسی نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً روایت نہیں کیا۔ البتہ اوزاعی اور ابان اس کو معمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لیے کہ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ مزید براں اس کی حمایت و تائید ہشام اور یونس کی حسن از عمران والی روایت اور ابوقتادہ کی روایات سے ہوتی ہے۔ ان سب روایات میں اذان کا ذکر موجود ہے۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ آفتاب اس وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا تاخیرِ صلوٰۃ کی علت موجود ہے۔ ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ سنگِ مرمر کو ناخنوں سے چھیلنے والی بات ہے حضورؐ نے کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ نماز کو مؤخر کرنے کی وجہ اس کا شیطان کے سینگوں کے درمیان ہونا ہے۔ بخلاف ازیں آپؐ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ "یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں شیطان نے آلیا ہے۔" ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ شیطان کا کسی قوم کے گھر میں حاضر ہونا اور ہے، اور آفتاب کا شیطان کے سینگوں کے درمیان ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا اس بات کے قائل کا دروغ بے فروغ واضح ہو گیا ـــــ وَ بِاللّٰہِ التوفیق

اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر تاخیرِ صلوٰۃ کی وجہ یہ ہوتی کہ آفتاب ہنوز اچھی طرح روشن نہیں ہوا تھا ـــــ حالانکہ یہ بات ہرگز درست نہیں ـــــ تو نماز ادا کرنے کے بعد حضورؐ نے جو فرمایا تھا کہ "سونے کی وجہ سے جو شخص نماز ادا نہ کر سکا یا نماز ادا کرنا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔" بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ جب اسے یاد آئے تو نماز ادا کرے۔ حضورؐ کے یہ الفاظ ناسخ ہوں گے۔ اور نماز کو مؤخر کرنے کے سلسلے میں آپؐ کا فعل منسوخ ہو گا۔ کیوں کہ یہ ارشادِ مبارک بعد کا ہے اور تاخیر کا فعل اس سے پہلے کا ہے۔

اگر کہا جائے کہ پھر تم نے حضورؐ کے اس قول کو صحابہ کی نقلِ مکانی کا ناسخ کیوں نہ قرار دیا؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ جب اسے یاد آئے زمانہ ادائگی کی جانب اشارہ ہے۔ اس میں مکانِ ادا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کے حکم میں اختلاف نہیں ہو گا۔ اصلی و حقیقی وضاحت یہی ہے ـــــ وللہِ الحمد۔

باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث کہ "یہ منافقین کی نماز ہے"، تو یہ بالکل مخالفین کے لیے حجت نہیں ہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فقط نماز کو مؤخر کرنے ہی کی مذمت نہیں کی بلکہ تاخیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس بات کی مذمت بھی فرمائی کہ وہ شخص چار ٹھونگے مارتا ہے اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ اور یہ بات بلاشبہ مذموم ہے، خواہ نماز کو مؤخر کرے یا نہ کرے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَاۤءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (النساء ۔ ۱۴۲)

"اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُست کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔"

مزید براں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر کی نماز کو پالیا۔ اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے نمازِ عصر کو پا لیا۔" یہ بات باطل اور محال ہے کہ نماز کو پالینے والا اس کی وجہ سے گنہگار اور منافقوں جیسی نماز پڑھنے والا ہو۔ اور اس میں دو آدمی بھی مختلف الرائے نہیں ہیں کہ جس شخص نے نماز کو اس کے وقت پر پا لیا، اس نے اپنے فرض کو ادا کیا۔ ایسا شخص گنہگار نہیں ہو گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے ایک افضل بات کو ترک کر دیا۔

۳۷۵۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث کو [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا۔ انہوں نے احمد بن فتح سے، انہوں نے عبدالوہاب بن عیسیٰ سے انہوں نے احمد بن محمد سے انہوں نے احمد بن علی سے انہوں نے مسلم بن حجاج سے، انہوں نے زہیر بن حرب سے، انہوں نے مروان بن معاویہ الفزاری سے، انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے، انہوں نے قیس بن ابی حازم سے، وہ کہتے ہیں مَیں نے جریر بن عبداللہ کو یہ کہتے سُنا کہ] ہم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے فرمایا "تم (روزِ قیامت) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں بھیڑ نہیں ہو گی۔ اگر ممکن ہو کہ عصر اور فجر کی نماز ضائع نہ ہو تو اُسے ضائع نہ ہونے دو۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والتفسیر والتوحید، مسلم کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد کتاب السنۃ، ترمذی صفۃ الجنۃ، نسائی کتاب الصلوٰۃ والتفسیر والنعوت فی الکبریٰ، ابن ماجہ کتاب السنۃ)

۳۷۶۔ [اسی سند کے ساتھ امام مسلم تک۔ انہوں نے ابوکُریب و اسحاق بن ابراہیم و ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی، وہ وکیع سے، وہ اسماعیل بن ابی خالد اور مِسعَر بن کِدام سے، ان دونوں نے ابوبکر بن عمارہ بن رُوَیبہ سے سُنا، انہوں نے اپنے والد سے] کہا مَیں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا "جس نے فجر اور عصر کی نماز ادا کی وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔" حدیث میں یہی الفاظ ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب صورتِ حال یہ ہے تو حدیث کا مفہوم یہ ہُوا کہ جو شخص ایسی نماز کو مؤخر کرے جس کی تاخیر اُس وقت تک روا نہیں۔ یہ عصر کے علاوہ بلاشبہ دوسری نمازوں کے بارے میں وارد ہُوا ہے۔ بلکہ نمازِ ظہر کے بارے میں جس کو اُس وقت تک مؤخر کرنا حرام ہے جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کوتاہی نو بیداری میں ہے" یعنی غفلت اور کوتاہی اس امر میں ہے کہ آدمی جاگتا ہو اور اس کے باوجود ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک ملتوی کرے۔

اگر معترضین کہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "وہ بیٹھ کر عصر کے وقت کا انتظار کرتا رہے" تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ جب کوئی ظہر کو عصر تک ملتوی کرے اور عصر کا منتظر رہے تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ لہٰذا اُن کا استدلال باطل ٹھہرا ـــــ والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

باقی رہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث تو یہ معترضین کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اس لیے کہ یقیناً اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے جس کو اس وقت تک مؤخر کیا جاتے۔ حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں کہ "خطبہ کو طول دینگے اور نماز کو مؤخر کریں گے"۔ مزید برآں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث میں آفتاب کے زرد پڑ جانے کے وقت نوافل کی اجازت دی ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت کردہ حدیث بھی ہمارے موقف سے ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کہ اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کو اس کے اصلی وقت سے مؤخر کریں گے"۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نمازِ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔ لہٰذا جملہ احادیث و آثار کے ساتھ ہمارے مخالفین کا احتجاج باطل ٹھہرا ـــــ وللہ الحمد

ہمارے مخالفین کا یہ کہنا کہ غالباً حضورؐ کا ارشادِ مبارک کہ "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے نمازِ فجر کو پا لیا"۔ اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت کا حکم وارد ہونے سے پہلے کا ہے، مبنی بر خطا ہے۔ اس لیے کہ یہ ظن و تخمین کی بات ہے۔ مزید برآں یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد "جس نے ایک رکعت پائی" ممانعت کی احادیث کے بعد کا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث "جس نے ایک رکعت پائی" حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے۔ اور ابو ہریرہؓ

کو صحبت کا شرف دیر سے حاصل ہُوا۔ ممانعت کی احادیث کو حضرت عمرؓ بن الخطاب اور عمرو بن عبسہ نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں قدیم الاسلام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دونوں احادیث میں سے ایک کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے حدیث میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ خصوصاً جب کہ ان میں جمع و تطبیق کا امکان ہو اور دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہو۔ ایسی صورت میں دونوں پر عمل واجب ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں ——— وباللہ التوفیق

ہمارے مخالفین کا یہ کہنا کہ ہم نے اجماعاً عیدین اور ایّامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی حدیث کو ان احادیث کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے جن میں قضائے رمضان اور نذر و کفارات کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم اوقاتِ ممنوعہ میں نماز کی ممانعت پر مشتمل احادیث کو ان احادیث پر ترجیح دیں جن میں بھُولی ہوئی نماز، نیند کی وجہ سے قضا شدہ، نذر اور دیگر نوافل کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے مخالفین کا یہ قول اس لیے درست نہیں کہ یہ قیاس پر مبنی ہے اور ہر قسم کا قیاس باطل ہے۔

غالباً یہ الزام ان مالکیہ و شافعیہ پر بھی قائم کیا جا سکتا ہے جو قیاس کے قائل ہیں۔ مگر وہ بھی اس قیاس میں حنفیہ کے خلاف ہیں۔ مالکیہ و شافعیہ احناف سے کہتے ہیں تم اوّلین شخص ہو جس نے اس قیاس کو توڑا۔ اس لیے کہ تم ممنوع وقت میں آج کی نمازِ عصر ادا کرنے کو جائز تصور کرتے ہو۔ مگر نمازِ فجر کو ممنوع وقت میں ادا کرنے کے قائل نہیں ہو۔ پھر دو قدم اور آگے بڑھ کر تم نے اس قیاس کی دھجیاں اُڑا دیں۔ وہ اس طرح کہ ممنوع وقت کے ایک حصہ میں تمہارے نزدیک قضا شدہ فرضی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح تم ممنوع وقت میں سجدہ ہائے تلاوت، اور نمازِ جنازہ کو جائز سمجھتے ہو۔ مگر جس نماز کی نذر مانی گئی ہو اس کو جائز تصور نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ اوقاتِ ممنوعہ کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں تمہارے نزدیک کوئی نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح تم ممنوع وقت کے ایک حصہ کو پورے وقت پر قیاس نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ قیاس نماز کے حکم کو روزہ پر قیاس کرنے سے اولیٰ و احسن تھا۔

جہاں تک ہمارے مخالفین کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ تم نے دو امر اور دو نہی کے مابین تفریق کیوں کی؟ بتوفیقِ ربانی ہم نے یہ تفریق اس لیے کی ہے کہ نصوصِ شرعیہ سے امر پر مشتمل احادیث کا احادیثِ نہی پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امر پر مشتمل احادیث متاخر ہونے کی بنا پر متقدم احادیث کی ناسخ ہیں۔ یہ بات نماز سے متعلق احادیث کے بارے میں ہے۔ جن احادیث میں روزے کا حکم دیا گیا ہے ان کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی

جس سے احادیثِ امر کا نہی پر مشتمل احادیث پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بخلاف ازیں اس بات پر یقینی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جن احادیث میں عیدین کے روزہ سے منع کیا گیا ہے وہ ان احادیث کے مقابلہ میں راجح ہیں، جن میں قضا و نذر اور کفّارے کے روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید برآں رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایّامِ تشریق کے بارے میں یہ ارشاد کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں ان ایّام میں اکل وشرب کا موجب ہے۔ اس لیے کسی نصِ جلی کے بغیر ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں برخلاف نماز کے۔ اسی طرح مخالفین کے تمام دلائل باطل ٹھہرے ——— وباللہ التوفیق۔

جہاں تک نمازِ عصر کے بعد زردیٔ آفتاب تک آغازِ نوافل کے جواز کا تعلق ہے اس کا اثبات اِس حدیث سے ہوتا ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ اُس حدیث سے طلوعِ فجر کے بعد اور نمازِ فجر کی ادائیگی سے قبل نوافل کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث کو

۲۷۷۔ [عبداللہ بن ربیع محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شُعَیب سے، وہ عمرو بن علی سے وہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے، وہ شعبہ اور سُفیان ثوری سے، یہ دونوں منصور بن مُعتمر سے وہ ہلال ابن یساف سے، وہ وَہب بن اَجدع سے، وہ] حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "نمازِ عصر کے بعد (کوئی اور نماز) نہ پڑھا کرو اِلّا یہ کہ آفتاب بلند ہو" (ابوداؤد، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

اس کی سند میں وَہب بن اَجدع ثقہ اور مشہور تابعی ہیں۔ دیگر راوی بھی ثقہ اور جرح ونقد سے بالا ہیں یہ ایک عادل راوی کا اضافہ ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ طلوعِ فجر سے لے کر نمازِ فجر تک نوافل جائز ہیں تو اس کی دلیل عمرو بن عَبَسہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس کو ہم اس مسئلہ کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں اِس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "جتنی چاہو نماز پڑھو، یہ نماز مقبول ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتّیٰ کہ نمازِ فجر ادا کر لو۔ پھر طلوعِ آفتاب تک نماز سے رُک جاؤ" اس کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۲۷۸۔ [عبداللہ بن یوسف نے روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسٰی سے، وہ احمد بن محمد سے وہ احمد بن علی سے، وہ مُسلم بن حجاج سے، وہ ابوطاہر سے، وہ احمد بن عمرو السرح سے، وہ ابن وہب سے، وہ یونس ابن یزید سے، وہ ابن شہاب سے، وہ سائب بن یزید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود سے، وہ عبدالرحمٰن

بن عبد القاری سے، وہ کہتے ہیں میں نے [حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے وظیفہ یا کسی اور چیز سے سو جاتے اور اسے نماز فجر و ظہر کے درمیان پڑھ لے تو گویا اُس نے اُسے رات کو پڑھ لیا" (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث کہ "طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں" ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ یہ جھوٹی روایت ہے جس کو صرف بطریق عبد الرحمٰن[1] ابن زیاد بن انعم روایت کیا گیا ہے عبد الرحمٰن ضعیف راوی ہے۔ یا بطریق ابو بکر بن محمد منقول ہے اور وہ مجہول راوی ہے پتہ نہیں کون ہے۔ اور یہ ابو بکر بن محمد بن

---

[1] عبد الرحمٰن افریقیہ میں قاضی تھے ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ اُس وقت ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ یہ ضعیف راوی نہیں جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے بلکہ وہ ثقہ اور عادل راوی ہے۔ اس کی چند مرویات کو ہدف نقد و جرح بنایا گیا ہے۔ اور اس سے اکثر راوی خالی نہیں ہیں۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں میں نے احمد بن صالح سے دریافت کیا آیا افریقی کی روایت کردہ احادیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! میں نے کہا "وہ صحیح الکتاب ہے؟ کہا ہاں! ترمذی کہتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ بخاری افریقی کی توثیق کرتے اور کہتے ہیں "وہ مقارب الحدیث" ہے۔ احمد بن صالح کہتے ہیں "جو شخص افریقی پر نقد و جرح کرے اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ وہ ثقہ راوی ہے"

ابو العرب قیروانی کہتے ہیں "ابن انعم افریقی جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ وہ بڑے عادل قاضی تھے۔ ان کی چند مرویات پر جرح کی گئی ہے" اس کو سحنون نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو بکر بن ابی داؤد کہتے ہیں "محدثین نے افریقی پر اس لیے جرح کی اور اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس نے مسلم بن یسار سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ جب افریقی سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے مسلم بن یسار کو کہاں دیکھا ہے؟ تو کہنے لگے افریقہ میں۔ لوگوں نے کہا "وہ تو افریقہ کبھی نہیں گئے" ان کا مطلب یہ تھا کہ مسلم بن یسار بصری کوفہ نہیں گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ ایک اور شخص کا نام بھی مسلم بن یسار تھا۔ اس کو ابو عثمان الطنبذی کہتے تھے۔ افریقی مرد صالح تھا۔ ان اقوال کو ہم نے "التہذیب" سے نقل کیا ہے۔ البتہ ابو بکر بن ابی داؤد کا تبصرہ ہم نے نیل الاوطار، ج ۲ ص ۱۴ سے اخذ کیا ہے" احمد محمد شاکر (حافظ ابن حجر نے تقریب میں جرح کم سے کم وصف ان کا بیان کیا ہے۔ وہ ہے "ضعیف فی حفظہ"۔ البتہ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ "کان رجلاً صالحاً" اس اعتبار سے بھی ان کی منفرد روایت مقبول نہیں)۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

حزم نہیں ہے اس کی تیسری سند بطریق ابوہارون العبدی ہے وہ بھی ضعیف راوی ہے یا بطریق یسار مولیٰ ابن عمر جو مجہول اور مدلس ہے یسار اس کو کعب بن مرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ایسے مجہول راویوں سے، جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔[1]

---

[1] اس حدیث کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں۔ ابن حجرؒ نے لسان المیزان (ج ۴ص ۲۰۱) میں ابن حزم کا تعارف کرواتے ہوئے راویوں کے نقد و جرح میں ان کی چند غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن حزم نے حدیث نبوی "لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتی الفجر" کو ضعیف اور مکذوب قرار دیا ہے۔ ابن حزم نے اس حدیث کے طرق میں سے یسار مولی ابن عمر از کعب بن مرہ کے طریق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یسار مجہول اور مدلس راوی ہے۔ اور کعب کے بارے میں معلوم نہیں کون ہے۔ القطب کہتے ہیں یسار کو ابوزرعہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام شوکانی نیل الاوطار (ج ۳، ص ۱۱۱) میں کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس ضمن میں نہایت زیادتی کا ثبوت دیا ہے۔ شوکانی نے ابن حزم کا تبصرہ نقل کیا ہے۔

یسار سے روایت کردہ حدیث کے لیے ملاحظہ فرمائیے ابوداؤد، ج ۱ ص ۴۹۴۔ دارقطنی ص ۱۶۱۔ بیہقی (ج ۲ ص ۴۶۵) بطریق وُہیب از قدامہ بن موسیٰ، از ایوب بن الحصین، از ابوعلقمہ مولی ابن عباس، از یسار مولی ابن عمر از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)، بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) نے اس کو بطریق سلیمان بن بلال، از قدامہ از ایوب) روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیے ترمذی (ج ۱، ص ۸۵)، قیام اللیل (ص ۷۹) از محمد بن نصر المروزی۔ نیز بیہقی، ج ۲، ص ۴۶۵ بطریق الدراوردی از قدامہ بدیں اسناد۔ البتہ انہوں نے قدامہ کے شیخ کا نام محمد بن الحصین ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔

بیہقی میں یہ روایت بطریق سلیمان بن بلال طویل تر ہے۔ یسار کہتے ہیں "میں فجر کے بعد نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور بہت طویل نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے کنکر مارا اور کہا اے یسار! تم نے کتنی رکعتیں ادا کیں؟ میں نے کہا "معلوم نہیں"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا "اللہ تجھے فہم عطا نہ کرے! رسول اکرمؐ ایک روز تشریف لائے اور ہم یہ نماز ادا کر رہے تھے آپ سخت ناراض ہوتے اور فرمایا "جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک یہ بات پہنچا دے کہ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہیں"۔ مروزی اور دارقطنی کی روایت میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے یسار کو نماز پڑھتے دیکھا تو انہیں یہ حدیث سنائی۔ معلوم نہیں ابن حزم کس طرح یسار کو مدلس کہہ کر اس حدیث کی

تضعیف کر رہے ہیں۔ حالانکہ کسی محدث نے بھی یسار کو مدلّس قرار نہیں دیا۔ اور بالفرض یسار اگر مدلس ہوتا بھی تو اس میں شبہ نہیں کہ اس نے یہ واقعہ ابن عمرؓ سے سُنا ہے۔ لہٰذا تدلیس کا خدشہ باقی نہ رہا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، صرف محمد بن الحُصَین متنازع فیہ ہے۔ دارقطنی اس کو مجہول کہتے ہیں۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس کے نام کا اختلاف کہ آیا محمد ہے یا ایوب اس میں چنداں مؤثر نہیں۔ ابو حاتم نے محمد کے نام کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں "اس کے باپ کا نام حُصَین اور کنیت ابو ایوب ہے۔ اس امر کا احتمال ہے کہ جس نے اس کا نام ایوب بتایا اس نے اس کو اس کے باپ کی کنیت سے موسوم کر دیا۔ یہ بات بڑی قرین عقل وقیاس ہے۔ ان اسانید میں بلاشبہ ضعف کا احتمال موجود ہے مگر متعدد طُرق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حدیث دو طُرق سے منقول ہو اور دونوں طُرق ضعیف ہوں ضُعف کی وجہ سُوءِ حفظ یا اخطاء فی الروایۃ ہو تو ایک روایت دوسری روایت کی تائید و تقویت کی موجب ہوتی ہے لیکن جب ضعف کی وجہ راوی کی عدم ثقاہت اور تہمت فی العدالۃ ہو تو دوسری روایت سے تقویت حاصل ہونے کے بجائے اس کے ضعف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جہاں تک عبدالرحمٰن بن اَنعُم اِفریقی کی سند کا تعلق ہے المروزی نے قیام اللیل ص ۹۷ میں اس کو بطریق عیسیٰ بن یونس روایت کیا ہے۔ دارقطنی (ص ۱۶۱) اور بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵ - ۴۶۶) نے اس کو بروایتِ سفیان ثوری نقل کیا ہے۔ نیز بیہقی (ج ۲، ص ۴۶۵) میں اس کو بطریق (ابنِ وہب از افریقی، از عبداللہ بن یزید ابو عبدالرحمٰن الحبلی، از عبداللہ بن عمرو بن العاص) روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "طلوعِ فجر کے بعد دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہیں"۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس لیے کہ افریقی کا ثقہ راوی ہونا راجح ہے خصوصاً جب کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث اس کی مؤید بھی ہے۔

ابوبکر بن محمد کے طریق کو حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص ص ۱۷ میں طبرانی سے نقل کر کے بروایت (عبدالرزاق، از ابوبکر بن محمد از موسیٰ بن عُقبہ، از نافع، از ابنِ عمرؓ) بیان کیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں "اس کی سند قابلِ غور ہے"۔ زیلعی نے اس کو نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۲۵۶) میں طبرانی کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ افریقی کی روایت سے ہم آہنگ ہیں۔ جس ابوبکر کا ذکر اس اسناد میں کیا گیا ہے ابن حجر مختصر نصب الرایہ میں کہتے ہیں کہ اس کا نام "ابنِ ابی سبرۃ" ہے۔ میں بھی اسی کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس لیے کہ ابن ابی سبرہ موسیٰ بن عُقبہ اور شیوخ عبدالرزاق سے روایت کرنے میں معروف ہے۔ اُس کا پورا نسب "ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ" ہے۔ بعض اس کو دادا کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ جہاں تک ابو ہارون العبدی اور کعب بن مُرّہ کے طُرق کا تعلق ہے تلاش بسیار کے باوجود مجھے ان کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ واللہ اعلم

علمائے سلف کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔ جس طرح ہم نے بطریق وکیع از افلح بن حُمَید از قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ روایت کیا ہے کہ ہم اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں نمازِ فجر سے قبل حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب ہم ایک روز اُن کے یہاں آئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔ ہم نے کہا یہ کون سی نماز ہے؟ فرمانے لگیں "سو جانے کی وجہ سے میرا مقرّرہ وظیفہ رہ گیا تھا، مَیں اسے ترک نہیں کر سکتی۔"

ہم نے بطریق عبدالرزاق از سفیان ثوری و مُعتمر بن سُلیمان التیمی، از لَیث از مُجاہد روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گزر دو آدمیوں پر ہوا جو طلوعِ فجر کے بعد گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "ارے بھائی! یا تو نماز پڑھو یا خاموش رہو۔" (مصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۶۱)

نیز عبدالرزاق سُفیان بن عُیَینَہ سے، وہ ابن ابی نَجیح سے روایت کرتے ہیں کہ طاؤس نے مجاہد سے کہا "کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب فجر طلوع ہو جائے تو جس قدر نماز چاہو ادا کرو۔" (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۵۳)

نیز عبدالرزاق المُعتمر بن سُلَیمان التَّیمی سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے، وہ حسن بصری سے، انہوں نے کہا کہ "طلوعِ فجر کے بعد جس قدر نماز چاہو ادا کرو۔" (مصنّف عبدالرزاق، ج ۳ ص ۵۳)

نیز بطریق شُعبہ از ہِشام بن عُروہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ظہورِ فجر کے بعد دو رکعت سے زیادہ نماز ادا کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ہم نے یہ بات عطاء بن ابی رَباح اور دیگر راویوں سے بھی نقل کی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہمارے مخالفین عُقبہ بن عامر الجُہَنی کی روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ "ہم ان (اوقات) میں مسلمانوں کے مُردوں کو دفن کریں۔ اور وہ اوقات یہ ہیں (۱) جب آفتاب چمکتا ہوا نمودار ہو حتیٰ کہ اونچا چڑھ آئے (۲) جب آفتاب سر پہ ہو، یہاں تک ڈھل جائے (۳) جب سُورج مائل الی الغروب ہو حتیٰ کہ ڈوب جائے۔" (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ)

کوئی حدیث اس نہی کی معارض نہیں، مگر ہمارے مخالفین پھر بھی اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان اوقات میں بلا کراہت مُردے دفن کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں مگر نوافل یا فرائض ادا کرنے کو حرام ٹھہراتے ہیں۔

حالانکہ بکثرت نصوص اس نہی کی معارض ہیں۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں ان اوقات میں مُردوں کی تدفین ہرگز جائز نہیں البتہ نمازِ جنازہ ان اوقات میں جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کے حکم میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

۲۷۹۔ [ہمام بن احمد اس کو عباس بن اصبغ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ محمد بن عبدالملک بن ایمن سے، وہ محمد بن اسماعیل ترمذی سے، وہ سفیان بن عُیَینَہ سے، وہ کہتے ہیں میں نے عُبَیداللہ بن عُمَرؓ کو کئی مرتبہ یہ کہتے سُنا کہ میں نے نافع سے سُنا، وہ کہتے ہیں میں] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سُنا کہ "میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ شب و روز کی کسی گھڑی میں نماز پڑھے بلکہ میں تو اسی طرح کرتا ہُوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت قصداً نماز نہ پڑھا کرو"[1]

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اوقات میں قصداً نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان اوقات میں نوافل جن کا حکم دیا گیا ہو یا جو مستحب کے درجہ میں ہوں پڑھے جا سکتے ہیں۔ حضرات صحابہ کا موقف یہی تھا۔ اس لیے کہ ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں تو اسی طرح کرتا ہُوں جس طرح میں نے صحابہ کو کرتے دیکھا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پیشتر طواف کرتے اور اس کے بعد (دو رکعت نفل) ادا فرماتے۔

ہمارے اصحاب میں جو لوگ کہتے ہیں کہ نماز عصر کے بعد حضورؐ کے دو رکعتیں پڑھنے کی بنا پر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی نہی منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ بات اس صورت میں صحیح ہوتی جب وہب بن اَجدع کی روایت کردہ وہ حدیث موجود

---

[1] مؤطا امام مالک (ص ۷۶) میں بروایت (مالک از نافع از عبداللہ بن عمرؓ منقول ہے کہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز کا قصد نہ کیا کرے" بخاری و مسلم نے اس کو بطریق مالک روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بطریق (حماد از ایوب از نافع از ابن عمرؓ منقول ہے کہ) فرماتے تھے "میں اسی طرح نماز پڑھتا ہُوں جس طرح میں نے اپنے رفقاء کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ میں کسی کو شب و روز کے کسی حصے میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتا بجز اس کے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کا قصد نہ کیا جاتے" (العینی، ج ۵، ص ۸۳۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۴۱-۱۴۲) مؤلف نے جس سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ صحیح ہے۔

نہ ہوتی جس میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد جب تک آفتاب بلند رہے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لہٰذا نسخ اس ضمن میں باطل ٹھہرا اور یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ نہی اس ضمن میں وارد ہوتی ہے کہ جب آفتاب زرد پڑ جائے یا غروب ہونے کے لیے جھک جائے تو اُس وقت نماز کا قصد نہ کیا جائے — وباللہ التوفیق —

اس کی دلیل:

۳۸۰۔ وہ حدیث ہے جس کو (عبداللہ بن ربیع نے روایت کیا، وہ محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شُعیب سے، وہ محمد بن منصور سے، وہ سُفیان بن عُیَیْنَہ سے، وہ کہتے ہیں مَیں نے ابو الزُبیر سے سُنا، وہ کہتے ہیں مَیں نے عبداللہ بن باباہ سے سُنا، وہ حضرت جُبَیر بن مُطْعِم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ) رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا کسی وقت بھی طواف کرے یا اُس میں نماز ادا کرے اس کو مت روکو۔ خواہ دن کے وقت ہو یا رات کے وقت۔" (ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے کتاب الحج اور نیز نسائی اور ابنِ ماجہ نے کتابُ الصّلوٰۃ میں روایت کیا ہے، نیل ج ۳ ص ۱۵، بیہقی، ج ۲ ص ۳۱۵)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جُبَیر بن مُطْعِم اس حدیث کے راوی متاخر الاسلام ہیں۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہُوئے تھے۔ اوقاتِ مذکورہ میں نماز کی ممانعت اس سے قبل وارد ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ تمام باتیں نہی سے مستثنیٰ ہیں — وباللہ التوفیق

۲۸۷۔ شبِ جمعہ کو زیادہ عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں

شبِ جمعہ کو زائد عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں اِس کی دلیل:

۳۸۱۔ وہ حدیث ہے جس کو (عبداللہ بن یوسف روایت کرتے ہیں۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ ابو کُرَیب سے، وہ حسین الجعفی سے، وہ زائدہ سے، وہ ہشام سے، وہ ابنِ سیرین سے، وہ ابو ہریرہؓ سے) وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "شبِ جمعہ کو دیگر راتوں میں سے قیام کے لیے مخصوص نہ کرو"۔ تا آخر (مسلم و نسائی کتابُ الصّیام)

۲۸۸۔ افضل ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے

افضل ترین عمل وہ ہے جو رسولِ کریمؐ نے کیا ہو اور جسے ہمیشہ کیا جاتے، اگرچہ معمولی ہو۔ اس پر اضافہ

کرنے سے یہ ہمیں عزیز تر ہے۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب۔۲۱) ”بے شک تمہارے لیے رسولِ کریمؐ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے۔“

اور نبی کریمؐ افضل کام کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ اس کی دلیل :

۳۸۲۔ وہ حدیث ہے جس کو [عبداللہ بن یوسف احمد بن فتح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے۔ وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ محمد بن المثنیٰ سے، وہ عبدالوہاب ثقفی سے۔ وہ عُبَیداللہ بن عمرؓ سے، وہ سعید بن ابی سعید المقبری سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے وہ] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے لوگو! وہی اعمال اختیار کرو جو تم انجام دے سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک بیزار نہیں ہوتا جب تک تم بیزار نہ ہو جاؤ۔ بلاشبہ سب سے افضل کام اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔ خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو“ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب اللباس، مسلم، ابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۲۸۹۔ نفلی نماز گھر میں افضل ہوتی ہے

نفلی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔ نوافل کا گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ جو نوافل مسجد میں باجماعت پڑھے جائیں، وہ (گھر میں ادا کرنے سے) افضل ہیں۔[1]

---

[1] محلّٰی کے یمنی نسخہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے، ابن حزمؒ کہتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام کو ترک نہیں کرسکتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں نفل ادا کرنے والے کے لیے جماعت افضل ہے۔ تمام اہلِ علم اس بات سے آگاہ ہیں کہ حضورؐ زیادہ تر نوافل گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر ابن حزمؒ کے اصول کے مطابق آپؐ افضل کو ترک کرنے والے کیسے نہ ہوتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ نماز باجماعت پچیس ۲۵ درجہ کے ثواب کی حامل اس وقت ہوتی ہے جب فرضی ہو نہ کہ نفلی۔ یہ بڑی

اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ:

۳۸۳- [عبداللہ بن ربیع نے عمر بن عبدالملک سے روایت کیا، انہوں نے محمد بن بکر سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے مُسَدِّد سے، انہوں نے ابومعاویہ سے، انہوں نے اَعمش سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے] حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "آدمی کی نماز باجماعت اُس کی گھر اور بازار کی نماز سے پچیس[۲۵] درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے" (تا آخر۔ (بخاری، مُسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

حضورؐ کے یہ الفاظ عام ہیں۔ ان میں فرضی اور نفلی تمام نمازیں شامل ہیں۔

ہم نے بطریق مالک از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ان کی دادی مُلیکہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کھانے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے کھانا تناول فرمایا، پھر کہا اٹھو تاکہ نماز پڑھیں۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہُوتے۔ مَیں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھیں۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں اور ہماری طرف متوجہ ہُوتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصّلوٰۃ)

رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منبر پر کھڑے ہو کر مسجد میں لوگوں کو نفلی نماز کی امامت کروائی تھی۔ اسی طرح عِتبان بن مالک کے گھر میں بھی آپ نے نفلی نماز کی امامت کروائی تھی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں نمازِ عصر کے بعد لوگوں کو دو رکعتیں باجماعت پڑھائی تھیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ نے بھی۔

۳۸۴- [بدیں سند تا ابوداؤد۔ از احمد بن صالح از ابن وَہب، از سلیمان بن بلال، از ابراہیم بن ابی النضر از والدِ خود، از بُسر بن سعید] از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "آدمی کی نماز اُس کے گھر میں افضل ہے بجز فرضی نماز کے[۱]"۔

معقول تنقید ہے اور حق ہے۔ (آپ نے مسجد میں اور گھر میں بھی نفلی نمازیں جماعت سے پڑھی ہیں لیکن تنداعی نہیں، اس کی وجہ اُمت پر شفقت تھی لیکن قول سے جماعت کی فضیلت واضح فرما دی جیسا کہ ابنِ حزم نے آگے بیان کیا ہے)۔

[۱] یہ حدیث مجھے اس سند اور ان الفاظ کے ساتھ ابوداؤد میں نہیں ملی۔ البتہ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۴۲ میں بطریق عبداللہ

ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از منصور بن المعتمر و نعمان بن قیس روایت کی ہے۔
منصور نے بروایت مجاہد کہا کہ مجھے ابو معمر نے یہ حدیث سنائی "جب فرض نماز پڑھ لو تو اپنے گھر کو لوٹ جاؤ"۔
اور نعمان بن قیس نے کہا "میں نے عبیدہ سلمانی کو محلہ کی مسجد میں کبھی نفل پڑھتے نہیں دیکھا" (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۶۸ مختصراً)

ہم نے بطریق ابن المثنّٰی ابو عاصم ضحاک بن مخلد سے روایت کی۔ وہ سفیان ثوری سے، وہ منصور سے، وہ ہلال بن یساف سے، وہ ضمرہ بن حبیب سے، وہ حضورؐ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ:
"آدمی کی نفلی نماز اس کے گھر میں لوگوں کے سامنے پڑھے گئے نوافل سے اسی طرح فضیلت رکھتی ہے، جیسے نماز باجماعت انفرادی نماز سے افضل ہوتی ہے[1]"

بن سعید از ابوالنضر مروی ہے۔ نسائی (ج ۱، ص ۲۳۷) میں بطریق موسیٰ بن عقبہ از ابوالنضر۔ صحیح مسلم (ج ۱، ص ۲۱۶) میں مذکورہ دونوں سندوں کے ساتھ منقول ہے۔ مسلم اور ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ "آدمی کی نماز گھر میں سب سے افضل ہے بجز فرضی نماز کے"۔ یہاں جو روایت مذکور ہے اس کو شوکانی نے ابوداؤد کی دونوں میں سے ایک روایت کی طرف منسوب کیا ہے، پھر عراقی سے اس کی سند کا صحیح ہونا نقل کیا ہے (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۵۹) مروزی نے اس حدیث کو "قیام رمضان" ص ۵۹ پر نقل کیا ہے۔ پھر میں نے اس حدیث کو ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۴ میں تلاش کر لیا، بالکل اسی طرح جس طرح ابن حزم نے روایت کیا ہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ ابوداؤد میں "فی مسجدی ھٰذا" کے الفاظ ہیں (یہ روایت بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الاعتصام اور کتاب الادب و نیز مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ کسی میں مطول اور کسی میں مختصر ہے)۔

[1] یہاں اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ منذری نے "الترغیب" ج ۱ ص ۱۵۹ میں اس حدیث کو "عن رجلٍ من اصحاب رسول اللہ" کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں غالباً اس صحابی نے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ۳، ص ۲۵۵) میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ اس کو صہیب بن نعمان صحابی سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ وہ اس کو طبرانی اور المعمری کی "فی الیوم واللیلۃ" کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح شوکانی نیل (ج ۳، ص ۹۴) نے بروایت صحابی مذکور اس کو الطبرانی فی الکبیر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور ابن اثیر نے اسد الغابہ (ج ۳، ص ۳۳) میں بطریق طبرانی از المعمری

بدیں سند تا ابن المثنّیٰ از عبدالرحمٰن بن مہدی از اسرائیل از عمران بن مسلم فرماتے ہیں کہ سُوید بن غفلہ مسجد میں نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔

ہم نے بطریق وکیع از سفیان ثوری از نُسیر بن ذُعلوق روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی ربیع بن خُثیم کو محلّہ کی مسجد میں نوافل ادا کرتے نہیں دیکھا۔ (مصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۷۱)

ہم نے بطریق ربیع از اَعمش از ابراہیم نخعی روایت کی ہے کہ حضرت حُذیفہ بن یمان سے مسجد میں فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا مَیں اسے ناپسند کرتا ہُوں۔ (قیام اللّیل للمَروَزی، طبع جدید، ص ۷۶ مختصراً)

حمّاد بن سلمہ، محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور وہ عباس بن سعد سے، کہا مَیں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ نمازِ مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھروں میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللّیل للمَروَزی، طبع جدید، ص ۷۶، مختصراً)۔

از ایوب الوزان از محمد بن مصعب القرقسانی از قیس بن ربیع از منصور از ہلال بن یساف از صہیب بن النعمان مرفوعًا روایت کیا ہے پس اصل مرجع اس حدیث کا منصور از ہلال بن یساف ہُوا۔ لہٰذا سفیان ثوری از منصور والی سند جس کو مؤلّف نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ راجح ہے بہ نسبت روایتِ قیس، کیونکہ قیس باعتبارِ حفظ ضعیف ہے۔ یعقوب بن ابی شیبہ نے فرمایا کہ قیس ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک صدوق ہے اور اس کی کتاب صالح ہے لیکن وہ حافظہ کا بہت ہی ردّی ہے اس لیے وہ مضطرب الحدیث ہے اور کثیر الخطاء اور ضعیف ہے اور قیس سے روایت کرنے والا محمد بن مصعب ہے جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ کچھ بھی نہیں اور نہ ہی وہ اصحاب الحدیث میں سے ہے بلکہ وہ مغفل راوی ہے۔ اور سفیان ثوری تو امام و حافظِ کبیر ہے۔ اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ محمد بن مصعب اور اس کے شیخ قیس نے جس صحابی کا نام صہیب النعمان بتایا اس کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ یہ ان دونوں استاذ و شاگرد کی خطاء ہے اگر اس نام کے کسی صحابی کا وجود ہوتا تو یقیناً صحابہ پر کتاب لکھنے والے ان کا ذکر کرتے، اور ایسا نہیں ہے بلکہ کسی نے ذکر نہیں کیا، لہٰذا اس کا وہم ہونا یقینی ثابت ہُوا (بیعقات مصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۷۰ پر بھی ہے)۔

نوافل خواہ نمازِ جمعہ کے بعد ہوں یا دیگر نمازوں کے سب کا حکم برابر ہے۔ یہ تمام نوافل مسجد میں جائز ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ نوافل مسجد میں افضل ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ سب نوافل مسجد میں افضل ہیں سوا ان نوافل کے جو نمازِ جمعہ کے بعد پڑھے جاتے ہیں (کہ وہ گھر میں افضل ہیں) اس لیے کہ نمازِ جمعہ کے بعد مسجد میں نوافل ادا کرنا مکروہ ہے۔ مالکیہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں مبادا اہلِ بدعت اس کو بطور دلیل پیش کریں جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حد درجہ کی فاسد بات ہے۔ اس لیے کہ بدعتی لوگ تمام مساجد میں اور تمام نمازوں کے اوقات میں اس طرح کر سکتے ہیں۔ مزید براں وہ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ گھروں کو چلے جائیں اور وہاں جا کر ان کو ادا کریں۔ ہم نے بطریق ابوداؤد از ابراہیم بن حسن، از حجاج بن محمد از ابن جُریج از عطاء روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ اس جگہ سے تھوڑا سا الگ ہو جاتے جہاں جمعہ کی نماز ادا کی تھی اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر تھوڑا سا اور سرک جاتے اور چار رکعتیں پڑھتے۔ میں نے کئی مرتبہ آپ کو اس طرح کرتے دیکھا۔ (ابوداؤد، ترمذی کتابُ الصّلوٰۃ)

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ روایت کی ہے۔ وہ المعتمر بن سلیمان التیمی سے وہ عطاء بن السائب سے، وہ ابوعبدالرحمٰن السُّلَمی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں سکھایا کرتے تھے کہ ہم نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھیں چنانچہ ہم چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے ہمیں جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم چھ رکعتیں پڑھنے لگے۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۲۴۷)

ہم نے بطریق حمام از عباس بن اَصبغ روایت کی ہے۔ وہ محمد بن عبدالملک بن اَیمن سے، وہ محمد بن اسماعیل ترمذی سے، وہ حُمیدی سے، وہ سفیان بن عُیَیْنَہ سے، وہ عمرو بن دینار سے، وہ زُہری سے، وہ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے۔[1]

---

[1] ترمذی نے اس حدیث کو بروایت ابن ابی عمرؓ از سفیان روایت کیا ہے۔ نیز صحیح مُسلم، ج ۱، ص ۲۴۰ بروایت ابن ابی شیبہ و زُہیر و ابن نُمیر از سُفیان۔ نیز ابوداؤد ج ۱، ص ۴۴۴ بطریق مَعمر از زُہری۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳۲ بروایت نافع از ابن عمرؓ للمذری

۲۹۰- ایک رکعت وتر جائز ہے۔ تہجّد کے تیرہ۱۳ طریقے

وتر رات کے آخری حصّہ میں پڑھنا افضل ہے۔ اور ایک ہی رکعت وتر کفایت کرتا ہے۔ وتر اور نماز تہجّد تیرہ۱۳ طریقے سے ادا کی جا سکتی ہے جس طرح بھی ادا کر لے کافی ہے۔

تہجّد کا پہلا طریقہ: پسندیدہ ترین اور افضل طریقہ یہ ہے کہ بارہ رکعتیں پڑھیں۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیریں۔ پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے

۳۸۵- [عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا۔ انہوں نے عمر بن عبدالملک سے، انہوں نے ابن الاعرابی سے، انہوں نے ابوداؤد سے، انہوں نے قعنبی سے، انہوں نے مالک بن انس سے، انہوں نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جب نماز فجر کی اذان سُنتے تو ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ (بخاری، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ و نیز نسائی کتابُ الصّلوٰۃ فی الکبری باب ۶۰۲)

دُوسرا طریقہ: تہجّد کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ پھر پانچ رکعتیں ملا کر پڑھے اور صرف پانچویں رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھے۔ اس کی دلیل

۳۸۶- وہ حدیث ہے جس کو ہم نے [عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا انہوں نے محمد بن معاویہ سے، انہوں نے احمد بن شُعیب سے، انہوں نے اسحاق بن ابراہیم سے، انہوں نے عبدہ بن سلیمان سے، انہوں نے ہشام بن عُروہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ان میں پانچ رکعتیں وتر تھیں۔ پانچوں رکعتوں میں سے صرف آخری رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔ (مسلم، ابن ماجہ کتابُ الصلوٰۃ و نیز نسائی کتابُ الصّلوٰۃ فی الکبریٰ باب ۶۰۵)

تیسرا طریقہ: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دس رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے پھر ایک رکعت وتر ادا کرے۔ اس کی دلیل

اس کو نسائی اور ابن ماجہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ابوداؤد کے آخر میں "فی بیتہ" کا اضافہ ہے۔ (نسائی نے اسے سُنن کبریٰ میں روایت کیا ہے۔ دیکھو باب ۴۰۵)

۳۸۷۔ وہ حدیث ہے جس کو ہم نے [عبداللہ بن یوسف سے روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ حرملہ بن یحییٰ سے، وہ ابن وہب سے، وہ عمرو بن حارث سے، وہ ابن شہاب سے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ــــ جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں ــــ نمازِ فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھتے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

چوتھا طریقہ: چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس کی دلیل:

۳۸۸۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق مسلم از محمد بن عباد از سفیان بن عُیینہ از زہری از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ از والدِ خودم] روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ تہجد کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا دو دو رکعتیں ادا کرو۔ جب طلوعِ فجر کا خوف ہو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔ (مسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ و نیز نسائی کتاب الصلوٰۃ فی الکبریٰ باب ۵۸۵)

پانچواں طریقہ: تہجد کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھے۔ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے تشہد پڑھ کر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ پھر نویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے اور سلام پھیر دے۔ اس کی دلیل:

۳۸۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق مسلم از محمد بن المثنیٰؓ، از محمد بن ابی عَدی، از سعید بن ابی عَرُوبہ از قتادہ، از زُرارہ بن اَوفیٰ روایت کیا ہے کہ سعد بن ہشام بن عامر] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اُن سے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وِتروں کے بارے میں سوال کیا۔ ابنِ عباسؓ نے کہا کیا میں تجھے ایسی ہستی کا پتہ نہ دُوں جس کو رسُولِ کریمؐ کے وتروں کے بارے میں سب سے زیادہ علم ہے؟ اُس نے کہا کون؟ کہا، عائشہ صدیقہؓ۔ سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حضورؐ کے وتروں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا "حضورؐ نو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے، اللہ کی حمد و ثنا کرتے اور اسے پکارتے۔ پھر اُونچی آواز

سے سلام پھیرتے جسے ہم بھی سُن لیتے۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں ادا کرتے۔ جب آپ عمر رسیدہ ہو گئے اور جسم بھاری ہو گیا تو سات وتر پڑھنے لگے۔ دونوں رکعتوں میں اسی طرح کرتے جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الصلوٰۃ۔ ابن حزمؒ نے اس جگہ اس حدیث کو مختصراً حسبِ ضرورت بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بہت طویل مروی ہے)۔ اس کی دوسری دلیل:

۳۹۰۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا ہے۔ وہ محمد بن معاویہ سے، وہ احمد بن شُعیب سے، وہ عثمان بن عبداللہ سے، وہ عبیداللہ بن محمد سے، وہ حمّاد بن ابوحرّہ سے، وہ حسن سے، وہ سعد بن ہشام سے، وہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نو رکعت وتر پڑھتے۔ آٹھویں رکعت پر تشہّد کے لیے بیٹھتے۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت ادا کرتے۔ (ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

__چھٹا طریقہ__: چھٹا طریقہ یہ ہے کہ چھ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ ساتویں رکعت وتر کی پڑھے۔ اس کی دلیل:

۳۹۱۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔" (مُسند احمد، مؤطّا مالکؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)

__ساتواں طریقہ__:۔ ساتواں طریقہ یہ ہے کہ سات رکعتیں پڑھے۔ صرف چھٹی رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھے۔ پھر سلام پھیرے بغیر اُٹھ کھڑا ہو اور ساتویں رکعت ادا کرے۔ پھر بیٹھ کر تشہّد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل

۳۹۲۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا ہے۔ وہ محمد بن معاویہ سے۔ وہ احمد بن شُعَیب سے، وہ زکریا بن یحیٰی سے، وہ اسحاق سے، وہ مُعاذ بن ہشام دستوائی سے، وہ اپنے والد سے، وہ قتادہ سے، وہ زُرارہ بن اَوفیٰ سے، وہ سعد بن ہشام بن عامر سے، وہ] اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب عمر رسیدہ اور کمزور ہو گئے تو سات رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف چھٹی رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھتے۔ پھر سلام پھیرے بغیر اُٹھ کھڑے ہوتے اور ساتویں رکعت ادا کرتے۔ پھر سلام پھیرتے (تا آخر) (حوالہ حدیث نمبر ۳۹۰ میں گزر چکا)۔

__آٹھواں طریقہ__: آٹھواں طریقہ یہ ہے کہ سات رکعتیں پڑھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہّد کے لیے بیٹھے۔

آخری رکعت میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل:

۲۹۳۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بسندِ مذکور تا احمد بن شُعَیب روایت کیا ہے۔ وہ اسماعیل بن مسعود الجحدری سے، وہ خالد بن حارث سے، وہ سعید بن ابی عَرُوبہ سے، وہ قتادہ سے، وہ زُرارہ بن اَوفیٰ سے، وہ سعد بن ہشام بن عامر سے] روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب حضورؐ عمر رسیدہ اور بھاری ہو گئے تو سات رکعت پڑھا کرتے تھے صرف آخری رکعت میں تشہد پر بیٹھتے۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھتے۔ (حوالہ حدیث ۲۹۰ میں گزر چکا)

نواں طریقہ: نواں طریقہ یہ ہے کہ چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر دو رکعت میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس کی دلیل

۲۹۴۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔ (حوالہ حدیث نمبر ۲۹۱ میں گزر چکا)۔

دسواں طریقہ:۔ دسواں طریقہ یہ ہے کہ پانچ رکعتیں ملا کر پڑھے۔ صرف پانچویں رکعت میں بیٹھے اور تشہدّ کرے۔ اس کی دلیل:

۲۹۵۔ وہ حدیث ہے جو [ہم نے بسندِ مذکور تا احمد بن شُعَیب روایت کی ہے۔ وہ اسحاق بن منصور سے، وہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے، وہ سُفیان ثَوری سے، وہ ہشام بن عُروہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔ (نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۲)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں بعض علمائے سلف کا موقف یہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج از عطاء روایت کیا ہے کہ انہوں نے عُروہ بن زُبیر کو پانچ یا سات وتر پڑھتے دیکھا۔ دو رکعت کے بعد آپ تشہدّ کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۳: ۲۶)

نیز بطریق حماد بن سلمہ از ہشام بن عُروہ۔ اُنہوں نے کہا رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ پانچ وتر پڑھا کرتے تھے۔ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق از مُعتمر بن سُلیمان التیمی از لَیث از عطا از ابن عباسؓ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا وتر

نمازِ مغرب کی مانند ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ وتر میں صرف تیسری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۳: ۲۷)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا قول ہے۔ اس کو انھوں نے رسُولِ کریمؐ سے روایت نہیں کیا ہم اس پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ دین میں حجّت صرف رسُولِ کریمؐ کا قول و عمل یا اقرار ہے۔

گیارھواں طریقہ: گیارھواں طریقہ یہ ہے کہ تین رکعتیں ادا کرے۔ دوسری رکعت کے آخر میں بیٹھ کر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کے بعد ایک رکعت پڑھے، اس کے آخر میں تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ اس کی دلیل:

۳۹۶۔ حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب صبح ہو جانے کا اندیشہ دامنگیر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو"۔ امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے۔ (حوالہ حدیث ۳۹۰ میں گزر چکا)

بعض اہلِ علم نے اس ضمن میں ایک اثر بطریقِ اَوزاعی از مُطّلب بن عبداللہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیر کر فصل کرے۔ اس شخص نے کہا مجھے خطرہ ہے کہ ایک رکعت دُم کٹی نہ بن جائے۔ ابنِ عمرؓ نے کہا "اگر تم سُنّتِ رسولؐ چاہتے ہو تو سُنّت یہی ہے[1]"۔

بارھواں طریقہ: بارھواں طریقہ یہ ہے کہ تین رکعتیں پڑھے۔ دوسری رکعت میں بیٹھے، پھر سلام کے بغیر اُٹھ کھڑا ہو اور تیسری رکعت ادا کرے۔ تیسری رکعت میں بیٹھے، تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ یہ تین رکعتیں نمازِ مغرب کی طرح پڑھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس کی دلیل

۳۹۷۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبداللہ بن ربیع سے روایت کیا۔ انھوں نے محمد بن معاویہ سے، انھوں نے احمد

---

[1] اس حدیث کو طحاوی نے معانی الآثار (ج ۱ ص ۱۶۵) میں بطریقِ سُلیمان بن شعیب از بشر بن بکر از اَوزاعی، از مُطّلب بن عبداللہ مخزومی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابنِ عمرؓ سے سوال کیا (تا آخر) پھر اسی اثر کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں المروزی نے (ص ۱۱۹) پر المطّلب سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "مطّلب کے ابنِ عمرؓ سے سماع میں اختلاف ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہو کہ اسی نے ابنِ عمرؓ سے دریافت کیا تھا تو اس اثر کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ میرے نزدیک یہی بات راجح ہے۔

بن شُعَیب سے، انہوں نے اسماعیل بن مسعود سے، انہوں نے بشر بن مُفضّل سے، انہوں نے سعید بن ابی عَروبہ سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے زُرارہ بن اَوفیٰ سے، انہوں نے سعد بن ہشام بن عامر سے، کہ] اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا کرتے تھے[۱]۔ (حوالہ حدیث ۲۸۹ میں گزر گیا)

تیرھواں طریقہ:۔ تیرھواں طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک رکعت وتر پڑھے۔ امام شافعیؒ، ابوسلیمان اور دیگر اہلِ علم کا موقف یہی ہے۔ اس کی دلیل:

۲۹۸۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے حمام بن احمد سے روایت کیا ہے۔ وہ عباس بن اَصبغ سے، وہ محمد بن عبدالملک بن اَیمن سے، وہ بکر بن حماد سے، وہ مسدد سے، وہ یحییٰ بن سعید القطان سے، وہ شعبہ سے، وہ قتادہ سے، وہ ابومجلز سے، وہ کہتے ہیں کہ] میں نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو دونوں نے کہا، ہم نے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ "وتر رات کے آخری حصّہ میں ایک رکعت ہوتی ہے"[۲]۔

ہم نے سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن عباس و معاویہؓ اور دیگر صحابہ سے بھی وتر کی ایک رکعت روایت کی ہے۔ اس پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان، حُذَیفہ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (ان آثار کے لیے قیام اللیل مُصنّف عبدالرزاق وغیرہ کی طرف مراجعت لازم ہے)۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں یہی اخبار و آثار ہمارے نزدیک صحیح تھے۔ اگر کوئی اور بات ہمارے نزدیک صحیح ہوتی تو ہم اس کو بھی نقل کر دیتے ـــــ وباللہ التوفیق

دُم کٹی نماز: رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی صحیح حدیث "البُتَیرا"[۳] (دُم کٹی نماز) سے ممانعت کے بارے

---

[۱] یہ وہی روایت ہے جسے مصنف نے پانچواں طریقہ بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے صرف اختصار و تطویل کا فرق ہے پھر اس میں دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھنے کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ فَافْہَمْ وَتَدَبَّرْ (ابوالاشبال پاکستانی)

[۲] صحیح مُسلم، ج ۱، ص ۲۰۸-۲۰۹۔ قیام اللیل مروزی ص ۱۱۸ ـــــ طحاوی، ج ۱، ص ۱۶۳۔ یہ تمام محدثین بطریق حمام بن یحییٰ از قتادہ روایت کرتے ہیں۔ شعبہ کی روایت کردہ حدیث کو مسلم و طحاوی نے قتادہ سے رُوایت کیا ہے۔ مگر اُن میں وہ حدیث صرف ابنِ عمرؓ سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا گیا [۳] بُتَیرا کے لفظ پر مشتمل حدیث ضعیف ہے (نصب الرایہ ج ۱، ص ۲۷۸-۲۷۹۔ لسان المیزان ج ۴، ص ۱۵۲)

میں روایت نہیں کی گئی۔ ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث میں بتایا نہیں گیا کہ دُم کٹی نماز سے کیا مُراد ہے۔ ہم نے بطریق عبد الرزاق از سفیان بن عُیَینہ، از اَعْمَش، از سعید بن جُبَیر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "وتر کی تین رکعتیں دُم کٹی نماز ہے۔" (مُصنّف عبد الرزاق ۳ : ۲۳)

جس شخص نے جھوٹی حدیث سے احتجاج کرکے ایک رکعت وتر کو دُم کٹی نماز کہا تھا، اس حدیث سے اُس کے خلاف حُجّت قائم ہو گئی۔ اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح میں وارد ہُوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ لہٰذا رات کی نماز وتر پڑھا کرو۔" (مُصنّف عبد الرزاق ۳ : ۲۸ عن ابن عمر)

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ رات کے وتر دن کے وتر کی مانند تین ہیں۔ جو شخص کہتا ہے کہ آپؐ یہی بات بتانا چاہتے تھے وہ جھوٹ بولتا ہے اگر تم اس کو قطعی بات تصوّر کرتے ہو تو یہ کذب کا ارتکاب ہے۔ مزید براں تم نے خود ہی اپنی بات کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں جہراً پڑھا جائے اور تیسری میں سراً۔ جس طرح مغرب کی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ وتر کی طرح نمازِ مغرب میں بھی دعائے قنوت پڑھی جائے۔ یا یُوں کہ جس طرح مغرب میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جاتی اسی طرح وتر میں بھی نہ پڑھی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیاس کیسا بھی کیوں نہ ہو باطل ہوتا ہے ——— وباللہ التوفیق

۲۹۱۔ وتر رات کے آخری حصّہ میں افضل ہے

رات کے آخری حصّہ میں وتر پڑھنا افضل ہے۔ اگر رات کے پہلے حصّہ میں پڑھ لے تو بھی اچھا ہے۔ وتر کے بعد کوئی اور نماز پڑھنا جائز ہے۔ اندریں صورت دوسرے وتر کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ وتر کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر اس کو جوڑا نہ بنایا جائے۔ اس کی دلیل:

۳۹۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبد اللہ بن ربیع، از عمر بن عبد الملک، از محمد بن بکر، از ابوداؤد، از ابن ابی خلف، از ابو زکریا، از حماد بن سلمہ، از ثابت بنانی، از عبد اللہ بن ابی رباح، از] ابو قتادہؓ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ کہا رات کے آغاز میں۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ کہا "رات کے آخری حصہ میں۔" یہ سُن کر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا "آپ نے احتیاط سے کام لیا۔" اور حضرت عمرؓ سے کہا آپ نے طاقت سے فائدہ اٹھایا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۴۲، اس

حدیث سے ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کی دوسری دلیل

۴۰۰۔ وہ حدیث ہے جس کو (ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ہشام بن عمار، از یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف) اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز عشا کے بعد آٹھ رکعتیں پڑھتے، پھر وتر پڑھتے اور اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔ ان دو رکعتوں میں آپ بیٹھ کر قراءت کرتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور پھر رکوع کرتے۔ پھر اس کے بعد فجر کی دو سُنّتیں ادا فرماتے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، لیکن یہ روایت نسائی کبریٰ باب ۶۰۵ میں ہے)

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث کہ "وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ"[1] نیز "صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو" ندب و استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ وتر فرض نہیں۔ حضوؐر کا معمول یہ تھا کہ وتر کے بعد دو رکعتیں ادا کرتے، اور اس کے بعد فجر کی دو سُنّتیں پڑھتے۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وتر پڑھ کر سویا کریں[2]۔ یہ طرز عمل درست نہیں کہ آپ کے کسی قول پر عمل کیا جائے اور کسی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہاں نسخ والا معاملہ نہیں بلکہ دونوں عمل مباح ہیں ـــــ وباللہ التوفیق

۴۰۱۔ جیسا کہ (ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از ابوداؤد، از مسدد، از ملازم بن عمرو، از عبداللہ بن بدر، از قیس بن طلق روایت کیا ہے) کہا طلق بن علی رمضان میں ہمارے یہاں آئے اور شام کو ہمارے ساتھ روزہ افطار کیا۔ پھر اس رات ہمارے ساتھ قیام کیا اور وتر پڑھے۔ پھر اپنی مسجد کو چلے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب وتر باقی رہ گئے تو امامت کے لیے ایک آدمی کو آگے بڑھایا اور کہا اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاتیے۔ مَیں نے رسُول اکرم صلّی اللہ

[1] ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۴۰۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

[2] ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۳۹۔ ترمذی، ج ۱، ص ۹۳۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

[3] بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارمی کتاب الصلوٰۃ۔

علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا کہ "ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا جائز نہیں[1]"

حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ جب وتر پڑھنے کے بعد اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو ایک رکعت مزید پڑھ کر وتر کو جوڑا بنا لیا کرتے تھے (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۱۲۸)۔ مگر دین میں حجّت صرف رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا قول و عمل ہے۔

۲۹۲۔ وتر میں قراءت

وتر میں سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ جو پڑھ سکے پڑھے۔ اگر وتر کی تین رکعتوں میں سے سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ پہلی میں سُورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سُورۃ الکافرون اور تیسری میں سُورۃ الاخلاص پڑھے تو بہتر ہے۔ اور اگر سُورۃ الفاتحہ پر اکتفاء کرے تو بھی اچھا ہے۔ اگر وتر کی ایک رکعت میں سُورۃ الفاتحہ کے علاوہ سورۃ النساء کی ایک سو آیات پڑھ لے تب بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمّل: ۲۰) "قرآن میں سے جو آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو"

۴۰۲۔ جیسا کہ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از عبداللہ بن محمد بن عثمان، از احمد بن خالد، از علی بن عبدالعزیز از حجاج بن منہال، از حماد بن سلمہ، از عاصم الاحول، از ابی مجلز از] حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کی ہے کہ وہ مکّہ و مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے عشاء کی نماز دو رکعت پڑھی۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر ادا کی اور اس میں سورۃ النساء کی ایک سو آیات تلاوت کیں۔ پھر فرمایا میں نے اس بات میں کوتاہی نہیں کی کہ جہاں حضورؐ نے قدم رکھے تھے وہاں قدم رکھوں اور جو کچھ آپؐ نے پڑھا تھا وہی تلاوت کروں[2]۔

---

[1] ابوداؤد، ص ۱۵۴ اور نسائی، ج ا ص ۲۴۷ بروایت حماد بن السری از ملازم بن عمرو پوری روایت نقل کی ہے۔ ترمذی نے صرف مرفوع حدیث کو روایت کیا ہے (ترمذی، ج ا ص ۹۴)۔ انہوں نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے بھی صرف مرفوع حدیث روایت کی ہے (ص ۱۴۷ حدیث نمبر ۱۰۹۵) بروایت ایوب بن عُتبہ از قیس بن طلق۔ المروزی (ص ۱۲۸) نے اس کو بروایت محمد بن یحییٰ از طیالسی نقل کیا ہے۔

[2] ابوداؤد طیالسی (ص ۶۹ حدیث نمبر ۵۱۲) بروایت ثابت ابی زید از عاصم الاحول۔ امام احمدؒ نے اس کو مُسند

۴۰۳ ۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از حسین بن عیسیٰ، از ابو اُسامہ، از زکریا بن ابی زائدہ، از ابو اسحاق السبیعی، از سعید بن جُبیر] از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سُورۃ الاعلیٰ، دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سوُرۃ الاخلاص تلاوت فرماتے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۳ ۔ نماز وتر بلا عُذر بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہے

نماز وتر کھڑے ہو کر، بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہے۔ اس کی دلیل:

۴۰۴ ۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد، از الفربری، از بخاری، از اسماعیل بن اُوَیس، از مالک از ابوبکر بن عُمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب از] سعیدؒ بن یسار روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مکّہ کے راستہ پر گامزن تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فجر طلوع نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں سواری سے اُترا اور وتر ادا کیے، پھر اُن کے ساتھ مل گیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا تم کہاں تھے؟ مَیں نے کہا مجھے صبح ہو جانے کا خدشہ دامنگیر تھا، اس لیے مَیں نے سواری سے اُتر کر وتر ادا کیے۔ ابنِ عُمرؓ کہنے لگے کیا رسولِ اکرمؐ کی ذات میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ موجود نہیں؟ مَیں نے عرض کی، واللہ کیوں نہیں؟ کہنے لگے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر وتر ادا کیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ)

جریر بن حازم کہتے ہیں مَیں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے پوچھا کیا ابن عمرؓ اپنی سواری پر وِتر پڑھ لیا کرتے تھے؟ کہنے لگے جی ہاں! اور کیا وِتر میں ایسی کوئی خصوصیت پائی جاتی ہے جو دیگر نوافل میں موجود نہیں۔ (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۲۵۳)

سفیان ثوری ثُوَیر بن ابی فاختہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے والد سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی

(ج ۱، ص ۴۱۹) میں بروایت عبدالصمد از ثابت از عاصم روایت کیا ہے۔ یہ صحیح اسانید ہیں۔ اس کو نسائی (ج ۱، ص ۲۵۱) نے بروایت ابراہیم بن یعقوب از ابوالنعمان از حماد بن سلمہ از عاصم نقل کیا ہے۔ مَروزی نے اس کو قیام اللّیل (ص ۱۲۷) میں ذکر کیا ہے۔ المقریزی نے جب اس کا اختصار لکھا تو اس کی سند کو حذف کر دیا۔

سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۳۰۲)

ابنِ جُریج سے منقول ہے کہ مَیں نے عطاء سے دریافت کیا، کیا ایک آدمی بیٹھ کر وتر پڑھ سکتا ہے؟ کہا ہاں!

(قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۲۵۲)

وکیع سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن ابی السفر سے، وہ شعبی سے، کہ وتر کی قضا نہیں دی جاتی۔ مگر اسے ترک نہیں کرنا چاہیے۔ وتر نفل ہوتے ہیں بلکہ افضل ترین نوافل۔ (قیام اللیل للمروزی، طبع جدید، ص ۳۱۰)

حمّاد بن سلمہ، قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ سعید بن المسیّب سے کہ وتر اور چاشت کی نماز نفل ہیں۔

ابنِ حزم کہتے ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ نوافل کو اگر کوئی بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ [ہم نے بطریق مالک از ابن شہاب، از سائب بن یزید، از مطّلب بن ابی وَداعہ السّہمی از] اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ مَیں نے کبھی رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ البتہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے بیٹھ کر نوافل ادا کیا کرتے تھے ——— وباللہ التوفیق ——— (مسلم، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۴۔ ہر مہینہ میں ایک دفعہ قرآن ختم کرنا مستحب ہے

ہر ماہ میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا مُستحب ہے۔ اگر کم مُدّت میں ختم کرے تو اچھا ہے۔ پانچ روز سے کم مدّت میں قرآن ختم کرنا مکروہ ہے۔ اگر کرنا ہی ہو تو تین روز میں ختم کرے۔ اس سے کم مدت میں قرآن ختم کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک شب و روز میں ایک تہائی سے زیادہ قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل

۴۰۵۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف روایت کیا ہے۔ وہ احمد بن فتح سے، وہ عبدالوہاب بن عیسٰی سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ قاسم بن زکریا سے، وہ عبیداللہ بن موسیٰ سے، وہ شیبان سے، وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ محمد بن عبدالرحمٰن مولیٰ بنی زُہرہ سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے، وہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک ماہ میں قرآن ختم کیا کرو۔ مَیں نے عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے۔ فرمایا تو بیس دنوں میں پڑھ لیا کرو۔ مَیں نے پھر عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا تو سات دنوں میں ختم کر لیا کرو۔ اس سے آگے نہ بڑھو" (بخاری فضائل القرآن مسلم، الصوم ابوداؤد الصلوٰۃ)

دوسری دلیل:۔

۴۰۶- [ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع روایت کی ہے۔ وہ عمر بن عبدالملک سے، وہ محمد بن بکر سے، وہ ابوداؤد سے، وہ محمد بن المثنّٰی سے، وہ عبدالصمد بن عبدالوارث سے، وہ ہمام بن یحییٰ سے، وہ قتادہ سے، وہ یزید بن عبداللہ ابن الشخیر سے، وہ] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں کتنی مدت میں قرآن ختم کیا کروں؟ فرمایا "ایک ماہ میں" (تا آخر) اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے ان سے کہا "سات دن میں قرآن ختم کر لیا کرو" عرض کی "مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے" یہ سُن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے تین شب و روز سے کم مدت میں قرآن ختم کیا اُس نے قرآن کو سمجھا نہیں" (ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، اور ترمذی کتاب القرارت، نسائی فضائل القرآن فی الکبریٰ، باب ۴۸)

اگر کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی، طبع جدید، ص ۲۶۳)،

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے ہیں (قیام اللیل للمروزی طبع جدید، ص ۱۳۸) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ	"اگر کسی بات میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو جائے
الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ	تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ
الْاٰخِرِ۔ (النسآء: ۵۹)	اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو"

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت وہ ہے جو ہم بیان کر چکے۔

ہم نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کی ہے۔ وہ شعبہ و سفیان سے، دونوں علی بن بذیمہ سے، وہ ابوعُبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے، وہ اپنے والد سے، اُنہوں نے کہا "جس نے تین دن سے کم مدت میں قرآن پڑھا گویا وہ شعر پڑھ رہا ہے (یعنی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا)۔ (مصنف عبدالرزاق، ج ۳ ص ۳۵۲)

ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی روایت کی۔ وہ عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی سے، وہ حُصَین بن عبدالرحمٰن سے، وہ ہلال بن یساف سے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جُبیر ایک رکعت میں قرآن ختم کیا کرتے تھے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔

اگر ہمارے مخالفین وہ حدیث ذکر کریں جس کو ہم نے بطریق ہشام دستوائی، از عطاء بن سائب روایت کیا ہے۔

وہ اپنے والد سے، وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسُولِ کریمؐ سے پوچھا "میں قرآن کیسے پڑھا کروں؟ فرمایا" ایک شب و روز میں ختم کیا کرو، اس پر اضافہ مت کرو۔"

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عطاء کی یہ روایت مضطرب اور معلول ہے۔ عطاء کا حافظہ عمر کے آخری حصہ میں خراب ہو گیا تھا۔

ہم نے اسی حدیث کو بطریق حمّاد بن سلمہ، از عطاء بن سائب، از والد او، از حضرت عبداللہ بن عمرو بنؓ العاص روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کہا "ایک ماہ میں قرآن ختم کیجیے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ اس مدت کو گھٹاتے رہے اور میں مزید کی کا مطالبہ کرتا رہا۔ عطاء کہتے ہیں ہم نے اپنے والد سے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ان سے سات دن روایت کیے اور بعض نے پانچ دن۔ (ابو داؤد کتاب الصّلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں عطاء خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے والد سے روایت کرنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے والد نے کہا تھا اس کا انہیں پُورا یقین نہیں ہے۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ داؤد علیہ السلام ایک گھنٹہ میں قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ حضرت داؤدؑ کا قرآن زبُور تھا نہ کہ یہ قرآن۔ ان کی شریعت بھی ہماری شریعت سے الگ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام بطورِ خاص اپنی قوم کی طرف نبی مبعوث ہو کر آتے تھے نہ کہ ہماری طرف۔ ہماری جانب حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ بات رسُولِ کریم سے ثابت ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا :

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۔ "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے"۔ (المائدہ : ۴۸)

جہاں تک رات کے قیام کا تعلق ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضورؐ نے صبح تک پوری رات کا قیام کبھی نہیں کیا۔ اس کی دلیل :

۴۰۷ ۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد از احمد بن علی، از مُسلم بن حجّاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از سُفیان بن عُیینہ، از عمرو بن دینار، از عمرو بن اوس، از] حضرت عبداللہ

بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی ہے۔ آپ نصف شب تک سوتے پھر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ رات کے آخری حصہ میں پھر سو جاتے، پھر اُٹھ کھڑے ہوتے نصف کے بعد تہائی رات تک قیام کرتے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ واحادیث الانبیاء، مُسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّوم)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب یہ نماز اللہ کو بہت پیاری ہوتی، تو جو نماز اس سے زیادہ ہو گی وہ بلاشبہ اس سے کم درجہ کی حامل ہو گی اور جب اس سے کم درجہ ہوتی تو وہ ایک ایسا عمل ہے جو اجر و ثواب سے عاری اور محض تکلف پر مبنی ہے اور ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت سلمان، مُعاذ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ساری رات قیام سے منع کیا ہے۔

۲۹۵۔ نوافل کی قراءت جہراً و سراً جائز ہے

نوافل کی نماز رات کے وقت ہو یا دن کے وقت اس میں جہراً و سراً قراءت مردوں اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کی ممانعت یا اس کا وجوب کتاب و سُنّت میں مذکور نہیں۔ اگر کہا جائے کہ عورتوں کو سراً پڑھنا چاہیے۔ ہم کہیں گے کس لیے؟ جب یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ لوگوں کے لیے حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کی گفتگو سُننا مُباح ہے۔ باقی عورتوں کی گفتگو سُننے کی کراہت کسی نص سے ثابت نہیں ہوتی۔ وباللہ التوفیق۔

۲۹۶۔ ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا جائز ہے

ایک ہی رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا، فرائض ہوں یا نوافل، جائز ہے۔ اسی طرح فرائض یا نوافل کی ایک رکعت میں امام اور منفرد سورت کا ایک جزو پڑھ سکتے ہیں۔

اس کی دلیل قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (المزمل۔ ۲۰) (قرآن میں سے جو آسان ہو)

لہ الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہماری مائیں ہیں، جب کہ دوسری عورتوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ ذہبی کا یہ تعاقب درست نہیں۔ اس لیے کہ ازواجِ مطہرات تعظیم و تکریم اور حُرمتِ نکاح کے اعتبار سے اُمّت کی مائیں ہیں اس لیے ایک آدمی اپنی والدہ یا لونڈی کے جن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے ازواجِ مطہرات کے بارے میں اس کی بھی اجازت نہیں جیسا کہ ابنِ حزمؒ نے کہا ہے اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء کرام کا دعویٰ ہے۔

پڑھ لیا کرو)

قبل ازیں ہم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کر چکے ہیں کہ وہ نمازِ فجر کی دو رکعتوں میں صحابہ کی موجودگی میں سورۃ البقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرتے تھے۔

۲۹۷۔ بلا عذر کعبہ رُخ لیٹ کر نفلی نماز جائز ہے

بلا عذر کعبہ رُخ لیٹ کر اور سواری کی حالت میں، خواہ وہ کعبہ کی طرف جا رہی ہو یا کسی اور طرف نفلی نماز جائز ہے۔

ان تمام حالات میں سفر و حضر برابر ہیں۔ اس کی دلیل:

۴۰۸۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از اسحاق بن منصور، از روح بن عُبادہ، از حُسین المعلّم، از عبداللہ بن بُریدہ، از عمران بن حُصَین روایت کیا ہے] انہوں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اگر کھڑا ہو کر پڑھے تو افضل ہے۔ جو بیٹھ کر پڑھے اُسے کھڑا ہونے والے سے نصف اجر ملے گا۔ اور جو لیٹ کر پڑھے اسے بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا" (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اِس اباحت سے صرف وہ شخص مستثنیٰ ہے جو کھڑا ہونے یا بیٹھنے پر قادر ہو، اور فرض پڑھ رہا ہو۔ اس کی دلیل:

۴۰۹۔ وہ حدیث ہے جس کو [ہم نے بطریقِ مالک، از ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ بیٹھنے کی حالت میں قراءت کرتے، جب قراءت میں سے تیس یا چالیس آیات باقی رہتیں تو کھڑے ہو کر پڑھنے لگتے، پھر رکوع کو جاتے، پھر سجدہ کرتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے۔ (موطا مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از مُعاذ بن مُعاذ العنبری، از عبداللہ بن شقیق عُقیلی روایت کیا] وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسُولِ کریم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا "آپ دیر تک رات کو کھڑے ہو کر پڑھتے، اور دیر تک بیٹھ کر پڑھتے جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرتے۔ اور جب بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع بھی بیٹھ کر

کرتے۔(مسلم، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب طریقے سنّت اور مُباح ہیں۔ رسُولِ کریمؐ نے ان سب پر عمل کیا ہے چنانچہ

۴۱۱۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از ابونُعیم فضل بن دکین، از شَیبان بن فرّوخ، از یحییٰ بن ابی کثیر، از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان روایت کی ہے کہ] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ نے بیان کیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی حالت میں نوافل پڑھا کرتے تھے اور سواری کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوتا تھا (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۵، کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۲۔ [بدین سند تا امام بخاری، از مُعاذ بن فُضالہ، از ہشام دستوائی، از یحییٰ بن ابی کثیر، از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان مروی ہے کہ] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری جانبِ مشرق رواں ہوتی اور آپ اس پر نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب فرض پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اُتر کر قبلہ رُخ ہو جاتے (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ ہر سوار کے لیے عام ہے۔ وہ کسی سواری پر ہو، اور حالت کیسی بھی ہو، سفر کی یا حضر کی۔ اس مسئلہ میں جس قدر احادیث وارد ہوتی ہیں ان سب کی نسبت اس میں زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ قاضی ابو یوسف اور دیگر حنفیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پیدل کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں کہ وہ چلتے ہوئے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ چونکہ قیاس باطل ہے لہٰذا جو شخص سوار نہیں اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہم نے بطریق وکیع، از سفیان ثوری، از منصور بن مُعتمر، ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ صحابہ و تابعین سواری کی حالت میں نفلی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ خواہ سواری کسی طرف جا رہی ہو۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۳۰۲۔ قدرے اختلاف مروی ہے)۔

یہ بات انہوں نے صحابہ و تابعین کے بارے میں کہی ہے خواہ وہ سفر میں ہوتے یا حضر میں۔ وباللہ التوفیق

۲۹۸۔ اشارے سے رکوع و سجدہ

سواری کی حالت میں رکوع اور سجدہ اشارے سے کیا جائے گا جیسا کہ

۴۱۳۔ [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از موسیٰ بن اسماعیل، از عبدالعزیز بن مسلم، از عبداللہ بن دینار روایت کیا ہے کہ] حضرت عبداللہ بن عمرؓ حالتِ سفر

میں سوار ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے، خواہ سواری کسی طرف بھی جا رہی ہوتی، اشارہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ کہا کرتے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، ج ۱ ص ۱۴۸، کتاب الصلوٰۃ)

۲۹۹۔ فرضی نماز بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں

جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے وہ صرف کھڑے ہو کر درست ہے۔ اِلّا یہ کہ بیماری، یا ظالم دشمن یا کسی حیوان یا کسی اور چیز کا خوف ہو۔ یا قیام سے قاصر ہو مثلاً کشتی پر سوار ہو۔ جو شخص ایسے امام کی اقتداء کرے جو مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ اگر امام قعود و قیام پر قادر نہ ہو اور لیٹ کر نماز پڑھاتا ہو تو مقتدی بھی لیٹ کر نماز پڑھیں۔ ان دونوں صورتوں میں اگر کوئی مذکر ہو جو لوگوں تک امام کی تکبیر کو پہنچاتا ہو تو اگر چاہے امام کے پہلو میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ اور اگر چاہے اس طرح نماز پڑھے جیسے امام پڑھ رہا ہے۔

خائف اور مریض کے لیے دلیل یہ آیات ہیں:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اُس میں طاقت ہو۔"

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵) "اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تکلیف نہیں چاہتا۔"

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرہ: ۲۳۸) "اللہ کی عبادت کے لیے خاموش ہو کر کھڑے ہوا کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیام کو واجب ٹھہرایا ہے، بجز اس شخص کے جس کو بنا بر نص مستثنیٰ کر دیا۔ خائف اور مریض کے بارے میں تو اہلِ علم کا اِجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرض یا پاؤں کے درد کی وجہ سے بیٹھ کر بھی فرائض پڑھے ہیں (مسند احمد ۳: ۲۹۵)۔

جو امام کسی عُذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اس کی اقتداء کرنے والے کے بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور اُن کے اصحاب کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کا امام نہیں بن سکتا۔ البتہ ولید بن مسلم سے ایک روایت منقول ہے جو امام ابوحنیفہ اور شافعی کے مسلک سے ہم آہنگ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور شافعی کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کا امام بن سکتا ہے۔ البتہ وہ امام کے پیچھے کھڑے

ہو کر نماز ادا کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر لیٹ کر تندرستوں کی امامت نہ کرے۔

ابوسلیمان اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مریض تندرستوں کی امامت کر سکتا ہے اس کی اقتدا میں سب بیٹھ کر نماز ادا کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہمارا تعامل یہی ہے۔ البتہ مکبر جو لوگوں تک امام کی تکبیر پہنچاتا ہے، اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے یا بیٹھ کر۔ جب ہم نے اس ضمن میں دلیل و برہان کی تلاش کی تو یہ دلیل ملی۔

۴۱۴- [ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یوسف، از مالک، از ابن شہاب] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے" (تا آخر) ......

اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز ادا کرو" (مؤطا امام مالکؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۵- مزید براں [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از قتیبہ بن سعید، از مغیرہ الحزامی، از ابوالزناد، از الاعرج] از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام کو اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اس سے اختلاف نہ کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو، جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، جب وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم سب بیٹھ کر نماز ادا کرو"[1] (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۱۹)

۴۱۶- [بدیں سند تا مسلم، از ابوبکر بن ابی شیبہ و ابوالربیع الزہرانی و ابوکریب محمد بن العلاء و محمد بن عبداللہ بن نمیر، حدیث کے الفاظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے ہیں وہ عبدہ بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں اور ابوالربیع حماد بن زید سے۔ ابوکریب عبداللہ بن نمیر سے اور محمد بن عبداللہ اپنے والد سے، پھر عبدہ بن سلیمان و حماد بن زید اور عبداللہ بن نمیر سب ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے اور وہ] حضرت

---

[1] ابوداؤد نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ اس حدیث سے طویل تر ہیں (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۴-۲۲۵)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو چند صحابہ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ اسی اثنا میں حضورؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو اُن صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز کا آغاز کیا۔ آپؐ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئے۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا" امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب اٹھ کھڑا ہو تو تم بھی اُٹھ کھڑے ہو۔ جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹)

[ہم نے بطریق لیث بن سعد، از ابو الزبیر، از] حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، تو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو آپ کی تکبیر سناتے تھے۔ آپ نے ہماری طرف جھانکا تو ہمیں کھڑا پایا۔ آپؐ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا" تم نے تو اہلِ فارس و روم کی طرح کیا ہے کہ ان کے بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ ان کی خدمت میں) کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسا نہ کیا کرو، اپنے ائمہ کی پیروی کرو۔ اگر امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو" (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو قیس بن ابی حازم، ہمام بن منبہ، ابو علقمہ اور ابو یونس نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ مزید براں ہم نے اس حدیث کو بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر، از والدِ خود نیز از عُبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ از ابن عباسؓ وعائشہؓ اور بطریق اسود از حضرت عائشہؓ بھی نقل کیا ہے۔ بایں طور یہ حدیث متواتر کے درجہ کی حامل ہے۔ لہٰذا اس کو تسلیم کرنا واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ (یہ سارے طرق صحاح کتاب الصلوٰۃ میں موجود ہیں)۔

جب ہم نے مالکیہ کے اس موقف پر غور کیا کہ ان کے نزدیک کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا امام تندرستوں کا امام نہیں بن سکتا تو ہمیں اس کی کوئی اصل دستیاب نہیں ہوئی۔ بجز اس کے کہ مالکیہ یہ کہیں کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ اس کے اثبات میں وہ اس روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق جابر الجعفی از شعبی اور بطریق عبدالملک بن حبیب از شیخ اُو، از مجالد از شعبی نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میرے بعد تم میں سے کوئی شخص بیٹھ کر امامت نہ کرواتے" (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۶۳)

امام ابنِ حزم فرماتے ہیں یہ روایت لاشئ ہے۔ اُن کا یہ قول کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت ہے باطل ہے۔ اس لیے

کہ حدیث کے الفاظ اس قول کی تردید کرتے ہیں۔ حضورؐ نے اس حدیث میں فرمایا کہ "امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس سے اختلاف نہ کرو، جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ آپؐ کا یہ حکم آپؐ کے بعد ہر امام کے لیے ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

نیز آیت کریمہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" خصوصیت کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کی تردید کرتی ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ شخص اپنے دعوے کے اثبات میں نصِ صحیح یا اجماعِ قطعی کی دلیل پیش کرے۔

شعبی کی روایت کردہ حدیث اس لیے باطل ہے کہ اس کی سند میں جابر جُعفی ہے جو مشہور کذاب اور رجعتِ علیؓ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں مُجالد ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث مُرسل[1] ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ اہلِ کوفہ کی ان روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں جس کی تائید دیگر روایات سے نہ ہوتی ہو۔ اہلِ مدینہ کی روایت کردہ احادیث میں سابق الذکر حدیث سے زیادہ کوئی صحیح روایت موجود ہی نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک اہلِ مدینہ کے یہاں یہ صحیح ترین سند [سفیان ثوری از منصور، از ابراہیم از اسود و علقمہ و مسروق از عمر بن الخطابؓ، اُمّ المومنین عائشہ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم ہے۔]

حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ اہلِ مدینہ کی صحیح ترین روایت کے مقابلے میں مالکیہ اہلِ کوفہ کی ضعیف ترین روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اہلِ مدینہ کی صحیح ترین اسناد مثلاً [زُہری از انس وہشام بن عُروہ از والد اُو، از عائشہ نیز عبید اللہ بن عبداللہ از عائشہؓ و ابوالزناد، از الاعرج از ابوہریرہ، نیز سالم بن عبداللہ بن عمر از والد خود۔ یہ سب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔] اس سے زیادہ حیران کن بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے افعال آپؐ کے اقوال ہی کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ بخلاف ازیں یہاں حضورؐ کے آخری فعل کو بھی قابلِ اعتنا تصور نہیں کرتے۔ بلاشبہ آخری نماز جو حضورؐ نے لوگوں کو پڑھائی وہ بیٹھ کر پڑھائی تھی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اگر مالکیہ کہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے کم درجہ کی فضیلت رکھتا ہے، تو پھر وہ ایک تندرست آدمی

---

[1] شعبی کی روایت کردہ حدیث کو دارقطنی (۱۵۳؍۲) نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کو صرف جابر جعفی نے شعبی سے روایت کیا ہے۔ جابر متروک الحدیث ہے لہٰذا یہ حدیث ناقابلِ احتجاج ہے۔

کی امامت کیوں کر کرے گا؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے، کم تر درجہ اُس وقت ہوگا جب قیام پر قادر نہ ہو، یا قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے۔ مگر جب بیٹھ کر نماز پڑھنا اس پر فرض ہو تو درجہ کے کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید براں اس امر میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ کہتر درجہ کا شخص مہتر کی امامت کرے۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ افضل ترین نماز رسولِ کریمؐ کی ہے۔ بایں ہمہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء فرمائی، حالانکہ بلاشبہ ان کی نماز حضورؐ کی نماز سے کم درجہ کی حامل ہے۔ دیکھیے بعض اوقات مسافر امامت کرتا ہے جو صرف دو رکعت فرض پڑھتا ہے۔ مقیم لوگ اس کی اقتداء کرتے ہیں جن کے ذمہ چار رکعت فرض ہیں۔ پھر تم اس کی اجازت کیوں کر دیتے ہو، اور بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کو کھڑے ہونے والوں کی امامت کا حق نہیں دیتے؟ یہ محض تحکّم ہے جس کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہیں ـــــ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

پھر ہم نے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی طرف رجوع کیا کہ وہ دونوں اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضورؐ کا یہ قول کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے جبکہ امام کسی مرض یا عذر کی بنا پر پڑھا رہا ہو تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو، یہ حکم منسوخ ہے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کس دلیل سے؟

اگر وہ یہ حدیث پیش کریں، جس کو

۴۱۸۔ [ہم نے بطریق عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از احمد بن عبداللہ بن یونس، از زائدہ، از موسیٰ بن ابی عائشہ، از عبیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ روایت کیا ہے] وہ کہتے ہیں میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر حضورؐ کی بیماری کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے طویل واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ان ایام میں نماز پڑھاتے رہے۔ پھر آپؐ نے بیماری میں قدرے افاقہ محسوس کیا تو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نماز ظہر کے لیے نکلے۔ ان میں سے ایک حضرت عباسؓ تھے۔ ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے پیچھے نہ ہٹنے کا اشارہ کیا۔ آپؐ نے ان دونوں سے کہا مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھلا دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر رسولِ کریمؐ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور لوگ ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے۔ حضورؐ بیٹھے ہوئے

تھے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث عبد اللہ بن عباسؓ کو سنائی تو انہوں نے اسے من وعن قبول کر لیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۹۔ [بدیں سند تا مسلم، بروایت یحییٰ بن یحییٰ، از ابو معاویہ، از اعمش، از ابراہیم نخعی، از اسود، از حضرت] عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضورؐ کی بیماری شدت پکڑ گئی تو فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (تا آخر)، اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ابوبکرؓ نے نماز کا آغاز کیا تو رسولِ کریمؐ نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں کے سہارے سے باہر نکلے۔ آپؐ کے پاؤں زمین کے ساتھ گھسٹتے جا رہے تھے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ سن کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ آپ نے ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔ آپؐ آکر ابوبکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسولِ کریمؐ بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ابوبکرؓ کھڑے تھے۔ ابوبکرؓ رسولِ کریمؐ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۰۔ [بدیں سند تا مسلم، از منجاب بن حارث تمیمی، از علی ابن مسہر، از اعمش، از ابراہیم، از اسود] از عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے طویل حدیث ذکر کی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسولِ کریمؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر ان کو تکبیر سنا رہے تھے۔ (صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۲۴)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ہم نے جب اس حدیث پر غور کیا تو ہمیں اُن کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ملی کہ جب معذور امام لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اقتداء میں مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ لوگوں نے حضورؐ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ اور ابوبکر لوگوں کو آپ کی تکبیر سنا رہے تھے۔ آپ نے ایک یقینی حکم دیا ہے جو نقل متواتر سے ثابت ہے کہ لوگ بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ ایک حتمی بات کو ظن کاذب کی بنا پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔ بخلاف ازیں صحابہ کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے آپ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی ہو گی۔

مذکورہ حدیث کے الفاظ اس امر کے زندہ گواہ ہیں کہ صحابہ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اگر صحابہ بھی کھڑے ہوتے اور ابوبکرؓ بھی تو صرف پہلی صف کے لوگ آپؐ کی اقتدا کر سکتے تھے، دیگر صفوف نہیں۔ اس لیے کہ وہ آپ کو دیکھتے نہ تھے اور پہلی صف

ان کے درمیان حاجب تھی۔ آپ کے زمانہ میں صفیں باہم مربوط و متصل ہوا کرتی تھیں نہ کہ منتشر اور الگ الگ۔ حدیث کے یہ الفاظ کہ "لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے" اس امر کے شاہدِ عدل ہیں کہ نماز پڑھنے والے تمام صحابہ اُن کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی لیے وہ آپ کی نماز کی اقتدا کرنے کے قابل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے ہوں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حدیث کے الفاظ کی تخصیص اور اس کو مجاز پر محمول اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب اس کے اثبات کے لیے نصِ جلی موجود ہو۔

علاوہ ازیں اگر حدیث میں اس کا ثبوت موجود بھی ہو ــــــ حالانکہ ہرگز موجود نہیں ــــــ کہ صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی تو اس سے اس کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور یہ مباح ہے۔ (یعنی معذور امام کی اقتداء میں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھنا جائز ہے) جیسا کہ قبل ازیں ہم مذکر کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ وہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دونوں طرح نماز ادا کرنے کا مجاز ہے۔

نیز یہ کہ اگر چاہے صف میں کھڑا ہو اور اگر چاہے امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے[1]۔

---

[1] اکثر محدثین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۰۰) حضرت انس کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ابو عبداللہ نے کہا الحُمیدی کہتے ہیں یہ حدیث کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" یہ حکم آپ نے پہلی بیماری میں دیا تھا۔ بعد ازاں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور آپ کے آخری حکم پر عمل کیا جاتا ہے"۔

ابن حبان نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ امام کی پیروی میں مقتدیوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ زیلعی نصب الرایہ، ج ۲ ص ۴۹ پر رقمطراز ہیں:۔

"اس حدیث میں پوری وضاحت موجود ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ صحابہ میں سے حضرات جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، اُسید بن حضیر، قیس بن فہد رضی اللہ عنہم کا فتویٰ یہی ہے۔ دیگر صحابہ سے اس کے خلاف کوئی متصل یا منقطع روایت موجود نہیں۔ گویا اس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ہمارے نزدیک جو اجماع حجت ہے وہ صحابہ ہی کا ہے"۔

• تابعین میں سے جابر بن زید نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ دیگر تابعین سے اس کے خلاف کوئی صحیح یا ضعیف روایت منقول نہیں۔ گویا اس پر تابعین کا اجماع بھی قائم ہو چکا ہے۔

اُمت میں اوّلین شخص جس نے پہلی مرتبہ اس کی مخالفت کی وہ مُغیرہ بن مِقسَم ہیں۔ پھر ان سے حماد بن ابی سُلیمان نے یہ مسلک اختیار کیا اور اُن سے امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب نے۔ سب سے عمدہ حدیث جس سے انہوں نے احتجاج کیا ہے، جابر جُعفی کی روایت کردہ ہے جس کو وہ شَعبی سے روایت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "میرے بعد کوئی شخص بیٹھ کر امامت نہ کرے۔" اگر اس حدیث کی صحت ہو بھی جائے تو مُرسل ہے۔ اور مُرسل کا وجود و عدم ہمارے نزدیک مساوی ہے اس لیے کہ اگر ہم ثقہ تابعی کی مراسیل کو قبول کریں تو پھر تبع تابعین کی مُرسل روایات کو بھی قبول کرنا چاہیے۔ اور پھر اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر تبع تابعین کے اتباع کی مراسیل کو قبول کرنا بھی لازم ٹھہرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ جو شخص بھی "قال قال رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" کہے اس کی روایت کردہ حدیث کو قبول کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے شریعت کا نقض و ابطال لازم آتا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ایک طرف تو جابر جُعفی کو ضعیف اور کاذب قرار دیتے ہیں، لیکن جب چاروں طرف سے گھر جاتے ہیں تو اس کی مرویات سے احتجاج بھی کرتے ہیں۔" (ابنِ حبان کا بیان ختم ہوا)

جہاں تک مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے اُن احادیث کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں جن میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ بڑے زوردار الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اہلِ فارس و روم کے رویّہ کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کی موجودگی میں نسخ کا دعویٰ بعید از قیاس ہے۔ اِلّا یہ کہ ایسی نصِ صریح موجود ہو جس میں سابقہ طرزِ عمل کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا ہو کہ عجمیوں کے فعل کے ساتھ مماثلت کی علّت اب موجود نہیں رہی۔ مگر ایسی کوئی نص موجود نہیں۔

نسخ کی سب سے بڑی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے مگر وہ بھی اس پر دلالت نہیں کرتی۔ مزید برآں احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس لیے کہ امام کو مقرر ہی اس مقصد کے لیے کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ نماز کے جملہ ارکان میں امام امام رہتا ہے اور مقتدی اس کی پیروی کرتا ہے۔ اور یہیں امام سے اختلاف نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ امام مقتدیوں کی ڈھال ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اختلاف کیا ہوگا کہ نماز کے ارکان میں بھی اس کی متابعت

اس طرح مخالفین کے سب دلائل ھَبَاءً مَّنثورًا ثابت ہوتے۔ اِس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کا تناقض کھُل کر سامنے آیا کہ وہ ایک طرف تو مریض امام کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہوں، مگر ان کے یہاں اس بات کی اجازت نہیں کہ مریض امام لیٹ کر تندرستوں کی امامت کرے۔ حالانکہ دونوں صورتیں یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔

اس حدیث پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ابوبکرؓ امام تھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے:

۴۲۱۔ جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از علی بن حجر از اسماعیل، از حمید، از] حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ یہ آخری نماز تھی جو حضورؐ نے لوگوں کے ساتھ پڑھی۔ آپؐ نے لُنگی باندھ کر ایک ہی کپڑے میں ابوبکرؓ کے پیچھے یہ نماز ادا کی۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۲۔ [بدین سند تا احمد بن شعیب، از محمد بن المثنّٰی، از بکر بن عیسیٰ، از شعبہ، از نعیم بن ابی ہند، از ابو وائل، از مسروق] از عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور رسولِ کریمؐ صف میں تھے۔ (ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۳۔ ہم نے [بطریق محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن عبدالسلام الخشنی، از محمد

نہ کی جاتے۔ اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے، مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کو ائمہ کی اطاعت ٹھہرایا ہے جو ہمیشہ واجب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ گویا اللہ کی اطاعت ہے۔ ابوداؤد طیالسی (ص ۳۲۹، حدیث نمبر ۲۵۷) اور طحاوی (ج ۱، ص ۲۳۵) میں بطریق شعبہ از یعلیٰ بن عطاء روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوعلقمہ کو حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کرتے سُنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی" اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" (تا آخر) اس کی سند امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا ہے۔ نسخ کی تردید کے سلسلہ میں یہ بڑی قوی روایت ہے ——— والحمد للہ علیٰ توفیقہ

بن بشار، از بدل بن المحبّر، از شعبہ، از موسیٰ بن ابی عائشہ، از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود] از عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسولِ کریمؐ ان کے پیچھے تھے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ احادیث ان کے لیے حجّت نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بلاشبہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔ ایک نماز وہ ہے جس کا تذکرہ اسود نے حضرت عائشہؓ سے اور عبید اللہ نے حضرت عائشہ اور ابنِ عباسؓ سے روایت کر کے کیا ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے امام تھے۔ لوگ آپؐ کے پیچھے اور ابوبکرؓ دائیں جانب، آپؐ کے مقتدی کے طور پر کھڑے تھے اور لوگوں تک آپ کی تکبیر کو پہنچاتے تھے۔

دوسری نماز کے واقعہ کو مسروق اور عبید اللہ نے حضرت عائشہؓ سے اور حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صف میں لوگوں کے درمیان تھے۔ اس طرح جملہ اشکالات رفع ہو جاتے ہیں[1]۔

یہ ایک ہی نماز کا واقعہ ہرگز نہیں تاکہ اس کو تعارض پر محمول کیا جائے۔ ہر روز پانچ نمازیں ہوتی ہیں۔ آپؐ بارہ روز بیمار رہے جن میں تقریباً ساٹھ نمازیں آتی ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک نہایت ضعیف روایت کا سہارا لے کر اس حدیث پر اعتراض کیا ہے۔ اس کو روایت کرنے میں ایک ضعیف راوی اسرائیل نامی منفرد ہے۔ وہ ابواسحاق سے اور وہ ارقم بن شرحبیل سے روایت کرتا ہے۔ یہ ارقم چنداں معروف راوی نہیں ہے۔ اس روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ قراءت کرتے ہوئے جہاں پہنچے تھے اس کے آگے رسولِ کریمؐ نے پڑھا۔ حالانکہ تم اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ (یہ ایک طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے

---

[1] زیلعی نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۷ میں صحیح ابن حبان سے نقل کرتے ہیں کہ

"یہ تمام احادیث صحیح اور تعارض سے عاری ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے مرض الوفاۃ میں مسجد نبوی میں دو نمازیں پڑھی تھیں۔ ایک میں آپؐ امام تھے اور دوسری میں مقتدی۔ اس کی دلیل عبید اللہ بن عبد اللہ کی حدیث ہے جس کو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ دو آدمیوں یعنی حضرت عباسؓ و علیؓ کا سہارا لے کر گھر سے نکلے۔ اور مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے بریرہؓ اور ثوبیہؓ کا سہارا لیا تھا۔ یہ بات بڑی واضح بھی ہے اور دقیق بھی۔"

ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ "باب ما جاء فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ" کے تحت روایت کیا ہے)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف روایت اُس حدیث کی معارض نہیں ہو سکتی جس کو ابراہیم نے اَسود سے اور اَسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ نیز عُبیداللہ بن عبداللہ نے اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ۔۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جاتی تو ہم اس پر عمل کریں گے۔ ہم اس حدیث کو اس بات پر محمول کریں گے کہ آپؐ نے سُورۃ الفاتحہ پڑھی تھی جس کے بغیر نماز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اس کا پڑھنا حدیث میں مذکور نہیں جس طرح طہارت ضروری ہے اگرچہ اس کا ذکر نہ بھی کیا گیا ہو۔ قبلہ رُخ ہونا اور تکبیر کہنا بھی ضروری ہے۔ خواہ اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ پھر آپؐ نے جہاں ابوبکرؓ ٹھہر گئے تھے وہاں سے قرارت کا آغاز کیا۔ یہ نہایت عمدہ بات ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ نماز ظہر کا واقعہ ہے، جس میں سرّاً پڑھا جاتا ہے۔ لہٰذا اسرائیل نے جو بات کہی اُس کا بُطلان ثابت ہُوا[1]۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں حضورؐ کی جس نماز کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر اس کا تعلق مرضِ وفات کے ساتھ ثابت نہ بھی ہو تو اس کا تعلق اس واقعہ کے ساتھ ہو گا جب گھوڑے سے گِر کر آپؐ کے پاؤں کو موچ آ گئی تھی۔ اس موقع پر آپؐ نے مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو

---

[1] اسرائیل کی روایت کردہ حدیث کو دارقطنی (ص ۱۵۲) نے بطریق یحییٰ بن آدم از قیس بن الربیع، از عبداللہ بن ابی السفر، از عبداللہ بن ارقم بن شُرَحبیل روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ درست یُوں ہے "ارقم بن شُرَحبیل از ابن عباس از عبّاس بن عبدالمطلب"۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ابوبکرؓ نے جہاں تک سُورہ پڑھی تھی اس سے آگے رسُولِ کریمؐ نے پڑھا" اس کی سند میں قیس بن ربیع ضعیف راوی ہے۔ البزار نے اس کو بدیں سند روایت کیا ہے اور کہا "یہ کلام بدیں اسناد اسی طرح سے مروی ہے"۔ زیلعی (ج ۱ ص ۲۴۹) نے البزّار سے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔ زیلعی نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ ابن ماجہ نے اس کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے (ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۹۳) بروایت علی بن محمد، از وکیع، از اسرائیل، از ابواسحاق، از ارقم بن شُرَحبیل مطولاً۔ اس کے آخر میں ہے کہ "ابوبکر جہاں تک پہنچے تھے اس کے آگے رسُولِ کریمؐ نے پڑھنا شروع کیا"۔ وکیع کہتے ہیں "سُنّت بھی یہی ہے"۔

شارح ابن ماجہ نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا "ابواسحاق کا سماع ارقم بن شُرَحبیل سے ثابت نہیں۔ ابنِ حزمؒ نے

بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا چاہیے۔

اس حدیث کو ہم نے بطریق اَنس و ابو ہریرہؓ و جابر و عائشہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے۔ کوئی دوسری حدیث اس کی معارض نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہے ـــــ وللہ الحمد

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جمہور علمائے سلف ہمارے ہمنوا ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق وکیع از اسماعیل بن ابی خالد، از قیس بن ابی حازم، (از) ابو ہریرہؓ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا امام امین ہوتا ہے۔ اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھاتے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۲۶)۔

نیز بطریق حماد بن سلمہ، از یحییٰ بن سعید انصاری، از ابو الزبیر، کہا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں درد تھا۔ چنانچہ انہوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور ان کے رفقاء بھی بیٹھے ہوئے تھے[1]۔

عبدالرزاق نے سفیان بن عُیینہ سے روایت کی ہے۔ وہ ہشام بن عُروہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُسید بن حُضیر بیمار پڑ گئے۔ وہ اپنی قوم کو بیٹھ کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۶۲، مصنف

اس سند کو اسرائیل کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ بات نہایت غلط ہے، اس لیے کہ اسرائیل ثقہ راوی ہے۔ بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اسرائیل کے دادا ابو اسحاق سے جن لوگوں نے بھی روایت کی ہے یہ اُن میں سے ثقہ تر ہے۔ ابن مہدی کہتے ہیں اسرائیل ابو اسحاق سے روایت کرنے میں شعبہ اور ثوری سے بھی ثقہ تر ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجرؒ التہذیب میں لکھتے ہیں:

"ابن حزمؒ نے علی الاطلاق اسرائیل کو ضعیف قرار دیا اور اس کی روایت کردہ حدیث کو رد کر دیا ہے۔ یہ کچھ بات نہیں ہے"

اَرقم ثقہ راوی ہے اور وہ شریف ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی مرویات صحیح ہیں۔ بخاری نے اس کی جو تضعیف کی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔ اس لیے کہ بخاری بعض اوقات ایسی شرط عائد کر دیتے ہیں جس کو اکثر محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ احمد محمد شاکر اس روایت پر ابن حزمؒ کا آخری کلام حرفِ آخر ہے) ـــــ (صغیر احمد شاغف بہاری پاکستانی)

[1] حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (ج ۲، ص ۱۲۰) میں رقمطراز ہیں "ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیمار ہو گئے۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کا فتویٰ دیا تھا۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

ابن ابی شیبہ ۲: ۳۲۶)

ابن عُیَیْنَہ کہتے ہیں مَیں نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی۔ وہ قیس بن ابی حازم سے وہ قیس بن قہد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں اُن کا امام بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ وہ بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔ ہم بھی بیٹھے ہوئے ہوتے تھے[1]۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں دیکھیے یہ ابوہُریرہ، جابر، اُسید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم عہدِ رسالت میں اور مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مساجد میں بیٹھ کر نماز پڑھاتے ہیں اور صحابہ میں کوئی ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ ان سب کا موقف بھی ہے کہ مریض آدمی بیٹھ کر تندرستوں کو نماز پڑھاتے۔ کسی صحابی نے بھی ابوہریرہ یا دیگر صحابہ کی اس ضمن میں مخالفت نہیں کی کہ تندرست اشخاص مریض کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

ہم نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے تندرست لوگوں کو حکم دیا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھ لیا کریں۔ عبدالرزاق کہتے ہیں مَیں نے لوگوں کو اسی بات پر عامل پایا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ جایا کریں۔ اکثر لوگوں نے اسی کو سُنّت ٹھہرایا ہے۔ (مصنّف عبدالرزاق ۲: ۴۶۳)

ہم نے عباس بن عبدالعظیم عنبری سے روایت کیا ہے کہ مَیں نے عفّان بن مسلم سے سُنا وہ کہتے تھے ایک روز ہم حمّاد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ نمازِ فجر پڑھ چکے تھے۔ وہ کہنے لگے آج ہم نے رسولِ کریمؐ کی سُنّتوں میں سے ایک سُنّت کو زندہ کیا ہے۔ ہم نے عرض کی اے ابواسماعیل وہ کیا؟ وہ کہنے لگے ہمارا امام بیمار تھا، چنانچہ اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو ہم نے بھی اُس کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ بیٹھ کر تندرستوں کو نماز پڑھائی جا سکتی ہے یہی مسلک ہے امام ابوحنیفہؒ، ابویوسف، اَوزاعی، شافعی، ابوثور، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، داؤد اور جمہور اہلِ حدیث کا۔

---

[1] ابن قہد کے اثر کو عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور شوکانی نے نیل الاوطار (ج ۳ ص۱۷۱) پر نقل کیا ہے۔ العراقی کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ ابن حجر فتح الباری، ج ۲، ص ۱۹ا پر لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بکثرت صحابہ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی مثلاً اُسید بن حُضیر، جابر، قیس بن قہد اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ ان کی اسانید صحیح ہیں۔ ان کو عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے۔

کسی تابعی کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو تندرستوں کی امامت سے روکا ہو۔ البتہ مغیرہ[1] بن مقسم کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر اس کو ممنوع اور ناروا نہیں کہتے تھے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں زفر بن ہذیل کا قول ہے کہ جو مریض کھڑا ہونے یا بیٹھنے پر قادر نہیں، تندرستوں کو لیٹ کر نماز پڑھائے۔ مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مقتدی بھی لیٹ کر نماز پڑھیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"امام کو اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس کی مخالفت نہ کیجیے"

یہ ایسا عموم ہے جس میں امام کے ساتھ کسی قسم کا اختلاف کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ "جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب رفع الیدین کرے[2] تو تم بھی ہاتھ اٹھاؤ، جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہو۔ جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو"

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ دیگر امور میں امام کی پیروی نہ کی جائے۔ لہٰذا جملہ احوال میں امام کی پیروی واجب ٹھہری بجز اُس حالت کے جو کسی نص یا اجماع کی بنا پر مخصوص ہو۔

جب مریض تندرست امام کی اقتدا کر رہا ہو تو امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا اور مریض بیٹھ کر یا لیٹ کر اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی، حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں پڑھی۔ ابوبکرؓ کھڑے تھے جب کہ رسول کریمؐ اُن کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اس سے قبل آپؐ یہ حکم صادر کر چکے تھے کہ امام کی مخالفت نہ کی جائے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)　"اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

نیز حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تعمیل کیجیے"۔

وباللہ التوفیق۔

---

[1] مغیرہ تابعین میں سے نہ تھے جیسا کہ ابن حزم کے کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ وہ اتباع تابعین میں سے تھے ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

[2] یہ معنی بھی ممکن ہے کہ جب قیام کرے تو تم بھی قیام کرو۔ مگر مندرجہ بالا مفہوم ان الفاظ سے قریب تر ہے (مترجم)

۳۰۰۔سواری پر فرض پڑھنا جائز نہیں

سواری کی حالت میں یا پیدل چلتے ہوئے فرض پڑھنا جائز نہیں البتہ خوف کی حالت میں اس کی اجازت ہے۔کسی قسم کا بھی خوف ہو۔مثلاً یہ کہ کسی حق کے طلب گار سے ڈرتا ہو یا ناحق ایذا دینے والے سے۔یا آگ، سیلاب، ظالم حیوان، بارش، ساتھیوں کے گم ہو جانے یا منزلِ مقصود پر پہنچنے میں تاخیر سے خائف ہو یا کسی اور وجہ سے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ[1] (البقرہ: ۲۳۹)
"اگر ڈر ہو تو پیدل یا سواری کی حالت میں نماز پڑھ لیا کرو۔جب اطمینان ہو جائے تو پوری پابندی سے نماز پڑھو۔"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف ڈرنے والے کو سواری یا پیدل چلنے کی حالت میں نماز کی اجازت دی ہے۔اس میں خوف کی تخصیص نہیں کی۔لہٰذا اپنی طرف سے اس کی تخصیص درست نہیں ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ صلوٰۃ الخوف کی اجازت صرف اُس شخص کو دیتے ہیں جو کسی ظالم سے ہراساں ہو۔دوسری طرف ان کا قول ہے کہ رہزن، اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے والے اور مسلمانوں کا خون بہانے والے اپنے اس سفر میں مُردار اور حرام اشیاء کھا سکتے ہیں۔گویا اللہ نے جس چیز کو عام قرار دیا تھا انہوں نے بلا دلیل اس کی تخصیص کر دی۔وہ اپنی دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ (المائدہ: ۳)
"جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔"

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (البقرہ-۱۷۳)
"ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں۔"

آیتِ کریمہ کے مضمون کے عین برخلاف مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ گناہ کا ارادہ کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا بھی اس اجازت سے مستفید ہو سکتا ہے۔یہ عظیم جسارت ہے۔اسی طرح امام ابو حنیفہ گناہ کے سلسلہ میں سفر کرنے والے کو بھی قصرِ صلوٰۃ کی اجازت دیتے ہیں۔اور یہ بھی اسی قسم کی جسارت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصحابِ قیاس میں سے ہیں۔جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو نصوص کی پیروی کرتے ہیں اس کے سوا کسی چیز کی نہیں وباللہ التوفیق۔

---

[1] یہ اصل میں دو آیتیں ہیں جو گڈمڈ ہو گئی ہیں سورۃ البقرہ کی آیت اس طرح ہے فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الآیۃ
دوسری آیت سورۃ النساء کی ہے فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ۔المحلی کے عربی متن میں معلوم نہیں یہ غلطی کیوں چلی آ رہی ہے؟ (ص-ی)

۳۰۱۔ کن افعال کا نماز میں انجام دینا جائز ہے؟

مباحات میں سے جو کام آدمی نماز کی حالت میں انجام دے خواہ اس کا تعلق اپنے دفاع سے ہو یا کچھ اور، وہ جائز ہے اور اس کے ساتھ نماز باطل نہیں ہوتی۔ مثلاً ظالم کے خلاف نبرد آزمائی، پھیل جانے والی آگ کو بُجھانا، کسی مُسلم کو رہائی دلانا، دروازہ کھولنا وغیرہ جائز ہے۔ خواہ یہ عمل قلیل ہو یا کثیر۔

ہر کام جو آدمی دانستہ نماز کی حالت میں انجام دے حالانکہ وہ اس حالت میں مباح نہ ہو، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے —— خواہ قلیل ہو یا کثیر —— غیر مباحات میں سے جو کام آدمی نماز میں بھول کر کرے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس پر صرف سجدہ سہو آئے گا۔ یہ عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

مسلک احناف

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں نماز کی حالت میں لڑائی جائز نہیں۔ اندریں صورت نماز چھوڑ دی جائے خواہ نماز کا وقت نکل جائے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ نمازیں قضا ہو جائیں تو لڑائی ختم ہونے کے بعد ان کی قضا دی جائے۔ نیز فرماتے ہیں کہ کلام خواہ دانستہ کیا جائے یا نادانستہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر وقت سے پہلے نماز میں عمداً سلام پھیر دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے بھول کر سلام پھیرنے سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے اور نمازی سبحان اللہ کہے یا ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرے تو یہ مکروہ ہے مگر اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر کوئی شخص نمازی سے ہم کلام ہو اور نمازی سُبحان اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اگر نمازی چھینک مار کر الحمدللہ کہے اور اپنی زبان کو حرکت دے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ جو شخص کسی کے حق میں دعا کرے یا کسی کو بددعا دے اس کا نام لے تو اُس کی نماز باطل ہو تی۔

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اور اس حالت میں بول و براز کے غلبہ سے وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں اپنے دانتوں سے کھانے کا کوئی ریزہ نکالے اور دانستہ اسے نگل لے تو اس کی نماز درست ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بعض اصحاب نے اس کی تحدید چنے کے ایک دانے کے ساتھ کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص سواری کی حالت میں نماز شروع کرے، پھر مامون ہونے کی بنا پر سواری سے اُتر آئے تو اُسی نماز کو جاری رکھے۔ اگر بلا سوار ہوئے نماز شروع کی، پھر خوف کی وجہ سے سوار ہو گیا تو اُس

کی نماز باطل ہوتی۔ حالتِ نماز میں پِسّو اور جُوں کو مارنے سے نماز باطل نہیں ہوگی۔ اگر نمازی کی حالت میں پیٹ میں نفخ پیدا ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اُن کے نزدیک جن اعمال کے دانستہ انجام دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اُن کو بھول کر کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

مالکیہ امام مالکؒ فرماتے ہیں سلام ہو یا کلام یا کوئی عمل اگر دانستہ ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ تحدید کی ہے کہ کثیر سے نماز باطل ہوتی ہے قلیل سے نہیں۔ اور بعض جگہ قلیل و کثیر دونوں کو مُبطلِ صلوٰۃ کہتے ہیں، اُن کے نزدیک بھول کر گفتگو کرنے یا کوئی کام کرنے یا سلام کہنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر بھول کر زیادہ گفتگو کرے تو نماز باطل ہو جائے گی نفخ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نماز باطل ہو گی یا نہیں؛ اگر نمازی حالتِ نماز میں اپنے دانتوں میں پھنسا ہُوا کوئی دانہ دانستہ نگل لے تو اس کی نماز درست ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو نماز باطل ہُوتی۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو متنبّہ کرنے کے لیے سُبحان اللہ کہنے سے ان کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی۔ نیز نمازی چھینک مار کر الحمد للہ کہے تو نماز نہیں ٹوٹتی مگر یہ مکروہ فعل ہے۔

جُوں یا پِسّو کو نماز میں قتل کرنا مکروہ ہے مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی خواہ یہ کام دانستہ کیا جائے۔ نمازی حالتِ نماز میں چڑیا کو پتھر مار سکتا ہے۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مُجاہد اشارے سے نماز پڑھے۔ اگر خوف کی وجہ سے سواری کی حالت میں نماز کا آغاز کرے، پھر امن ہو جانے کی وجہ سے اُتر آئے یا بلا سواری نماز کا آغاز کرے پھر خوف کی بنا پر سوار ہو جائے تو نماز کو جاری رکھے، اس کی نماز مکمل ہے۔

شافعیہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "اگر مجاہد حالتِ نماز میں لڑائی پر مجبور ہو جائے تو وہ حملہ کر سکتا اور نیزہ مار سکتا ہے اگر مسلسل حرب و ضرب کو جاری رکھے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر حالتِ سواری میں نماز کا آغاز کرے پھر امن کی وجہ سے اُتر آئے تو نماز کو جاری رکھے۔ البتہ اگر اپنے چہرے کو قبلے سے پھیر دے تو نماز باطل ٹھہرے گی۔ اگر بلا سواری نماز کا آغاز کرے پھر خوف کی وجہ سے سوار ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ جس کے دانتوں کے درمیان سے کھانے کا ریزہ برآمد ہو جو تھوک کی مانند ہو اور نمازی اس کو نگل لے اور اس کے سوا کچھ نہ کرے تو اس کی نماز مکمل ہے۔ اگر اسے چبایا تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ سُبحان اللہ کہنے اور تالی بجانے سے نماز میں کچھ کمی نہیں آتی۔ اُن کے نزدیک نماز میں سانپ اور بچھّو کو مارنا مُباح ہے۔ معمولی کام جس کے بارے میں کوئی اثر موجود ہو نماز کا قاطع نہیں ہے۔ بھول کر زیادہ کام کرنے

یا چلنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابنِ حزمؒ مذکورہ صدر اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ جملہ اقوال متناقض اور بلا دلیل و بُرہان ہیں اور سب سے عجیب بات عملِ قلیل وکثیر کا بلا دلیل فرق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عملِ قلیل کیا ہوتا ہے اور کثیر کیا؟ ہم اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں جو چیز قلیل ہوتی ہے وہ اپنے سے کم چیز کے مقابلے میں کثیر ہوتی ہے۔ اسی طرح جس چیز کو ہم کثیر کہتے ہیں وہ اپنے سے زیادہ چیز کے مقابلے میں قلیل ہوتی ہے۔ قلیل وکثیر کے مابین فرق وامتیاز بالکل فاسد اور بلا دلیل و بُرہان ہے۔ کتاب و سُنّت، اجماع و قیاس اور اقوالِ صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

جن اشیاء کو نماز کی حالت میں مُباح قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ جب کسی چیز کا احساس ہو تو اس کی طرف توجہ دی جائے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۴۲۴۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عبداللہ بن مسلمہ، از مالک، از ابی حازم بن دینار، از سہل بن سعد) روایت کیا ہے۔ کہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی مصالحت کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور پوچھا کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے؟ کہا ہاں! پھر اقامت کہی گئی اور ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔ جب آپؐ تشریف لائے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ آکر صف میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ ابوبکرؓ نماز میں اِدھر اُدھر جھانکا نہیں کرتے تھے۔ جب لوگ کثرت سے تالیاں بجانے لگے تو ابوبکرؓ نے جھانکا تو دیکھا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ آپؐ نے ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ اُٹھائے اور رسُولِ کریمؐ کے اس حکم کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر ابوبکرؓ پیچھے ہٹے اور صف میں برابر کھڑے ہو گئے۔ رسُولِ کریمؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا ابوبکرؓ! جب مَیں نے آپ کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا تو آپ ٹھہرے کیوں نہ رہے؟ ابوبکرؓ نے کہا "ابوقحافہ کے بیٹے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ رسُول اللہ کے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ پھر رسُولِ کریمؐ نے فرمایا یہ کیا بات تھی کہ مَیں نے تمہیں کثرت سے تالیاں پیٹتے دیکھا؟ جس کسی کو نماز میں ایسی چیز پیش آئے تو وہ سُبحان اللہ کہے۔ جب وہ سُبحان اللہ کہے گا تو اس کی جانب توجہ مبذول کی جائے گی۔[1]

[1] حضرت سہل کی روایت کردہ حدیث کو بخاری، مُسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۶۶) میں یہ الفاظ ہیں

۴۲۵ - [بدیں سند تا ابو داؤد، از عمرو بن عون، از حماد بن زید، از ابو حازم بن دینار، از سہل بن سعد (تا آخر)] اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا" جب نماز میں ایسی صورتِ حال پیش آتے تو آدمی سُبْحَانَ اللهِ کہیں اور عورتیں تالیاں بجائیں۔"

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز میں ہر حالت میں تسبیح اور حمد و ثنا کی اجازت ہے۔ اور اس سے اُن لوگوں کی تردید ہے جو اس سے روکتے ہیں۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کے اس احسان پر ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود اس کی نماز ٹوٹنے نہ پائی۔

اس حدیث میں مردوں کو تالیاں بجانے سے منع کیا گیا اور عورتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ اگر کوئی آدمی نماز میں دانستہ تالی بجائے اور آپؐ کی نہی سے آشنا بھی ہو تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اُس نے نماز میں وہ کام کیا جس سے اُسے روکا گیا تھا۔ اس لیے اُس نے اس طرح نماز نہیں پڑھی جیسے اُسے حکم دیا گیا تھا۔ اگر عورت سُبحان اللہ کہے تو اُسے منع نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ اللہ کا ذکر ہے اور اچھا ہے۔ اور اگر تالی بجائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اگر بلا ضرورت ایسا کیا جاتے تو درست نہیں، اس سے ہیں روکا گیا ہے۔ جس شخص نے نماز میں ایسا کام کیا جو مباح نہ تھا، اُس نے اُس طرح نماز نہیں پڑھی جس طرح اُسے حکم دیا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ضرورت کی بنا پر نماز میں جھانکنے کی اجازت ہے۔ جو بلا ضرورت جھانکے اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اُس نے وہ کام کیا جس کی اُسے اجازت نہ تھی۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق

۴۲۶ - [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعَیب، از سُوَید بن نصر، از عبداللہ بن مبارک، از یونس بن یزید، از زُہری، وہ کہتے ہیں مَیں نے ابوالاحوص کو سُنا وہ سعید بن المُسَیَّب کی مجلس میں حدیث بیان کر رہا تھا اور سعید بھی بیٹھے تھے] کہ اُس نے ابوذرؓ کو یہ کہتے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نماز میں بندے پر اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر جھانکتا نہیں۔ جب وہ اِدھر اُدھر مُنہ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ منہ موڑ لیتا ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی،

کہ سُبحان اللہ کہنا مردوں کا کام ہے اور تالی بجانا عورتوں کا۔ یہ الفاظ نسائی (ج ۔ ص ۱۲۷، ۲۰۰) میں بھی ہیں۔

نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الصلوٰۃ، والحاکم فی المستدرک)

۴۲۷۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از عمرو بن علی، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از زائدہ، از اشعث بن ابی الشعثاء، از والدِ او، از مسروق] روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں جھانکنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا شیطان ایسے شخص کی نماز کو جھپٹ کر لے جاتا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ و بدءالخلق، و نیز ابوداؤد و ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اُس سے مُنہ موڑ لے تو گویا اسے چھوڑ دیا اور اس کے عمل کو ناپسند فرمایا۔ اور جس کے عمل کو ناپسند کیا وہ بلاشبہ غیر مقبول ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس التفات (جھانکنے) کو اللہ نے ناپسند کیا اور اس سے روکا ہے وہ اور ہے اور جس التفات کا حکم دیا ہے وہ دوسرا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شیطان جس کی نماز کو جھپٹ لے گیا اس کی نماز ناقص ہوئی۔ اور جب ناقص ہوئی تو گویا اس نے ادا ہی نہیں کی۔

نیز ہم نے بطریق [وکیع، از مُعلّٰی بن عرفانؓ، از ابو وائل، از] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اسی طرح [حماد بن سلمہ، خالد الحذاء سے، وہ ابو قلابہ سے،] وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ نماز میں اِدھر اُدھر جھانکے نہیں، یا بے وضو نہ ہو جائے۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۴۰)

علاوہ ازیں ہم نے بطریق [وکیع از سفیان ثوری، از آدم بن علی] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک قوم کو روزِ قیامت "ناقصین" کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نماز، وضوا ور التفات میں خامیاں

---

[۱] مُعلّٰی بن عرفان ہی صحیح ہے ہم نے اس کو تاریخ الصغیر للبخاری (ص ۱۷۴)، میزان (ج ۳ ص ۱۸۶) لسان المیزان (ج ۶: ۶۴) میں دیکھ کر درست کیا ہے۔ مُعلّٰی اسدی کوفی ہے۔ یہ ابو وائل کا بھتیجا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں "اس سے وکیع نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بواسطہ شقیق عبداللہ سے روایت کی ہے کہ وہ صفین میں موجود تھے۔ یہ بے اصل بات ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت اور صفین سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ الذہبی کہتے ہیں وہ غالی شیعہ تھا۔

ہوں گی۔

نیز بطریق [وکیع، از سفیان ثوری، از حمید الاعرج از مجاہد] مروی ہے۔ انہوں نے کہا "جس شخص کی نماز میں چار باتیں نہ ہوں اس کی نماز کامل ہے (۱) اِدھر اُدھر جھانکنا (۲) بوقت ضرورت ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنا (۳) ضرورت کی بنا پر سر سے اشارہ کرنا (۴) اس کی بات سُننا جو حالتِ نماز میں اس کے پاس کسی دینی یا دنیوی غرض کی بنا پر آئے۔ یہ تمام کام نماز میں مباح ہیں۔

۴۲۸ - [عبداللہ بن یوسف، احمد بن فتح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عبدالوہاب بن عیسیٰ سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ احمد بن علی سے، وہ مسلم بن حجاج سے، وہ حرملہ بن یحییٰ سے، وہ عبداللہ بن وہب سے، وہ عمرو بن الحارث سے، وہ بکیر بن الاشج سے، وہ کریب مولیٰ ابن عباس سے] وہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے، وہ فرماتی ہیں میں نے رسولِ اکرمؐ کو سُنا کہ آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپؐ وہ سُنتیں پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپؐ کی طرف لونڈی کو بھیج کر کہا کہ آپؐ کے پہلو میں کھڑی رہو اور کہو کہ ام سلمہ کہتی ہیں یا رسول اللہ! میں نے سُنا ہے کہ آپؐ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے ہیں۔ اب میں نے دیکھا ہے کہ آپؐ یہ سُنتیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر آپؐ اشارہ کریں تو پیچھے ہٹ جانا۔ لونڈی نے اسی طرح کیا اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا اے ابو اُمیہ کی بیٹی، تم نے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے (تا آخر۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد فی الصلوٰۃ، و نیز بخاری فی المغازی ایضاً)

ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے اور مقتدی آپ کے پیچھے کھڑے تھے تو آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیا اور کھڑا ہونے سے منع کیا۔ ہاتھ یا سر کے اشارے سے نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے:

۴۲۹ - جس کو ہم نے بطریق [حمام بن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از معمر، از زہری] انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کیا کرتے تھے۔ یہ ان تمام حادثات کے بارے میں ہے جو رُونما ہوں[1]۔

[1] ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۵۶۔ بطریق عبدالرزاق۔ شوکانی (ج ۲، ص ۳۷۰) نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

۴۳۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از قتیبہ، از لیث بن سعد، از ابوالزبیر] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز پڑھتے پایا تو آپ کو سلام کہا۔ آپ نے مجھے اشارہ کیا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر فرمایا، تم نے مجھے سلام کہا جب کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔[1]

۴۳۱۔ ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن اسماعیل ترمذی از الحُمیدی، از سُفیان بن عُیینہ، از زید بن اسلم روایت کی ہے کہ] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی مسجد کی طرف تشریف لے گئے جو قُبا میں تھی تاکہ وہاں نماز پڑھیں۔ چند انصاری آئے جنہوں نے نماز کی حالت میں آپ کو سلام کہا۔ میں نے صُہیب سے دریافت کیا جو آپ کے ہمراہ تھے کہ حضورؐ اُن کو سلام کا جواب کیسے دیتے تھے؟ کہنے لگے "اشارہ فرماتے تھے"۔[2]

---

[1] ابن حزمؒ نے اس کو مختصراً پیش کیا ہے۔ اس کو نسائی (ج ۱، ص ۱۷۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اس کو ابوداؤد (ج ۱، ص ۳۴۸) نے بسند دیگر ابوالزبیر سے روایت کیا ہے۔ المنذری نے اس کو مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ (کتابُ الصّلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے۔

[2] نسائی (ج ۱، ص ۱۷۷) نے اس حدیث کو محمد بن منصور مکی سے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۶۵) نے علی بن محمد طنافسی سے۔ دارمی (ص ۱۹) نے یحییٰ بن حسان سے۔ یہ سب سُفیان بن عُیینہ سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوداؤد (ج ۱، ص ۳۴۸) اور ترمذی (ج ۱، ص ۴-۷۵) دونوں نے اس حدیث کو بروایت نافع از ابن عمرؓ نقل کیا ہے۔ البتہ ان دونوں میں مذکور ہے کہ ابن عمرؓ نے بلال سے پوچھا۔ ترمذی اور شوکانی (ج ۲، ص ۳۴) بیان کرتے ہیں کہ یہ دو واقعات ہیں۔ کوئی دلیل اس کی مؤید نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ چنانچہ المدوّنہ (ج ۱، ص ۱۰۰) پر بطریق ابن وہب از ہشام بن سعد از نافع از ابن عمرؓ مروی ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قبا کی طرف تشریف لے گئے۔ انصار کو پتہ چلا تو وہ سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ میں نے بلالؓ یا صہیبؓ سے دریافت کیا کہ رسولِ کریمؐ سلام کا جواب کیسے دیتے تھے جبکہ آپؐ نماز بھی ادا کر رہے تھے؟ وہ کہنے لگے ہاتھ کے اشارے سے۔ ترمذی اور ابوداؤد نے اس حدیث کو بطریق ہشام بن سعد از نافع روایت کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ شک ابن عمرؓ نے کیا ہے کہ بلالؓ سے پُوچھا یا صُہیبؓ سے۔ آگے چل کر بعض راوی بلالؓ کہتے اور بعض صُہیبؓ کا نام ذکر کرنے لگے۔

۴۳۲- ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از قتیبہ، از لیث بن سعد، از بکیر، از نابل صاحب العباء، از عبداللہ بن عمرؓ، از صہیبؓ] روایت کیا ہے کہ میرا گزر رسولِ اکرمؐ کے پاس سے ہوا جب کہ آپؐ نماز ادا کر رہے تھے مَیں نے آپؐ کو سلام کہا تو آپؐ نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ غالباً آپؐ نے اس اشارہ سے منع کر دیا تھا۔ مگر یہ صاف جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ نماز سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی اس سے روک دیتے۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق از معمر از ثابت بنانی از ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ مَیں نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں گواہ کی صفائی پیش کیا کرتے تھے۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)۔

جیسا کہ ہم نے بطریق حماد بن سلمہ از قتادہ از مُعاذۃ العدویۃ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی خادمہ کو شوربہ تقسیم کرنے کا حکم دیتیں۔ آپ نماز پڑھ رہی ہوتیں اور خادمہ ان کے پاس سے گزرتیں تو اسے اشارہ کرتیں کہ اور شوربہ ڈالو۔ اسی طرح نماز کی حالت میں مسکین کو کچھ دینے کا اشارہ کرتیں۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹ مختصراً)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از اعمش، از خیثمہ بن عبدالرحمٰن روایت کی ہے، انہوں نے کہا مَیں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب وہ صف میں کچھ خرابی دیکھتے تو صف میں موجود پہلے آدمی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)

وکیع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ عاصم الاحول سے، وہ مُعاذۃ عدویہ سے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز پڑھتے ہوئے چند خواتین کو کھلانے کا اشارہ کیا۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از محمد بن ابی لیلیٰ، از حکم بن عُتیبہ، از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کی ہے کہ مَیں اس امر کو دوسرے شخص کا احسان سمجھتا ہُوں کہ نماز کی حالت میں مجھے سیدھا کر دے (مُصنّف عبدالرزاق ۲ : ۲۵۹)۔

بدیں سند تا عبدالرزاق، از ابن جُریج روایت کیا گیا ہے کہ مَیں نے عطا سے کہا نماز پڑھتے وقت ایک آدمی میرے آگے سے گزرتا ہے، مَیں اسے تین مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہتا ہُوں تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ مَیں ہاتھ کے اشارے سے اس سے دریافت کرتا ہُوں تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے فلاں جگہ۔ اور مَیں اس وقت فرض پڑھ رہا ہوتا ہوں تو کیا میری نماز ٹوٹ گئی؟ عطاء نے کہا "نہیں" مگر مَیں اسے ناپسند کرتا ہُوں۔ مَیں نے پُوچھا کیا مَیں سجدۂ سہو کر لیا کروں؟ کہا "نہیں" (مُصنف عبدالرزاق ۲: ۲۶۰)

ہم نے بروایت حمّاد بن سلمہ، از عاصم، از معاذہ عدویہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک قمیص اور اوڑھنی پہن کر نماز کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ پھر آپ نے ایک چادر کی طرف اشارہ کیا تو مَیں نے وہ چادر اُن کو دے دی۔ گھر میں چند خواتین موجود تھیں۔ آپ نے اُن کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھانا موجود ہے وہ کھائیں۔ نماز کی حالت میں یہ سب کچھ ہُوا۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۲۶ مختصراً)

ہم نے بطریق حمّاد بن سلمہ، از ثابت بنانی حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو شخص حضُور کے ایک صحابی کے پاس آتے اور وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ وہ دونوں اُن سے "شہادۃ علی الشہادۃ" کا مطالبہ کرتے۔ وہ نماز کی حالت میں سنتے رہتے۔ جب دونوں گفتگو سے فارغ ہوتے تو وہ صحابی سر کے اشارہ سے کہتے کہ ٹھیک ہے۔

عبدالرزاق ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں۔ وہ نافع سے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو سلام کہا جائے تو منہ سے کچھ نہ کہے۔ صرف اشارہ کر دے یہی سلام کا جواب ہے" (مُصنّف ۲: ۳۳۶)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث میں آیا ہے[1] "لا غرار فی صلاۃ ولا تسلیم"۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ

---

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مُسند (ج ۲، ص ۴۶۱) پر بروایت عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو مالک اشجعی، از ابو حازم، حضرت ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضُورؐ نے فرمایا "لا غرار فی صلاۃ ولا تسلیم" ابو داؤد (ج ۱، ص ۳۴۷) نے اس کو احمد سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے المستدرک (ج ۱، ص ۲۶۴) اور بیہقی نے السنن (ج ۲، ص ۲۶۰) میں حاکم سے بطریق احمد نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینے سے منع نہیں کیا گیا۔ ان الفاظ سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل مردود ہے۔

۴۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ ذہبی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحتِ سند کے باوجود شیخین نے اس حدیث کو اس لیے روایت نہیں کیا کہ اس کا مرفوع ہونا بعض راویوں کے نزدیک مشکوک ہے۔ چنانچہ ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۴۹) نے اس کو بطریق معاویہ بن ہشام، از سفیان، از ابومالک، از ابوحازم، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں ابن فضیل نے اس کو ابن مہدی کے الفاظ ہی کے مانند ذکر کیا ہے اور اس کو مرفوع نہیں ٹھہرایا۔ یہ علت اس حدیث کی صحت میں قادح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا مرفوع ہونا ایک اضافہ ہے جو ثقہ راوی سے قابلِ قبول ہے۔ پھر یہ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے ثقہ تر راوی اور کون ہو سکتا ہے؟ اس حدیث کے رفع میں معاویہ کا شک غیر مؤثر ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کو یقین حاصل ہو اس کو شک کا اظہار کرنے والے پر ترجیح دی جاتی ہے خصوصاً جب کہ اضافہ کرنے والے کا حافظہ قوی ہو اور وہ وہم کا مریض نہ ہو۔ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں "الصلوٰۃ" "ال" کی زیادتی کے ساتھ بھی آیا ہے لیکن یہ "ال" کی زیادتی کاتبوں کا سہو معلوم ہوتا ہے کیونکہ مسند اور مستدرک و بیہقی میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

اس حدیث کے معنی و مفہوم میں شارحین کا اختلاف ہے، ابوداؤد نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "نماز کی حالت میں نہ تم کسی کو سلام کہو نہ سلام کا جواب دو" غرر کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں شک پڑ جائے۔ یہ معنی اس روایت کے مطابق ٹھیک ہے جس میں "السلام" کا لفظ اَل کے ساتھ ہے۔ مگر مجھے اس کی مؤید روایت نہیں ملی۔ اگر "لا تسلیم" کے الفاظ ہوں تب بھی یہ معنیٰ درست ہے۔ مگر "تسلیم" بالجر کے ساتھ یہ معنی درست نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اندریں صورت یہ "صلوٰۃ" کا معطوف ہوگا۔

لسان العرب میں ابوعُبید سے نقل کیا ہے کہ غرار کے معنی نماز کے رکوع و سجدہ اور طہارت میں کمی کے ہیں۔ یعنی یہ کہ نماز کے ارکان کو صحیح طور سے ادا نہ کیا جائے جس طرح حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ قول کہ "نماز ایک پیمانہ ہے جو اسے پورا کرے گا اُسے پورا اجر دیا جائے گا۔ اور جو اس میں کمی کرے گا تو کمی کرنے والوں کا انجام تمہیں معلوم ہے۔" ابوعُبید کہتے ہیں سلام میں غرار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص السلام علیکم کہے اور دوسرا اس کے جواب میں صرف علیکم کہے اور وعلیکم السلام نہ کہے۔ یہ "التہذیب" سے ماخوذ ہے۔

ابن سیدہ کا قول ہے:

جس شخص کو گرمی سے تکلیف ہو تو وہ نماز میں پنکھے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵) "اللہ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا"

"سلام میں غرار یہ ہے کہ "سلام علیک" کہے۔ یا سلام کا جواب دیتے وقت صرف "وعلیک" کہے اور وعلیکم نہ کہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ "نماز میں تھوڑا بھی نہ سویا جائے اور نمازی نہ دوسرے کو سلام کہے نہ اس کو دوسرا سلام کہے"۔ (لسان العرب کا بیان ختم ہوا)

ابن الترکمانی الجوہر النقی میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نماز میں سلام حرام ہے۔ تاکہ یہ حدیث اُن احادیث کی معارض ہو جن میں اشارہ کے ساتھ سلام کی اجازت دی گئی ہے تاکہ یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو کہ راجح کون سی حدیث ہے اور مرجوح کون سی۔ دراصل غرار کے معنی نقصان کے ہیں نماز کا نقصان یہ ہے کہ اس کے ارکان کی تکمیل نہ کی جائے۔ اور سلام میں غرار یعنی نقصان یہ ہے کہ سلام کا جواب دینے والا وعلیکم السلام کے بجائے صرف وعلیک کہے"۔

ابو الاشبال (احمد شاکر) کہتے ہیں میں نے شارحین کا کلام نقل کرنے میں اس لیے طوالت سے کام لیا کہ میرے نزدیک کسی شارح نے اس حدیث کی شرح و توضیح کا حق ادا نہیں کیا میرے نزدیک راجح یہ بات ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ اور سلام میں نفی کی گئی ہے اس طرح راجح روایت وہ ہو گی جس میں تسلیم کا لفظ مجرور ہے۔ اس لیے کہ دوسری روایت میں "تسلیم" منصوب ہے۔ اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہو گی "لا غرار ولا تسلیمَ فی صلوٰۃ"۔ حالانکہ یہ ظاہر کلام کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کی جانب رجوع کسی ضرورت یا قرینہ کی بنا پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

دوسری روایت جو معاویہ بن ہشام نے رفعِ حدیث کے بارے میں شک کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ابوداؤد، حاکم اور بیہقی کے نزدیک اس کے الفاظ "لا غرار فی تسلیم ولا صلوٰۃٍ" ہیں۔ یہ روایت اس بات کی مؤید ہے کہ تسلیم صلوٰۃ پر معطوف ہے اور غرار تسلیم اور صلوٰۃ دونوں سے منفی کیا گیا ہے۔ اس سے ابنِ حزم کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں نماز کی حالت میں اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینے سے منع نہیں کیا گیا ۔۔۔ الحمد للہ رب العٰلمین

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج - ۷۸) "اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر تنگی نہیں ڈالی"۔

اگر بلاضرورت پنکھا کرے تو اس کی نماز باطل ہوتی۔

ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از محمد بن ابی عدی، از اشعث بن عبدالملک حُمرانی روایت کی ہے کہ حسن بصری نماز کی حالت میں پنکھا کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ مجاھد کہتے ہیں کہ حسن بصری نماز میں پنکھا کرتے اور پسینہ پونچھ لیا کرتے تھے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۶۵، و مُصنّف عبدالرزاق ۲: ۲۷۷ مختصراً)۔

اسی طرح نماز میں ایذا دینے والی اور ایسی چیز کو دُور کرنا جائز ہے جو نماز کا حق ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہو۔ اگر کپڑے کو دُور کرنے، یا جسم کو کھجلانے، پھنسی کو اکھاڑنے، یا تھوک کو چھونے یا دوا لگانے، یا کسی کپڑے کو باندھنے کی ضرورت ہو اور اس کی وجہ سے جسم کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کی اصلاح ضروری ہے تاکہ نماز میں یکسوئی حاصل ہو۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق، از مَعمر، از زُہری، از سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، از والدِ خود، روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا "جب کوئی شخص دیکھے کہ اس کا کپڑا خون سے آلودہ ہے، اور وہ نماز ادا کر رہا ہو تو جا کر اسے دھولے اور پھر نماز کو اسی جگہ سے شروع کرے جہاں سے چھوڑا تھا بشرطیکہ اس دوران گفتگو نہ کی ہو۔ (مُصنّف عبدالرزاق ۲: ۲۵۹)

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھی جاتے کہ وہ شخص دانستہ کعبہ سے دوسری طرف نہ مڑ گیا ہو۔ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ نماز میں اُسی وقت حرکت کرتے تھے جب کپڑے کو ٹھیک کرنا ہوتا یا جسم کو کھجلانا ہوتا تھا۔

جو شخص اپنے کپڑے کو ڈھیلا چھوڑے حتیٰ کہ اس کے ٹخنوں سے چھونے لگے تو اس کو اُوپر اٹھانا فرض ہے تاکہ وہ دانستہ کپڑے کو لٹکانے کا مرتکب نہ ہو کہ اس کی نماز ضائع ہو جاتے۔

مسجد کی قبلہ رُخ دیوار میں اگر کھنگار یا بلغم وغیرہ لگا ہو تو اس کو دُور کر دیا جاتے جیسا کہ

۴۲۳ - ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بُخاری، از قُتیبہ بن سعید، از لیث بن سعد، از نافع] از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی

جانب کھنگار دیکھا۔آپ اُس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔آپ نے اس کو رگڑ دیا۔جب فارغ ہوئے تو فرمایا
"جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے رُوبرو ہوتا ہے۔اس لیے نماز کی حالت میں اپنے
سامنے ہرگز نہ تھوکے۔" (بخاری، مسلم، ابن ماجہ فی الصلوٰۃ)

نماز کی حالت میں سانپ، بچھو، کوّے، چیل، کاٹنے والے کُتّے، چوہے، چھپکلی ــــ چھوٹی ہو یا بڑی ــــ
کو قتل کرنا مباح ہے۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو

۴۳۴۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحٰق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
از مسلم بن ابراہیم، از علی بن مبارک، از یحییٰ بن ابی کثیر از ضمضم بن جوس،] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو سیاہ چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو نماز کی حالت میں قتل کر دیا کرو۔" (ابوداؤد،
ترمذی، نسائی، ابن ماجہ فی الصلوٰۃ)۔

نیز وہ حدیث جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی،
از مسلم بن حجاج، از شیبان بن فروخ، از ابو عوانہ، از زید بن جبیر] روایت کیا ہے، کہا ایک شخص نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ احرام
باندھنے والا کن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے۔ابن عمرؓ نے کہا مجھے اُمہات المومنین میں سے ایک نے بتایا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کاٹنے والے کُتے، چوہے، بچھو، چیل، کوّے اور سانپ کو نماز کی حالت میں مار دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔"
(بخاری، مسلم کتاب الحج)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں تمام ازواج مطہرات قابلِ اعتماد، نہایت فاضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تھیں۔
ممکن نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو ان کا علم نہ ہو یا ان کو معلوم نہ ہو کہ اس حدیث کی روایت کرنے والی کون ہیں۔[1]

---

[1] وہ امّ المومنین جنہوں نے عبداللہ بن عمر کو یہ حدیث سنائی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ
عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم نے اپنی روایت میں اس کی تصریح کی ہے (مسلم، ج ۱، ص ۳۲۵)۔دوسری روایت میں یہ صراحت موجود
ہے کہ ابن عمرؓ نے خود رسولِ کریمؐ سے سنا تھا۔ممکن ہے حضرت عبداللہ نے پہلے خود رسُولِ کریمؐ سے سنا ہو۔پھر بھول گئے اور حضرت حفصہ
رضی اللہ عنہا نے آپ کو یہ حدیث سنائی۔

اگر کوئی شخص چھپکلی، پسّو، یا جوں کی وجہ سے تکلیف پا رہا ہو تو ان کا ازالہ ضروری ہے۔ اگر ان کے قتل کرنے میں نماز سے بے اعتنائی کا خطرہ ہو تو بھی ان کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے یہ حدیث بطریق حضرت ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص اور اُم شریک رضی اللہ عنہم روایت کی ہے۔ نماز میں جوئیں تلاش کرنا جائز نہیں۔ نہ یہ کہ پسّو اور جوں کو کپڑے میں باندھنے کی کوشش کرے۔ اس لیے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی نص سے اس کی اِباحت ثابت ہے۔ جن جانوروں کو نماز میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اُن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے فرمایا "نماز میں ایک خاص قسم کی مشغولیت ہوتی ہے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، مُسند احمد، مصنّف ابنِ ابی شیبہ عن ابنِ مسعودؓ)

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس کوئی مسکین آئے۔ اسے خطرہ ہو کہ اگر نماز میں مشغول رہا تو مسکین چلا جائے گا۔ اس صورت میں وہ نماز پڑھتے ہوئے اُسے صدقہ دے سکتا ہے۔ اور اگر خطرہ دامنگیر ہو کہ نماز میں مشغول رہنے سے اس کے جُوتے یا موزے بارش سے بھیگ جائیں گے، خراب یا چوری ہو جائیں گے تو وہ انہیں محفوظ جگہ پر رکھ سکتا ہے اس لیے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر نمازی کے پاس کسی شخص کی کوئی چیز ہو اور چیز کا مالک اس سے طلب کرنے آئے تو نمازی اسے اشارہ کر سکتا یا اس کے حوالے کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ امانت کی ادائیگی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ (النسآء: ۵۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کو پہنچا دو۔"

یہ اُس وقت جائز ہے جب امانت یا اس کے مالک کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو نماز سے فارغ ہو کر یہ کام کرے۔ جو شخص اپنے دونوں پاؤں کو بچھائے یا ان کو باری باری تبدیل کرے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ قیام ہی کی حالت ہے۔ جو شخص شدّتِ مرض کی وجہ سے نماز میں رو پڑے اور وہ اس سے زیادہ شدّت کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

"اُس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔"

اگر بلا وجہ دانستہ ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ کیونکہ کسی نص سے اس کی اباحت ثابت نہیں۔

جو شخص نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے منہ میں درہم، دینار، قیمتی موتی یا اُس کی آستین میں ریشم، سونا یا کوئی اور چیز ہو جس کی حفاظت ضروری ہو تو یہ جائز ہے۔

نمازی اور اُس کے سُترے کے آگے سے گزرنے والے کو ہٹانا، اور اگر نہ ہٹے تو اس سے لڑنا ہر نمازی پر حق اور واجب ہے۔ اتفاق سے اگر گزرنے والے کی موت واقع ہو جاتے مگر نمازی نے دانستہ ایسا نہ کیا ہو تو اس کا خون ہدر ہے نمازی پر کوئی دِیت، قصاص یا کفارہ واجب نہیں۔

۴۳۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از شیبان بن فروخ، از سلیمان بن مُغیرہ، از حمید بن ہلال، از ابو صالح السمّان] روایت کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو سعید خُدریؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ جمعہ کی نماز ادا کر رہے تھے اور آگے سترہ رکھا تھا۔ اسی اثنا میں بنی ابی مُعَیط کا ایک نوجوان آیا اور ابو سعید خدریؓ کے آگے سے گزرنا چاہا۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا۔ نوجوان نے دیکھا اور ابو سعید کے آگے سے گزرے بغیر اسے کوئی راستہ نہ ملا۔ اُس نے دوبارہ آگے سے گزرنے کی کوشش کی۔ ابو سعیدؓ نے پہلے سے زیادہ زور سے دھکا دیا۔ وہ بھونچکا ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا اور ابو سعید کو بُرا بھلا کہا۔ جب لوگوں نے اس پر دباؤ ڈالا تو چلا گیا۔ وہ مروان کے پاس گیا اور ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت ابو سعیدؓ بھی مروان کے یہاں گئے۔ مروان نے کہا اس بھتیجے کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا، جب کہ یہ آپ کی شکایت کر رہا ہے؟ ابو سعیدؓ کہنے لگے میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سُنا، فرماتے تھے "تم میں سے کوئی شخص جب سُترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھ رہا ہو، اور کوئی شخص اُس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اس کے سینے پر دو ہتھڑ مارے۔ اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اُس سے لڑے، اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد فی الصلوٰۃ، وبخاری بدء الخلق ایضاً)

اگر ہمارے مخالفین امام مالکؒ کا یہ قول پیش کریں کہ ایک آدمی حضرت عثمانؓ کے پاس ایک شخص کو لایا جس نے اُس کی ناک توڑ دی تھی۔ اُس شخص نے کہا، میں نماز پڑھ رہا تھا اور یہ میرے سامنے سے گزرا تھا۔ حالانکہ مجھے نمازی کے آگے سے گزرنے والے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی معلوم ہے۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے کہا "بھتیجے تم نے کس قدر تشدّد کا ثبوت دیا۔ اپنی

نماز ضائع کی اور اُس کی ناک توڑ دی[1]۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ اثر صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو ہمارے مخالفین پر حجت ہو گا۔ اس لیے کہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو ناک توڑنے کا قصاص دلوایا تھا۔ اور اگر یہ بات مذکور بھی ہوتی تو دین میں حجت صرف رسولِ اکرمؐ کا قول ہے کسی اور کا نہیں۔ قبل ازیں ابو سعید خدریؓ کے لڑنے اور گزرنے والے کو مارنے کا واقعہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

نمازی چھوٹے بچے کو کندھے پر اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو اس کو اٹھا کر چل بھی سکتا ہے۔

۴۳۶۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن ابی عمر، از سفیان بن عیینہ، از عثمان بن ابی سلیمان و محمد بن عجلان، دونوں نے عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ سے سنا، از عمرو بن سلیم الزرقی، از ابو قتادہؓ انصاری] وہ کہتے ہیں ہمیں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور اُمامہ بنت ابی العاص —— جو رسولِ کریمؐ کی بیٹی زینبؓ کی دختر تھیں —— آپؐ کے کندھے پر سوار تھیں۔ جب رکوع کو جاتے تو اُسے اُتار دیتے، جب سجدہ سے اُٹھتے تو اُسے اُٹھا لیتے۔" (بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی کتابُ الصلوٰۃ و بخاری کتاب الادب ایضاً)۔

۴۳۷۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از یحییٰ بن خلف، از عبدالاعلیٰ، از محمد بن اسحاق، از سعید بن ابی سعید المقبری، از عمرو بن سلیم الزرقی] از ابو قتادہ صاحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، وہ کہتے ہیں ہم ظہر یا عصر کی نماز کے لیے رسولِ کریمؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو نماز کے لیے بلایا تھا۔ آپؐ تشریف لاتے تو آپؐ کی دختر زادی اُمامہ بنت ابی العاص آپؐ کے کندھے پر سوار تھیں۔ رسولِ کریمؐ جاتے نماز پر کھڑے ہو گئے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اُمامہ بدستور آپؐ کے کندھوں پر سوار رہیں۔ آپؐ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپؐ نے رکوع کا ارادہ کیا تو اُمامہ کو اُتار دیا۔ پھر رکوع و سجدہ کیا۔ جب سجدہ کر کے کھڑے ہوتے تو اُمامہ کو پھر کندھے پر بٹھا لیا۔ آپ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے رہے یہاں تک کہ نماز سے

[1] یہ روایت مجھے مؤطا امام مالک اور مدونہ میں نہیں ملی۔

فارغ ہوئے۔ (حوالہ پہلی حدیث میں گزر گیا)

امام شافعیؒ اور ابو سلیمان کا موقف بھی یہی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے مخالفین کی دروغ گوئی کا اظہار ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپؐ نوافل ادا کر رہے تھے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی کیا ہے اس میں حد درجہ خشوع پایا جاتا ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔ اگرچہ خطا کار آدمی اس کو خشوع تصوّر کرتا رہے۔

رسُولِ کریمؐ نے حضرت ابن مسعودؓ کو جو فرمایا تھا کہ "نماز میں ایک طرح کی مشغولیت ہوتی ہے"۔ یہ اُمامہ کو اٹھانے کا واقعہ اس کے بعد کا ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ بات عبداللہ بن مسعودؓ کو اس وقت فرمائی جب غزوۂ بدر سے پہلے ابن مسعودؓ سرزمینِ حبشہ سے آئے تھے۔ حضرت زینبؓ (بنتِ رسولؐ) اور اُن کی بیٹی (اُمامہ) غزوۂ بدر کے بعد مدینہ آئی تھیں ۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

جس شخص کی پُشت پر بچہ سوار ہو اور وہ شخص نماز پڑھ رہا ہو، اس حالت میں وہ شخص اگر توقف کرے تو بہتر ہے۔ جب امام طویل سجدہ کرے اور مقتدی یہ معلوم کرنے کے لیے اپنا سر اُٹھائے کہ امام نے سجدہ سے اُٹھنے کی تکبیر کہی ہے یا نہیں، اس لیے کہ مقتدی کو امام کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مقتدی دیکھے کہ امام ابھی سجدہ سے نہیں اٹھا تو پھر سجدہ کرنے لگ جائے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لیے کہ مقتدی نے وہی کیا جو امام کی اِتباع کے سلسلہ میں اسے کہا گیا تھا۔

۴۳۸۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن سلام الطرسوسی، از یزید بن ہارون، از جریر بن حازم، از محمد بن ابی یعقوب بصری، از عبداللہ بن شدادؓ از والدِ خود] روایت کیا، وہ کہتے ہیں، رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب یا عشاء کی نماز میں تشریف لائے آپؐ نے حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو اٹھا رکھا تھا۔ اُسے نیچے رکھ دیا۔ پھر تکبیر کہی اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے دوران آپؐ نے ایک سجدے کو بہت لمبا کر دیا۔ مَیں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بچہ آپؐ کی پیٹھ پر سوار تھا اور آپ سجدہ ریز تھے۔ مَیں پھر سجدے میں پڑ گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے کہا یا رسُول اللہ! آپؐ نے اس نماز کے دوران ایک سجدے کو بہت لمبا کر دیا۔ حتیٰ کہ ہم نے سوچا کہ کوئی نئی بات ہوئی ہے یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ لیکن ہُوا یہ کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا۔ مَیں نے اس بات کو

ناپسند کیا کہ اس کو عُجلت پر مجبور کروں جب تک وہ اپنی ضرورت پُوری نہ کرلے۔" (نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب رقم ۴۹)

اگر اس بات کا خدشہ ہو کہ نمازی حالتِ نماز میں سو گیا ہے تو اس کو بلانا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص (امام کی) بائیں جانب کھڑا ہو تو اس کو دائیں جانب گھمانا نماز کی حالت میں جائز ہے۔

۴۳۹۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجاج، از محمد بن رافع، از ابن ابی فُدیک، از ضحّاک بن عثمان، از مخرمہ بن سُلیمان، از کُریب مُولیٰ ابن عبّاس] از ابن عبّاس رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں مَیں ایک رات اپنی خالہ امّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سو گیا۔ مَیں نے اُن سے کہا جب رسولِ کریمؐ رات کو نماز کے لیے اُٹھیں تو مجھے جگا دیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ مَیں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر دیا۔ جب میں اُونگھنے لگتا تو آپ میرے کان کی لو کو پکڑ کر جگا دیتے۔" (تا آخر)۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ و التفسیر، مسلم، ابو داؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب الشمائل لہٗ)

اَدعیہ مسنُونہ

نمازی سجدہ کی حالت، قیام اور جلسہ میں جو دعا چاہے مانگے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اپنی دعا میں جس کا نام چاہے لے جس طرح رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قبیلہ عُصیّہ، رِعل اور ذکوان پر بد دعا کی اور ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام کے لیے نام لے کر دعا مانگی تھی۔ نبی کریمؐ نے ایسی دُعا مانگنے سے کبھی منع نہ کیا اور نہ آپ کو اس قسم کی دعا کرنے سے روکا گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"سجدہ کی حالت میں خلوص سے دُعا کیجیے۔" یا اس قسم کے اور ارشادات۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "تم میں سے ایک شخص جو دُعا چاہے پسند کرے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

آگے چل کر نماز کے اعمال کے بیان میں ہم ان دعاؤں کو مع سند بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

نماز میں مُنکرات کا ازالہ

ہر بُری چیز جس کو آدمی نماز کی حالت میں دیکھے اُس کا ازالہ اُس پر فرض ہے۔ اُس کے ساتھ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر حق ہے۔ اور حق کا فاعل مُحسن ہے۔ بشرطیکہ کوئی نص یا اجماع اس سے مانع نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ-۲) اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔"

چنانچہ مندرجہ ذیل اشیاء منکرات کی ذیل میں آتی ہیں :

۱۔ شعلہ زن آگ کو بجھانا ،

۲۔ چھوٹے بچے ، مجنون ، اپاہج اور سوتے ہوئے آدمی کو آگ سے بچانا ،

۳۔ کسی شخص کو سانپ ، درندے ، ظالم انسان یا سیلاب سے بچانا ،

۴۔ جو شخص کسی نمازی یا مسلمان پر ظلم کرنا چاہے اس سے لڑنا ،

۵۔ کافر قیدی یا ظالم کو باندھنا۔

یہ جملہ امور نماز میں مباح ہیں۔ اِلّا یہ کہ کوئی نص یا اجماع اس سے مانع ہو۔ جو شخص ان اشیاء میں تفریق کرے وہ غلطی پر ہے اور ایک بے دلیل کام کا مرتکب ہوتا ہے۔

۴۴۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [بخاری ، از آدم ، از شعبہ ، از ازرق بن قیس] روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اھواز کے علاقہ میں خوارج سے لڑ رہے تھے۔ مَیں نہر کے کنارے پر تھا ، مَیں نے دیکھا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور سواری کی لگام اُس کے ہاتھ میں ہے۔ سواری کا جانور لگام کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اور وہ شخص اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ شعبہ کہتے ہیں وہ شخص ابو برزہ اسلمیؓ (صحابی) تھے۔ خوارج میں سے ایک شخص کہنے لگا "اے اللہ اس شخص کو سزا دے" جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو کہنے لگا مَیں نے تمہاری بات سُن لی ہے۔ مَیں چھ سات غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ مَیں آپ کا رفیق بھی رہا ہوں۔ اگر مَیں اپنی سواری سمیت سفر سے لوٹ آؤں تو یہ بات مجھے اس سے عزیز تر ہے کہ مَیں سواری کو کھلا چھوڑ دوں کہ وہ جدھر چاہے چرتی پھرے۔ یہ بات مجھ پر ناگوار گزرے گی[1]

ہم نے بطریق [عبدالرزاق ، از معمر از زہری ، از ازرق بن قیس] روایت کی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اس

---

[1] ابوداؤد طیالسی ، ص ۱۲۵ حدیث نمبر ۹۲۷ بروایتِ شعبہ۔ بیہقی ، ج ۲ ، ص ۲۶۶ بطریق آدم از شعبہ۔ صحیح بخاری (ج ۳ ص ۱۴۲) کتاب الادب از ابوالنعمان از حماد بن زید از ازرق بن قیس۔ و ایضاً کتاب الصلوٰۃ ، باب ۵۳۱۔

بات سے خائف تھے کہ مبادا شیر ان کی سواری کو نقصان پہنچائے چنانچہ نماز کی حالت میں سواری کی طرف چل کر گئے۔
(مُصنّف عبد الرزاق ۲ : ۲۶۱)

بدیں سند تا معمر از قتادہ، کسی آدمی نے اُن سے دریافت کیا کہ مَیں نماز پڑھتا ہوں تو بعض اوقات بکری میرے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ مَیں اپنا سر جھکا کر چھڑی لے لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اُسے مارتا ہوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قتادہ نے کہا "اس میں کچھ مضایقہ نہیں ہے"۔ (مُصنّف عبد الرزاق ۲ : ۲۶۲)

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از سلیمان التّیمی، از حسن بصری، جُوں کے بارے میں روایت کیا ہے جس کو آدمی نماز میں مار ڈالے؟[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں، جس کو اپنے مال کا ڈر ہو یا اُس کے جُوتے یا موزے چوری ہو گئے ہوں تو وہ چور کا تعاقب کر کے اس سے اپنا سامان چھین سکتا ہے۔

ان جُملہ امور کی انجام دہی میں اگر مجبوراً قبلہ کی جانب پُشت کرنی پڑے یا قلیل و کثیر عمل کا مرتکب بھی ہو تو کچھ مضایقہ نہیں، بشرطیکہ اس دوران گفتگو نہ کی ہو۔ اگر کوئی شخص امام یا مقتدی ہو اور اسے امید ہو کہ یہ کام انجام دے کر نماز کا کچھ حصہ پالے گا، یا یہ کہ لوگ اس کا انتظار کر لیں گے تو کام کو مکمل کر کے پھر سے نماز کو شروع کر دے۔ جیسا کہ حضورؐ نے کیا تھا۔ وہ واقعہ یُوں ہے کہ آپؐ نے بھُول کر حالتِ جنابت میں نماز کی تکبیر کہہ دی پھر آپ کو یاد آگیا اور آپؐ غسل کے لیے تشریف لے گئے اور پھر واپس آ کر نماز کی تکمیل کی۔[2] ذوالیدَینؓ[3] کے واقعہ میں بھی حضورؐ نے اسی طرح کیا تھا۔

---

[1] یہ قول نامکمل ہے۔ مجھے یہ کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ المغنی ابنِ قدامہ میں ہے کہ "اگر اسے قتل کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس لیے کہ حضرت انسؓ نماز کی حالت میں جُوں اور پِسّو کو مار دیا کرتے تھے۔ حسن بصریؒ جُوں کو مار دیا کرتے تھے۔ اَوزاعی کہتے ہیں جُوں کو چھوڑ دینا مجھے عزیز تر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز میں جُوں کو مار دیا کرتے تھے۔ (المغنی، ج ۱، ص ۶۶۷)

[2] سُنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ۹۴، عن ابی بکرہ و ابی ہُریرہؓ۔

[3] رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھُول کر نمازِ عصر چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی۔ ایک صحابی نے جسے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ذُوالیدَین کہا جاتا تھا آپؐ کو یاد دہانی کروائی تب آپؐ نے دو رکعت مزید پڑھائیں۔ (مُترجم)

اگر نماز کے کچھ حصہ کو پالینے کی امید نہ ہو، یا یقین ہو کہ لوگ اس کا انتظار نہیں کریں گے تو اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اولین جگہ میں جہاں نماز جائز ہو ادا کرے۔ ایسے شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ نماز کی طرف رجوع کیے بغیر ایک قدم بھی اٹھائے۔ یا اس جگہ میں ذرا بھی توقف کرے جہاں نماز جائز نہیں ہے[1]۔

اگر اس نمازی کو کسی قریب جگہ دوسری جماعت مل جانے کی امید ہو تو اس میں شمولیت کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آخری نماز جو مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی وہ دو اماموں کی اقتدا میں ادا کی گئی تھی حضرت ابوبکرؓ نے نماز کا آغاز کیا اور رسولِ کریمؐ نے اس کی تکمیل کی۔ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سنت سے اعراض کرے جس پر جمیع صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہو اور ایسے امام کی تقلید کرے جس کی بات کا ہے ٹھیک ہوتی ہے اور گاہے غلط تو اس کے لیے اس میں کوئی بھلائی نہیں ——— ونسأل العافية والتوفيق لما يرضيه آمين

امام ابنِ حزمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی عملِ کثیر و قلیل کے مابین تفریق کرتا ہے اُس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔ اُسے دو باتوں کا اختیار ہے تیسری کوئی بات نہیں ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ عملِ کثیر کی حد مقرر کرے گا جس کا اسے اتنا ہی اختیار حاصل ہے جتنا دوسروں کو۔ اور یہ تحکم بالباطل ہے۔ نیز یہ دین میں ایک نئی بات کا اجرا ہے جس کی اجازت اسے اللہ نے نہیں دی۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ اس کی حد مقرر نہ کرے اور دین کے نہایت اہم کاموں میں بدترین حیرت کا شکار ہو (کہ آیا یہ عمل قلیل ہے یا کثیر) اور یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ آیا اس سے نماز باطل ہوتی ہے یا نہیں؟ ——— وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا الْجَہْلِ۔

ہم اس شخص سے ایک ایک عمل کے بارے میں سوال کریں گے کہ آیا یہ نماز میں مباح ہے یا نہیں۔ ان دو

[1] اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اس نمازی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نماز کی تکمیل کرے۔ اگر اسے امید ہو کہ واپس آ کر وہ نماز کا کچھ حصہ پالے گا تو اس کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر اس بات کی امید نہ ہو تو جہاں اس کا کام ختم ہوا ہے اسی جگہ نماز کو مکمل کرے۔

باتوں کے علاوہ تیسری کوئی بات نہیں۔ اگر وہ کہے کہ یہ کام نماز میں مباح ہے تو یہ عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر مباح ہوگا۔ جن اُمور کی اباحت نص سے ثابت ہے اُن کے بارے میں ہمارا قول بھی یہی ہے۔ اور اگر کہے کہ یہ کام نماز میں مباح نہیں تو یہ کام قلیل ہو یا کثیر نماز میں غیر مباح ہوگا۔ جن چیزوں کی اباحت نص سے ثابت نہیں اُن کے بارے میں ہمارا قول بھی یہی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اس کام کی قلیل مقدار مباح ہے کثیر نہیں۔ تو ہم کہیں گے یہ جھوٹا دعویٰ محتاجِ دلیل ہے۔ پہلے تو اس دعویٰ کی دلیل پیش کرو۔ پھر یہ بتاؤ کہ جس قدر قلیل مباح ہے اس کی اور جو کثیر ممنوع ہے اُس کی کیا کیا حدیں مقرر ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

نماز کی حالت میں چل کر دروازہ کھولنا جائز ہے

اگر کوئی شخص دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرے تو نمازی چل کر دروازہ کھول سکتا ہے۔ اس سے نماز کو کچھ نقصان لاحق نہیں ہوگا۔

۴۴۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از احمد بن محمد، از ابو معمر، از عبدالوارث، از بُرد ابوالعلاء ابن سنان، از زہری، از عُروہ روایت کیا کہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے اور میں دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتی تو آکر دروازہ کھول دیا کرتے تھے، پھر نماز کی طرف لوٹ آتے۔ اور دروازہ قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔

۴۴۲۔ ابنِ ایمن نے کہا کہ ہم نے بطریق [ابوبکر بن حماد، از مسدد، از بشر بن المفضل، از برد ابن سنان، از زہری، از عُروہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور دروازہ بند ہوتا۔ میں آکر دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتی تو آپ چل کر دروازہ کھول دیتے، پھر نماز گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔[1]

---

[1] ابوداؤد، ج ۱ ص ۳۴۶۔ ترمذی، ج ۱، ص ۱۱۱۔ نسائی ج ۱ ص ۸۱۔ نسائی میں ہے کہ یہ نفلی نماز کا واقعہ ہے نیز بیہقی ج ۲، ص ۲۶۵-۲۶۶۔ ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ اس لیے کہ بُرد بن سنان اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اس لیے کہ میں نے کسی اور راوی کی روایت سے اس حدیث کو نہیں پایا۔ بُرد ثقہ اور صدوق راوی ہے۔ جن محدثین نے اس کو ہدفِ جرح بنایا

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث کو یزید بن زُریع نے بطریق بُرد از زُہری روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نماز کی حالت میں چلنا مباح ہے، آپؐ نے ایک قسم کے چلنے اور دوسری قسم کے چلنے میں کوئی تفریق نہیں کی۔

نماز کی حالت میں کنکریوں کو ایک مرتبہ چھُونا جائز ہے۔ البتہ ہم اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اگر دانستہ زیادہ مرتبہ چھُوئے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۴۴۳۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از مسدد، از سُفیان، از زُہری، ابوالاحوص سے] روایت کی ہے کہ انہوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو رسُولِ کریمؐ سے روایت کرتے سُنا ہے کہ تم میں سے کوئی جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھُوئے، اس لیے کہ اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۴۔ [بدیں سند تا ابو داؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام دَستوائی، از یحیٰی بن ابی کثیر، از ابو سلمہ، از مُعَیقیب[1]] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھتے وقت کنکریوں کو نہ چھُوا کرو۔ اگر نہایت ضروری ہو تو صرف ایک بار چھُو لیا کرو[2]۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اگر ہمارے مخالفین قلیل و کثیر کے مابین تفریق کے بارے میں اس سے استدلال کریں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ حدیث کنکریوں کے بارے میں وارد ہوتی ہے کہ اُن کو برابر کرنا منع ہے، البتہ ایک دفعہ برابر کرنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں یہ بتاؤ کہ تم کس چیز کو اس حدیث پر قیاس کرو گے؟ آیا اُن اعمال کو جو نصوص کی بنا پر نماز میں مباح ہیں یا اِن اعمال کو جو بنا بر نصوص نماز میں ممنوع ہیں۔ دونوں میں سے

ہے وہ کہتے ہیں کہ بُرد قدریہ میں سے تھا۔ حالانکہ اس کی بنا پر اس کی روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

[1] مُعَیقیبؓ نامی صحابی سابقین اوّلین میں سے تھے۔ دونوں ہجرتوں سے مشرف ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ رسُولِ اکرمؐ کی انگوٹھی ان کے پاس تھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ان کو بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا۔

[2] ابو داؤد میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ کنکریوں کو برابر کرنے کے لیے صرف ایک دفعہ چھُو لیا کرو۔ منذری نے اس حدیث کو صحاح ستہ (کتاب الصلوٰۃ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ حدیث ھٰذا اور اس سے پہلی حدیث ابو داؤد، ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۷ میں موجود ہے۔

ایک بات نہایت ضروری ہے، اگر وہ کہیں کہ ہم ان اعمال کو قیاس کریں گے جو اجمالاً مُباح ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ قیاس کی ہر قسم باطل ہے۔ بالفرض اگر قیاس جائز بھی ہوتا تو قیاس کی یہ قسم لازماً باطل ہوتی۔

بُطلان کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں مباح چیز کو ممنوع پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور یہ بات قیاس کے ہر قائل کے نزدیک باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک چیز کو اس کی ضد پر قیاس کرنے والی بات ہے۔ حالانکہ قائلینِ قیاس کے نزدیک ایک چیز کو اُس کی نظیر پر قیاس کیا جاتا ہے، یا اُس چیز پر جو علّتِ حکم میں اس کی نظیر ہو۔

مزید براں ہم مخالفین سے کہیں گے کہ تم نماز میں دو تین قدم چلنے کی اجازت دیتے ہو۔ علاوہ ازیں کسی چیز پر ایک دو ضربیں لگانا بھی تمہارے نزدیک جائز ہے۔ نیز نماز کی حالت میں اگر کوئی شخص بے وضو ہو جائے تو تمہارے نزدیک وہ برتن میں حوض سے پانی لے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام صورتیں ایک مرتبہ سے زائد ہیں۔ لہٰذا تمہارا قیاس باطل ٹھہرا۔ بزعمِ خویش تم اس سے زیادہ کو حرام قرار دیتے ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ اگر نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کوئیں سے پانی لے سکتا ہے۔ پس واضح ہُوا کہ تم کسی ایک قیاس پر بھی قائم نہیں ہو۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ ہم نے اعمالِ ممنوعہ کو اس حدیث پر قیاس کیا ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تمہارے نزدیک نماز کی حالت میں سُوئی میں ایک دفعہ دھاگہ ڈالنا جائز ہے۔ اسی طرح چقماق کے ساتھ ایک ضرب سے آگ جلانا، نوکر کو ایک تھپڑ مارنا، جولاہے کی پھینکی ہوتی نلی کو ایک دفعہ واپس لانا، ایک ہی ضرب سے چمڑے کو چیرنا، ایک ہی جھٹکے سے ذبح کرنا، یہ سب کام نماز کی حالت میں جائز ہونے چاہییں۔ حالانکہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا اُن کے قول کا فساد واضح ہُوا ــــــ وباللہ التوفیق۔

ابنِ حزم کہتے ہیں اگر ہمارے مخالفین وہ حدیث پیش کریں جس کو ہم نے بطریق یعقوب بن عُتبہ بن اخنس از ابوغطفان از ابوہُریرہؓ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " آدمی نماز کی حالت میں سُبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالیاں بجائیں۔ جو شخص نماز کی حالت میں ایسا اشارہ کرے جو سمجھا جا سکتا ہو تو وہ نماز کو لوٹائے "[1]

[1] دیکھیے حاشیہ اگلے صفحہ پر

ابوداؤد کہتے ہیں یہ حدیث وہم پر مبنی ہے۔ اگر اس کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو اس کو ان احادیث میں شامل کر لیا جائے گا جو ثابت ہیں اور جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں مثلاً سلام کا جواب دینے کے لیے رسُولِ کریمؐ کا اشارہ کرنا یا نوکر کو اشارہ کرنا کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اور ہر ایسا اشارہ جس کی انسان کو ضرورت لاحق ہوتی ہو۔ پس ایسے اشارات نکل جائیں گے جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اور وہ اشارات اپنی حُرمت پر باقی رہیں گے جن کی اباحت کسی نص سے ثابت نہیں۔ مثلاً کسی چیز کو فروخت کرنے یا نرخ طے کرنے کا اشارہ۔ یا یہ بات معلوم کرنے کے لیے اشارہ کہ اس نے کیا کام کیا یا کسی سے خبر دریافت کرنے کے لیے اور دیگر اشارات۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے بارے میں یہی موقف درست ہے۔ ہمارا قول بھی یہی ہے — وللہ الحمد — اس لیے کہ اشارات کی متعدد قسمیں ہیں۔ جس اشارے کا جواز نص سے ثابت ہو وہ مُباح اور جس کا جواز ثابت نہ ہو وہ حرام ٹھہرے گا۔ یہ تو اُس صورت میں تھا جب حدیث کی صحت ثابت ہوتی مگر ایسا نہیں ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے — وباللہ التوفیق

(حاشیہ صفحہ سابق)

لہ ابوداؤد، ج ۱، ص ۳۵۶ - دارقطنی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ص ۱۹۵-۱۹۶)، طحاوی، ج ۱ ص ۲۶۲- بیہقی، ج ۲، ص ۲۶۲- شوکانی (ج ۲، ص ۳۷۷) نے اس کو البزار کی جانب منسوب کیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں، ابن ابی داؤد نے ہم سے کہا ابوغطفان مجہول راوی ہے۔ حدیث کے آخر میں جو اضافہ ہے غالباً ابن اسحاق کا قول ہے، رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ آپ نماز کی حالت میں اشارہ کیا کرتے تھے جیسا کہ انسؓ، جابرؓ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ ابوغطفان مجہول ہے۔ بخلاف ازیں وہ معروف اور ثقہ راوی ہے۔ نسائی اور ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے۔

امام شوکانیؒ کہتے ہیں "بفرض صحت اس حدیث میں جس اشارے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ اشارہ ہے جو بلاضرورت ہو اور سلام کا جواب دینے کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ تاکہ مختلف احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت پیدا ہو جائے" امام شوکانی کی یہ بات قرینِ عدل و انصاف ہے اور ابن حزمؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۰۲ حالتِ نماز میں بیع و شرا اور نکاح و طلاق کا حکم

جو شخص نماز سے باہر نکلا اور اس کا خیال ہے کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے، پس اس دوران اس نے خرید و فروخت، ہبہ، طلاق، نکاح یا اور جو کام بھی کیا وہ باطل اور مردود ہے۔ اس لیے کہ وہ نماز کے حکم میں ہے جب اسے یاد آئے گا کہ اس کی نماز مکمل نہیں ہوئی تو وہ نماز کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام افعال حالتِ نماز میں حرام ہیں، لہٰذا اندریں حالت اس سے جو افعال بھی صادر ہوئے وہ ناجائز اور ناروا ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا حکم ہم نے نہیں دیا وہ مردود ہے۔" (مسند احمد و مسلم عن عائشہؓ)۔

ظاہر ہے کہ یہ اعمال ایسے ہیں جن کا حکم حضورؐ نے نہیں دیا، لہٰذا یہ بلاشبہ ردّ کیے جانے کے لائق ہیں۔ اگر نمازی کو یاد آ گیا کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا، اس کے بعد اس نے ان اعمال میں سے کوئی عمل انجام دیا تو وہ عمل اس کو لازم ہو گیا۔ اس لیے کہ یاد آ جانے کی وجہ سے وہ نماز سے نکل گیا۔ اور جب نماز سے نکل گیا تو اب اس کی حالت ایسی ہے جس میں یہ افعال اس سے صادر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح وضو ٹوٹ جانے کے بعد اگر کوئی شخص ایسے اعمال انجام دے تو وہ اس کو لازم ہوں گے۔ اس لیے کہ وضو ٹوٹ جانے کی بنا پر وہ نماز سے نکل گیا اور یہ کام اس سے نماز کے باہر صادر ہوئے ——— وباللہ التوفیق

۳۰۳۔ حالتِ نماز میں وساوس و تخیلات

جس شخص کے دل میں حالتِ نماز میں دنیوی یا غیر دنیوی خیالات آتے ہیں وہ گناہ ہوں یا نہ ہوں، اس کی نماز مکمل ہے۔ جو شخص کبائر پر اصرار کرنے کی حالت میں نماز پڑھے اس کی نماز بھی مکمل ہے۔

۴۴۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن مثنیٰ، از معاذ بن ہشام دستوائی، از والد خود، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا، وہ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے اور ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اذان سنائی نہیں دیتی۔ جب اذان ختم ہوتی ہے تو پھر آ جاتا ہے۔ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو چلا جاتا ہے۔ جب تکبیر ختم ہوتی ہے تو پھر آ موجود ہوتا

ہے۔ اور آدمی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے فلاں فلاں بات یاد کر۔ ایسی باتیں جو اس شخص کو یاد تک نہیں ہوتیں، حتیٰ کہ اُس شخص کو معلوم نہیں ہوتا کہ اُس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تو بیٹھے بیٹھے سہو کے دو سجدے کرے۔" (یعنی تشہد و درود وغیرہ کے بعد سلام سے قبل، پھر سلام پھیرے) (بخاری، مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۶۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام دستوائی، از قتادہ، از زرارہ بن اوفیٰ] حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے ان گناہوں کو معاف کر دیا جن کا گزر صرف دل میں ہو، نہ تو وہ زبان پر آئیں اور نہ ان پر عمل کیا جائے۔" (بخاری کتاب الطلاق والعتق والنذور، مسلم کتاب الایمان، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الطلاق)

قبل ازیں ہم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ "جس شخص نے کسی گناہ کا ارادہ کیا مگر ہنوز اس پر عمل نہ کیا تو وہ گناہ (اس کے اعمال نامہ میں) نہیں لکھا جائے گا۔" اس سے معلوم ہُوا کہ ایسے خیالات نماز پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ نماز کو باطل وہ قول و عمل کرتا ہے جس کا ارادہ کیا جائے حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہو۔ یا اس نیت ہی کو تبدیل کرنے کا قصد کیا جائے جس کا نماز میں حکم دیا گیا ہے اور جس کے بغیر نماز کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ اس نماز کو اس کے نام اور اس کی ذات کے ساتھ ادا کرنے کی نیت ہے۔ جو شخص قصداً ایسی نیت نہ کرے اس نے نماز کو اس طریقہ سے ادا نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

اس کی دلیل یہ اثر ہے جس کو ہم نے بطریق (وکیع از ہشام بن عُروہ از والدِ اُو روایت کیا ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مَیں نماز کی حالت میں بحرین کے جزیہ کا حساب کرتا ہُوں۔" (فتح الباری ۳: ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں پر توبہ فرض کی ہے اور اس کے باوجود ان کو نماز کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

۱؎ ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۲۲۔ المنذری نے اس حدیث کو باقی کتبِ صحاح ستہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡھِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ھود - ۱۱۴)

"اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح وشام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں"

ہمیں پُورے وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کے مخاطب گناہوں پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص توبہ کر لیتا ہے اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ قرآنِ عزیز میں فرمایا:

وَنَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡـًٔا ؕ (الانبیاء - ۴۷)

"اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور کسی جان پر کوئی ستم نہیں ڈھایا جائے گا"

اور ان تمام باتوں پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، بجز ایک بدعتی قوم کے جو اجماع کی مخالف ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی بُرے عمل سے توبہ قبول نہیں کی جاتی جب تک جُملہ اعمالِ قبیحہ سے توبہ نہ کی جائے۔ اس کی بنا پر انہیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ جو شخص عمداً نماز، روزہ یا زکوٰۃ کا تارک ہو اُس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اور نہ ہی تارکِ توحید کی توبہ مقبول ہو، جب تک وہ شخص تمام دانستہ کردہ گناہوں سے تائب نہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور تمام اعمالِ صالحہ کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بات اسلام سے نکل جانے کو مستلزم ہے ———— ونعوذ باللہ من ھٰذا

۳۰۴۔ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو

جو شخص ہودج پر سوار ہو، یا ہاتھی پر، یا بالاخانہ اور بلند درخت کے اوپر ہو یا چھت پر، یا کنوئیں کے نشیب میں، یا منجمد نہر پر، یا خشک گھاس پر، یا اُون پر، یا چمڑے اور لکڑی یا کسی اور چیز پر اور وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو، تو اسے چاہیے کہ اسی جگہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ رکوع وسجدہ اور جلسہ کا حق ادا کرے اس لیے کہ نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، جلسہ اور طمانیت واعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رُو بقبلہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب کسی نے ان تمام امور کا حق ادا کر دیا تو اس نے اس طرح نماز ادا کی جس طرح اسے حکم دیا گیا تھا۔ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو" (سُنن نسائی ابواب المساجد)

ان میں سے کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہو۔

وَرطہ حیرت میں ڈال دینے والی بات ہے کہ بعض لوگ ہودج میں سوار ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ اس سے منع کرنے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ بخلاف ازیں وہ اونٹوں کے باڑے، حمام، قبرستان کے اندر اور قبرستان کی جانب نماز پڑھنے کو مباح قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان مقامات میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔

اگر ان مقامات میں قیام، رکوع، سجدہ اور قبلہ رُخ ہونا ممکن نہ ہو تو زمین پر اُتر کر نماز پڑھنا فرض ہے۔ اگر کوئی ضرورت نزول سے مانع ہو، مثلاً جان یا مال کا خوف ہو تو جیسے ممکن ہو نماز ادا کرے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ۔ ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج۔ ۷۸) "اس نے دین کے معاملہ میں تم کو تنگی میں نہیں ڈالا۔"

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ۔ ۱۸۵) "اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تکلیف نہیں چاہتا۔"

۳۰۵۔ وتر کی قضا کا مسئلہ

جو شخص دانستہ وتر کی نماز کو ترک کر دے حتیٰ کہ صبح صادق طلوع ہو جائے تو وہ اس کی قضا نہیں دے سکتا۔ اگر بھول کر وتر رہ جائیں تو جب بھی یاد آئے اُن کی قضا دے خواہ کتنے سالوں کے بعد کیوں نہ ہو۔

اس کی دلیل حضورؐ کی وہ حدیث ہے جس میں فرمایا کہ "وتر کی نماز ایک رکعت ہے جو رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔"

۷۴۴۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [حمام، از ابن المُفرج، از ابن الاعرابی، از الدّبری، از عبدالرزاق، از ابن جُریج، از سلیمان بن موسیٰ، از نافع] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب فجر طلوع ہو جاتے تو رات کی سب نمازیں وتر سمیت رخصت ہوئیں۔ لہٰذا صبح ہونے

سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" (مُصنّف عبدالرزاق، ۳، ۱۳)[1]

جیسا کہ ہم نے بطریق [احمد بن محمد طلمنکی، از ابن مفرج، از محمد بن ایوب، از احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار، از صالح بن معاذ از یحییٰ بن ابی بُکیر، از معاویہ بن قُرّہ، از الاغر المُزنی] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جس کو صبح نے آلیا اور اس نے وتر نہ پڑھے تو اس کے وتر نہیں ہوتے[2]۔" (کشف الاستار عن زوائد البزار ۱: ۲۵۶)

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کے لیے دیکھیے ابوداؤد (ج ۱ ص ۵۳۹) ترمذی (ج ۱ ص ۹۳) المروزی فی الوتر ص ۱۳۸۔ حاکم (ج ۱ ص ۳۰۱) یہ سب بطریق ابن ابی زائدہ، از عُبید اللہ بن عمرؓ، از نافع، از ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" حاکم کے الفاظ یہ ہیں "صبح سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" ترمذی، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مُسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں سابق الذکر الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (ج ۱ ص ۲۰۸) بیہقی (ج ۲ ص ۴۷۸) بطریق عبداللہ بن شقیق از ابن عمرؓ۔ عبدالرزاق کی روایت کردہ حدیث کو ترمذی نے اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے (ج ۱ ص ۹۴)۔ ترمذی کہتے ہیں سلیمان بن موسیٰ اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کرنے میں متفرد ہے۔ سلیمان بن موسیٰ الاموی اہلِ شام کا عظیم فقیہ اور ثقہ راوی ہے۔ اس حدیث کو بیہقی (ج ۲ ص ۴۷۸) نے بطریق (حجاج بن محمد، از ابن جُریج، از سلیمان بن مُوسیٰ، از نافع روایت کیا ہے کہ) حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:

"جس نے رات کو نماز پڑھنی ہو تو اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھے اس لیے کہ رسُولِ کریمؐ نے اس کا حکم دیا ہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو رات کی نماز رخصت ہوتی اور وتر بھی جاتے رہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے "وتر کی نماز قبل از فجر ہے۔"

جب اس واضح اور صریح تر روایت کو روایاتِ سابقہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں جو مرفوع حدیث ذکر کی گئی ہے دراصل وہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں حضرت ابن عمرؓ نے دو مرفوع احادیث کو ملاحظہ کیا جن میں وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کا حکم دیا گیا اور کہا گیا ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے وتر کو پڑھ لیا کرو۔ ان سے استنباط کر کے آپ نے یہ قول صادر فرمایا لہٰذا جس نے ابن عمرؓ کے اس قول کو مرفوع حدیث قرار دیا، اس کو وہم ہُوا یا وہ بھول گیا۔ واللہ اعلم

[2] اس حدیث کی سند میں صالح بن معاذ ہے جس کا ترجمہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ اور یحییٰ بن ابی بکیر نے معاویہ بن قُرّہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کیونکہ یحییٰ کی وفات ۲۰۸ھ یا ۲۰۹ھ میں ہوئی اور معاویہ ۱۱۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اگر ابی بکیر نہیں بلکہ ان کا نام یحییٰ بن ابی بکیر ہے تو

جو شخص بھول کر وتر نہ پڑھے وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہے۔ آپ نے فرمایا :

اس کا ترجمہ بھی مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ بہر کیف مجھے اس سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت میں شک ہے۔ میرا خیال ہے کہ یا تو ابن حزمؒ کی عبارت صحیح نہیں، یا البزار کی کتاب میں غلطی واقع ہوئی ہے (ہیثمی نے مجمع الزوائد ۲ : ۲۴۶ میں فرمایا کہ بزار نے روایت کیا ہے اور بزار کے شیخ صالح بن معاذ کو میں نہیں جانتا، لیکن بقیہ رجال ثقہ ہیں)۔

چنانچہ بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۹) نے بطریق خالد بن ابی کریمہ، از معاویہ بن قرہ، از الاغر المزنی روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ! صبح ہو گئی اور میں وتر ادا نہ کر سکا۔ آپؐ نے فرمایا " وتر کی نماز تو رات کو پڑھی جاتی ہے۔" آپؐ نے تین یا چار مرتبہ یہ الفاظ دہرائے، پھر فرمایا " اٹھ کر وتر پڑھو۔" اس کو شوکانی (ج ۳، ص ۵۷-۵۸) نے طبرانی کی المعجم الکبیر سے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ احمد، ابو داؤد اور دیگر محدثین نے خالد کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن معین سے مختلف قسم کی روایات منقول ہیں بعض اوقات اس کو ثقہ قرار دیتے اور بعض دفعہ ضعیف کہتے۔ الاغر سے یہاں جو روایت منقول ہے البزار کی روایت سے مختلف ہے۔ البزار کی روایت بظاہر اس سے مختلف ہے۔

مجھے کوئی روایت ایسی نہیں ملی جو البزار کی مؤید ہو۔ مسلم (ج ۱، ص ۲۰۸) المروزی (ص ۱۳۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۱)، البیہقی، (ج ۲، ص ۴۷۸) نے اس حدیث کو بطریق یحییٰ بن ابی کثیر، از ابو نضرہ، از ابو سعید خدریؓ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں " صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ج ۳، ص ۴۹) میں اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۴۷۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۱-۳۰۲) نے اس کو بطریق قتادہ، از ابو نضرہ، از ابو سعید مرفوعاً بدیں الفاظ روایت کیا ہے " جس کو صبح نے آلیا اور اس نے وتر نہ پڑھے تو اس کے وتر نہیں ہیں۔"

ابو داؤد طیالسی (ص ۲۹۲، حدیث نمبر ۲۱۹۲) نے اس کو بطریق ہشام از عمارہ از ابو سعید روایت کیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت اس سے بہت ملتی ہے۔ اس تعلیل سے قتادہ کی روایت مجروح نہیں ہوتی۔ حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ میرے نزدیک ان روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ البزار کی روایت غلط ہے۔ اور صحیح حدیث ابو سعید کی ہے نہ کہ الاغر المزنی کی۔ ابو داؤد (ج ۱، ص ۵۳۸)، حاکم (ج ۱، ص ۳۰۲)، بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۰) نے اس حدیث کو ابو سعید خدری سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں " جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو جب صبح ہو یا اسے یاد آئے تو اس وقت پڑھ لے۔"

"جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا اسے پڑھے بغیر سو جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔" (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث کے عموم میں تمام فرضی اور نفلی نمازیں داخل ہیں۔ فرائض کے حق میں آپؐ کا یہ حکم بھی فرض ہے۔ اور نوافل کے بارے میں ندب و استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ نوافل کی ادائیگی فرض نہیں ہو سکتی۔

ان احادیث و آثار سے اس شخص کے قول کا ابطال ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ جو شخص دانستہ وتر چھوڑ دے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتے تو وہ وتر ادا کرے۔ مزید براں اس شخص کے قول کا بطلان ثابت ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ اگر فجر کی نماز پڑھتے ہوئے یاد آجائے کہ اُس نے وتر نہیں پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی، اِلّا یہ کہ نمازِ فجر کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اندریں صورت فجر کو پہلے ادا کرلے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے جو خلافِ سُنّت ہونے کے علاوہ بلا دلیل بھی ہے۔ عقلاً و شرعاً اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے کہ ایسا شخص نوافل کی وجہ سے اپنے فرائض کو ضائع کرتا ہے جن کا اتمام شرعاً لازم ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد-۳۳) "اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

۳۰۶۔ عشاء سے پہلے وتر جائز نہیں

جو شخص عشاء کی نماز سے پہلے وتر پڑھ لے تو وہ باطل یا بیکار ہے؛ اس لیے کہ اس نے وتر کو وقت سے پہلے ادا کیا۔ عبادات کو بروقت ادا کرنا ضروری ہے، نہ پہلے اور نہ وقت کے بعد ـــــــ (وباللہ التوفیق)

۳۰۷۔ فجر کی سُنّتوں کا وقت

نمازِ فجر کی دو سُنّتوں کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہو کر فجر کی اقامت تک ہے۔ اس مسئلہ میں اُمّت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

م۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ شوکانی (ج ۳، ص ۵۷) نے عراقی سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مروزی، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن حزمؒ کے موقف کی مؤید ہے کہ بھول جانے والا اور سو جانے والا وتر کی قضا دے اور حق بات بھی یہی ہے۔ اس سے تمام دلائل میں جمع و تطبیق ہو جاتی ہے۔

۳۰۸۔ فجر کی اقامت کے بعد سنتیں پڑھنا جائز نہیں اور اسی طرح ہر نماز کی اقامت کے بعد۔

جو شخص نمازِ فجر کی اقامت سُنے اور اُسے معلوم ہو کہ اگر صبح کی سنتیں پڑھنے میں مشغول ہُوا تو نمازِ فجر کی پہلی تکبیر ضائع ہو جائے گی تو اُس کے لیے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہونا جائز نہیں۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہُوا۔ اگر اُس نے سنتوں کا آغاز کیا اور اقامت شروع ہو گئی تو سنتیں بے کار ہو گئیں۔ ان سے سلام پھیرنے کا بھی کچھ فائدہ نہیں، خواہ صرف سلام پھیرنا باقی ہو۔ صرف تکبیر کہہ کر نمازِ فجر کے فرضوں کا آغاز کر دے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر چاہے سنتیں پڑھ لے اور اگر چاہے نہ پڑھے۔ جو شخص بھی نوافل کا آغاز کرے اور فرضی نماز کی تکبیر کہہ دی جائے تو وہ اسی طرح کرے۔

امام ابو حنیفہؒ:۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص مسجد میں داخل ہو اور نمازِ فجر کی تکبیر ہو چکی ہو، اسے امید ہو کہ وہ نماز کی دوسری رکعت پالے گا اور پہلی فوت ہو جائے گی تو فجر کی سنتیں پڑھ لے، پھر جماعت میں شرکت کرے۔ اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ اگر سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو امام کے ساتھ ایک رکعت بھی نہ پاسکے گا تو اسے شروع ہی میں جماعت کے ساتھ شرکت کر لینی چاہیے۔ پھر اس کے بعد صبح کی سنتیں ادا نہ کرے۔

امام مالکؒ:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مسجد میں داخل ہو چکا ہو اور تکبیر بھی کہی جا چکی ہو۔ یا وہ امام کو نماز میں مشغول پاتے تو فجر کی سنتیں نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد اگر چاہے تو سنتیں پڑھ لے۔ اگر مسجد سے باہر ہو اور اُسے تکبیر کا پتہ چلا یا معلوم ہُوا کہ امام نماز میں مشغول ہو چکا ہے، اور اسے امید ہو کہ وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پالے گا تو مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لے، پھر جماعت میں شرکت کرے۔ اور اگر ایک رکعت پانے کی امید نہ ہو تو شروع ہی سے جماعت میں شرکت کرے۔

امام شافعیؒ اور ابو سلیمان اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ان اقوال کی کوئی دلیل و حجت نہ تو قرآن میں ہے اور نہ سنتِ صحیحہ ہی

میں ہے اور نہ سقیمہ میں اور نہ ہی اجماع سے اور نہ قیاس سے اور نہ کسی صحابی کے قول سے، گویا ان دونوں کے یہ اقوال بالکل بے بنیاد ہیں۔

اگر مخالفین یہ مغالطہ دیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کہی جا چکی تھی پھر بھی انہوں نے فجر کی دو سنتیں ادا کیں (شرح معانی الآثار، ۱: ۳۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز فجر کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو امام کو نماز میں مشغول پایا۔ آپ اُمّ المومنین حفصہؓ کے گھر میں داخل ہوتے اور دو سنتیں ادا کیں، پھر جماعت میں شرکت کی (شرح معانی الآثار، ۱: ۳۷۵)۔ ان آثار سے ظاہر ہے کہ ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت کو امام کے ساتھ پانے یا نہ پانے کا خیال نہیں کیا۔ علمائے سلف میں سے کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں۔ جہاں تک حضرت ابن عمرؓ کا تعلق ہے وہ اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

اگر مخالفین کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اُس نے نماز کو پالیا" (مسلم و مسند احمد عن ابی ہریرہؓ)۔ ہم کہیں گے یہ ٹھیک ہے مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کی نماز فوت ہو گئی ہو اور جب وہ مسجد میں آئے تو امام کو نماز میں مشغول پائے۔ بخلاف ازیں جو شخص اقامت کے وقت مسجد میں موجود ہو مگر جماعت میں شریک نہ ہو، یا تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور نوافل پڑھنے میں مشغول ہو جاتے، تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ شخص اللہ کا نافرمان اور نماز کے ساتھ کھیلنے والا ہے۔ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو کھیل کود میں مصروف ہونے اور جماعت کی موجودگی میں سُنتیں پڑھنے میں کوئی فرق نہیں۔

احناف و موالک اور عبداللہ بن مسعودؓ میں اختلاف

اگر مخالفین اس ملمع سازی سے کام لیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس طرح کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ مالکیہ تو اُن کے اس فعل کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور امام نماز میں مشغول ہو تو سُنتیں پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں۔ لہٰذا وہ ابن مسعودؓ کے قول سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں ابن مسعودؓ کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں جو تقسیم کی ہے وہ ابن مسعودؓ سے منقول نہیں۔ مزید براں ابن مسعودؓ نماز میں تطبیق در کوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کرنا) کے قائل ہیں، جب کہ حنفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

ابن مسعودؓ کا خیال ہے کہ اُمّ ولد (وہ لونڈی جو صاحب اولاد ہو جاتے) اپنے آقا کی وفات کے بعد اپنے بچے کے وراثت کے حصہ سے آزاد ہو گی۔ حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

حنفیہ نے دسیوں بلکہ سینکڑوں مسائل میں حضرت ابنِ مسعودؓ سے اختلاف کیا ہے۔ ان مسائل میں ابنِ مسعودؓ کا موقف سنّتِ نبوی سے بالکل ہم آہنگ ہے اور اس کی خلاف ورزی درست نہیں صحابہ میں سے کسی سے بھی ان کی مخالفت منقول نہیں۔ جہاں تک فجر کی سُنتوں کا تعلق ہے۔ صحابہ کا ایک گروہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر روشنی ڈالیں گے ـــــ ان شاء اللہ

جب ہم نے احناف و موالک کے قول کو بلا دلیل پایا، اور اپنے موقف کی دلیل تلاش کی تو ہمیں یہ حدیث ملی، جس کو ہم نے بطریق

۴۴۸ - [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از احمد بن حنبل، و مسلم بن ابراہیم و حسن بن علی حلوانی و محمد بن متوکل روایت کیا ہے۔ احمد نے اس کو بروایت محمد بن جعفر غُندر، از شعبہ، از ورقاء نقل کیا ہے۔ جب کہ مسلم اس کو حمّاد بن سلمہ سے اور حسن یزید بن ہارون اور ابو عاصم سے روایت کرتے ہیں۔ یزید، حمّاد بن زید سے، وہ ایوب سَختیانی سے نقل کرتے ہیں۔ ابو عاصم ابنِ جُریج سے اور محمد بطریق عبد الرزاق، از زکریا بن اسحاق نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ تمام راوی یعنی ورقاء، حمّاد بن سلمہ، ایوب سَختیانی، ابن جُریج، زکریا بن اسحاق، عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عطاء بن یسار سے اور وہ] حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جب نماز کی اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے سوا دوسری کوئی نماز جائز نہیں ہے" (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ۔ ونیز مُسند ۲: ۳۳۱، ۳۵۲، ۴۵۵، ۵۱۷، ۵۳۱)

۴۴۹ - علاوہ ازیں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبد الوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مُسلم بن حجّاج، از قُتیبہ، از ابو عوانہ از سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ از حفص بن عاصم بن عمرؓ بن الخطاب، از ابن بُحینہ عبداللہ بن مالک] وہ بیان کرتے ہیں کہ نمازِ فجر کی اقامت کہی گئی تو حضورؐ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ مؤذن اس وقت تکبیر کہہ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تم فجر کی نماز چار رکعت پڑھتے ہو؟" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، دارمی کتاب الصّلوٰۃ، ونیز بیہقی ۲: ۴۸۱)۔

۴۵۰۔ [بدیں سند تا مسلم، از زہیر بن حرب، از مروان بن معاویہ الفزاری، از عاصم الاحول، از عبداللہ بن سَرجِس] وہ کہتے ہیں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ اس نے مسجد کے ایک کونے میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر رسول کریمؐ کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گیا جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا "اے شخص! تم نے دونوں نمازوں میں سے کس پر اعتماد کیا؟ آیا اس نماز پر جو تم نے تنہا پڑھی تھی، یا اس نماز پر جو تم نے باجماعت ہمارے ساتھ ادا کی؟ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ؛ بیہقی ۲: ۴۸۲؛ مسند ۵: ۸۲)۔

۴۵۱۔ علاوہ ازیں ہم نے اس حدیث کو [بطریق حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ و حماد بن زید، از عاصم الاحول، از عبداللہ بن سرجس مثلِ حدیث مذکور روایت کیا] اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس شخص نے دو رکعتیں لوگوں کی پچھلی طرف ادا کی تھیں[۱]۔

۴۵۲۔ ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از صالح بن رستم یعنی ابو عامر الخزاز، از ابن ابی مُلیکہ از] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور میں نے نمازِ فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں ان کو پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے میرا دامن کھینچا اور فرمایا کیا تم فجر کی چار رکعتیں پڑھنا چاہتے ہو؟ ابو عامر سے دریافت کیا گیا، آیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ عباسؓ کا دامن کھینچا تھا[۲]؟ کہا ہاں!

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ احادیث نقلِ متواتر کے ساتھ منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔ کسی شخص کو ان کی

---

[۱] حماد بن سلمہ کی روایت مجھے نہیں مل سکی حماد بن زید کی روایت ابوداؤد میں ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں بیہقی میں بطریق عبدالواحد بن زیاد از عاصم یہ الفاظ ہیں کہ "اس شخص نے صف تک پہنچنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں" یہ الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں جس پر یہ حدیث مشتمل ہے۔

[۲] اس حدیث کو بھی ابوداؤد طیالسی (ص ۲۵۸ حدیث نمبر ۲۷۳۶) نے ابو عامر الخزاز سے روایت کیا ہے نیز بیہقی (ج ۲ ص ۴۸۲) بطریق طیالسی۔ حاکم (ج ۱ ص ۳۰۷) بطریق سعید بن منصور از وکیع بسندِ خود، نیز بطریق النضر بن شُمیل از ابو عامر اس حدیث کو علیٰ شرطِ مسلم صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی بھی حاکم کے ہمنوا ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے شرح ترمذی (ج ۱ ص ۳۲۳) میں اس حدیث کو البزار، ابو یعلیٰ اور صحیح ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔

خلاف ورزی کا حق نہیں پہنچتا۔ خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں میں بعض نے کہا کہ عمرو بن دینار سے روایت کرنے والوں میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سفیان بن عُیَینہ، حمّاد بن سلمہ اور حماد بن زید نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے نقل کر کے اس کو ابوہریرہؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے[1]۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قول کے قائل پر لازم تھا کہ اوّل خوفِ الٰہی اختیار کرتا، پھر لوگوں سے حیا کرتے ہوئے ایسی رسواکن بات کہنے سے احتراز کرتا۔ اس لیے کہ اس حدیث کو موقوف قرار دینے والے اقوالِ صحابہ کو حُجّت تسلیم کرتے ہیں۔ فرض کیجیے یہ حدیث مرفوع نہیں تو چاہیے تھا کہ ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ کے دو اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی۔ علاوہ ازیں ہمارے مخالفین نے جو کچھ کہا ہے اُس سے اس حدیث کی قدر و قیمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس لیے کہ ابن جُرَیج، ایّوب اور زکریا بن اسحاق کسی طرح بھی سُفیان بن عُیَیْنَہ، حمّاد بن سلمہ اور حمّاد بن زید سے کم درجہ نہیں ہیں۔ جس راوی نے اس حدیث کو بطریق حمّاد بن سلمہ مرفوعاً روایت کیا ہے وہ اس راوی کی نسبت اَوثق و اَضبط ہے جس نے اس کو حمّاد بن سلمہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور پھر یہ کہ ایّوب تنہا ان تمام راویوں پر بھاری ہے۔ مزید براں اس حدیث کا مرفوع اور موقوف ہونا دونوں باتیں بجائے خود درست ہیں۔ اس لیے کہ عمرو بن دینار نے اس کو بطریق عطاء، از ابوہریرہؓ از رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ اور بطریق عطاء از ابوہریرہؓ موقوفاً بھی بیان کیا کہ یہ ابوہریرہؓ کا فتویٰ ہے۔ اس لیے اس حدیث کو دونوں طرح روایت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث نہ بھی ہوتی تو ابنِ سرجسؓ، ابنِ بُحَینہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم کی مرویات اس شخص کے لیے کافی ہیں جو اپنے آپ کا خیر خواہ ہو اور ان لوگوں کی تقلید کر کے خواہشِ نفس کی پیروی نہ کر رہا ہو جو اللہ کے عذاب کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ مزید برآں وہ کمزور سی باتوں کو لے کر باطل کی پُشت پناہی کا ارتکاب کرتا ہے۔

---

[1] موقوف روایت صحیح مسلم اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ موقوف ہونے کی وجہ سے کسی صحیح یا مرفوع روایت کو معلول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ طحاوی نے معانی الآثار میں اس حدیث کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے مگر یہ طحاوی کی غلطی ہے۔

۴۵۳۔ ہم نے صحیح ترین سند کے ساتھ [بطریق زُہری از سعید بن المسیّب و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] روایت کیا ہے کہ وہ دونوں حضرت ابو ہریرہؓ اور وہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "جب تم تکبیر سُنو تو سکون و اطمینان کے ساتھ نماز کی طرف چلو اور جلد بازی سے کام نہ لو۔ جو جماعت کے ساتھ پاؤ وہ پڑھ لو اور جو رہ جاتے وہ مکمل کرو۔" (مسلم، ابنِ ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

اِس حدیث سے معلوم ہُوا کہ امام کو جس حالت میں پاتے اُس کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ اس کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ بعض لوگوں نے ابن سَرجِس اور ابن بُحَینہ کی روایت کردہ حدیث پر ایک مضحکہ خیز اعتراض کیا ہے کہ رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سُنتیں پڑھنے کو اس لیے بُرا مانا کہ وہ اجتماعِ عام میں ایسا کر رہے تھے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ سفید جھوٹ اور بد ترین مظاہرہ ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے اندر یہ بات موجود ہے کہ اُس نے سُنتیں لوگوں کے پیچھے مسجد کے کونے میں ادا کی تھیں جس طرح یہ لوگ اپنے مقلدین کو مسجد کے کونے میں سُنتیں پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہ بات حدیث میں نہ بھی مذکور ہوتی تو رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول سے اس بات کے قائل کا دروغِ بے فروغ الم نشرح ہو جاتا کہ "تم نے دونوں نمازوں میں سے کس کو معتبر سمجھا، آیا تنہا ادا کردہ نماز کو یا اُس نماز کو جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی؟" نیز آپؐ کا یہ ارشادِ گرامی کہ "کیا تم صبح کے چار فرض پڑھتے ہو؟" اس لیے کہ یہ بات باطل اور محال ہے کہ آپ اُسے یہ بات کہیں حالانکہ آپ کا مقصد صرف یہ بات کہنا تھا کہ تم نے لوگوں کے اجتماع میں سُنتیں کیوں پڑھیں؟ گویا آپؐ نے جس بات کو بُرا مانا تھا اُس سے تو خاموش رہے اور مُنہ سے وہ بات نکالی جو صحیح طور سے لوگوں تک نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسی لایعنی گفتگو سے پاک رکھا ہے جو کسی دانشمند کو زیب نہیں دیتی۔ البتہ اس بات کا قائل ہی ایسی بے مقصد گفتگو کر سکتا ہے۔

یہ بات جھوٹی اور محض قیاس آرائی پر مبنی ہے۔ اس کے قائل کے درمیان اور جو یہ کہے کہ شاید رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس لیے انکار کیا کہ وہ شخص بے وضو تھا یا اس نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا، ان دونوں باتوں کے کہنے والے ایک جیسے نادان ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

(دراصل بات یہ ہے کہ جو شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی معاملات میں دروغ گوئی کو کوئی اہمیت نہ دیتا ہو اس کے نزدیک ایسے ظنونِ فاسدہ ایک معمولی بات کی حیثیت رکھتے ہیں)۔

اگر کہا جائے کہ حضورؐ نے تو ایسی کوئی نہیں کہی۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آپؐ نے تو لوگوں کے ساتھ اس کے اختلاط کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے صرف نمازِ فجر ادا کرتے وقت اُس شخص کی نماز پر اعتراض کیا تھا، دِگر ہیچ۔ مزید براں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی غلط کاری کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ (البقرۃ۔ ۶۱)　　"تم بہتر چیز کے عوض گھٹیا چیز کو اختیار کرتے ہو"

اس بات میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ فرائض نوافل سے بہتر ہیں۔ اس قول کے قائل اسے فرائض کے عوض جو کہ افضل ہیں، نوافل کو جو کہ ادنیٰ ہیں اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سابق الذکر احادیث کی نافرمانی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔

جمہور علمائے سلف بھی اس مسئلہ میں ہمارے ہمنوا ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر، از حسن بن مسافر، از سوید بن غفلہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر کے بعد نماز پڑھنے پر لوگوں کو پیٹا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۳۶)

اسی طرح معمر، ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ابنِ عمرؓ نے کہا "کیا تم فجر کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟" (مصنف عبدالرزاق، ۲: ۴۴۰)

ہم نے بطریق وکیع از فضیل بن غزوان، از نافع از ابن عمرؓ روایت کیا ہے کہ وہ لوگوں کے پاس آئے جب کہ وہ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ ابنِ عمرؓ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ آپ جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو اُٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۵۵، ومؤطا امام مالکؒ ص ۴۵)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ "جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو فرضی نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز جائز نہیں" (مصنف عبدالرزاق ۲ : ۴۳۶)

معمر، ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نماز فجر کی تکبیر کے وقت ان کو ادا کیا جائے۔ کہا کرتے تھے کہ تم فرض نماز کے ہوتے ہوئے یہ نماز پڑھ رہے ہو۔ (عبد الرزاق ۲: ۴۴۰)

بدیں سند تا معمر از عبداللہ بن طاؤس، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نمازِ فجر کی تکبیر کہی جاتی تھی اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو وہ امام کے ساتھ نماز پڑھتے۔ جب فارغ ہوتے تو صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق ۲: ۴۴۲)

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از سفیان ثوری، از منصور بن معتمر، ابراہیم نخعی سے اُس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو امام کو نماز پڑھتا ہوا پائے اور اس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں، کہا وہ فرض نماز سے آغاز کرے۔ (عبد الرزاق ۲: ۴۳۸ باختلاف)

عبد الرزاق، ابن جریج سے، وہ عمرو بن دینار سے، وہ صفوان بن موہب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلم بن عقیل[1] کو لوگوں سے یہ کہتے سنا جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور تکبیر کہی جا چکی تھی کہ "تم پر افسوس ہو جب تکبیر کہی جائے تو کوئی نماز جائز نہیں"۔ (عبد الرزاق ۲: ۴۳۶)

عبد الرزاق و عبد الرحمٰن بن مہدی دونوں سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ منصور بن معتمر سے، وہ فضیل سے، وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "اقامت کے وقت نماز ختم کر دو"۔ (عبد الرزاق : ۲: ۴۳۷ بھٰذا المعنیٰ)

حماد بن سلمہ ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عروہ کا بھتیجا آیا۔ موذن اس وقت اقامت کہہ رہا تھا جب کہ اس نے فجر کی سنتیں پڑھنے کا ارادہ کیا۔ عروہ نے اس کو ڈانٹ دیا۔

مذکورۂ صدر احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی کہ جو شخص فجر کی سنتوں کا یا وتر کا یا کسی اور نماز کا آغاز کرے۔

---

[1] مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ حافظ ابن حجرؒ نے التہذیب میں صفوان بن موہب کے ترجمہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اولادِ عقیل کا ذکر کرتے ہوئے ان کا تذکرہ کیا ہے (طبقات ابن سعد، ج ۴، ق ۱، ص ۲۹) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ سے کوفہ بیعت لینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبید اللہ بن زیاد نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ یہ واقعہ تاریخ طبری، ج ۵ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

اندریں اثناء نمازِ فجر یا کسی اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو جو نماز وہ پڑھ رہا تھا ان نصوص کی بنا پر وہ باطل ہو گئی۔

اگر کہا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اپنے اعمال کو ضائع نہ کیا کرو"۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بات ٹھیک ہے مگر اس نماز کو اس نے باطل نہیں کیا۔ اگر دانستہ وہ اسے ضائع کرتا تو گنہگار ٹھہرتا۔ بخلاف ازیں اس نماز کو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے باطل ٹھہرایا ہے۔ جس طرح بے وضو ہونے یا ایسی چیز کے گزرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جن کا گزرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ ومثل ایں۔

فجر کی سنتوں کی قضا دینے کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا "جو شخص نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے نماز پڑھ لے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ عن انس رضی اللہ عنہ)۔

اس حدیث کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ نیز اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو

۴۵۴۔ ہم نے بطریق (حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از ابن وضاح، از یحییٰ بن معین، از مروان بن معاویہ فزاری، از یزید بن کیسان، از ابو حازم روایت کیا ہے وہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں پڑھے بغیر سو گئے۔ پھر آپ نے طلوعِ آفتاب کے بعد سنتیں پڑھیں[1]"

مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کہ فرضوں سے پہلے ان کو ادا کرنا شروع کر دیتے۔

۴۵۵۔ [بدیں سند تا ابن ایمن، از احمد بن محمد القاضی، از حسن بن ذکوان، از عطاء بن ابی رباح، از مردے از انصار] بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے فجر کی دو سنتیں ادا نہیں کی تھیں، ان کو اب ادا کیا ہے۔

یہ سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہ کہا[2]۔

---

[1] صحیح مسلم (ج ۱، ص ۱۸۹) بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۳-۴۸۴) - وصحیح ابن خزیمہ (۲: ۱۶۴)

[2] اس حدیث کو امام شوکانیؒ نے نیل، ج ۳، ص ۱۳۱ نے ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے۔ محدث عراقی نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے ترمذی (ج ۱، ص ۸۰) نے اس حدیث کو بطریق الدراوردی، از سعد بن سعید، از محمد بن ابراہیم، از قیس) روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو نماز کی تکبیر کہی گئی۔ چنانچہ میں نے آپ کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔ پھر آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو مجھے نماز پڑھتے پایا۔ فرمایا" اے قیس! چھوڑو، کیا تم دو نمازیں اکٹھی ادا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے فجر کی سنتیں ادا نہیں کی تھیں۔ فرمایا" تب کوئی حرج نہیں" ابوداؤد (ج ۱، ص ۴۹۸)۔ ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۸۲) بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۳۔ احمد (ج ۵، ص ۴۴۷)۔ حاکم (ج ۱، ص ۲۷۵)

یہ تمام محدثین بطریق ابن نمیر از سعد بن سعید روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیس بن عمرو نے کہا: رسولِ اکرمؐ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا" آخر میں ہے کہ" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے" امام ترمذی کہتے ہیں محمد بن ابراہیم کی روایت کو ہم صرف بطریق سعد بن سعید پہچانتے ہیں۔ سفیان بن عُیَینَہ کہتے ہیں عطاء بن ابی رباح نے سعد بن سعید سے یہ حدیث سنی ہے۔ البتہ اس کو مرسلاً روایت کیا جاتا ہے۔ مزید کہتے ہیں سعد بن سعید یحییٰ بن سعید انصاری کا بھائی ہے۔ اور قیس یحییٰ بن سعید کا دادا ہے۔ اس کو قیس بن عمرو اور ابن قہد بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ محمد بن ابراہیم التیمی کا سماع قیس سے ثابت نہیں۔ ابوداؤد نے بھی اس کو مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔

حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو بطریق ربیع بن سُلیمان، از اسد بن موسیٰ، از لیث بن سعد، از یحییٰ بن سعید از والدِ او، از جدِّ او روایت کیا ہے۔ یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ شوکانی نے اس کو صحیح ابن خُزیمہ (۲: ۱۶۴) و صحیح ابن حبان (موارد الظمآن، ص ۱۶۴) کی طرف منسوب کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ۵، ص ۲۶۱) میں اس حدیث کو بطریق اسد بن موسیٰ حافظ ابن مَندہ کی جانب منسوب کیا ہے۔ ابن مَندہ کہتے ہیں" یہ حدیث غریب ہے۔ اسد اس کو موصولاً روایت کرنے میں متفرد ہے۔ اگر اس کا مُرسل ہونا ثابت ہو جائے تو دیگر اسانید کے لیے یہ تائید و تقویت کا موجب ہے۔ ان روایات سے واضح ہوا کہ ابن حزم کی روایت از عطاء، از مَردے از انصار مرسل ہے۔ اس لیے کہ عطاء نے اس کو کسی صحابی سے روایت نہیں کیا بلکہ سعد بن سعید سے نقل کیا ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ (ج ۵، ص ۴۴۷) نے اس حدیث کو بطریق عبدالرزاق از ابن جُریج روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن سعید سے سُنا جو کہ یحییٰ بن سعید کے بھائی ہیں، وہ اس حدیث کو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے دیگر روایات کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مگر مجھے اس عبداللہ کا ترجمہ کہیں نہیں ملا۔ (مسند میں عبداللہ غلط چھپا ہے۔ دراصل یہ عبد ربہ ابن سعید ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق ۲: ۴۴۲ میں ہے)

ہم نے بطریق وکیع از فُضیل بن مرزوق از عطیّہ روایت کی ہے کہ مَیں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے فجر کی سُنّتیں اس وقت پڑھیں جب امام نماز سے فارغ ہو گیا۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۵۴)

ابن جُریج، عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ "جب تم فجر کی سُنّتوں کو قبل از صبح ادا کرنا بھول جاؤ تو صبح کے بعد پڑھ لیا کرو"۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۴۱)

عبدالرزاق کہتے ہیں مَیں نے ابن جُریج کو دیکھا کہ وہ صنعاء شہر کی مسجد میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد فجر کی دو سُنّتیں ادا کر رہے تھے۔ (عبدالرزاق ۲: ۴۴۲)

طاؤس اور دیگر اہلِ علم کا موقف بھی یہی ہے۔ اگر دانستہ نماز سے فراغت کے بعد سُنّتیں ادا نہ کرے تو ان کی قضا دینے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اس لیے کہ ان کا وقت جاتا رہا ہے ــــــ وباللہ التوفیق

۳۰۹۔ نمازِ فجر قضا ہو تو پہلے سُنّتیں پڑھی جائیں

جو صبح کی نماز پڑھے بغیر سو جاتے یا اسے بھول جاتے، حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو جاتے تو اندریں صورت افضل یہ ہے کہ پہلے سُنّتیں ادا کرے پھر فرائض پڑھے۔ جیسا کہ ابوقتادہ کی حدیث کے مطابق رسولِ اکرمؐ نے کیا تھا ہم قبل ازیں یہ حدیث باب التطوّع میں ذکر کر چکے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، سُفیان ثوریؒ، شافعیؒ، داؤدؒ اور ان کے اصحاب کا موقف یہی ہے۔ امام مالکؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر اُن کی کوئی دلیل ہمیں معلوم نہیں۔ بلکہ اُن کا یہ موقف احادیثِ نبویہ کے خلاف ہے۔

۳۱۰۔ نمازِ فجر سے قبل و بعد کلام مُباح ہے

نمازِ فجر سے قبل و بعد کلام مباح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک بات چیت کرنا مکروہ ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ کتاب و سُنّت سے اس کی ممانعت ثابت نہیں اس لیے کہ یہ دونوں اوقات باقی اوقات کی مانند ہیں۔ ان میں اور دیگر اوقات میں کچھ فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف نماز پڑھتے اور خطبہ سُنتے وقت گفتگو سے منع کیا ہے اور دیگر اوقات میں اس کی اجازت دی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنی ہی جان پر ستم ڈھاتا ہے۔

۳۱۱- جو شخص یہ سمجھ کر نماز شروع کرے کہ جماعت ہو چکی ہے

جو شخص مسجد میں داخل ہو اور یہ خیال کرے کہ جس فرض نماز کا وقت ہے اہلِ مسجد وہ ادا کر چکے ہیں- یا وہ اُن لوگوں میں سے ہو جن پر جماعت کے ساتھ فرض ادا کرنا لازم نہیں- جونہی وہ نماز کا آغاز کرے تو جماعت کھڑی ہو جائے۔ اُس شخص پر واجب ہے کہ جو تکبیر کہہ کر وہ نماز شروع کر چکا ہے اسی پر بنا کرے اور جماعت میں شریک ہو جائے۔ اور اگر وہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ ادا کر چکا ہے تو بھی جماعت میں شامل ہو جائے۔ جب وہ اپنی نماز مکمل کر لے تو بیٹھ کر امام کے سلام پھیرنے کا منتظر رہے جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی سلام پھیر دے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے نماز کا آغاز اس طرح کیا تھا جس طرح وہ مامور تھا۔ اور جس نے تعمیلِ امر کی اس نے بہت اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ۔ "اچھا کام کرنے والوں پر گرفت کی کوئی راہ نہیں ہے" (التوبہ: ۹۱)

اسی صورتِ حال میں اس شخص نے امام کو پایا تو اس کی اقتداء اس پر فرض ٹھہری- اس لیے کہ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے "امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

نیز اس لیے کہ آپؐ نے اُس شخص کو ہدفِ تنقید بنایا تھا جس نے اس وقت انفرادی طور پر نماز ادا کی تھی جب امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا۔ جب جماعت ہو رہی ہو اس وقت انفرادی طور پر نماز اسی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے جس کی اجازت رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہو- اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمازی معذور ہو اور امام طویل قراءت کے ساتھ نماز پڑھائے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اور اس سے مقتدی کو کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا کہ اس نے امام سے پہلے تکبیر کہی، اس لیے کہ وہ تکبیر کہنے میں حق بجانب تھا۔ ہمارے مخالفین کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ایک شخص تکبیر کہہ کر جماعت میں شریک ہو۔ پھر امام ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنائے جس نے اُس شخص کے بعد تکبیر کہی ہو- اُن کے نزدیک یہ مقتدی جس نے پہلے تکبیر کہی ہے اُس خلیفہ کی اقتدا کرے گا جس نے اپنے مقتدی کے بعد تکبیر کہی ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سُفیان ثوری، از مُغیرہ بن مِقسم و اعمش ہر دو از ابراہیم نخعی

سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو کسی مسجد میں داخل ہوا، اس نے خیال کیا کہ جماعت ہو چکی ہے چنانچہ اس نے ابھی دو فرض ادا کیے تھے کہ جماعت کھڑی ہو گئی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ وہ شخص جماعت میں شامل ہو کر دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے۔ پھر باقی ماندہ دو رکعتوں کو نفل تصور کرے۔ ابراہیم نخعی سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ کسی (صاحبِ علم) نے اس طرح کیا ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا "جو تم سے پہلے (صحابہ و تابعین) تھے وہ اسی طرح کیا کرتے تھے" (عبدالرزاق ۲: ۴۲۸)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ صحابہ اور اکابر تابعین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں۔ ہم نے تابعینِ کرام کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نفلی نماز کا آغاز کرے اور فرضی نماز کی جماعت کھڑی ہو جاتے تو وہ شخص جماعت میں شرکت کرے اور ادا کردہ نوافل کو فرائض کے ساتھ ملالے۔ جب نفلی نماز کے بارے میں ان کا یہ زاویۂ نگاہ ہے تو فرائض میں یہ بات ان کے نزدیک واجب تر ہے۔ چنانچہ نافع بن جُبیر بن مُطعِم، حسن بصری، قتادہ اور دیگر تابعین اسی کے قائل ہیں۔ یہ اُن کا قیاس نہیں بلکہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے اور سابق الذکر دلیل کا نتیجہ ہے۔

ہمارے نزدیک نوافل میں یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ فرضوں کی جماعت شروع ہونے سے نوافل خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں ——— وباللہ التوفیق

۳۱۲۔ مقتدی امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتا بجز عذر کے

مقتدی کے لیے جائز نہیں کہ امام سے پہلے سلام پھیرے۔ البتہ کسی عذر کی بنا پر جائز ہے مثلاً یہ کہ مقتدی نے قضا شدہ نماز کو ادا کرنا شروع کیا ہو۔ یا نماز کو آخری وقت پر شروع کیا، اسی دوران اُس وقت کی فرض نماز کی جماعت شروع ہو گئی۔ اندریں صورت اپنی شروع کردہ نماز کی تکمیل کرتے ہوئے جماعت میں شریک ہو جاتے جونہی اُس کی نماز پوری ہو سلام پھیر دے۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نماز میں امام کی اقتدا کرے جو نماز امام پڑھا رہا ہے جب امام سلام پھیر دے تو اُٹھ کر باقی ماندہ نماز ادا کرے۔

اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ "جب نماز کی تکبیر کہہ دی جائے تو فرضی کے سوا دوسری نماز نہیں ہوتی" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ)

ظاہر ہے کہ مقتدی نے جو نماز شروع کی تھی وہ فرض تھی، لہٰذا وہ اسے توڑ نہیں سکتا[1] اور امام کی مخالفت

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

بھی اس کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ نے یہ کہہ کر اس سے منع فرمایا ہے کہ "دونوں نمازوں میں سے تم نے کس نماز پر اعتماد کیا" (مسلم، ابوداؤد عن عبداللہ بن سرجس)۔ گویا ایسا کرنے والے کو آپؐ نے ملامت کی تھی۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے "امام ڈھال ہے لہٰذا اس سے اختلاف نہ کیا کرو" (بخاری، مسلم، مسند احمد و عبدالرزاق عن ابی ہریرہؓ) لہٰذا جب مقتدی اپنی نماز مکمل کرے تو اس پر فرض ہے کہ اس نماز میں امام کی اقتداء کرے جو کہ وہ پڑھا رہا ہے۔ اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سلام پھیر دے۔

یا ایک مسافر شخص ہو جو ایسے امام کی نماز میں شرکت کرے جو مقیم ہو۔ اور اگر مقتدی بیٹھ کر امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے تو ایسے شخص سے خائف ہو جسے علم نہیں ہے تو وہ مقتدی سلام پھیر دے۔ کیونکہ اس کو ایسا کرنا ہی ضروری ہے۔ پھر امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے جو کہ اس کی نفلی نماز ہو گی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۱۲۔ تکبیر شروع ہوتے ہی فرض نماز باطل ہو جائے گی

اگر مقتدی ایسا شخص ہو جس پر جماعت میں شرکت کرنا فرض ہو۔ اور وہ نماز باجماعت کو پا لینے سے مایوس بھی نہ ہو وہ شخص اس کے باوجود فرضی نماز شروع کر دے اور تکبیر ہو جائے تو جو نماز اس نے شروع کی باطل اور اس کے لیے ناکافی ہے۔ اس کے لیے جماعت میں شرکت کرنا لازم ہے۔ جو نماز اس نے شروع کی تھی اس سے سلام پھیرنا ضروری نہیں اس لیے کہ دراصل وہ نماز تھی ہی نہیں۔ اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ

"جس شخص نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل رد کیے جانے کے لائق ہے"

(بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

اس شخص پر فرض تھا کہ جماعت میں شرکت کرتا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیلاً بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جب اُس شخص نے ایسا نہیں کیا تو گویا اس نے وہ کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔ لہٰذا وہ عمل مردود ہے۔

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) ابن حزم کا یہ استدلال مغالطہ پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کے الفاظ "المکتوبۃ" معرّف باللام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ فرضی نماز مراد ہے جس کے لیے اس وقت تکبیر کہی گئی ہے (نہ کہ عام فرض نماز) مگر ابن حزم کا بیان کردہ مطلب اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب یہ لفظ معرّف باللام نہ ہو۔

باب الاذان

۳۱۴۔ قبل از وقت اذان جائز نہیں

کسی نماز کے لیے قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں بجز نماز فجر کے۔ نماز فجر کے لیے صبح صادق طلوع ہونے سے صرف اتنا پہلے اذان کہی جا سکتی ہے کہ مؤذن اپنی اذان ختم کر کے منارہ یا بلندی سے نیچے اُترے اور دوسرا مؤذن اذان کہنے کے لیے منارہ پر چڑھ جاتے، اور اس کے اذان شروع کرنے سے قبل صبح صادق طلوع ہو جاتے۔ طلوعِ فجر کے بعد دوسری اذان ضروری ہے اور طلوعِ فجر سے پہلے کہی ہوتی اذان کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ سحری کی اذان ہے، اذانِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ طلوعِ صبح صادق سے صرف اتنا پہلے اذان کہی جا سکتی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اس سے زیادہ پہلے نہیں۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق محمد بن المثنّیٰ، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از عبدالرحمٰن بن محمد مُحاربی، از اسماعیل بن مسلم روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے حسن بصریؒ سے کہا اَے ابوسعید! یہ بتایئے کہ طلوعِ فجر سے پہلے لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دی جا سکتی ہے؟ وہ ناراض ہو کر بولے ایسے لوگ عجمی اور احمق ہیں، اگر خلافتِ فاروقی میں اس طرح کرتے تو حضرت عمرؓ اُن کو بُری طرح پیٹتے۔ جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے اذان کہے تو اس مسجد والوں نے گویا صرف تکبیر کے ساتھ بلا اذان نماز ادا کی ہے[۱]

---

[۱] زیلعی نے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۲۰۵ میں امام قاسم بن ثابت سَرقسی کی غریب الحدیث سے ایک اثر بطریق ابوسفیان سعدی یعنی طریف بن شہاب از حسن اس کی مانند نقل کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حسن بصریؒ نے ایک مؤذن کو رات کے وقت اذان دیتے سنا تو کہا یہ عجمی لوگ مُرغوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ عہدِ رسالت میں اذان طلوعِ فجر کے بعد کہی جاتی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

جیسا کہ ہم نے بدیں سند تا [محمد بن المثنیٰ، از عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از حسن بن عمرو، از فضیل، از ابراہیم نخعی] روایت کی ہے کہ وہ قبل از فجر اذان کہنے کو ناپسند کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴)

ہم نے بطریق [وکیع، از شریک، از علی بن علی، از ابراہیم نخعی روایت کیا ہے کہ] علقمہ بن قیس نے ایک شخص کو رات کے وقت اذان دیتے سُنا۔ انہوں نے کہا "اس شخص نے اصحابِ رسول کی ایک سُنّت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اگر اپنے بستر پر سو رہتا تو اس سے بہتر ہوتا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴)

نیز ہم نے بطریق زُبید الیامی، ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے وقت (قبل از طلوعِ فجر) اذان کہتا تو اسے کہا جاتا "اللہ سے ڈر اور دوبارہ اذان کہو۔" (عبدالرزاق ۱: ۴۹۱)

امام ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ صحابہ و تابعین کرام کے اقوال و آثار ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بطریق ابوداؤد، از ایوب بن منصور، از شعیب بن حرب، از عبدالعزیز بن ابی رواد، از نافع مولیٰ ابن عمرؓ، روایت کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کے ایک موذّن سے روایت کرتے ہیں جن کو مسروح کہا جاتا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ طلوعِ صبح سے پہلے اذان دے دی تو حضرت عمرؓ نے انہیں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ "بندہ سو گیا ہے"[1]

نیز بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابو اسحاق سُبیعی، از اسود بن یزید، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت

جب اذان دی تو رات ابھی باقی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے پر انہوں نے (منارہ) پر چڑھ کر پکارا "بے شک بندہ سو گیا"۔
اس کی سند میں مؤلف نے جس اسماعیل بن مسلم کا ذکر کیا ہے میرے خیال میں اس سے مراد اسماعیل بن مسلم مکی ابو اسحاق بصری ہے۔ وہ فقیہ و مفتی ہونے کے باوجود ضعیف راوی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۲ میں یہ روایت قدرے اختلاف کے ساتھ موجود ہے)۔

[1] اس کی تفصیلی توضیح کے لیے دیکھیے نصب الرایہ، ج ۱، ص ۱۴۹۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۹۔۲۱۰۔ ابن حزمؒ آگے چل کر اس روایت کو بطریق ابوداؤد مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ اس میں مذکور ہے کہ موذّن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ (نیز یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۲ میں ہے)۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی "آپ وتر کب پڑھتی ہیں؟ فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان صبح ہونے سے پہلے لوگ اذان نہیں دیا کرتے تھے"۔[1]

نیز بطریق یحییٰ بن سعید القطان از عبید اللہ بن عمر از نافع مروی ہے کہ انہوں نے کہا "صحابہ کرام طلوع فجر سے پہلے اذان نہیں کہا کرتے تھے"۔

یہ اقوال ائمہ اہل مدینہ کے ہیں جن میں حضرت عمر بن الخطاب، ام المومنین عائشہ صدیقہ، نافع اور دیگر اکابر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یہ بعد میں آنے والے لوگوں کی نسبت اتباع کے زیادہ لائق ہیں۔ (اس کے مقابلہ میں) ہم ایک قول ایسا دیکھتے ہیں جس کی اصل و اساس کا کچھ پتہ نہیں۔ اس کے بارے میں تواتر کا دعویٰ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان ثقات کی مرویات سے اس بے بنیاد دعویٰ کا ابطال ہوتا ہے۔ اور بے دلیل دعویٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔

جس قول کا تذکرہ ہم نے کیا ہے امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری کا بھی وہی قول ہے۔ امام مالک، اوزاعی اور شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نماز فجر کی اذان (جب رات باقی ہو) کہی جا سکتی ہے۔ مگر دیگر نمازوں کی اذان اس وقت کہی جائے گی جب ان کا وقت شروع ہو جائے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ان علماء نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں مذکور ہے کہ بلال اس وقت اذان کہا کرتے تھے جب رات کا کچھ حصہ باقی ہوا کرتا تھا۔

یہ بات یوں تو درست ہے مگر یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اذان نماز کے لیے نہ تھی (بلکہ اختتام سحری کے لیے تھی) نہ ہی نماز فجر سے پہلے زیادہ لمبی رات ہوا کرتی تھی۔ بلکہ دوسرا شخص طلوع فجر کے بعد نماز کے لیے اذان دیتا تھا۔

۴۵۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از

---

[1] زیلعی نصب الرایہ، ج ۱ص ۲۹۱ میں فرماتے ہیں "حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا "مؤذن اس وقت تک اذان نہیں کہتا تھا جب تک صبح صورع نہ ہو جاتے"۔ ابوالشیخ اصبہانی نے اس کو بطریق وکیع از سفیان از ابواسحاق از اسود از حضرت عائشہؓ نقل کیا ہے (نیز مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۴ مختصراً، لیکن قیام اللیل للمروزی میں یہ روایت موجود ہے۔ دیکھو ص ۲۲۸ طبع قدیم)۔

فربری، از بخاری، از احمد بن یونس، از زہیر بن معاویہ، از سلیمان التیمی، از ابوعثمان نہدی] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روک دے۔ اس لیے کہ جب وہ اذان کہتا ہے تو اُس وقت رات باقی ہوتی ہے۔ وہ اذان اس لیے کہی جاتی ہے کہ رات کو قیام کرنے والا لوٹ آئے اور سونے والا بیدار ہو جائے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والطلاق وخبر واحد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصوم، نسائی کتاب الصلوٰۃ والصوم)

۴۵۷۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے [بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از یعقوب بن ابراہیم، از حفص، از عبیداللہ بن عمر، از قاسم بن محمد بن ابی بکر] از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بلال رضی اللہ عنہ اذان کہے تو تم (سحری کے وقت) کھا پی لیا کرو حتیٰ کہ عبداللہ بن امِ مکتوم اذان کہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں کے درمیان صرف اتنا وقت ہوتا کہ ایک (مؤذن) اذان گاہ سے اُترتا تو دوسرا اس پر چڑھنے لگتا۔ (بخاری، مسلم کتاب الصلوٰۃ والصوم ونسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۵۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق بن سلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از حماد بن سلمہ، از ایوب سختیانی، از نافع] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے طلوعِ فجر سے قبل اذان کہہ دی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (اونچی آواز سے) پکارنے کا حکم دیا کہ "آگاہ رہو بندہ سو گیا ہے، آگاہ رہو بندہ سو گیا ہے۔" چنانچہ بلال نے تعمیلِ ارشاد کر دی۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۱)

۴۵۹۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہمدانی، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از قتیبہ، از اسماعیل بن جعفر، از حمید، از] انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو طلوعِ فجر سے پہلے نہ کرتے۔ اگر اس طرف سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ روک دیتے ورنہ حملہ آور ہوتے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ وکتاب الجہاد۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۶۱)

ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے جو اذان کہی جاتی ہے وہ طلوعِ فجر سے قبل جائز نہیں۔ مزید برآں ہم نے اس حدیث کو بروایتِ امّ المومنین حضرت حفصہ وعائشہ رضی اللہ عنہما بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث متواتر کے درجہ کی ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق مالک

بن حُویرث و سلمۃ الجرمی[1] مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

ہمارے مخالفین نے جن آثار سے استدلال کیا ہے، وہ اور اس کے علاوہ کسی قول و اثر سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپؐ نے نماز فجر کے لیے اس اذان پر اکتفا فرمایا تھا بخلاف ازیں جملہ آثار سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد ایک اذان اور کہی جاتی تھی۔ یہ لوگ بزعمِ خویش اصحاب قیاس ہیں۔ ان کے بعض اکابر یہ بات کہتے ہیں کہ قیاس خبر واحد سے اَولیٰ و افضل ہے۔ مگر یہاں انہوں نے نمازِ فجر کے لیے اذان کو دیگر نمازوں کی اذان پر قیاس نہیں کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے کسی صحیح یا سقیم حدیث سے استدلال نہیں کیا کہ یہی (قبل از وقت کہی گئی) اذان نماز فجر کے لیے کافی ہے اور دوسری اذان کی حاجت نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جن لوگوں کا یہ موقف ہے کہ نماز فجر کے لیے قبل از وقت اذان کہی جا سکتی ہے، ہم ان سے کہیں گے کہ بتائیے رات کا وہ کون سا حصّہ ہے اور اس کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے جس میں نماز فجر کے لیے اذان کہنا جائز ہے؟ اگر وہ اس کی تحدید نہ کریں تو اس سے لازم آئے گا کہ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کے لیے اذان کہنا جائز اور کافی ہو۔ اس لیے کہ بلاشبہ وہ بھی رات ہی کا ایک حصّہ ہے۔ حالانکہ وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ اوّلین وقت جس میں نمازِ فجر کے لیے اذان کہنا کافی ہے، رات کے نصفِ اوّل کے بعد یا آخری تہائی کے شروع کا وقت ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے۔ ایسی باتوں پر بھروسہ کر کے دین کے بارے میں کوئی بات کہنا بالکل ناروا ہے۔ مزید براں ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ نماز عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حائضہ قبل از فجر پاک ہو جائے تو وہ مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرے۔ اس طرح انہوں نے عشاء کے وقت میں فجر کی اذان کہنے کی اجازت دے دی۔ اب یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عشاء کے پورے وقت کو چھوڑ کر اس کے ایک حصّے کی تخصیص کی جائے۔ بلکہ مغرب کی نماز کا وقت بھی اس میں شامل ہے۔

---

[1] سلمہ سے سَلِمہ بن قیس بن نُفیع مراد ہے۔ یہ صحابی تھے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جس حدیث کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور آگے آ رہی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اذان کی اجازت صرف رات کے آخری حصے میں ہے تو ہم اُن سے پوچھیں گے کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ حالانکہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ موجود نہیں بجز اُس حدیث کے جس سے ہم نے احتجاج کیا ہے۔ یعنی وہ حدیث جس میں اِس اذان کے وقت کی تحدید و تعیین کی گئی ہے ــــــ وباللہ التوفیق

۳۱۵۔ فرضی نماز باجماعت اذان و اقامت کے بغیر درست نہیں

فرضی نماز باجماعت خواہ دو آدمیوں پر مشتمل ہو یا زیادہ پر، اذان و اقامت کے بغیر درست نہیں۔ خواہ وقتی نماز ہو، یا نیند و نسیان کی بنا پر قضا شدہ، اور کسی وقت بھی ادا کی گئی ہو۔ اس میں سفر و حضر دونوں یکساں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نماز بلا اذان و اقامت پڑھی جائے تو وہ کافی نہ ہو گی بجز نماز ظہر و عصر کے عرفہ میں، اور مغرب و عشاء کے مُزدلفہ میں۔ ان دونوں نمازوں کو جمع کیا جائے گا۔ ظہر و عصر کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے گی۔ اور مغرب و عشاء کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت۔ اس ضمن میں ایک اثر وارد ہُوا ہے۔ (جو حسبِ ذیل ہے)

۴۶۰۔ ہم نے بطریق [عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از محمد بن المثنّٰی، از عبد الوہاب ابن عبد المجید الثقفی، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ، از مالک بن حُویرث] روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے (تا آخر) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنے گھروں کو لَوٹ جاؤ اور وہاں قیام کرو۔ ان کو دینی احکام سکھاؤ اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اُس طرح نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے، اور جو تم میں سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔" (بخاری، کتاب الصلوٰۃ والجہاد والادب وخبر واحد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ)

۴۶۱۔ ہم نے صحیح ترین سند کے ساتھ بطریق [حمّاد بن زید، از ایوب سختیانی، از عمرو بن سلمۃ الجرمی، از والد اُو] روایت کیا ہے کہ وہ اپنی قوم کا وفد لے کر رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپؐ نے فرمایا "فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھا کرو اور فلاں نماز فلاں وقت پر۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جسے قرآن زیادہ آتا ہو وہ امامت کرے۔" (بخاری فی غزوۃ الفتح، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہُوا کہ اذان نماز کے لیے ضروری و واجب ہے اور یہ بھی ثابت ہُوا کہ نماز کے وقت پر اذان دی جائے۔ یہ عموم ہر نماز کے لیے ہے اور اسی حکم میں اقامت بھی داخل ہے۔

۴۶۲ ۔ اسی طرح ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عبداللہ بن محمد النُفیلی، از ابن علیّہ یعنی اسماعیل، از الجُریری، از عبداللہ بن بُریدہ، از عبداللہ بن مغفل] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ہر دو اذانوں کے درمیان ایک نماز ہے اُس شخص کے لیے جو چاہے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

علاوہ ازیں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اقامت ایک ایک بار کہیے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

۴۶۳ ۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فِربری، از بخاری، از محمد بن یوسف فریابی، از سُفیان ثوری، از خالد الحذاء، از ابوقلابہ، از مالک بن حُویرث] روایت کیا ہے کہ دو شخص رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب تم دونوں گھر سے نکلو تو (نماز پڑھنے سے پہلے) پہلے اذان کہو، پھر تکبیر کہو، پھر جو تم میں سے بڑا ہو وہ امامت کرے" (حوالہ حدیث ۴۶۰ میں گزر چکا)

اگر کہا جائے کہ آپ کا یہ حکم تو حالتِ سفر میں دیا گیا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نہیں بلکہ اُس وقت کے لیے جب یہ دونوں اپنے ضروری کاموں کے لیے نبی کریمؐ سے رخصت ہوں۔ یہ حکم تمام فرضی نمازوں کے لیے دیا گیا ہے، خواہ وہ وقتی نمازیں ہوں یا قضا شدہ۔

۴۶۴ ۔ اُس حدیث کی روشنی میں اس مغالطہ اور وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعیب، از عمرو بن علی، از یحییٰ بن سعید القطّان، از ابن ابی ذئب، از سعید بن ابی سعید المقبری، از عبدالرحمٰن بن ابی سعید خُدری، از والد خود] روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق[1] کے موقع پر مشرکین کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے ہم ظہر کی نماز ادا نہ کرسکے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ ابھی تک حرب و پیکار سے متعلق آیات کا نزول نہیں ہُوا تھا۔

---

[1] نسائی میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین نے ہمیں مشغول رکھا اور ہم غروبِ آفتاب تک ظہر کی نماز ادا نہ کرسکے۔ (نسائی، ج ۱، ص ۱۰۷)

اس موقعہ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ "اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے لڑائی میں کافی ہُوا" (الاحزاب: ۲۵)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے ظہر کی اذان کہی۔ آپؐ نے ظہر کی نماز اصلی وقت پر ادا کی۔ پھر عصر کی اذان کہی اور بر وقت یہ نماز ادا کی[1]۔ پھر مغرب کی اذان کہی اور صحیح وقت پر یہ نماز پڑھی۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس واقعہ کے بارے میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں اُن تمام کی نسبت اس روایت میں اضافہ پایا جاتا ہے۔ اور اضافہ کا قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔

"ہم نے عبدالرزاق سے بطریق ابن جُریج روایت کی ہے کہ مَیں نے عطاء سے کہا مَیں نے ایک نماز پڑھی اور اقامت کہنا بھول گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟" کہا تکبیر کہہ کر نماز کا اعادہ کرو۔" (عبدالرزاق ۱: ۵۱۱)

اسی طرح ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰؒ، از ابن فُضَیل، از لَیث بن ابی سلیم، از مجاہد روایت کی ہے۔ مجاہد نے کہا جب تم سفر میں اقامت کہنا بھول جاؤ تو نماز کا اعادہ کرو۔ (مُصنّف ابن ابی شَیبہ ۱: ۲۱۸)

جن اہلِ علم نے اذان و اقامت کو فرض قرار دیا ہے اُن میں سے ابوسلیمان اور ان کے اصحاب بھی شامل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اذان و اقامت کو فرض نہ قرار دینے والوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ اگر اذان کے فرض ہونے کی اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی کہ جہاں سے اذان کی آواز سنائی نہ دیتی، رسولِ کریمؐ ان کے خون و مال کو مباح اور ان کو قیدی بنانے کی اجازت دیتے، یہی دلیل کافی تھی۔ حضورؐ کے ساتھ جس قدر صحابہ تھے بلاشک و شُبہ اس بات پر ان کا اِجماع منعقد ہو چکا ہے۔ یہ ایسا اجماع ہے جو قطعی و حتمی طور پر ثابت و صحیح ہے۔

---

[1] نَسائی میں ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی۔ پھر حسبِ معمول آپؐ نے نمازِ ظہر کو وقت پر ادا کیا۔ پھر عصر کے لیے تکبیر کہی اور اس کو معمول کے مطابق اس کے وقت پر ادا کیا۔ یہاں جو عبارت ہے وہ موزوں ترہے۔ نسائی نے اس کی تبویب یوں کی ہے "الاذان للفائت من الصلوات" (فوت شدہ نمازوں کے لیے اذان دینا) غالباً ابنِ حزمؒ نے نسائی کے کسی اور نسخہ سے یہ عبارت نقل کی ہے (احمد شاکر) (ابنِ حزمؒ نے یہ روایت سُننِ کبریٰ سے نقل کی ہے۔ ابوالاشبال پاکستانی)

نہ کہ وہ جھوٹے دعوے جو ہر انسان ہر وقت کر سکتا ہے بشرطیکہ تقویٰ اور حیاء اس سے مانع نہ ہو ۔۔۔ وباللہ التوفیق

۳۱۶۔ منفرد کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں

منفرد کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں تاہم اگر اذان و اقامت کہے تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ نص دو یا دو سے زیادہ اشخاص پر وجوبِ اذان کے سلسلہ میں وارد ہوتی ہے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اگر اذان و اقامت کہہ لے تو بہتر ہے، اس لیے کہا ہے کہ یہ اللہ کا ذکر ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی مومن جن اس کو سن کر نماز پر آمادہ ہو جائے۔ اذان و اقامت نماز کے وقت کے اندر ہی کہی جا سکتی ہے[1]۔

۳۱۷۔ عورتوں کے لیے نماز باجماعت میں شرکت فرض نہیں

خواتین کے لیے نماز باجماعت میں شرکت فرض نہیں۔ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ عورت ایک یا زیادہ آدمیوں کی امام نہیں بن سکتی۔ اور یہ بات بھی متفق علیہ ہے۔ نص میں وارد ہوا ہے کہ عورت اگر مرد کے آگے سے گزرے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر متعلقہ باب میں اس کا تذکرہ کریں گے۔ مزید برآں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام ڈھال ہوتا ہے (جیسا کہ گزرا) نیز آپؐ نے حکم دیا کہ عورت آدمی کے پیچھے کھڑی ہو۔ اگر مقتدی دو ہوں تو امام آگے کھڑا ہو اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام اس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو۔ مناسب جگہ پر اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت یقیناً ایک یا زیادہ آدمیوں کی امام نہیں بن سکتی۔

۳۱۸۔ اگر عورت نماز باجماعت میں شرکت کرے تو بہتر ہے

اگر عورت مردوں کی نماز باجماعت میں شرکت کرے تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ خواتین حضورؐ کی موجودگی میں نماز باجماعت میں شرکت کیا کرتی تھیں اور آپؐ کو یہ بات معلوم تھی۔

۳۱۹۔ عورت کی امامت

اگر عورتیں کسی عورت کی اقتدا میں باجماعت نماز پڑھیں تو اچھا ہے کیوں کہ کسی نص سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ نیز اس لیے کہ ایک عورت دوسری

---

[1] اکیلے کے لیے بھی اذان و اقامت مسنون ہے۔ دیکھو سنن نسائی باب الاذان لمن یصلّی وحدہٗ، وباب الاقامۃ لمن یصلّی وحدہٗ۔ (ابو الاشبال پاکستانی)

عورت کی نماز کو قطع نہیں کرتی۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں کی سب سے افضل صف آخری ہے"[1] اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از میسرہ بن حبیب النہدی ابو خازم از ریطہ الحنفیہ، روایت کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی فرضی نماز کی امامت کی۔[2]

ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از زیاد بن لاحق[3]، از تمیمہ بنت سلمہ از ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ انہوں نے عورتوں کو مغرب کی نماز امام بن کر پڑھائی۔ ان کے درمیان کھڑی ہوئیں اور بلند آواز سے پڑھا۔

نیز ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از عمار الدہنی، از حجیرہ بنت حصین روایت کیا ہے کہ ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔[4]

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۹۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۵۳ بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔

[2] دارقطنی، ص ۱۵۵ بطریق سفیان۔ شارح دارقطنی نے اس حدیث کی نسبت مُصنّف عبدالرزاق (۳: ۱۴۱) کی جانب کی ہے۔ امام نووی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] ایک نسخہ میں زیاد بن آحرص ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں صحیح کونسا ہے۔ مجھے زیاد اور تمیمہ بنت سلمہ کا ترجمہ کہیں نہیں ملا تا کہ اس ضمن میں بحث و تمحیص سے کام لیا جاتے۔

[4] ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۶ از سفیان۔ دارقطنی (ص ۱۵۵) نے اس کو بطریق عبدالرحمٰن از سفیان روایت کیا ہے۔ شارح دارقطنی کہتے ہیں "اس کو ابن ابی شیبہ (۲: ۸۸) اور عبدالرزاق (۳: ۱۴۰) نے اپنے اپنے مُصنّف میں روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو مُسند میں روایت کیا ہے تینوں اصحاب کہتے ہیں کہ ہم نے سُفیان بن عُیینہ سے روایت کی، انہوں نے عمار الدُہنی سے (تا آخر) امام نووی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن سعد اور دارقطنی نے یہ نہیں بتایا کہ سُفیان سے سفیان ثوری مراد ہے یا سفیان بن عُیینہ؟ یہ دونوں عمار الدُہنی سے روایت کرتے ہیں۔ بظاہر سفیان بن عُیینہ ہی مراد ہے۔ اس لیے کہ ابن سعد کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حجرؒ نے التلخیص (ص ۱۲۸) میں تصریح کی ہے کہ عبدالرزاق اور دارقطنی کی اسناد میں سُفیان بن عُیینہ مراد ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزمؒ نے اس کو سفیان ثوری سمجھ کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے (مُصنّف عبدالرزاق ۱: ۱۴۰ میں عن الثوری ہے)۔ یہ بات اس کی مؤید ہے کہ مسند شافعی مطبوعہ برحاشیہ کتاب الاُم، ج ۶، ص ۸۲ پر مرقوم ہے "ہمیں ابن عُیینہ نے بتایا" (ہو سکتا ہے کہ اس کو ثوری ابن عُیینہ دونوں نے روایت

ہم نے بطریق یحیٰی بن سعید القطان، از سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ، از ام الحسن بن ابی الحسن یعنی خیرہ (جو کہ ثقہ راویہ ہے) روایت کیا ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ماہِ رمضان میں ان کی امامت کیا کرتی تھیں۔ وہ عورتوں کے ساتھ ان کے درمیان کھڑا ہوتی تھیں[1]۔

عبدالرزاق از ابن جریج از یحیٰی بن سعید انصاری روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو نوافل پڑھایا کرتی تھیں۔ وہ صف میں ان کے درمیان کھڑی ہوا کرتی تھیں[2]۔ (عبدالرزاق ۳ : ۱۴۱)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از ابراہیم بن محمد، از داؤد بن حصین، از عکرمہ، از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ عورت نفلی نماز میں عورتوں کی امام بنے اور ان کے درمیان کھڑی ہو۔ (۳ : ۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنی ایک لونڈی کو رمضان کی راتوں میں عورتوں کی امامت کروانے کا حکم دیا کرتے تھے۔

ہم نے تابعین سے بطریق ابن جریج، از عطاء، از ابن مجاہد، از مجاہد، از سفیان ثوری، از ابراہیم نخعی و شعبی روایت کیا ہے نیز از وکیع، از ربیع، از حسن بصری بھی روایت کی ہے۔ ان سب تابعین کے نزدیک عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے۔ وہ اُن کے درمیان کھڑی ہوگی۔ عطاء، مجاہد اور حسن بصری کہتے ہیں کہ عورت فرضی اور نفلی دونوں قسم کی نمازیں پڑھا سکتی ہے۔ دیگر تابعین نے بھی اس سے منع نہیں کیا۔ قتادہ، اوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق، ابو ثور اور جمہور اصحاب الحدیث کا یہی موقف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ بن حنبل، داؤد اور ان کے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

کیا ہو، بلکہ حق بھی یہی ہے کیونکہ عبدالرزاق نے عن الثوری کہا اور ابن ابی شیبہ نے "حدثنا سفیان بن عیینۃ" کہا ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

[1] شارح دارقطنی (ص ۱۵۵) نے اس اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ سے بطریق علی بن مسہر، از سعید، از قتادہ روایت کیا ہے (مصنف ۲ : ۸۸)

[2] حاکم نے المستدرک، ج ۱، ص ۲۰۳ - ۲۰۴ میں بطریق لیث از عطاء، از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اذان کہتیں، تکبیر کہتیں اور عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ وہ (امامت کے دوران) ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔

بخلاف ازیں سلیمان بن یسار اور مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ عورت عورتوں کو فرض یا نفلی نماز امام بن کر نہیں پڑھا سکتی۔ یہ ایسا قول ہے کہ اس کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات صحابہ کی ایک جماعت کے خلاف ہے جن کی مخالفت کرنے والا صحابہ میں اور کوئی معلوم نہیں۔ یہ لوگ بھی صحابہ کی ہمنوائی کا دم بھرتے ہیں بشرطیکہ ان کی تقلید سے ہم آہنگ ہو۔

مزید برآں عورت کی امامت حضورؐ کے اس ارشادِ گرامی میں شامل ہے کہ "جماعت کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز تنہا آدمی کی نماز پر ستائیس ۲۷ درجہ فضیلت رکھتی ہے۔"

اگر معترض کہے کہ پھر تم نے عورت کی امامت کو فرض کیوں نہ قرار دیا، خصوصاً جبکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کروائے۔" ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو عورت کے لیے جائز ہوتا کہ وہ مردوں کی امامت کرے۔ حالانکہ یہ محالات میں سے ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کی مخاطب وہ عورتیں نہیں ہو سکتیں جن کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو۔ اس لیے کہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ غلط ہے۔ (کیونکہ اس ارشاد میں مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے "اکبرکم" فرمایا گیا ہے) اور یہ امر ممنوع اور محال ہے کہ حضورؐ عربیت کی غلطی کے مرتکب ہوں۔

۳۲۰۔ عورتوں کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں

عورتوں کے لیے اذان و اقامت ضروری نہیں اگر اذان و اقامت کہہ لیں تو افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے اذان کا حکم ان لوگوں کو دیا جن پر نماز با جماعت میں شرکت کرنا فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا "چاہیے کہ تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔" (حوالہ گذر چکا) ظاہر ہے کہ عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ اذان و اقامت ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہیں، اس لیے اگر بر وقت ان کو ادا کیا جائے تو یہ عمدہ فعل ہے۔ چنانچہ ہم نے بطریق ابن جُریج از عطاء نقل کیا ہے کہ عورت اپنے آپ کے لیے اقامت کہہ سکتی ہے۔ طاؤس کہتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذان و اقامت کہا کرتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۲۳)

۳۲۱۔ عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنا جائز نہیں

عورت کے ولی اور لونڈی کے آقا کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کو مسجد میں حاضر ہو کر نماز با جماعت میں شرکت کرنے سے روکے۔ بشرطیکہ یہ بات معلوم ہو کہ ان کا مقصد صرف نماز میں شرکت کرنا ہے۔

اُن کے لیے جائز نہیں کہ خوشبو لگا کر یا اچھے کپڑے پہن کر مسجد کو جائیں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو منع کیا جائے۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اُن کے لیے تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے

۴۶۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن عبداللہ بن نُمیر، از والدِ خود و عبداللہ بن ادریس، ہر دو از عبیداللہ بن عمرؓ، از نافع از عبداللہ بن عمرؓ] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو" (صحیح مُسلم کتاب الصّلوٰۃ، باب ۳۰)

۴۶۶۔ [بدیں سند تا مُسلم از حرملہ بن یحییٰ، از ابنِ وہب، از یونس بن یزید، از ابن شہاب، از سالم بن عبداللہ بن عمر از عبداللہ بن عمرؓ] وہ کہتے ہیں مَیں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ "اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو، جب وہ تم سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں" یہ سُن کر اُن کے بیٹے بلال نے کہا واللہ ہم ان کو ضرور روکیں گے۔ عبداللہ بن عمرؓ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اس کو بہت بُری گالی دی ایسی گالی دیتے مَیں نے انہیں کبھی نہیں سنا تھا۔ فرمانے لگے مَیں تجھے حضورؐ کی حدیث سُنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو اللہ کی قسم ہم ضرور روکیں گے۔ (صحیح مُسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۳۰)

۴۶۷۔ [بدیں سند تا مسلم، از ابو کُریب، از ابو معاویہ، از اعمش، از مجاہد از ابن عمرؓ] کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے سے مت روکو" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۴۶۸۔ ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن وضاح، از حامد بن یحییٰ البلخی، از سفیان بن عُیینہ، از محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص، از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔ وہ اس حال میں (گھر سے) نکلیں جب مَیلی کچیلی ہوں"

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں "التفلۃ" کے لفظ سے بدبودار اور میلا کچیلا ہونا مراد ہے[1]۔

---

[1] ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۲۔ شوکانی (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۰) نے اس حدیث کو مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

۴۶۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از یحییٰ بن سعید القطان، از محمد بن عجلان، از بکیر بن عبداللہ بن اشج، از بسر بن سعید، از زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے] وہ کہتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۴۷۰۔ ہم نے بطریق [مالک از یحییٰ بن سعید، از عمرہ بنت عبدالرحمٰن] ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تو عورتیں چادریں لپیٹے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ تاریکی کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۱۔ ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن جسور، از محمد بن عبداللہ بن ابی دلیم، از ابن وضاح، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از حسین بن علی جعفی، از زائدہ، از عبداللہ بن محمد بن عقیل] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمیوں کی سب سے بہتر صف اگلی اور بدترین صف پچھلی ہے۔ عورتوں کی بدترین صف اگلی اور سب سے افضل صف پچھلی ہے۔ اے گروہ خواتین! جب مرد سجدہ ریز ہوں تو نگاہیں نیچی کر لیا کرو اور تہبند کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان کی شرم گاہوں کو دیکھا نہ کرو۔"[1]

۴۷۲۔ ہم نے بطریق عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از ابومعمر عبداللہ بن عمرو، از عبدالوارث بن سعید التنوری، از ایوب سختیانی، از نافع] از عبداللہ بن عمرؓ روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے لیے چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ تاحیات اس دروازے سے

---

[1] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو احمد نے مسند، ج ۳، ص ۲۹۳ میں بروایت عبدالصمد، از زائدہ، از عبداللہ بن محمد بن عقیل ذکر کیا ہے۔ یہ سند صحیح ہے۔ مجھے جابرؓ کی روایت کردہ حدیث محلّی اور مسند احمد کے سوا دوسری کسی کتاب میں نہیں ملی (ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ، باب ۹۱ میں بھی روایت کیا ہے) نیز مصنف ابن ابی شیبہ (۱: ۹ ۲۷)، مسلم (ج ۱، ص ۱۲۹)، اور ابوداؤد (ج ۱، ص ۲۵۲) نے اس حدیث کو بروایت ابوہریرہؓ مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں دارمی، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(مسجد میں) داخل نہ ہوتے۔" (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۷)

۴۷۳۔ [بدیں سند تا ابی داؤد، از قتیبہ، از بکر بن مضر، از عمرو بن الحارث، از بکیر بن اشج، از نافع] انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ باب النساء کے راستہ (مسجد نبوی میں) داخل ہونے سے منع کیا کرتے تھے۔ (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۷)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر عورتوں کی نماز گھر میں افضل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایسی مشقت اٹھانے کی اجازت نہ دیتے جو عبث ہوتی جس سے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچتا یا جس سے ان کے مرتبہ میں کمی واقع ہوتی۔ اس کو ہمدردی نہیں کہتے۔ حالانکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "ہمدردی کا دوسرا نام اسلام ہے" حضورؐ کا دامن اس سے پاک ہے۔ آپ اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ اندریں صورت آپ صحابہ پر اس بات کو فرض نہ ٹھہراتے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکیں۔ اور نہ ہی اس بات کا حکم دیتے کہ میلے کچیلے کپڑے زیب تن کر کے مسجد کو جایا کریں۔ اور کم از کم یہ بات ہے کہ اس امر کو استحباب پر مبنی قرار دیا جاتے۔

بخلاف ازیں امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ عورت کی نماز گھر میں افضل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت کا نماز باجماعت کے لیے گھر سے نکلنا نیز جمعہ اور عیدین میں شرکت کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے البتہ بوڑھی عورتیں عشاء اور فجر کی نماز باجماعت میں شرکت کر سکتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ عیدین میں ان کا شرکت کرنا مکروہ نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں ہم عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہیں روکتے۔ بوڑھی عورتیں عیدین کی نماز اور استسقاء میں شرکت کر سکتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جوان عورت کبھی کبھی مسجد میں جایا کرے۔ بوڑھی عورت مسجد میں جا سکتی ہے مگر زیادہ آمد و رفت سے احتراز کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو ہم نے

۴۷۴۔ [بطریق سفیان، از یحییٰ بن سعید، از عمرہ] از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی ان حرکات کو دیکھ لیتے جو آپؐ کے بعد ان سے صادر ہوتی ہیں تو ان

کو مسجد میں جانے سے اُسی طرح روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ (بخاری، مسلم، ابو داود کتاب الصّلوٰۃ)

۴۷۵۔ ہمارے مخالفین اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو [عبدالحمید بن المنذر انصاری اپنی پھوپھی یا دادی اُمِّ حُمَید] سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری نماز تمہارے گھر میں اُس نماز سے افضل ہے جو تم میرے ساتھ ادا کرو"۔[1]

---

[1] ابن الاثیر نے اُسد الغابہ (ج ۵، ص ۵۸۷) میں بروایت ابن ابی عاصم، از ابو بکر بن ابی شَیْبہ، از زید زید بن الحُباب، از عبدالحمید بن المنذر بن ابی حُمَید الساعدی، از والد اُو از جدّۃ اُو اُمِّ حُمَید نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی "یا رسُول اللہ! ہمارے خاوند ہمیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہیں"۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری نماز تمہارے گھروں میں تمہارے حُجروں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور حُجرہ میں نماز پڑھنا تمہارے لیے حویلی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا حویلی میں نماز ادا کرنا نماز با جماعت سے افضل ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۸، ص ۲۲۶) میں اس حدیث کا ذکر کیا اور اسی سند کے ساتھ اس کو بقیّ بن مَخلد کی جانب منسوب کیا ہے اس میں "تقی" کا لفظ ہے مگر صحیح ترتیبی بالباء ہے۔ امام احمد نے مسند (ج ۶، ص ۳۷۱) میں اس حدیث کو بطریق ہارون، از عبداللہ بن وہب، از داؤد بن قیس، از عبداللہ بن سُوید انصاری روایت کیا ہے۔ عبداللہ اپنی پھوپھی امِّ حُمَید سے روایت کرتے ہیں جو ابو حُمَید الساعدی کی بیوی ہے، کہ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسُول اللہ! میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے معلوم ہے کہ تم میری اقتدا میں نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہو، مگر تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا حجرہ میں نماز ادا کرنا حویلی میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا اپنی حویلی میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے اور تمہارا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے"۔ راوی کہتا ہے کہ امِّ حُمَید کے کہنے سے گھر کے ایک دُور افتادہ اور تاریک کونے میں مسجد بنائی گئی اور وہ تاحیات اسی میں نماز ادا کرتی رہیں۔ (ابن خزیمہ نے اپنی صحیح جلد ۳، ص ۹۵ و موارد الظمآن، ص ۱۰۲ میں بھی اسی سند سے روایت کیا ہے)۔

ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب ج ۲، ص ۷۹۱ میں اس حدیث کو بطریق ہارون بن معروف، از ابن وہب روایت کیا ہے۔ وہاں "ابن وُہَیب" لکھا ہے جو غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اس حدیث کو بدیں سند ابن ابی خیثمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ

۴۷۶۔ہمارے مخالفین اس حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن رجاء غدانی، از جریر بن حازم، از ابو زُرعہ بن عمرو بن جریر] روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز ادا کرنا اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے اجر و ثواب کے اعتبار سے افضل ہے۔ اور اپنے گھر میں نماز پڑھنا اپنی حویلی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اپنی حویلی میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اور اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھے جہاں باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور جماعت والی مسجد میں نماز ادا کرنا اس بات سے افضل ہے کہ وہ روزِ عید نماز ادا کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔" (ابو ہریرہؓ کی روایت کسی کتاب میں نہیں ملی البتہ حضرت عائشہؓ سے یہی روایت سُننِ بیہقی ۳، ص ۱۳۲

اسناد صحیح ہے۔ داؤد بن قیس ثقہ راوی اور حافظ حدیث ہے۔ عبداللہ بن سُوَید انصاری صحابی ہیں۔ ابنِ حبان نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سُوَید دو آدمیوں کا نام ہے۔ ان میں سے ایک صحابی ہے اور دوسرا تابعی۔ یہاں جس کا ذکر آیا ہے وہ تابعی ہے۔ اس کی پھوپھی کا نام اُمّ حُمَید ہے۔ بہرکیف وہ ثقہ راوی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۱ میں حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ حاکم نے المستدرک ج ۱، ص ۲۰۹ میں جو حدیث بطریق یزید بن ہارون، از عوّام بن حَوشب، از حبیب بن ابی ثابت، از ابنِ عمرؓ ذکر کی ہے وہ اس کی مؤید ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو۔ اور ان کے گھر ان کے لیے افضل ہیں۔" حاکم کہتے ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ بخاری و مسلم عوّام بن حَوشب کی مرویات سے استناد کرتے ہیں۔ حبیب کا سماع ابنِ عمرؓ سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ اضافہ کہ "ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں" موجود نہیں۔ الذّہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ پھر حاکم نے اس حدیث کا ایک شاہد مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "عورتوں کی بہترین مسجد ان کا گھر ہے"۔ یہ شاہد بطریق درّاج ابوالسمح از سائب از اُمّ سلمہ منقول ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ اس کی شاہد عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جو ابو داؤد کے حوالہ سے صاحبِ مشکوٰۃ نے باب الجماعۃ وفضلہا کی الفصل الثانی میں روایت کیا ہے وہ بھی ہے دیکھو مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۳۳۴۔ حدیث ۱۰۶۳، مع تخریج البانی)

ہیں مختصراً ہے)۔

ہمارے بعض مخالفین کہتے ہیں کہ نمازِ عید کے لیے گھر سے باہر جانے کا حکم عورتوں کو دشمن کو ڈرانے کے لیے دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان دیکھنے والوں کو زیادہ معلوم ہوں۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ بات سفید جھوٹ اور عظیم جسارت ہے جو بلا دلیل وعلم کہی گئی ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے خود عورتوں کے گھروں سے نکلنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نیکی کے کام اور مسلمانوں کی دعا میں شرکت کریں، اور حائضہ عورتیں جائے نماز سے الگ رہیں حیف ہے اس شخص پر جو رسولِ کریمؐ کی بات کو جھٹلا کر اپنی مرضی سے ایک جھوٹ بنا کر پیش کرتا ہے۔ مزید براں یہ قول دروغ بے فروغ ہونے کے علاوہ نہایت رکیک اور احمقانہ بھی ہے۔ اس لیے کہ آپ کے سامنے کوئی لشکر نہ تھا جسے ڈرانا دھمکانا مقصود تھا ظاہر ہے کہ آپ کے اعداء وخصوم منافقین اور یہودِ مدینہ تھے جن کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ عورتیں ہیں۔ پھر یہ مغالطہ کس قدر حیرت افزا ہے۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث چند وجوہ کی بنا پر قابلِ احتجاج نہیں :-

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وہ زمانہ نہیں پایا جس میں عورتوں سے غلط کاریاں سرزد ہوئیں۔ اس لیے آپؐ نے ان کو منع نہ فرمایا جب آپؐ نے منع نہیں کیا تو ان کو منع کرنا بدعت اور مبنی بر خطا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا :

يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ (الاحزاب۔ ۳۰)	"اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی ظاہر بے حیائی کا ارتکاب کرے اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔

مگر ازواجِ مطہرات نے نہ کبھی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور نہ ہی انہیں دوگنا عذاب دیا گیا ۔۔۔ والحمد للہ

قرآن کریم میں فرمایا :

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ (الاعراف۔ ۹۶)	"اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

چونکہ وہ ایمان نہ لاتے اس لیے ان پر برکتوں کے دروازے نہ کھولے گئے۔ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ احمقانہ احتجاج اور کوئی نہیں کہ کوئی شخص اس آدمی کے قول سے احتجاج کرے جو کہتا ہو "اگر اس طرح کیا جاتا تو یُوں ہوتا"۔ یعنی یہ فرض کر لیا جائے کہ اگر فلاں بات اس طرح ہوئی تو یُوں ہوگا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آگے چل کر عورتیں کیا کریں گی۔ جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس کے باوجود آپؐ پر عورتوں کو روکنے کا حکم بذریعہ وحی نازل نہ ہُوا۔ اور نہ ہی اللہ نے یہ وحی نازل کی کہ لوگوں کو بتا دیجیے کہ جب عورتیں یُوں کریں تو ان کو مسجد میں جانے سے روک دیا جائے اور جب اللہ نے اس طرح نہیں کیا تو ایسے قول کے ساتھ احتجاج عبث اور مبنی برخطا ہے۔

۳۔ ہمیں نہیں معلوم کہ عورتوں نے اب کیا کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کرتی تھیں؟ آخر زنا سے بڑھ کر کیا چیز ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ عہدِ رسالت میں عورتوں نے اس کا ارتکاب کیا۔ اس جُرم میں ان کو سنگسار کیا گیا اور کوڑے مارے گئے۔ تاہم آپؐ نے ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکا۔ ظاہر ہے کہ مَردوں کے لیے زنا اسی طرح حرام ہے جس طرح عورتوں کے لیے۔ دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ زنا کی بنا پر عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا جائے اور مَردوں کو اس کی اجازت دی جائے۔ یہ ایسی علت ہے جس کو اللہ اور اس کے رسُولؐ نے ہرگز پسند نہیں کیا۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جُرم کا ظہور بلاشُبہ بعض عورتوں سے ہوگا۔ اور یہ بات مُحال ہے کہ مُجرم کی وجہ سے غیر مُجرم کو بھی نیک کام کرنے سے روک دیا جائے۔ اِلّا یہ کہ رسُولِ کریمؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کوئی نص اُمت تک پہنچے تو لامحالہ اسے سُنا جائے گا اور اس کی اطاعت کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ (فاطر۔ ۱۸)

"جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ارتکابِ جرم مساجد سے روکنے کا موجب ہے تو بہتر یہ ہے کہ عورتوں کو بازار اور عام راستوں پر چلنے سے بھی روکا جائے۔ پس اس کی کیا وجہ ہے کہ (مفروضہ) ارتکابِ جُرم کی بنا پر عورتوں کو

مساجد سے تو روک دیا جائے مگر دیگر راستوں سے نہیں؛ خصوصاً جب کہ امام ابوحنیفہؒ نے عورت کو تنہا سفر کرنے کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ عورت جنگلوں اور صحراؤں میں اڑھائی شب و روز پر مشتمل سفر انجام دے سکتی ہے۔ اس کو وہ مکروہ نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس استدلال کی حیثیت ایک مغالطہ سے زیادہ نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بنا پر عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہیں روکا، اور نہ انہوں نے یہ بات کہی کہ عورتوں کے کرتوتوں کی بنا پر ان کو مسجد میں جانے سے روک دو۔ انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہتے تو ان کو منع کر دیتے۔ اور یہی ہماری دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حضورؐ ان کو روک دیتے تو ہم بھی ان کو منع کرتے۔ جب آپؐ نے منع نہیں فرمایا تو ہم بھی نہیں روک سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے مخالفین نے سُنّتِ نبوی اور حضرت عائشہؓ کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔ نیز انہوں نے اپنے مقلدین کو اس وہم میں مبتلا کر کے جھوٹ بولا کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا ـــــ نعوذ باللہ من الخذلان۔

باقی رہی عبدالحمید بن مُنذِر کی روایت کردہ حدیث، تو اس کی سند میں عبدالحمید مجہول راوی ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجہول راوی کی روایت کی بنا پر ثقہ راویوں کی متواتر مرویات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری حدیث میں عبداللہ بن رجاء الغُدانی کثیر الخطاء راوی ہونے کی بنا پر حُجّت نہیں ہے۔ عمرو بن علی الفلاّس اور دیگر محدّثین نے اس پر یہی تنقید کی ہے۔

اگر بفرضِ محال عبدالحمید اور عبداللہ بن رجاء کی مرویات کو ان کے ضعیف راوی ہونے کے باوجود صحیح تصور کر لیا جائے تو وہ سابقاً ذکر کردہ احادیث کے معارض ہوں گی۔ جن میں حضورؐ نے روزِ عید عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ پردہ دار اور حائضہ عورتوں کو بھی فرمایا کہ وہ نمازِ عید کا مشاہدہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا جس عورت کے پاس چادر نہ ہو وہ کسی سے چادر مستعار لے لے۔

۷۔ ہمارے مخالفین نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از محمد بن المثنیٰ، از عمرو بن عاصم الکلابی، از ہمام بن یحییٰ، از قتادہ، از مُورّق العجلی، از ابوالاحوص، از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"عورت کی نماز اس کے گھر میں حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اس کی نماز اس کی مسجد میں گھر کی نماز سے بہتر ہے"[1]

ابن حزم کہتے ہیں اس سے محلہ کی مسجد مراد ہے نہ کہ کچھ اور۔ اس لیے کہ اگر آپ کی مراد اس سے گھر کی مسجد ہوتی تو گویا آپ نے یوں فرمایا تھا "عورت کی گھر میں نماز گھر میں پڑھی ہوئی نماز سے افضل ہے" اور حضورؐ کا دامن اس بات سے پاک ہے کہ محال بات کہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک حکم منسوخ ہے۔

یا تو آپ کا یہ فرمان کہ "عورت کی نماز اس کی مسجد میں گھر کی نماز سے افضل ہے" نیز حضورؐ کا عورتوں کو مسجد اور عید کے لیے جانے کی ترغیب دلانا منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں فرمایا کہ "عورت کی نماز اس کے گھر میں مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔" اور یا آپ کا یہ ارشاد منسوخ ہے کہ "عورت کی نماز اس کے گھر میں مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اس کا مسجد میں نماز ادا کرنا نماز عید کے لیے جانے سے افضل ہے" اور اس کا ناسخ حضورؐ کا یہ فرمان ہے کہ "عورت کی نماز اس کی مسجد میں اس کی گھر والی نماز سے افضل ہے" نیز آپ کا نماز عید کے لیے باہر جانے کی ترغیب دلانا وغیرہ۔

اس میں شبہ نہیں کہ دونوں میں سے ایک حکم ضرور منسوخ ہے۔ ظاہر ہے کہ حتمی طور پر کسی صحیح حدیث کو بلا دلیل منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب ہم نے اس معاملہ پر غور و فکر کیا تو دیکھا کہ مسجد اور عید گاہ کی طرف جانا نماز سے ایک زائد عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ بوقت سحر، تاریکی، ازدحام، گرمی کی شدت اور بارش و سردی میں اس مقصد

---

[1] ابن حزمؒ نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے "وصلوتها فی مسجدها" یہ الفاظ درست نہیں ہیں۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۳ میں یہ الفاظ ہیں "صلوتها فی مخدعها" (عورت کی نماز اس کی کوٹھڑی میں)۔ شوکانی نے نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۶۱ میں اس حدیث کو ابوداؤد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حاکم نے المستدرک (ج ۱، ص ۲۰۹) میں اس حدیث کو بطریق عمرو بن عاصم الکلابی روایت کیا، اور بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ محدث الذہبی بھی ان کے ہم نوا ہیں۔

کے لیے باہر نکلنا خاصا دشوار کام ہے۔ اگر اس زائد عمل کی فضیلت کو منسوخ تصور کیا جائے تو دو میں سے ایک صورت کا وجود ضروری ہے۔ تیسری کوئی صورت ممکن نہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عورت کی نماز مسجد یا عیدگاہ میں اس کی گھر والی نماز کے مساوی ہو۔ اس طرح یہ زائد عمل بے کار، عبث اور بلاوجہ مشقت کا موجب ہوگا۔ حالانکہ ہمارے مخالفین اس کے قائل نہیں ہیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد اور عیدگاہ میں عورت کی نماز اس کی گھر والی نماز سے کم مرتبہ ہوگی۔ جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں۔

اس طرح یہ زائد عمل گناہ کا موجب اور اجر و ثواب کو گھٹانے والا ہوگا۔ اس لیے کہ وہی زائد عمل عبادت کے اجر و ثواب کو کم کر سکتا ہے جو حرام ہو، اس کے سوا دوسری کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کوئی صورت موجود نہیں کہ چند مستحب اعمال کو چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز کا مرتبہ کم ہوا جس شخص نے اعمالِ مستحبہ کو چھوڑا اگرچہ اس نے گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا، مگر اس نے چند نیک اعمال کو ضرور ترک کیا ہے۔

مگر جس شخص نے حالتِ نماز میں تکلیف کے ساتھ ایک عمل کو انجام دے کر اپنے اجر و ثواب کو ضائع کر لیا لامحالہ وہ حرام کام ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ مکروہ عمل کو انجام دینے سے نہ تو گناہ لازم آتا ہے اور نہ ہی احباطِ عمل کا خطرہ دامن گیر ہے۔ بلکہ اس میں اجر و ثواب اور گناہ دونوں معدوم ہوتے ہیں۔ گناہ محض حرام کے ارتکاب سے لازم آتا ہے۔

روئے زمین کے تمام اہلِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، حتیٰ کہ عازمِ فردوس ہوئے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی عورتوں کو اس سے منع نہیں کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ عمل منسوخ نہیں۔ جب یہ بات درست ہے تو ثابت ہوا کہ یہ نیکی کا کام ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اسے باقی نہ رہنے دیتے اور نہ اس بات کی اجازت دیتے کہ عورتیں بلاوجہ اس کا تکلف کر کے اپنے اجر و ثواب کو کم کریں۔ ظاہر ہے کہ اس تنگی اور تکلیف کو ہمدردی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ عمل ناسخ ہے اور دوسرا منسوخ۔ اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ ان دونوں حدیثوں کی صحت ثابت ہو جائے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از ہشام بن عُروہ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا تھا کہ ماہِ رمضان میں مسجد کے پچھلے حصہ میں عورتوں کی امامت کریں۔[1]

(عبدالرزاق ۴: ۱۵۱)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از معمر، از زہری روایت کیا ہے کہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نُفیل حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں۔ یہ مسجد میں نماز کے لیے جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ انہیں کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگیں، اللہ! میں اس وقت تک اس سے باز نہیں رہوں گی جب تک آپ مجھے اس سے روک نہیں دیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا" میں تجھے منع نہیں کروں گا"۔ جس روز حضرت عمرؓ کو (مسجد میں) زخمی کیا گیا اس روز عاتکہ مسجد میں موجود تھیں۔[2] (عبدالرزاق ۴: ۱۴۸)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اگر یہ بات معلوم ہوتی کہ مسجد میں جانے سے کچھ اجر نہیں ملتا بلکہ اس سے اجر و ثواب میں کمی آجاتی ہے اور اعمال برباد ہو جاتے ہیں تو لازماً اپنی بیوی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیتے۔ حضرت عمرؓ نے جو اپنی بیوی کو یہ بات کہی کہ" میں اسے پسند نہیں کرتا" تو مخالفین کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ نفسانی رُجحان و میلان میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اگر اللہ کا خوف نہ ہو تو ہر مسلم رمضان میں کھانے کو پسند کرتا ہے۔ اگر پیاس لگی ہو تو مشروبات سے پیاس بجھانے کا خواہاں ہوتا ہے۔ چھوٹی راتوں میں جب صبح کے وقت ٹھنڈک ہوتی ہے تو نماز کے لیے راتوں کو اٹھنا

---

[1] طبقات ابن سعد (ج ۵، ص ۱۶ - ۱۷) بروایت یزید بن ہارون، از سفیان، از ہشام بن عروہ از والدِ او۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مگر یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ منقطع ہے۔

[2] یہ حدیث مُرسل ہے۔ اس لیے کہ زُہری نے حضرت عُمر کا زمانہ نہیں پایا۔ اس کو ابن سعد نے طبقات (ج ۸، ص ۱۹۵) میں اسی مفہوم کے ساتھ بطریق واقدی، از معمر، از زہری، از حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف روایت کیا ہے۔ یہ موصول روایت ہے۔ واقدی ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۸، ص ۱۳۷) میں اس حدیث کو بروایت ابن مندہ، بطریق ابن ابی الزناد، از موسیٰ بن عقبہ، از سالم روایت کیا ہے۔

بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ آدمی جب خوبصورت عورت کو دیکھتا ہے تو اس سے مجامعت کرنے کا آرزو مند ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ممنوع چیز سے محبت رکھتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اس سے اپنے دل کو ہٹانے پر قادر نہیں ہے۔ انسان کا اصل امتحان اس چیز سے رُک جانے یا اس پر عمل پیرا ہونے میں ہے قرآن کریم میں فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى	"جنگ کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر ناگوار ہے
اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى	ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے
اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔	لیے بہتر ہو۔ اور ایک چیز کو تم پسند کرو حالانکہ
(البقرہ - ۲۱۶)	وہ تمہارے لیے بُری ہو۔

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از محمد بن عمارہ، از عمرو ثقفی، از عرفجہ، روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قیام رمضان کا حکم دیا کرتے تھے۔ آپ آدمیوں کے لیے بھی امام مقرر کرتے اور عورتوں کے لیے بھی۔ چنانچہ آپ نے مجھے حکم دیا اور میں نے عورتوں کی امامت کی (عبد الرزاق ۲: ۱۵۲)

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ جوان اور دوسری عورتوں کا حکم یکساں ہے ـــــ وباللہ التوفیق

۳۲۲۔ نوافل کے لیے اذان و اقامت نہ کہی جائے

کسی نفلی نماز کے لیے اذان و اقامت نہ کہی جائے مثلاً عیدین کی نماز، استسقاء اور کسوف کی نماز اور دیگر نوافل۔ اگرچہ یہ نمازیں مسجد میں با جماعت ادا کی جائیں۔ فرض کفایہ مثلاً نماز جنازہ کے لیے بھی اذان و اقامت کہنا جائز نہیں۔ لوگوں کو ان سے آگاہ کرنا مستحب ہے۔ مثلاً پکارا جائے کہ "اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ" اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ البتہ بنو امیہ نے عیدین کے لیے اذان و اقامت کی بدعت ایجاد کی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ان نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے ـــــ ان شاء اللہ تعالیٰ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اذان و اقامت میں نماز کی طرف آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف فرائض متعیّنہ میں واجب ہے۔ لہٰذا نوافل میں اذان و اقامت لازم نہیں۔ لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کا مقصد نیکی کی ترغیب

و تنبیہ ہے اور رسولِ کریمؐ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ چنانچہ مناسب موقع پر ہم اس کا تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

۳۲۳۔ مسلم اور عاقل و بالغ شخص اذان و اقامت کہے اور اذان و اقامت صرف وہ شخص کہے جو مسلم ہونے کے علاوہ عاقل و بالغ بھی ہو اور ان کے الفاظ کو

حسب استطاعت ادا کر سکے۔ جو اذان دیتے وقت نشہ وغیرہ کی وجہ سے ہوش و حواس سے محروم ہو وہ اذان نہ کہے۔ اگر بالغ شخص اذان کہہ چکا ہو تو اس کے بعد نابالغ اذان کہہ سکتا ہے۔ ایک فاسق آدمی کی اذان کفایت کرتی ہے مگر عدل ہمیں عزیز تر ہے۔ بلند آواز آدمی کی اذان افضل ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اذان دینے کے لیے مردوں کے ساتھ عورتوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ رسولِ کریمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "چاہیے کہ تم میں سے ایک آدمی اذان کہے اور جو عمر میں بڑا ہو یا قرآن زیادہ پڑھا ہُوا ہو وہ امامت کروائے"۔

(یہ سلمہ جرمی والی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے)

اس حدیث میں آپ نے ان لوگوں کو اذان دینے کا حکم دیا جو نماز باجماعت کے پابند ہیں اور وہ صرف مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بچہ، پاگل اور نشہ میں مخمور شخص ان حالات میں شرعی احکام کے مکلف و مخاطب نہیں ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی بچہ، پاگل اور سویا ہُوا"۔ (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم عن عائشہؓ و علیؓ و عمرؓ)

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اذان مامور بہ ہے۔ لہٰذا یہ اسی شخص سے کفایت کرتی ہے جو اس کا مخاطب ہو اور وہ مامور بہ کو ادائیگی کی نیت کے ساتھ ادا کرتا ہو۔ اور جو چیز فرض نہ ہو وہ فرض سے کفایت نہیں کرتی۔

اگر سوال کیا جائے کہ تم اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ ایک شخص ایک مسجد میں اذان دے، اور پھر اسی نماز کے لیے اذان دوسری مسجد میں بھی کہے۔ حالانکہ یہ اس کے لیے نفل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہ اذان اس کے لیے نفل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم

اس میں شبہ نہیں کہ وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اذان و اقامت اور نماز با جماعت کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا وہ ان تمام حالات میں فرض کی ادائیگی کرنے والا ہے۔ جب (اذان کہہ کر) وہ فرض ادا کر چکا تو اذان ایک نیک کام ہے جس سے بچے کو بھی روکا نہیں جا سکتا۔ (لہٰذا اس کے دوبارہ کہنے میں کچھ مضایقہ نہیں) اس لیے کہ وہ نفلی عبادت اور ایک نیک کام کی حیثیت رکھتی ہے۔

کافر اس لیے اذان نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ اور ہم اس امر کے پابند ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص اذان کہے۔ جو شخص دانستہ اذان کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کرے گویا اس نے اذان کہی ہی نہیں، اور نہ ہی اس نے وہ الفاظ ادا کیے جن کے ادا کرنے کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ بایں طور اس نے ہرگز اذان نہیں کہی۔

اگر کوئی شخص زبان میں لکنت یا عیب ہونے کی وجہ سے اذان کے اکثر الفاظ ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کی اذان کافی ہو گی۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔　"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔" (البقرہ: ۲۸۶)

یہ شخص اسی حد تک مکلف ہو گا جس کی اس میں قدرت پائی جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہاں کوئی صحیح اذان کہنے والا ہو یا نہ ہو۔ البتہ احسن یہ تھا کہ صحیح تلفظ پر قادر شخص اذان کہتا۔

جہاں تک فاسق کا تعلق ہے (اس کی اذان اس لیے کافی ہے کہ) وہ ہم میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ وہ مسلم ہے اور آپ کے اس حکم میں شامل ہے کہ "تم میں سے ایک شخص اذان کہے"۔ اور عادل شخص کے افضل ہونے میں کوئی نزاع نہیں پایا جاتا۔

جہاں تک آواز کے بلند ہونے کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی دعوت دینا ہے۔ اس لیے لوگوں تک آواز کو پہنچانا افضل ہے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومحذورہؓ سے کہا تھا کہ "تیز کے ساتھ اذان دو اور آواز بلند کرو"[1]۔ ان الفاظ میں آواز بلند کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مؤذن عمداً آواز بلند

[1] ابومحذورہؓ کی روایت کردہ حدیث کے طرق و اسانید مسئلہ ۳۲۱ میں آئیں گے جس سند میں یہ الفاظ مذکور ہیں اس کو ابوداؤد (ج ۱ ص ۱۹۳) نے روایت کیا ہے۔

نہ کرے تو اس کی اذان درست نہیں۔ اور اگر آواز بلند کرنے میں دشواری پیش آتی ہو تو آواز بلند کرنا لازم نہیں۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ "اللہ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا" (البقرہ: ۲۸۶)

یہ حدیث ہم مع سند ذکر کر چکے ہیں کہ "جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی عن ابی ہریرہ)

پس شیطان کو بھگانے کی کوشش ایک مستحسن عمل ہے ـــــ وباللہ التوفیق۔

۴۷۸ ـــــ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ "جو چیز بھی مؤذن کی اذان سنتی ہے، انسان ہو یا جن یا کوئی اور چیز، وہ روزِ قیامت اس کی شہادت دے گی"

ہم نے اس حدیث کو بطریق [مالک، از عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ المازنی، از والد خود] از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و بدء الخلق والمناقب، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ) ـــــ وباللہ التوفیق

۳۲۴۔ دو یا دو سے زیادہ آدمی اکٹھے اذان نہ دیں

دو یا دو سے زیادہ آدمی اکٹھے اذان کہیں تو جائز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو مؤذنِ ابتدا کرنے والا ہوگا اور دوسرا گناہگار ہے جسے کچھ اجر نہیں ملے گا۔ اس کے گناہ دُور نہیں ہوں گے۔ اس کو روکنا ضروری ہے۔ اگر دونوں بیک وقت شروع ہوں تو جو زیادہ خوش الحان ہو وہ اذان دے۔ اگر لوگوں کی ایک جماعت یکے بعد دیگرے مغرب یا کسی اور نماز کی اذان کہے تو یہ جائز ہے۔ اگر ان کے یہاں باہم نزاع بپا ہو اور وہ تمام صحتِ تلفظ، آواز، علم و فضل اور نمازوں کے اوقات سے آگاہ ہونے میں مساوی ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے قطع نظر اس سے کہ مسجد کے اطراف و جوانب بڑے ہوں یا چھوٹے۔

۴۷۹۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن مفرج، از سعید بن السکن، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یوسف، از مالک ۔۔۔۔۔۔ از سُمَیّ مولی ابی بکر بن عبدالرحمن، از ابوصالح] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور صفِ اوّل میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو پھر قرعہ اندازی کے سوا اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا، تو وہ قرعہ اندازی کرتے۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والشہادات، مسلم، ترمذی، نسائی الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اگر یہ بات جائز ہوتی کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی بہ یک وقت اذان کہیں تو قرعہ اندازی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اور اگر پہلی صف اس شخص کے لیے مخصوص ہوتی جو جلدی کر کے وہاں پہنچ جاتے تو قرعہ اندازی کا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ جلدی کر کے کوئی شخص بھی وہاں پہنچ سکتا ہے۔ قرعہ اندازی وہاں ہوتی ہے جہاں تنگی ہو اور بعض آدمیوں کی گنجائش ہو اور دوسروں کی نہ ہو۔ جب جنگِ قادسیہ میں مؤذن نے شہادت پائی تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اذان کے بارے میں جھگڑنے والوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا (فتح الباری ۲: ۷۹، بیہقی ۱: ۴۲۸)۔ اگر دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی اذان بہ یک وقت جائز ہوتی تو اصحابِ رسولؐ اس امر کے زیادہ حقدار تھے کہ اذان کی فضیلت کو رائگاں نہ جانے دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور معلوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو مؤذن تھے۔

۳۲۵۔ اذان و اقامت بیٹھے، سواری کی حالت میں اور بلا وضو جائز ہے

اذان و اقامت بیٹھ کر، سوار ہو کر، بلا وضو، حالتِ جنابت میں، اور غیر قبلہ کی جانب رُخ کر کے کفایت کرتی ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ اذان قبلہ رُو کھڑے ہو کر اور وضو کر کے کہی جائے۔ امام ابو حنیفہ، سفیان اور امام مالکؒ کا قول بطورِ خاص اذان کے بارے میں یہی ہے۔ ان تمام مسائل میں داؤد ظاہری اور دیگر اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۱: ۴۶۶ میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے، اور فتح الباری ۲: ۸۰، میں بھی)

ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی لوگوں کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ (الانعام: ۱۱۹)

"اس نے ان چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے جو تم پر حرام ہیں الا یہ کہ تم ان کے استعمال پر مجبور ہو جاؤ۔"

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت بیان نہیں کی گئی وہ ہمارے لیے مباح ہے۔ ہم نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ اذان و اقامت باوضو، قبلہ رُخ کھڑے ہو کر کہی جائے اس لیے کہ تمام اہل اسلام، قدیم ہوں یا جدید اس پر عمل کرتے چلے آتے ہیں۔

۳۲۶۔ اذان و اقامت کہتے وقت سلام کا جواب دینا فرض ہے

جو شخص اذان و اقامت کہتے وقت چھینکے اس پر الحمدللہ کہنا فرض ہے

اگر کسی چھینکنے والے کو "الحمدللہ" کہتا سُنے تو اس کے جواب میں "یرحمك اللّٰه" کہنا بھی اذان و اقامت کہتے وقت اس پر فرض ہے۔ اور اگر اذان و اقامت کے دوران اسے سلام کہا جائے تو اس کا جواب دینا بھی اُس پر فرض ہے۔ اسی طرح ہر قسم کا مباح کلام اذان و اقامت کہتے وقت جائز ہے قرآنِ کریم میں فرمایا:-

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (النساء: ۸۶)

"اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو یا اسی کو واپس کر دیا کرو۔"

اس آیت میں سلام کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت کی تخصیص نہیں کی۔

۴۸۰۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ، از عبداللہ بن دینار، از ابوصالح] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی چھینکے تو وہ "الحمدُ للہ علیٰ کلّ حالٍ" کہے۔ اور اس کا ساتھی "یرحمك اللّٰه" کہے۔ پھر چھینکنے والا "یھدیکم اللّٰه ویصلح بالکم" کہے (بخاری، ابوداؤد کتاب الادب، نسائی عمل الیوم واللیلۃ، باب ۸۰)۔

اس ضمن میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں ان میں اذان و اقامت کہنے کی حالت کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ مزید براں نفسِ اذان کے دوران کلام کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک مانعین کے یہاں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اگر ہمارے مخالفین یہ کہیں کہ ہم اذان کو نماز پر قیاس کرتے ہیں (اس لیے گفتگو کی اجازت نہیں دیتے)

تو ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ تم بلا وضو اذان کہنے کو جائز قرار دیتے ہو، تو پھر تمہارا نماز پر قیاس کہاں گیا؟

۴۸۱ - ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از عون بن ابی جحیفہ، از والد او] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت بلال ؓ کو اذان دیتے دیکھا وہ گھومتے تھے۔ اپنے منہ کو ادھر اُدھر پھیرتے۔ اِس دوران ان کی دونوں انگلیاں اُن کے کانوں میں تھیں اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ قُبہ میں تشریف فرما تھے۔[1]

۴۸۲ - ہم نے بطریق [وکیع، از محمد بن طلحہ، از جامع بن شداد، از موسیٰ بن عبداللہ بن یزید الخطمی] از سلیمان بن صُرد روایت کیا ہے جو رسُولِ کریم ؐ کے صحابی تھے۔ سلیمان لشکر میں اذان کہا کرتے تھے۔ اذان دیتے وقت وہ اپنے غلام سے ضرورت کی چیز طلب کر لیا کرتے تھے۔[2]

وکیع، ربیع بن صبیح سے اور وہ حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اذان دیتے وقت ضروری بات کی اجازت ہے۔ (عبدالرزاق ۱: ۴۶۹، و ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۲)

اسی طرح وکیع، سفیان ثوری سے، وہ نُسیر بن ذُعلوق سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر ؓ کو اپنے اونٹ پر اذان دیتے دیکھا ہے۔ (عبدالرزاق ۱: ۴۷۰، ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۳)

---

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مُسند (ج ۴، ص ۳۰۸) میں عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (ج ۱، ص ۴۱) نے بطریق محمود بن غیلان از عبدالرزاق روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دارمی (ص ۱۴۱) نے اس کو بروایت محمد بن یوسف، از سفیان نیز بسند دیگر نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ثوری کی روایت صحیح تر ہے۔ اس حدیث پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: بیہقی، ج ۱، ۳۹۵-۳۹۶۔ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۲۸ تا ۳۱۔ (عبدالرزاق ۱: ۴۶۷)۔

[2] بیہقی (ج ۱، ص ۳۹۸) نے اس حدیث کو بطریق عبداللہ بن رجا، از محمد بن طلحہ روایت کیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۱۲)

۳۲۷۔ اذان کی اُجرت جائز نہیں

اذان کی اُجرت لینا جائز نہیں۔ اگر اُجرت لیے بغیر اذان نہ کہے تو اس کی اذان جائز نہیں، اور نہ اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

البتہ اپنی خوشی سے اگر مؤذن کو کچھ دیا جاتے تو جائز ہے۔ اسی طرح امام کو بھی اپنی خوشی سے دینا جائز ہے۔

۴۸۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [احمد بن محمد بن الجسور، از محمد بن عبداللہ بن ابی دُلیم، از ابن وضاح، از ابوبکر بن ابی شیبہ، از حفص بن غیاث، از اشعث بن عبدالملک الحمرانی، از حسن، از عثمان بن ابی العاص] روایت کیا ہے کہ آخری عہد جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لیا یہ تھا کہ "میں ایسا مؤذن مقرر کروں جو اپنی اذان کی اُجرت نہ لے[1]"

امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اذان کی اُجرت لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ بات خلافِ نص ہے۔

اس کی دلیل وہ اثر بھی ہے جس کو ہم نے بطریق وکیع، از ابوعُمیس عُتبہ بن عبداللہ مسعودی، از قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ[2] بن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ چار چیزیں ہیں جن کی اُجرت نہیں لی جاتی یعنی اذان۔ قراءتِ قرآن۔

---

[1] ترمذی، ج ۱، ص ۴۴، بروایت عنبر از حسن۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۱، ۲۱۶۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۹۔ نسائی، ج ۱، ص ۱۰۹۔ حاکم، ج ۱، ص ۱۹۹۔ بیہقی، ج ۱، ص ۴۲۹۔ یہ تمام محدثین بطریق سعید الجریری، از ابوالعلاء، از مطرف بن عبداللہ، از عثمان بن ابی العاص روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اپنی قوم کا امام مقرر کیجیے۔ فرمایا آپ اُن کے امام ہیں ضعیف ترین آدمی کا خیال رکھیے اور ایسا مؤذن مقرر کیجیے جو اپنی اذان کی اُجرت نہ لے۔ یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ اس حدیث کو مسلم (ج ۱، ص ۱۳۵) نے بھی مختصراً روایت کیا ہے۔ ابن سعد نے ج ۷، ق ۲، ص ۲۷ میں مطوّل روایت کیا ہے یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے، جیسا کہ حاکم نے کہا۔ ونیز ابن ماجہ نے اسے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے۔

[2] میرے خیال میں یہ غلط ہے اور صحیح از قاسم بن عبدالرحمٰن از عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ اس اثر کو شوکانی نے نیل الاوطار ج ۲، ص ۴۴ پر ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ شوکانی نے یہ بات ابن سیدالناس کی شرح الترمذی سے اخذ کی ہے۔ بہرحال یہ

مقاسم[1]۔ قضا۔

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از جعفر بن سلیمان الضبعی، از یحیی البکّاء روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا ابن عمرؓ ایک شخص کو کہہ رہے ہیں میں اللہ کے لیے تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ پھر اپنے رفقاء سے کہا یہ اذان دیتے ہوئے گاتا ہے اور اس کی اُجرت لیتا ہے[2]۔

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (البقرۃ۔ ۱۸۸)	"اور اپنے مال آپس میں ناروا طریقے سے مت کھاؤ۔ مگر یہ کہ تجارت ہو جو تمہاری رضامندی سے انجام پاتے۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں"۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی عن جابرؓ)

اللہ تعالیٰ نے لین دین کے بغیر مال کا کھانا حرام ٹھہرایا۔ بایں طور ہر مال حرام ہے بجز اُس مال کے جس کو کسی نص یا قطعی اجماع نے مباح ٹھہرایا ہو۔ لہٰذا اگر اذان کی اُجرت لینے کی نہی نہ بھی وارد ہوتی تو یہ اُجرت مذکورہ

اثر کسی طرح بھی حجت نہیں۔ خواہ یہ قاسم کا قول ہو یا عبد اللہ بن مسعودؓ کا قاسم کا سماع اپنے دادا عبد اللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں جب قاسم ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں تو وہ مُرسل ہوتی ہے۔

[1] محلّی اور نیل الاوطار میں یہ لفظ "مقاسم" لکھا ہے ممکن ہے یہ لفظ مغانم ہو مگر یہ اثر مجھے دوسری کسی کتاب میں نہیں ملا۔ تاکہ میں ایک لفظ کو دوسرے پر ترجیح دوں۔

[2] طحاوی (ج ۲، ص ۲۷۰) بطریق حماد بن سلمہ از یحیی البکّاء۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک شخص نے ابن عمرؓ سے کہا میں اللہ کے لیے تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ ابن عمرؓ نے کہا مگر میں اللہ کے لیے تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ تم اذان کی اُجرت لیتے ہو"۔ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ج ۲، ص ۴۴) میں اس کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ۱: ۴۸۱) میں یہ روایت مطوّل ہے۔ ابن حزمؒ نے حسبِ ضرورت مختصراً ذکر کیا ہے۔

دلائل کی بنا پر حرام ہوتی ـــــ وباللہ التوفیق۔

اس مسئلہ میں صحابہ میں سے کوئی بھی ابن عمرؓ کا مخالف نہ تھا۔ مقلدین کی حالت تو یہ ہے کہ جو بات اُن کی تقلید سے ہم آہنگ ہو وہ اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اگر نیکی کے جذبہ سے مؤذن کو کچھ دیا جائے تو وہ فضل و احسان ہے جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے :

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ (البقرہ۔ ۲۳۷) "اور آپس میں احسان کرنا مت بھولو۔"

۳۲۸۔ اذان سُن کر مسجد سے چلے جانا جائز نہیں

جو شخص مسجد میں ہو اور اذان سُنے اُسے مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ وہ بے وضو ہو، یا اسے کوئی ضرورت درپیش ہو۔

۴۸۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع۔ از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از احمد بن عثمان بن حکیم، از جعفر بن عوف، از ابوعُمیس، از جامع بن شداد ابوصخرہ، از ابوالشعثاء] روایت کیا ہے۔ اذان دیئے جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو ابوہریرہؓ نے کہا "اس شخص نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۴۸۵۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از الفربری، از بخاری، از اسحاق، از محمد بن یوسف، از اوزاعی، از زُہری، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ تکبیر کہی گئی اور لوگوں نے اپنی صفیں برابر کرلیں۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (امامت کے لیے) آگے بڑھے اس وقت آپ حالتِ جنابت میں تھے۔ آپ نے فرمایا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ آپ نے جا کر غسل کیا۔ پھر نکلے تو سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (بخاری، مسلم، نسائی الصلوٰۃ۔ ابوداؤد الطہارۃ والصلوٰۃ)

قرآن کریم میں فرمایا ہے :

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ (الانعام۔ ۱۱۹) "جن چیزوں کو تم پر حرام کیا ہے ان کی تفصیل بیان کر دی، بجز اس چیز کے جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔"

۳۲۹۔ مؤذن کے علاوہ دوسرا آدمی اقامت کہہ سکتا ہے

مؤذن کے علاوہ دوسرا آدمی تکبیر کہے تو جائز ہے اس لیے کہ اس سے نہی کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ صرف یہ اثر روایت کیا گیا ہے کہ "وہی شخص اقامت کہے جس نے اذان کہی ہے"۔ یہ اثر بروایت عبدالرحمٰن بن زیاد بن اَنعُم منقول ہے اور وہ ضعیف راوی ہے[1]۔

۳۳۰۔ اذان سننے والا اس کے کلمات کو دہرائے

جو شخص اذان سنے وہ اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے۔ آغازِ اذان سے لے کر آخر تک۔ خواہ فرضی نماز پڑھ رہا ہو یا نفل یا سرے سے نماز پڑھ ہی نہ رہا ہو۔ البتہ نماز پڑھتے ہوئے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح نہ کہے۔ جب نماز مکمل کرلے تو یہ کلمات ادا کرے۔

۴۸۶۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن سلمہ مُرادی، از عبداللہ بن وہب، از حَیوَہ و سعید بن ابی ایوب، از کعب بن علقمہ، از عبدالرحمٰن بن جُبَیر، از] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ طلب کرو۔ یہ جنّت میں ایک جگہ کا نام ہے اور اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کے لائق ہے۔ اور مَیں امید کرتا ہُوں کہ مَیں ہی وہ بندہ ہُوں۔ جو شخص میرے لیے وسیلہ طلب کرے گا وہ میری شفاعت کا سزاوار ہوگا" (مُسلم، ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ، ترمذی المناقب، نسائی الصلوٰۃ و عمل الیوم واللیلۃ)

---

[1] عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ضعیف نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔ ترمذی (ج ۱، ص ۴۲) نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کی توثیق کرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ احمد نے مسند میں اس کی وسعت کے باوجود اس حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ البتہ المزی نے اس حدیث کو بالتفصیل روایت کیا ہے۔ تہذیب التہذیب کے طابع نے اس حدیث کو اُس کے حاشیہ (ج ۲، ص ۲۵۹) پر نقل کیا ہے۔ اس کی سند پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ کیجیے (نیل الاوطار، ج ۲، ص ۴۱)

۴۸۷ - ہم نے اس حدیث کو بروایت مالک، از زہری، از عطاء بن یزید لیثی، از ابوسعید خدری بھی نقل کیا ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حالتِ نماز یا غیر نماز کی تخصیص نہیں فرمائی۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ نماز کی حالت میں "حَیَّ علی الصلوٰۃ، حَیَّ علی الفلاح" نہ کہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی دعوت دی گئی ہے۔ حالانکہ اذان وصلوٰۃ دونوں ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہیں۔ (لہٰذا یہ دعوت نماز میں موزوں نہیں)

۴۸۸ - اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوبکر بن شیبہ، از ابن علیہ یعنی اسماعیل بن ابراہیم، از حجاج الصواف، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ہلال بن ابی میمونہ، از عطاء بن یسار، از معاویہ بن الحکم] روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا (تا آخر) اس حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس نماز میں لوگوں جیسی گفتگو جائز نہیں۔ نماز تو تسبیح وتکبیر اور قراءتِ قرآن کا نام ہے یا جیسے حضورؐ نے فرمایا" اگر اذان کا سننے والا "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" کے عوض لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ کہے تو بہتر ہے۔" (مسلم کتاب الصلوٰۃ والطب، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ والایمان والنذور، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۴۸۹ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از مجاہد بن موسیٰ، از حجاج، از ابن جریج، از عمرو بن یحییٰ، از عیسیٰ بن عمر، از عبداللہ بن علقمہ بن وقاص] از والد خود روایت کیا ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ جب اُن کے موذن نے اذان دی تو حضرت معاویہؓ بھی وہی کلمات دہراتے گئے۔ جب موذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کہا تو انہوں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ جب موذن نے حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہا تو پھر انہوں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا پھر کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سنا ہے[1]۔"

---

[1] صحیح بخاری (ج ۱، ص ۲۵۲- بخاری نے اس کی سند کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی (ج ۱، ص ۴۰۹) نے اس حدیث کو بروایت عمر بن الخطاب مرفوعاً روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم (ج ۱، ص ۱۱۳)، ابوداؤد (ج ۱، ص ۲۰۷)، نسائی (ج ۱، ص ۱۰۹)-

اہلِ مکہ کی اذان: اذان کا طریق معروف ہے۔ اہلِ مکہ کا طریقِ اذان ہمیں عزیز تر ہے۔ جو کہ یہ ہے:

۳۳۱۔ طریقِ اذان

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار مرتبہ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پھر آواز کو بلند کر کے (یعنی ترجیع کے ساتھ) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اہلِ مدینہ کی اذان: اہلِ مدینہ کی اذان بھی اسی طرح ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اذان کے شروع میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ صرف دو مرتبہ کہے۔

اہلِ کوفہ کی اذان: کوفہ والوں کی اذان اہلِ مکہ کی طرح ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ وہ "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، صرف دو دو مرتبہ کہتے ہیں۔

اگر مؤذن اہلِ مکہ یا اہلِ مدینہ کی طرح اذان کہے تو بہتر ہے۔ اگر صبح کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کرے تو افضل ہے۔

ہم نے اہلِ مکہ کی اذان کو اس لیے ترجیح دی ہے، کہ اس میں ذکرِ الٰہی کا اضافہ ہے جو اہلِ مدینہ و کوفہ کی اذان میں موجود نہیں۔ اہلِ مکہ کی اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیز اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کلمات کو "ترجیع" کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ اس میں زائد نیکی ہے جس کو بنظرِ حقارت نہیں دیکھا جا سکتا کم از کم اس سے ساٹھ نیکیاں ملتی ہیں۔

۴۹۰۔ ہم نے اس حدیث کو متعدد طُرق سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک طریق یہ ہے کہ ہم نے بروایت {حمام، از عباس بن اصبغ۔ از محمد بن عبد الملک بن ایمن، از محمد بن سلیمان المنقری البصری، از حفص بن عمر الحوضی، از ہمام بن یحییٰ، از عامر بن عبد الواحد الاحول، از مکحول شامی، از ابن محیریز، از ابو محذورہؓ} نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کے اُنیس ۱۹ کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ ۱۷۔ پھر انہوں نے اذان کا ایک ایک حرف ذکر کیا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۴۹۱ - مزید برآں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یحییٰ، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از ابراہیم بن حسن ویوسف بن سعید، از حجاج، از ابن جریج، از عبدالعزیز بن عبدالملک بن ابی محذورہ، از ابن محیریز پروردہ ابومحذورہؓ] روایت کیا ہے کہ میں نے ابومحذورہؓ سے کہا میں ملک شام کی طرف جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے تمہاری اذان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ لہٰذا مجھے بتا دیجیے۔ ابومحذورہؓ نے بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھائی تھی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا۔[1]

ایسے متعدد آثار نقل کیے گئے ہیں جن میں اذان اہل مدینہ و کوفہ کے الفاظ مذکور ہیں۔ مگر سابق الذکر آثار میں تربیع و ترجیع (چار چار دفعہ کلمات کہنا اور پست آواز سے کہہ کر پھر آواز بلند کرنا) کا اثبات ہوتا ہے جن میں ایک اضافہ پایا جاتا ہے۔ اور عادل راوی کے اضافہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس بات کا اختیار دیا گیا ہو کہ ان میں سے جونسی اذان چاہے اختیار کرے تو بھی اضافہ پر مشتمل حدیث پر عمل کرنا افضل ہے۔ اس لیے کہ اس میں زیادہ ذکر اور نیکی پائی جاتی ہے۔

۴۹۲ - ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از سفیان ثوری، از عمران بن مسلم، از سوید بن غفلہ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن کو کہلایا کہ تثویب (اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ) صرف فجر کی اذان میں کہی جائے۔ جب تم حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچو تو کہو: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ یہ حضرت بلالؓ کی اذان ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۰۸)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ سُوَیْد بن غفلہؒ اکابر تابعین میں سے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے چھ یا اس کے لگ بھگ راتوں کے بعد مدینہ آئے اور جو صحابہؓ اس وقت بقید حیات تھے ان سے ملے۔

۴۹۳ - [بدیں سند تا وکیع از سفیان ثوری، از ابوجعفر مؤذن، از ابوسلیمان، از ابومحذورہؓ] روایت کیا ہے کہ فجر کی اذان میں جب وہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچتے تو کہتے: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ

---

[1] نسائی ج ۱ ص ۱۰۳ مطولاً۔ ابن حزمؒ نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے الام (ج ۱ ص ۷۳) میں اس کو بالتفصیل بروایت مسلم بن خالد از ابن جریج نقل کیا ہے۔ دارقطنی (۸۶) اور بیہقی (ج ۱ ص ۳۹۳) نے اس کو بروایت شافعیؒ ذکر کیا ہے۔

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں حضرت بلالؓ نے رسولِ کریمؐ کی وفات کے بعد صرف ایک مرتبہ اذان کہی تھی۔ اور یہ ملک شام میں ظہر یا عصر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اس میں آپ نے اذان کے کلمات کو جوڑا جوڑا نہیں بنایا تھا۔[2]

اقامت

اقامت کے کلمات مندرجہ ذیل ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

۴۹۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از سلیمان بن حرب، از حماد بن زید، از سماک بن عطیہ، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ] از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ بلالؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان کے کلمات جوڑا جوڑا اور تکبیر کے کلمات ایک ایک کہا کریں، ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے کہ اس کو دو مرتبہ کہا جاتے۔ (بخاری الصلوٰۃ والانبیاء، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ، بیہقی ۱: ۴۱۲ بطرق)

۴۹۵۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از معمر، از ایوب سختیانی، از ابو قلابہ] از انس روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلال تکبیر کے کلمات ایک ایک اور اذان کے جوڑا جوڑا کہتے۔ ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے، کہ یہ الفاظ دو مرتبہ کہتے۔ (عبدالرزاق ۱: ۴۶۴)

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم یہ بات قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں اور اس پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ حضرت بلالؓ نے رسولِ کریمؐ کی وفات کے بعد صرف ایک مرتبہ ملک شام میں اذان کہی اور وہ بھی مکمل نہ کر پاتے۔ اس طرح یہ حدیث مرفوع

---

[1] بیہقیؒ نے اس کو بلا سند بطریق سفیان، از ابو جعفر، از ابو سلیمان، از ابو محذورہ روایت کیا ہے۔ (بیہقی، ج ۱، ص ۴۲۲)

[2] یہ بات صحیح تر ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے بعد صرف ایک مرتبہ اذان کہی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے خلافتِ صدیقی میں اذان کہی تھی۔ بیہقی (ج ۱، ص ۴۱۹-۴۲۰) نصب الرایہ (ج ۱، ص ۲۶۴)

او صحیح الاسناد ٹھہری۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بلالؓ کو حکم دینے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود تھے نہ کہ کوئی اور شخص۔

حنفیہ: حنفیہ کہتے ہیں کہ اقامت دو دو کلمات پر مشتمل ہے۔ پھر اس کی توضیح میں اُن کے یہاں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ زفر امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر چار مرتبہ اذان و اقامت کے شروع میں کہے۔ احناف آج تک اسی روایت پر عمل پیرا ہیں۔

ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اذان و اقامت کے شروع میں اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر صرف دو مرتبہ کہا جائے۔ ابو یوسف کی روایت کے مطابق اذان کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے ہمارے علم کی حد تک اقامت کے شروع میں چار مرتبہ اللّٰہ اکبر کہنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی[1]۔ اور اگر یہ کلمات اللّٰہ کے ذکر پر مشتمل نہ ہوتے تو چار مرتبہ اللّٰہ اکبر کہنے سے تکبیر اور اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز کا ابطال لازم آتا۔ اقامت میں یہ اضافہ اسی طرح ہے جیسے اُس میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے کلمات کو شامل کر لیا جائے۔ یا اس قسم کے دیگر کلمات شامل کیے جائیں جن کے ساتھ اقامت کا کچھ تعلق نہیں۔

مالکیہ: مالکیہ کہتے ہیں کہ اقامت کے الفاظ ایک ایک کلمہ پر مشتمل ہیں بجز اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر کے کہ ان کو دو مرتبہ کہا جائے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" بھی صرف ایک مرتبہ کہا جائے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں مکہ، مدینہ اور کوفہ میں جو اذان کہی جاتی تھی سب لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے رسولِ کریمؐ پر اذان کا نزول ہوا اُس وقت سے لے کر حضورؐ کے آخری صحابی انس بن مالک کی وفات تک، اہلِ اسلام پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں مسلمان اپنی مساجد میں کم از کم پانچ مرتبہ اذان نہ کہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی

---

[1] اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے "ابوداؤد نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک بروایت معاذ بن جبلؓ اور دوسری بطریق ابن محیریز از ابومحذورہؓ۔ دونوں کے یہ الفاظ ہیں کہ اقامت میں اللّٰہ اکبر چار مرتبہ کہا جائے۔ مگر حضرت معاذؓ سے مروی حدیث کی سند میں عبداللہ بن زید مسعودیؒ ہے اور دوسری روایت میں مکحول ہے۔ دیکھیے دونوں احادیث در ابوداؤد (ج ا ص ۱۹۱-۱۹۲-۱۹۷-۱۹۸)۔ (جب یہ حدیث صحیح ہی نہیں تو پھر اس سے استدلال کس طرح جائز ہوگا)

چیز کو نہ تو فراموش کیا جا سکتا ہے نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں ان تمام طریقوں کے مطابق اذان کہی جاتی تھی۔ مکہ میں جو اذان کہی جاتی تھی۔ رسُولِ اکرمؐ ایام حج میں اسے سُنا کرتے تھے۔ پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم یہ اذان سُنتے رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو باقی ماندہ صحابہ میں سے تھے مکہ میں نو سال مقیم رہے۔ اُن سے پیشتر مدینہ اور کوفہ میں بعض صحابہ بطورِ عامل کے سکونت گزین رہے۔ لہٰذا یہ بات باطل اور محال ہے جس کا اُن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اہلِ مکہ نے اذان کو تبدیل کر دیا تھا۔ یہ خلفاء راشدین اس امر سے بخوبی آگاہ و آشنا تھے، وہ مسندِ خلافت پر متمکن بھی تھے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اس ضمن میں کچھ بھی نہ کیا۔ یہ وہ بات ہے جس کا ایک مسلم تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات مکہ میں ممکن ہے تو اس کا امکان مدینہ میں بھی ہے اور دونوں میں کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح کوفہ فتح ہُوا اور صحابہ جوق در جوق اس میں بود و باش رکھنے لگے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے عمال یکے بعد دیگرے اس میں سکونت گزیں ہوتے۔ مثلاً ابوموسیٰ اشعری، ابن مسعود، عمار، مُغیرہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ جو صحابہ کوفہ سے باہر تھے وہ اپنے سفر کے دوران روز پانچ مرتبہ اذان کہتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے کوفہ کو آباد کیا اور اس میں اقامت گزیں ہُوئے۔ یہ امر باطل اور محال ہے کہ ان اکابر صحابہؓ کے ہوتے ہُوتے اذان کو تبدیل کر دیا گیا مگر حضرت عمرؓ و عثمانؓ کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ یا ان میں سے کسی کو معلوم تھا مگر انہوں نے اسے جُوں کا توں رہنے دیا۔

بعد ازاں حضرت علیؓ نے کوفہ کو اپنا مسکن بنایا اور تا حیات وہاں مقیم رہے۔ اس سے قبل اپنے عمال کو مکہ و مدینہ میں تعینات کیا۔ ان کے بعد حضرت حسن سریر آرائے خلافت ہُوئے حتیٰ کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ بات محال ہے کہ اذان کو تبدیل کر دیا جاتے اور حضرت علی و حسن رضی اللہ عنہما خاموش تماشائی بنے رہیں۔ اگر حضرت علیؓ اس مداہنت کا ارتکاب کر سکتے ہیں تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کیوں اس کے مرتکب نہیں ہو سکتے؛ ظاہر ہے کہ ان کا دامن اس سے پاک ہے۔ اور کوئی مسلم ان سب کے بارے میں یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر مخالفین کہیں کہ مکہ اور کوفہ کی اذان کو سب لوگوں نے نقل نہیں کیا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مدینہ

کی اذان کو بھی سب لوگوں نے نقل نہیں کیا۔ تو دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اگر وہ اس ضمن میں کسی محال بات کا دعویٰ کریں تو ان کے خلاف بھی ایسا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

اگر کہیں کہ مکّہ اور کوفہ والوں کی اذان تو چند آدمیوں سے منقول ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اہلِ مدینہ کی اذان کے ناقل صرف تین آدمی ہیں یعنی امام مالکؒ، ابن الماجشون، اور ابن ابی ذِئب۔ پھر ان لوگوں کے اصحاب و تلامذہ نے ان سے نقل کر کے اسے لوگوں تک پہنچایا۔

اگر مخالفین کہیں کہ اذان کے دو دو کلمات کہنے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ مَعمر نے ایوب سَختیانی سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابنِ عمرؓ سے اذان کے تین تین کلمات نقل کیے ہیں[1]۔ ابنِ جُریج نے نافع سے اور انہوں نے ابنِ عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ اقامت کے دو دو کلمات کہا کرتے تھے (عبد الرزاق ۱: ۴۶۳)

اس سے مالکیہ کا موقف یقینی طور پر باطل ٹھہرتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اذان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کو سب لوگوں نے رسُولِ کریمؐ سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا یقینی طور پر ثابت ہُوا کہ اہلِ مکّہ و مدینہ کی اذان کے دلائل تقریباً یکساں ہیں۔ اسی طرح اہلِ کوفہ کی اذان کا بھی یہی حال ہے۔ رسُولِ کریمؐ سے منقول ہونے کے سلسلہ میں ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔

اگر مخالفین کہیں کہ اذان کو صحابہؓ نے نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں نے تبدیل کیا ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر مکہ و کوفہ کے تابعین کے بارے میں اس بات کو درست تسلیم کیا جائے تو تابعینِ مدینہ کے بارے میں یہ بات جائز تر ہے۔ اس لیے کہ مدینہ کے تابعین میں کوئی بھی علقمہ، اَسود، سُوَید بن غفلہ، رحیل[2]، مسروق، نُباتہ[3]، اور سلمان[4] بن ربیعہ وغیرہم جیسا نہ تھا۔ یہ تمام تابعین حضرت عُمرؓ کی زندگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مدینہ

---

[1] یہ نہایت غریب روایت ہے۔ بیہقی (ج ۱، ص ۴۲۴) نے اسی طرح کی ایک حدیث بطریق مالک از نافع از ابن عمرؓ نقل کی ہے۔

[2] (رحیل سے مراد رحیل بن زہیر بن خیثمہ ہے یہ کوفی ہیں یہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اسی دن مدینہ منورہ تشریف لائے اور ابوبکرؓ کے مہمان بنے ان سے احادیث مروی نہیں لیکن اجلہ تابعین سے ہیں۔ اور یہاں غالباً یہی مراد ہیں (الجرح والتعدیل ۲: ۵۱۵)

کے تابعین میں سے کوئی بھی طاؤس، عطاء اور مجاہد سے بڑھ کر نہ تھا۔ اور اللہ کی پناہ کہ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ بدگمانی کی جائے کہ وہ ارکانِ دین کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔

اگر ہمارے مخالفین اذان کی تبدیلی کا الزام تبع تابعین پر عائد کریں تو جو بات سفیان ثوری و ابن جُریج کے بارے میں جائز ہے وہ امام مالکؒ کے بارے میں بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ امام مالکؒ کو علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے سلسلہ میں ان دونوں پر برتری حاصل نہیں، اللہ کی پناہ کہ ان میں سے کسی پر یہ الزام عائد کیا جائے۔

اگر ہمارے خصوم یہ کہیں کہ والیانِ ریاست نے اذان کو تبدیل کیا تو ہم کہیں گے کہ مکّہ، مدینہ اور کوفہ کے وُلاۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے لے کر امام ابو حنیفہؒ، سفیان اور امام مالکؒ کے زمانہ تک ملک شام سے مقرر کیے جایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد انبار اور بغداد سے ان کا تقرر عمل میں آتا تھا، لہٰذا جو الزام مکّہ اور کوفہ کے والیانِ ریاست پر قائم کیا جاتا ہے وہ والیانِ مدینہ پر بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان بلاد و دیار کے والی گاہے صالح اُنخاص ہوئے اور گاہے فاسق و فاجر مثلاً حجاج[1]، حُبَیش بن دُلجہ، طارق اور خالد قسری[2] وغیرہم۔ ان میں سے کوئی آدمی بھی یکسر خیر سے عاری نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو بات اہلِ مکّہ و کوفہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے وہ یکساں طور پر اہلِ مدینہ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

اقرب الی القیاس یہ امر ہے کہ مکّہ میں اس تبدیلی کا امکان کم ہے۔ اس لیے کہ رُوئے زمین کے وفد ہر سال مکّہ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکتی اور نہ کسی نے یہ بات کہی ہے ——— والحمدُ للہ

اگر ہمارے مخالفین روایات کی طرف رجوع کریں تو روایات باہم ملتی جلتی ہیں۔ سوا امام ابو حنیفہؒ کے قول کے جو اقامت کے بارے میں مشہور ہے اور جس کے اثبات میں کوئی روایت موجود نہیں۔

(بقیہ حواشی صفحہ سابق)

[۳] اس سے نُباتہ والبی مراد ہے جو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مُعلّم تھا۔ ملاحظہ کیجیے ابن حبّان و ابو حاتم۔

[۴] ان کو سَلمان الخیل کہتے تھے۔ اس لیے کہ خلافت فاروقی کے زمانہ میں ان کے پاس بہت سے گھوڑے تھے ایک قول کے مطابق یہ صحابی تھے۔

---

[1] حجاج معروف آدمی تھا حُبَیش بن دُلجہ اور طارق بن عمرو کے واقعات کے لیے ملاحظہ فرمائیے (طبری ج ۷، ص ۸۴، ۸۵، ۱۹۰، ۱۹۷)

[2] خالد قسری کے واقعات و اخبار کے لیے دیکھیے طبری، الاغانی اور التہذیب۔

مسئلہ زیر قلم کا مشہور پیمانوں یعنی مُد، صاع اور وسق کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں۔ اس لیے کہ جو مُد اور قفیز مدینہ اور کوفہ میں رائج تھے وہ عام طور سے معروف تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ہشام کا مُد معروف تھا، نیز وہ مُد رائج تھا جس کا تذکرہ امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صاع ایک مُد اور دوسرے مُد کے ایک تہائی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل کوفہ کا حجاجی مُد اور حضرت عمرؓ کا صاع۔ اگر امیر یا کوئی اور حاکم اپنی ضرورت کے لیے کوئی نیا مُد یا صاع ایجاد کر لے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع، وسق اور مُد کا تعلق ہے وہ عام لوگوں سے منقول ہو کر عوام تک پہنچا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک ظہار کا کفارہ رائج الوقت مُد ہشام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ مگر ان کے اصحاب نے اُس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً اشہب، ابن وہب اور ابن القاسم میں سے ایک کہتا ہے کہ ہشام کا مُد ½ ۱ مد ہوتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ پونے دو مُد کا ہوتا ہے۔ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ وہ دو مُد کا ہوتا ہے۔[1]

امام ابوحنیفہؒ کے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ابو محذورہ کی اذان متاخر ہے (لہٰذا وہی صحیح ہے) ہم کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے اور اس کی صحیح ترین سند ہمارے نقطۂ نظر سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ وللہ الحمد۔

اگر حنفیہ کہیں کہ ابو محذورہ کی روایت میں اقامت کے دو دو کلمات مذکور ہیں تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کلمات کی دُوئی کے منکر نہیں ہیں مگر یہ حکم پہلے تھا جو بعد ازاں باقی نہ رہا۔ آخری حکم ایک ایک کلمہ پر مشتمل ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۹۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از اعمش، از عمرو بن مُرّہ، از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ) روایت کیا ہے کہ ہمیں اصحاب رسول نے بتایا کہ عبداللہ بن زید نے اذان سے متعلق خواب دیکھا۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا۔ فرمایا یہ اذان بلالؓ کو سکھا دو۔ چنانچہ بلال کھڑے ہوئے، اور اذان واقامت کہی۔ دونوں کے دو دو کلمات

---

[1] مؤطا ص ۱۲۴۔ شرح الزرقانی (ج ۲، ص ۸۱، ۲۰۸) نیز ہماری شرح الخراج از یحییٰ بن آدم (نمبر ۱۷۴، ۴۸۱)

ادا کیے[1]۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کوئی راویوں کی یہ اسناد نہایت صحیح ہے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ اقامت میں دو دو کلمات کہنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ حکم آغاز اسلام میں تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے ایک سو بیس[۱۲۰] صحابہ سے اخذ و استفادہ کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ اور بلالؓ کا زمانہ پایا تھا۔ لہٰذا یقینی طور پر ان کے قول کا بُطلان واضح ہُوا ــــ و للہ الحمد

لیکن سب سے افضل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے جو آپ نے بلالؓ کو دیا تھا کہ تکبیر ایک ایک کلمہ کر کے کہیں ماسوا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے۔ لہٰذا جو بات صحیح بھی ہو اور زمانہ کے اعتبار سے متأخر بھی، اس پر عمل پیرا ہونا اس امر سے افضل ہے جو اس درجہ کا حامل نہ ہو۔

بعض متأخرین مالکیہ کہتے ہیں کہ "اِلَّا الاقامۃ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ کہا جائے حسب معمول یہاں انہوں نے دروغ گوئی کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ اکبر کو اقامت کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ تو لغتًہ روا ہے نہ شرعًا۔ مزید برآں دیگر احادیث میں اس بات کی صراحت بھی پائی جاتی ہے کہ اس سے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" مراد ہے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم ان لوگوں نے دیا تھا جو رسول کریمؐ کے بعد تھے یہاں انہوں نے روافض کا شیوہ اختیار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے دینِ اسلام کو تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بات کہنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ کوئی مسلم اس کی جسارت نہیں کر سکتا۔

اگر حنفیہ کہیں کہ تم نے بطریق حَیْوَہ از اَسود روایت کیا ہے کہ بلالؓ دُہری اقامت کہا کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے۔ مگر حضرت اَنسؓ روایت کرتے ہیں کہ بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم دیا گیا تھا حضرت انسؓ نے بلاشبہ حضرت بلالؓ کی اذان سُنی تھی۔ مگر اَسود نے ہرگز بلالؓ کو اذان دیتے اور تکبیر کہتے نہیں سُنا تھا۔ لہٰذا ثابت ہُوا

---

[1] بیہقی ج ۱، ص ۴۲۱۔ ابنِ حزم نے اس حدیث کو الاحکام (ج ۶، ص ۱۷) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ ہم نے الاحکام کے حواشی میں اس حدیث کے طُرق و اسانید پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور ابن الترکمانی نے ابن حزم سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے، جو اسی جگہ منقول ہے۔ فالحمد للہ علی التوفیق۔

کہ اَسود کے قول کے معنی یہ ہیں کہ بلالؓ "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" کے الفاظ دو دفعہ ادا کرتے تھے۔ اس طرح اَسود کا قول حضرت انسؓ کی روایت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے ابو محذورہ کو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ابو محذورہؓ نے پہلے آہستہ آواز کے ساتھ کہا تھا۔ (دوبارہ آپ نے بلند آواز کے ساتھ کہنے کا حکم دیا) اس لیے نہیں کہ یہ اذان کے اندر شامل ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ رسولِ کریمؐ پر کھلی ہوئی افترا پردازی ہے۔ اگر حضورؐ کو معلوم ہوتا کہ یہ ترجیع نفسِ اذان میں شامل نہیں تو ابو محذورہؓ کو اس سے آگاہ کر دیتے۔ اور یُوں نہ ہوتا کہ آغازِ اذان میں ان کو آہستہ کہنے کی اجازت دیتے ظاہر ہے کہ یہ ایک کلمہ نہیں بلکہ چار کلمات ہیں۔ ان میں سے دو چھ چھ کلمات پر مشتمل ہیں۔ اور دو پانچ پانچ کلمات کا مجموعہ ہیں۔ یہ سفید جھوٹ ہے جس کا قائل اپنے آپ کو جہنم کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے کہ رسولِ کریمؐ ابو محذورہؓ کو یہ تمام کلمات آہستہ کہنے کی اجازت دیں، جب کہ آواز کی یہ پستی اذان کے حکم میں شامل نہ ہو۔ اور جب ابو محذورہؓ کو اس کی غلطی پر قائم رہنے دیا تو یہ کہہ کر اس کی گمراہی میں اضافہ کیا کہ ان کلمات کو بلند آواز کے ساتھ دُہرائیں اور اسے یہ نہ بتایا کہ ان کلمات کی تکرار نفسِ اذان میں شامل نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ الفاظ ایک مسلم کی زبان پر کیسے جاری ہو سکتے ہیں، اور اس کا ضمیر اس پر کیوں کر مطمئن ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں مروی بہترین آثار کے اندر یہ صراحت موجود ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ کر کے یہ اذان ابو محذورہؓ کو سکھائی تھی۔ اور یہ انیس[19] کلمات پر مشتمل تھی۔ اس سے علانیہ ان لوگوں کی دروغ بافی کا پتہ چلتا ہے۔

بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ جو کلمات اذان میں دو دفعہ آتے ہیں، دوسری جگہ پر پہلی جگہ کی نسبت نصف ہیں مثلاً شروع اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اور اذان کے آخر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے الفاظ اذان میں متکرر ہوتے ہیں۔ اذان کے آخر میں اللہ اکبر دو دفعہ کہا جاتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ اذان کے شروع میں یہ چار مرتبہ آئیں۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اگر یہ مغالطہ تمہارے نزدیک درست ہے تو اللہ اکبر اذان کے شروع میں چار مرتبہ

کہا جاتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی چار چار مرتبہ کہنا چاہیے۔ نیز اذان کے اُنھی الفاظ کو دو دو دفعہ کہا جاتے جن کے دو مرتبہ کہنے پر اتفاق ہے۔ اور انہی کلمات کو ایک مرتبہ ادا کیا جاتے جن کے ایک مرتبہ کہنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ اور وہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اس طرح اذان کے شروع میں تین کلمات چار چار مرتبہ ادا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد تین کلمات ایسے ہیں جن کو دو دو مرتبہ ادا کیا جاتا ہے۔ پھر ساتواں کلمہ جو کہ مفرد ہے وہ ان سب کو وتر (طاق) بنا دے گا۔ یہ عبث گفتگو تمہاری بیہودہ گوئی سے بہتر ہے لہٰذا تمہیں اس کی پابندی کر لینی چاہیے۔

مالکیہ جب مستحاضہ کو مصرّاۃ پر قیاس کرتے ہیں، نماز میں پھونکنے کو "لَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ" پر، خاوند والی عورت کو اس کے مال کے بارے میں اس مریض پر قیاس کرتے ہیں جس کے مرجانے کا اندیشہ ہو، شادی شدہ عورت کی فرج کو چور کے ہاتھ پر، اور اس قسم کے دیگر قیاسات باردہ جن سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ادنیٰ اور ضعیف تر نہیں ہو سکتی۔ ان کے مقابلہ میں یہ دونوں قیاس سلیم العقل آدمی کے نزدیک عقل و تدبر سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا اگر وہ اصحاب قیاس ہیں تو ان کو چاہیے کہ ان کی پابندی کریں، ورنہ ان قیاسات رکیکہ و سخیفہ کو خیر باد کہہ دیں۔ یہ بات دینی اعتبار سے بھی ان کے لیے مفید تر ہے اور قرین عقل و قیاس بھی ہے ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

بعض مالکیہ کا قول ہے کہ چونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اذان کے آخر میں صرف ایک مرتبہ کہا جاتا ہے لہٰذا پوری تکبیر اکہری ہونی چاہیے۔ بجز ان الفاظ کے جن کے دو مرتبہ کہنے پر اتفاق ہے مثلاً اللہ اکبر اللہ اکبر۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جس بات کا تم نے تذکرہ کیا ہے جب وہ اذان کے کلمات کو ایک مرتبہ ادا کرنے کی دلیل نہیں تو اقامت کے کلمات کو ایک مرتبہ کہنے کی دلیل بھی نہیں ہے۔ مزید براں جب ہمارا اور تمہارا اس بات پر اتفاق ہے کہ تکبیر کے الفاظ کو اقامت میں دُہرایا جاتا ہے تو واجب ہے کہ اقامت کے تمام کلمات کو دُہرایا جائے۔ ماسوا ان کلمات کے جن کو ایک مرتبہ ادا کرنے پر اتفاق ہے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یا یہ کہ جب اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار مرتبہ کہا جاتا ہے تو واجب ہے کہ تکبیر میں اس کو دو دفعہ ادا کیا جائے۔ اس طرح اذان میں جو کلمات چار مرتبہ کہے جاتے ہیں وہ تکبیر میں دو دفعہ کہے جائیں گے۔ اور آخری کلمہ کو صرف ایک مرتبہ ادا کیا جاتے گا۔ یہ سب کچھ مغالطہ دہی پر مبنی ہے۔ ہم نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ ایک دانشمند آدمی پر قیاس کا فساد

بُطلان واضح ہوجائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابو اُمامہ بن سہل بن حُنیف سے منقول ہے کہ وہ اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کہا کرتے تھے۔ ہم یہ الفاظ اس لیے نہیں کہتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں۔ اور دین میں حجت صرف آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ جو شخص اقوالِ صحابہ کو تسلیم کرتا ہے اسے چاہیے کہ اس مسئلہ میں ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کرے۔ اس لیے کہ ایسی بات قیاس سے نہیں کہی جا سکتی۔ اور یہ قول ابن عمرؓ سے صحیح ترین سند کے ساتھ ثابت ہے[1]۔

حسن بن حیّ کہتے ہیں عشاء کی اذان میں "اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہا جائے۔ (اس طرح کے آثار دوسرے تابعین سے مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۰۹ میں ہے) ہم اس کے قائل نہیں، اس لیے کہ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

۳۳۲۔ اذان و اقامت کی تقدیم و تاخیر جائز نہیں

اذان و اقامت کو اُلٹا ادا کرنا اور کلمات کی تقدیم و تاخیر روا نہیں۔ جس نے اس طرح کیا اس نے نہ اذان کہی اور نہ اقامت اور نہ ہی اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کی۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں لوگوں کے مابین چار امور میں نزاع پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

وضوؑ۔ اذانؒ۔ اقامتؒ۔ بیت اللہ کا طوافؒ۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اس میں اُلٹ پھیر جائز ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اذان، اقامت اور طواف میں اُلٹ پھیر نا روا ہے۔ امام مالکؒ کا مشہور ترین قول یہ ہے کہ وضو میں اُلٹ پھیر اور عدمِ ترتیب جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان میں سے کسی چیز میں بھی اُلٹ پھیر اور تقدیم و تاخیر جائز نہیں۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بیہقی (ج ۱، ص ۴۲۴، ۴۲۵) بروایتِ ابن عمرؓ و علی بن الحسین۔ بیہقی کہتے ہیں رسولِ کریمؐ نے حضرت بلالؓ اور ابومحذورہؓ کو جو اذان سکھائی تھی اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۱۵ میں بھی ابن عمرؓ سے حیَّ علی خیر العمل کی روایت موجود ہے)۔

نے لوگوں کو اذان سکھائی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کو ذہن سے اختراع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضورؐ نے ان دونوں (بلالؓ و ابومحذورہؓ) کو بالترتیب ایک ایک لفظ کر کے اذان سکھائی۔ آپ پہلے الفاظ ادا کرتے، پھر فرماتے کہ پڑھ کر سناؤ۔ آخری کلمات تک آپ نے اسی طرح کیا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تقدیم و تاخیر کر کے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔

۳۴۳۔ اَلَاصَلُّوْا فِی الرِّحَالِ کا اضافہ

اگر شدید سردی یا زور کی بارش ہو تو واجب ہے کہ مؤذن حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد کہے "اَلَاصَلُّوْا فِی الرِّحَال" (گھروں میں نماز ادا کیجیے) یہ حکم سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے۔

۴۹۶۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از سفیان بن عُیَینہ، از ایوب سَختیانی، از نافع] از ابن عمرؓ روایت کیا ہے کہ انہوں نے ضَجْنان (مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے) کے مقام پر مکہ و مدینہ کے درمیان اذان کہی تو اس میں یہ الفاظ کہے "صَلُّوْا فِی الرِّحَال"۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ علیہ وسلَّم سردی یا بارش اور آندھی والی رات میں اپنے مؤذن کو کہا کرتے تھے کہ یوں کہے "صَلُّوْا فِی الرِّحَال"۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ و بخاری من غیر ھٰذہ الطریق فی الصلوٰۃ، عبدالرزاق ۱: ۴۹۳، بیہقی ۱: ۳۹۸)

۴۹۷۔ نیز ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از ابن ایمن، از بکر بن حماد از مسدد، از حماد بن زید، از ایوب سَختیانی و عاصم الاحول و عبدالحمید صاحب الزیادی، یہ تمام عبداللہ بن حارث] سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہم کو ایک بارش والے دن میں خطبہ دیا۔ جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" تک پہنچا تو اسے "اَلصَّلٰوۃُ فِی الرِّحَال" (نماز گھروں میں پڑھی جاتی ہے) کہنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے کہا تم نے اسے عجیب چیز خیال کیا ہے۔ یہ کام تو اس ہستی نے کیا تھا جو مجھ سے کہیں بہتر تھی۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ واجب[1] ہے، ہمارے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

[1] اس پر نقد و تبصرہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتح الباری (ج ۲، ص ۶۶، ۶۷) عینی طبع منیریہ (ج ۵ ص ۱۲۶، ۱۲۸) عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۲)

۳۳۴۔ تکبیر اور نماز کے درمیان کلام جائز ہے

تکبیر اور نماز کے درمیان کلام جائز ہے خواہ طویل ہو یا مختصر اس کے لیے تکبیر کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴۹۸۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد ہمدانی، از ابو اسحاق بلخی، از الفربری، از بخاری، از ابو معمر عبداللہ بن عمرو، از عبدالوارث، از عبدالعزیز ابن صہیب] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونہ میں ایک شخص کے ساتھ سرگوشی کر رہے تھے۔ آپ نماز کے لیے کھڑے نہ ہوئے حتیٰ کہ لوگ سو گئے۔ (بخاری، ابوداؤد الصلوٰۃ، مسلم الطہارۃ)۔

ہم قبل ازیں وہ واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ نماز کے لیے تکبیر کہی جا چکی تھی۔ اندریں اثنا آپ کو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں، چنانچہ آپ لوٹ گئے، غسل کیا، پھر واپس آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

کسی دلیل سے اقامت کا اعادہ ثابت نہیں۔ ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اقامت اور نماز کے درمیان اگر کوئی شخص بات چیت کرے یا بے وضو ہو جائے تو وضو کر لے۔ اس کے لیے اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔ جو لوگ عملِ قلیل و کثیر یا کلامِ کثیر و قلیل کے مابین تفریق کرتے ہیں ان کو مکلّف کیا جائے گا کہ اس کے اثبات کے لیے دلیل پیش کریں۔ نیز یہ کہ قلیل و کثیر کی تحدید و تعیین کریں کہ قلیل کی حد کیا ہے؟ اور یہ ان کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں ——— و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اوقات الصلوٰة

۳۴۵۔ نمازوں کے اوقات

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔
جب آفتاب ڈھلنا شروع ہو جائے تو نماز ظہر کا اوّل وقت شروع ہو جاتا ہے۔ قبل ازیں نماز ظہر کی ابتداء بالکل جائز نہیں، نہ ہی وہ نماز کفایت کرتی ہے۔ پھر نماز ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اس میں وہ اصلی سایہ شمار نہ ہوگا جو زوالِ آفتاب کے وقت اس چیز کا تھا۔ البتہ اس سے جو زیادہ ہوگا وہ شمار ہوگا۔ جب اس وقت کوئی شخص نماز ظہر کی تکبیر کہے یا اس سے پہلے تو اس نے نماز ظہر کو پالیا۔

جب مذکور سایہ اس سے تھوڑا یا بہت بڑھ جائے تو نمازِ ظہر کا وقت ختم ہُوا۔ البتہ مسافر کو اجازت ہے۔ اب عصر کا اوّل وقت شروع ہُوا۔ جو قبل ازیں عصر کی نماز شروع کرے اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ ماسوا روزِ عرفہ کے میدانِ عرفات میں، پھر عصر کا وقت آفتاب کے مکمل غروب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک بلا عذر عصر کی نماز کو سُورج کے زرد ہونے تک متاخّر کرنا مکروہ ہے۔ جو شخص سورج کی ٹکیہ کے پُوری طرح غروب ہونے سے پہلے عصر کی تکبیر کہے اس نے عصر کو پالیا۔

جب سُورج کی ٹکیہ پوری طرح غروب ہو جائے تو نمازِ عصر شروع کرنے کا وقت ختم ہُوا، اور نماز مغرب کا اوّل وقت شروع ہُوا۔ نمازِ مغرب کا آغاز ٹکیہ کے پُوری طرح غروب ہونے سے پہلے جائز نہیں، یہ نماز کفایت نہیں کرتی۔ پھر شفق یعنی سُرخی کے غروب ہونے تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔ شفق کی آخری سُرخی غروب ہونے سے قبل جو شخص مغرب کی تکبیر کہے اس نے مغرب کو بلا کراہت پالیا۔

جب شفق کی پُوری سرخی غائب ہو جائے اس وقت نماز مغرب شروع کرنے کا وقت ختم ہوا۔ البتہ

مسافر کو اجازت ہے۔ اسی طرح مزدلفہ میں یوم النحر کی رات بھی یہ جائز ہے۔ اس وقت نمازِ عشاء کا اوّل وقت شروع ہوا۔ جو شخص نمازِ عشاء کی تکبیر کہے اور اُفق پر قدرے سُرخی باقی ہو تو یہ جائز نہیں۔ پھر عشاء کا وقت اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب رات کا نصفِ اوّل ختم ہو کر نصفِ ثانی کا آغاز ہو جاتے۔ جو شخص اس نماز کا آغاز اس وقت کرے جب رات کے نصفِ ثانی کا آغاز ہو اس نے بلا کراہت نمازِ عشاء کو پالیا۔ اس کے بعد نمازِ عشاء کو شروع کرنے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

صبح صادق کے طلوع ہونے سے نمازِ فجر کا اوّل وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے پہلے نمازِ فجر کی تکبیر کہے تو جائز نہیں۔ نمازِ فجر کا وقت اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب سُورج کی ٹکیہ طلوع ہونے کا آغاز ہو جس نے ٹکیہ طلوع ہونے سے پہلے نمازِ فجر کی تکبیر کہی اُس نے نمازِ فجر کو پالیا۔ مگر ہمارے نزدیک نمازِ فجر کی اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ سُورج کی ٹکیہ طلوع ہونے سے پہلے سلام نہ پھیر سکے۔ البتہ کسی عُذر کی صورت میں اس کی اجازت ہے ٹکیہ کے طلوع کے آغاز کے ساتھ ہی نمازِ فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

جب نمازوں کے مذکورہ اوقات گزر جائیں تو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جو بچہ اس وقت بالغ ہو، یا حائضہ پاک ہو جائے، یا کافر مسلمان ہو جائے، وہ بھی ان اوقات میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مذکورہ اوقات میں جو نماز پائیں وہ ادا کریں۔

جہاں تک مسافر کی نماز کا تعلق ہے اگر وہ پڑاؤ ڈالے ہوا ور سورج ڈھل جائے یا غروب ہو جائے تو وہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نمازِ ظہر و مغرب کے بیان میں ذکر کیا، اس میں کوئی فرق نہیں۔ ہر نماز کو اس کے اصلی وقت پر پڑھا جائے، یہ نہایت ضروری ہے۔ اگر حالتِ سفر میں چلتے ہُوئے سُورج ڈھل جائے تو مسافر کو چاہیے کہ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرے جو ہم نے بیان کیا ہے پھر ظہر و عصر کو جمع کرے۔ اگر سفر میں چلتے چلتے سُورج غروب ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ نمازِ مغرب کو عشاء تک مؤخر کرے۔ پھر مغرب و عشاء کو جمع کرے۔

عرفہ کے مقام پر بروز عرفہ (۹ ر ذوالحجہ) نمازِ ظہر اصلی وقت پر پڑھی جائے۔ ظہر کی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کے وقت میں عصر کی نماز ادا کی جائے۔ یوم النحر کی رات مغرب کی نماز مقامِ مزدلفہ میں ادا کی جائے۔ جس وقت بھی وہاں پہنچے۔ اگر عشاء کے وقت وہاں پہنچے تو پہلے مغرب کی نماز ادا کرے، اس کے بعد عشاء کی

کی نماز ادا کرے۔

جو شخص نماز پڑھنا بھول جاتے یا سوتے رہنے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو اس کا وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے گا۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ کسی نماز کو اس کے مذکورہ وقت سے مؤخر کرے۔ اگر ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ اسی طرح نماز کو اس وقت سے مقدم کرنا بھی روا نہیں۔ اور اگر ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جاتے۔ عشاء کا مستحب وقت رات کی ایک تہائی اور نصف شب سے لے کر طلوعِ فجر تک باقی رہتا ہے، اگرچہ عشاء کی تاخیر طلوعِ فجر تک ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ مسافر کے لیے ظہر کو عصر تک اور مغرب کو عشاء تک مؤخر کرنا جائز نہیں۔

مالکیہ: جس مریض کی عقل کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا جو مسافر کوچ کرنا چاہتا ہو اس کو امام مالکؒ اجازت اجازت دیتے ہیں کہ عصر کو ظہر تک مقدم کرے اور عشاء کو مغرب کے ساتھ ملاتے۔ بارش اور تاریکی کی حالت میں امام مالکؒ کے نزدیک مغرب کو قدرے مؤخر کیا جاتے اور عشاء کو مقدم کر کے مغرب کے ساتھ باجماعت پڑھ لیا جاتے۔ ان دونوں کی درمیانی سُنتیں نہ پڑھی جائیں۔ دشمن کے خوف کی بنا پر ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اور دن کے وقت اگر بارش ہو رہی ہو تو ظہر و عصر کو جمع کرنا درست نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ظہر و عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ممتد ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ ظہر کی نماز ادا کر لے اور غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے۔ اسی طرح ان کے نزدیک مغرب و عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک ممتد ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ طلوعِ فجر سے پہلے مغرب کی نماز ادا کرے اور عشاء کی ایک رکعت پالے۔

شافعیہ: بارش کی وجہ سے امام شافعیؒ کے نزدیک ظہر و عصر کو وقتِ ظہر کے وسط میں اور مغرب و عشاء کو وقتِ مغرب کے وسط میں جمع کرنا جائز ہے۔ ان کے نزدیک ظہر و عصر کا وقت مشترک ہے اور غروبِ آفتاب تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح مغرب و عشاء کا وقت مُشترک ہے اور طلوعِ فجر تک دراز ہے۔ حالانکہ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا قول ہے کہ مغرب اور عشاء کا ایک ہی وقت ہے۔ ان اقوال میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے اور یہ بلادلیل و برہان ہیں۔

۴۹۹ - ہم نے جو اوقاتِ صلوٰۃ بیان کیا ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع از محمد بن معاویہ، از ابوخلیفہ الفضل بن الحُباب الجُمحی، از ابوالولید طیالسی یعنی ہشام بن عبدالملک، از ہمام بن یحییٰ، از قتادہ، از ابوایوب المراغی[1]، از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے کہ کسی آدمی نے حضورؐ سے ظہر کے وقت کے بارے میں سوال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اور مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک ہے عشاء کا وقت نصف شب تک اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ، بیہقی ۱: ۳۶۴، ۳۶۵)۔

۵۰۰ - ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج از محمد بن عبداللہ بن نُمیر، از والدِ خود، از بدر بن عثمان، از ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری از والدِ خود] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا جو نمازوں کے اوقات دریافت کرتا تھا۔ آپؐ نے اس کو کچھ جواب نہ دیا۔ جب فجر طلوع ہوتی تو آپؐ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ لوگ ابھی ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ جب سورج ڈھلا تو ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس وقت لوگ کہتے تھے کہ ابھی دوپہر ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتے تھے۔

جب عصر کی نماز پڑھائی تو سورج ابھی بلند تھا۔ جب آفتاب غروب ہو گیا تو مغرب کی نماز پڑھائی۔ جب شفق غروب ہو گئی تو عشاء کی نماز پڑھائی۔ دوسرے روز فجر کی نماز میں تاخیر کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ کہنے لگے آفتاب ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے۔ پھر ظہر کی نماز دیر سے پڑھائی، حتیٰ کہ وہ وقت ہو گیا جب گذشتہ روز آپ نے عصر کی نماز پڑھائی تھی۔ پھر عصر کی نماز اتنی دیر سے پڑھائی کہ لوگ کہنے لگے سورج پر سُرخی چھا گئی ہے۔ پھر مغرب کی نماز کو مؤخر کیا۔ حتیٰ کہ شفق قریب الغروب تھی۔ پھر عشاء کو مؤخر کیا کہ رات کی پہلی تہائی پوری ہو گئی۔ جب صبح ہوئی تو سائل کو بلا کر کہا (صحیح وقت) ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ،

[1] اس کا نام یحییٰ بن مالک اَزدی ہے۔ المراغ اَزد کے ایک قبیلے کا نام ہے۔

بیہقی ۱: ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۱)

۵۰۱۔ ہم نے اس حدیث کو بطریق [ابو داؤد، از مسدد، از عبداللہ بن داؤد الخریبی، از بدر بن عثمان بسند خود] اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اگلے روز جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو ہم نے کہا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ ظہر کی نماز اس وقت ادا کی جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھی تھی۔ جب عصر کی نماز ادا کی تو آفتاب زرد ہو چکا تھا، یا یہ کہا کہ شام ہو چکی تھی۔ (عون المعبود ۱: ۱۵۴)

ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبد الملک بن ایمن، از احمد بن زہیر و محمد بن وضاح، ابن زہیر اپنے والد سے اور ابن وضاح از ابوبکر بن ابی شیبہ و ابن نمیر، زہیر، ابوبکر اور ابن نمیر کہتے ہیں ہم نے محمد بن فضیل سے روایت کیا۔ وہ اعمش سے، وہ ابوصالح سے اور وہ ابوہریرہ سے] روایت کرتے ہیں کہ نماز کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ ظہر کا اوّل وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت اُس وقت ہوتا ہے جب عصر کا وقت شروع ہو جائے۔ عصر کا اوّل وقت اُس وقت ہوتا ہے جب اس کا وقت شروع ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت سورج کے زرد پڑ جانے تک ہوتا ہے۔ مغرب کا اوّل وقت اُس وقت ہوتا ہے جب سورج غروب ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غروب ہو جائے۔ عشاء کا اوّل وقت غروبِ شفق سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کا آخری وقت نصف شب تک ہے۔ نمازِ فجر کا اوّل وقت وہ ہے جب فجر طلوع ہو اور اس کا آخری وقت طلوعِ آفتاب تک ہے۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ، بیہقی ۱: ۳۷۵، ۳۷۶)

ابن حزمؒ کہتے ہیں جن اہلِ علم نے عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کردہ حدیث کو اس لیے معلول قرار دیا ہے کہ قتادہ گاہے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور گاہے موقوفاً ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات حدیث میں علت کی مُوجب نہیں بلکہ اس سے حدیث کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے کہ صحابی ایک حدیث کو کبھی رسولِ کریمؐ سے مرفوعاً روایت کرے اور کبھی اس کے مطابق فتویٰ صادر کرے۔ اس کو معلول قرار دینا مبنی بر جہالت اور قول بلا دلیل ہے۔ یہ محض ظن ہے جو تقلید کی بنا پر کیا گیا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث میں یہ علت نکالی ہے کہ اس میں محمد بن فضیل سے غلطی سرزد ہوتی ہے، ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مجاہد کی موقوف روایت ہے۔ حالانکہ اگر ایک

حدیث کو ایک شخص مرفوعاً روایت کرے اور دوسرا موقوفاً تو اس میں حدیث کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔[۱]

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ احادیث صحیحہ ہیں جو جیّد اسانید کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کی گئی ہیں۔ لہٰذا ان میں جو اضافہ ہے اس کو قبول کرنا واجب ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے روز عصر کی نماز ادا کی تھی۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں جو کہتے ہیں کہ ظہر و عصر کا وقت مشترک ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے کہ "ظہر کا وقت عصر کا وقت شروع ہونے تک ہے" ان الفاظ میں آپ نے اشتراک کو باطل ٹھہرایا۔

۵۰۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از ابن الاعرابی، از محمد بن اسماعیل صائغ، از ابوالنضر ہاشم بن قاسم، از سلیمان بن مغیرہ، از ثابت بنانی، از عبداللہ بن رباح، از ابو قتادہؓ روایت کیا] وہ کہتے ہیں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی الصلوٰۃ)

چونکہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں لہٰذا ان کے مابین جمع و تطبیق ضروری ہے۔

لہٰذا ثابت ہُوا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے روز ظہر کی تکبیر آخری وقت میں کہی، اور اس طرح اسے عصر کے وقت میں ادا کیا۔ اور یہ اچھی بات ہے۔

جس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے" یہ تمام احادیث سے زائد ہے۔ اور عادل راوی کا اضافہ واجب القبول ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اس حدیث سے بھی زائد ہے جس کو ہم قبل ازیں مع سند ذکر کر چکے ہیں۔ اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ "جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی اس نے

---

[۱] اس حدیث میں اس علت کی نشاندہی امام بخاریؒ نے کی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں: "میں نے امام بخاری کو یہ کہتے سنا کہ اعمش کی مجاہد سے روایت اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں محمد فُضَیل کی روایت کردہ حدیث سے صحیح تر ہے۔ محمد بن فُضَیل کی روایت خطا پر مبنی ہے۔ یہ غلطی محمد بن فُضَیل سے سرزد ہُوئی ہے۔ پھر مجاہد کی موقوف روایت ذکر کی ہے۔ مگر حق بات وہی ہے جو ابن حزمؒ نے کہی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

عصر کو پالیا"۔

یہ حدیث ان آثار سے زائد ہے جن میں یہ الفاظ ہیں کہ "عصر کا وقت آفتاب کے زرد ہونے تک ہے"۔ اور عادل راوی کے اضافہ کو ترک کرنا روا نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث ان احادیث سے زائد ہیں جن میں یہ الفاظ ہیں کہ "آپؐ نے مغرب کی نماز دوسرے روز اسی وقت ادا کی جس وقت پہلے روز پڑھی تھی"۔ ایک ہی وقت تھا جس میں کوئی تبدیلی نہ کی ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز کا ایک ہی وقت ہے۔ اس سے امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے قول کا ابطال ہوتا ہے کہ مغرب و عشاء کا وقت مشترک ہے۔ یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ بُطلان کی ایک وجہ یہ حدیث صحیح ہے جو آگے چل کر ہم ذکر کریں گے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سُورۃ الاعراف، سُورۃ الطُّور، اور سُورۃ مرسلات تلاوت کیں۔ اگر وہ بات ہوتی جو ہمارے مخالفین کہتے ہیں تو آپ کی یہ نماز بے وقت پڑھی گئی ٹھہری ـــــ ونعوذ باللہ من ذالك

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مساجد مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض مسجدوں کے مینار نہیں ہوتے اور ان کا صحن تنگ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مؤذن جلدی اذان دے کر نماز پڑھ لیتا ہے۔ بعض مساجد کے صحن کشادہ ہوتے ہیں جیسے بڑی مساجد اور ان کے مینار بلند ہوتے ہیں۔ موذن آہستہ اذان دے کر مینار سے اترتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو ائمہ مساجد اس سے پہلے اپنی نماز مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ تمام شہروں میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مالکیہ و شافعیہ کے قول کے مطابق ان لوگوں نے مغرب کی نماز وقت پر ادا نہیں کی۔

مزید براں ان سے دریافت کیا جائے گا کہ اس کا وقت تمہارے نزدیک کب ختم ہوتا ہے؟ وہ یقیناً اس کی حد مقرر نہیں کر سکیں گے۔ اور یہ امر باطل ہے کہ شریعت محدود ہو، مگر کسی کو اس کی حد معلوم نہ ہو۔ وحاشاللہ من ھذا۔ ان احادیث سے ان لوگوں کے قول کا اِبطال ہوتا ہے جو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے وقت کو مشترک قرار دیتے ہیں اور کوئی حدیث ان احادیث کی ہرگز معارض نہیں۔

عرفہ اور مُزدلفہ کے بارے میں شرعی حکم ان دو مقامات میں اس دن اور اس رات کے اندر محدود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بلا خلاف و نزاع اس بات پر سب اہلِ علم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی امام عرفہ میں ظہر کی نماز

ظہر کے وقت پڑھے، پھر عصر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرے جس طرح کہ دوسری جگہوں اور دوسرے ایام میں کیا جاتا ہے تو وہ خطا کار اور گناہ گار ہو گا۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد اگر مغرب کی نماز مزدلفہ پہنچنے سے پہلے ادا کرلی تو بھی گناہگار ہو گا۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مندرجۂ صدر بیان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ہمارے مخالفین قیاس اور نصوص دونوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ نصوص کی خلاف ورزی تو آپ معلوم کر چکے۔ قیاس کا طریق یہ تھا ــــ بشرطیکہ قیاس کو شرعاً حق تسلیم کیا جائے ــــ کہ جو بات عرفہ و مزدلفہ میں اس دن اور اس رات میں جائز و لازم ہے وہ ان مقامات کے سوا دوسری جگہ میں بھی جائز و لازم ہو۔ مثلاً یہ کہ نمازِ عصر کو ہمیشہ ظہر کے وقت میں ادا کیا جائے اور مغرب کو ہمیشہ غروبِ شفق تک مؤخر کیا جائے۔ حالانکہ ان سب کے نزدیک یہ بات ممنوع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اشتراکِ اوقات کے بارے میں اپنے قول کو عرفہ کے دن اور مزدلفہ کی رات کے احکام پر قیاس نہیں کیا۔

۴۰۵۔ ہمارے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از ابوالطاہر احمد بن عمرو بن السرح، از ابن وہب، از جابر بن اسماعیل، از عقیل، از ابن شہاب، از انس رضی اللہ عنہ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب سفر میں عجلت مقصود ہوتی تو آپ ظہر کو عصر تک ملتوی کر دیتے اور دونوں کو جمع کر کے پڑھتے۔ اور مغرب کو مؤخر کر کے جب شفق غروب ہوتی تو عشاء کے ساتھ جمع فرماتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے اس حدیث کو اسی طرح ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب سفر میں جلدی مطلوب ہوتی" (مسلم الصلوٰۃ، باب ۱۱۳)

یہ حدیث ان تمام اخبار و احادیث پر قاضی ہے جن میں آیا ہے کہ آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو سفر میں جمع کیا۔ کوئی حدیث ان کی مخالف نہیں ہے۔

جہاں تک غیر سفر کا تعلق ہے ایسی کوئی حدیث موجود نہیں جس میں عصر کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ جمع کرنے یا ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں ادا کرنے کا ذکر کیا گیا ہو۔ یا مغرب کو مؤخر کر کے شفق کے غروب ہونے کے بعد یا عشاء کو مقدم کر کے غروبِ شفق سے پہلے ادا کرنے کا تذکرہ پایا جاتا ہو۔ جب ایسی کوئی حدیث سرے سے

موجود ہی نہیں تو جو شخص جمع کی احادیث کو اس پر محمول کرتا ہے وہ دروغ گوئی اور مخالفتِ سنّت کا ارتکاب کرتا ہے۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ہمیشہ بلا ضرورت و بلا عذر جمع کرنا جائز ہے۔ یہ بات خلافِ سنّت بھی نہیں ہے جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کیا جائے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ ظہر کا وقت ابھی باقی ہو تو نماز کا آغاز کیا جائے۔ جب سلام پھیرا جائے تو عصر کا وقت شروع ہو چکا ہو۔ پھر عصر کی اذان کہی جائے اور تکبیر کہہ کر بر وقت نماز ادا کی جائے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مغرب کو اس کے آخری وقت تک ملتوی کیا جائے۔ ابھی وقت باقی ہو تو اس کا آغاز کیا جائے۔ اور جب سلام پھیرا جائے تو عشاء کا وقت شروع ہو چکا ہو۔ پھر عشاء کی اذان و اقامت کہہ کر بر وقت اس کو ادا کیا جائے۔

اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ راست روی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے۔ وللہ الحمد۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مدینہ میں جمع بین الصلوٰتین پر حسن بن زید[1] کا عمل ہے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ حسن بن زید کا عمل حجت نہیں ہے۔ اس طرح کسی صحابی سے بھی اس طریقہ پر جمع بین الصلوٰتین ثابت نہیں جیسا کہ امام مالکؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں۔ بلکہ لیث بن سعد وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو ہم نے بطریق

۵۰۴۔ [مالک، از ابو الزبیر، از سعید بن جبیر، از ابن عباسؓ] روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر و عصر، مغرب و عشاء کی نمازیں بلا خوف اور سفر کے جمع کر کے پڑھائیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ بارش کا واقعہ ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، مؤطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

۵۰۵۔ نیز وہ حدیث جس کو ہم نے بطریق [عثمان بن ابی شیبہ، از ابو معاویہ، از اعمش، از حبیب، از سعید بن جبیر، از ابن عباسؓ] روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں مدینہ میں بلا خوف و بلا بارش جمع کر کے ادا کیں۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا یہ کس لیے؟ کہنے لگے

---

[1] حسن بن زید سے مراد حسن بن زید بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب مراد ہیں۔ یہ امام مالکؒ کے شیخ ہیں، مدنی ہیں اور ۵ سال مدینہ کے والی رہے ہیں۔ ان کا واقعہ کس کتاب میں ہے مجھے نہیں ملا۔

تاکہ آپ کی امت تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں مالکیہ اور شافعیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں ہمارے قول کے خلاف نہیں ہیں جمع کا جو طریقہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس کے خلاف بھی نہیں۔ لہٰذا مخالفین کا احتجاج ان دونوں احادیث کے خلاف باطل ٹھہرا۔

اگر کوئی شخص وہ حدیث ذکر کرے جس کو مالک ابوالزبیر سے وہ ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کو بتایا کہ صحابہ رسول کریمؐ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نکلے۔ رسولِ اکرمؐ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے نماز کو مؤخر کیا، پھر ظہر و عصر کو جمع کرکے ادا کیا، پھر اندر تشریف لے گئے، پھر باہر آئے اور مغرب و عشاء کو جمع کرکے ادا کیا۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ)

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اس حدیث میں بھی جمع بین الصلوٰتین کا وہ طریقہ مذکور نہیں جس پر وہ عمل پیرا ہیں اور جہاں تک حدیث کے ظاہری الفاظ اور مفہوم کا تعلق ہے وہ اس کو ہم سے زیادہ تسلیم کرنے والے نہیں ہیں[1]۔

۵۰۵۔ اس حدیث کو ہم نے بطریق [لیث بن سعد، از ہشام بن سعد، از ابوالزبیر، از ابوالطفیل، از حضرت معاذ بن جبلؓ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف فرما تھے جب کوچ کرنے سے پہلے آفتاب ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کرلیتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کا آغاز کرتے تو ظہر کو عصر کی ادائیگی کے لیے اترنے تک ملتوی کرتے۔ اگر کوچ کرنے سے قبل سورج غروب ہوجاتا تو مغرب و عشاء کو جمع کرتے۔ اور اگر شفق غائب ہونے سے قبل کوچ کرتے تو مغرب کو عشاء کے لیے اُترنے تک ملتوی کرتے۔ پھر دونوں کو جمع فرماتے[2]۔

یہ حدیث بروایت ہشام بن سعد ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے۔ اس لیے کہ وہ ضعیف راوی ہے۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ ہمارے قول کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ آپ نے عصر یا عشاء کی نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا تھا۔ جو شخص بھی اس حدیث کے الفاظ پر غور کرے گا اس کو واضح پائے گا ہمارے مخالفین نے محض ظن کو معمول بہ بنایا ہے۔ اس لیے جس نے پھسلنا تھا وہ بلا تحقیق (راہِ مستقیم) سے پھسل گیا۔

بعینہ ہمارا یہی قول ہے اس حدیث کے بارے میں جس کو ہم نے بطریق

۵۰۶۔ [لیث، از یزید بن ابی حبیب، از ابوالطفیل، از معاذ بن جبلؓ] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

[1] اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ اُترے ہوئے تھے (پڑاؤ) کی حالت میں جمع کیا کرتے تھے۔ اس وقت حالتِ سفر میں نہیں تھے۔

[2] ابوداؤد (ج ۱، ص ۴۶۸) بطریق المفضل بن فضالہ ولیث دونوں از ہشام الخ

وسلم غزوۂ تبوک میں اس طرح کرتے کہ اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ جمع کر لیتے۔ اور جب آفتاب ڈھلنے کے بعد سفر کا آغاز کرتے تو ظہر و عصر دونوں کو جمع کرتے پھر سفر کو جاری کر دیتے۔ جب مغرب سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کرتے۔ اور جب مغرب کے بعد سفر کا آغاز کرتے تو عشاء کو مقدم کر کے مغرب کے ساتھ جمع کر لیتے۔[1]

یہ حدیث متعدد وجوہ کی بنا پر اس باب میں ضعیف ترین ہے:-

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صرف بطریق یزید بن ابی حبیب از ابوالطفیل منقول ہے۔ محدثین میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی روایت نہیں کی جس سے ابوالطفیل کے سماع کی تائید ہوتی ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابوالطفیل مختار (ثقفی) کے علم بردار تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ رجعت کے قائل تھے۔[2]

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے صحیح بخاری کے مؤلف محمد بن اسماعیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے قُتَیبہ سے کہا کہ آپ نے کس کی رفاقت میں لیث سے یزید بن ابی حبیب کی روایت از ابوالطفیل تحریر کی تھی؟ قُتَیبہ نے کہا خالد مدائنی کے ساتھ۔ بخاری کہتے ہیں کہ خالد احادیث میں ایسے الفاظ بڑھا دیا کرتا تھا جو اُن میں نہیں ہوتے تھے۔[3]

اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہمارے قول کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ الفاظ نہیں کہ حضورؐ نے عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھا تھا۔ اور نہ یہ کہ آپ نے عشاء کو مغرب کے وقت ادا کیا۔[4]

---

[1] ابوداؤد، ج ا ص ۲۷۷) ترمذی (ج ا ص ۱۷۹، ۱۰۰۱) ۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کے روایت کرنے میں قُتَیبہ متفرد ہے۔ ہمارے علم کی حد تک کسی اور نے اس کو لیث سے روایت نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو صرف قُتَیبہ نے روایت کیا ہے۔ [2] یہ غلط ہے کہ وہ رجعت کے قائل تھے۔ (صغیر احمد شاغف بہاری)

[3] خالد بن قاسم مدائنی جس کی کُنیت ابوالہیثم ہے ثقہ راوی نہ تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا قُتَیبہ نے یہ بات کہی تھی کہ اس نے خالد سے حدیث روایت کی ہے۔ یا اس نے لیث سے یہ حدیث اخذ کی، اور خالد نے بھی اس کے ساتھ تحریر کی؛ اور اس میں کیا حرج ہے کہ ایک ثقہ راوی نے اپنے استاد سے سُن کر حدیث تحریر کی اور اس کے ساتھ مل کر کسی اور نے بھی تحریر کی وہ کوئی بھی ہو۔ کیا یہ حدیث اس لیے ضعیف ٹھہرے گی کہ ایک ثقہ راوی کے ساتھ ضعیف نے بھی روایت کی۔

[4] یہ بات ترمذی کے الفاظ سے ثابت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "عصر کو ظہر تک اور عشاء کو مغرب تک مقدم کیا۔"

لہٰذا ہمارے مخالفین نے دو وقتوں کے مشترک ہونے، ایک نماز کو اس سے پہلی نماز تک متقدم کرنے، اور ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر کرنے کے بارے میں جو دلائل دیئے تھے وہ سب باطل ٹھہرے۔ خصوصاً جب کہ حضور ؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ "نماز ظہر کا وقت عصر کے شروع ہونے تک ہے" نیز یہ کہ مغرب کا آخری وقت شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ اور عشاء کا وقت شفق غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے" یہ نص ہر قسم کے اشتراک کا ابطال کرتی ہے۔

جہاں تک نماز کو بھول جانے والے اور سونے والے کا تعلق ہے ہم قبل ازیں رسول کریم ؐ کی یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ" جو شخص سو جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے یا اس کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کو بھول جانے والے اور سونے والے کے لیے نماز کا وقت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح مسافر کے لیے ظہر اور مغرب کا وقت آگے بڑھ جاتا ہے۔ یوم النحر کی رات مزدلفہ میں بھی یہی صورتِ حال درپیش ہے۔ عرفہ کے روز عرفہ کے مقام پر عصر کا وقت منتقل ہو جاتا ہے۔ وقت کا انتقال، یا اس کا دراز ہونا، یا اس کی حد بندی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کی جا سکتی ہے۔ ہمارے مخالفین نے جو کچھ بھی کیا ہے اس میں کسی قیاس کا بھی التزام نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

باقی رہا امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول کہ ظہر کا وقت ہر چیز کے سایہ کے دو چند ہونے تک رہتا ہے۔ اور پھر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حنفیہ نے اس ضمن میں اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جس کے بارے میں مذکور ہے کہ اس کو ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے ابومسعود سے روایت کیا ہے کہ جبریلؑ رسول کریم ؐ کے پاس اُس وقت آئے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔ جبریل نے آپؐ کو ظہر کی نماز کا حکم دیا[1]۔ وہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد آپ نماز کے وقت سے آگاہ تھے۔ اس لیے کہ سایہ ایک جگہ ٹھہرتا نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں حنفیہ اس حدیث سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے

---

[1] بیہقی (ج ۱ ص ۳۶۵)۔ زیلعی نے نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۱۱۶-۱۱۷) میں اس کو اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کیا ہے اس حدیث کو بیہقی نے المعرفہ میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے۔

اس لیے کہ ابوبکر ابو مسعود کی وفات کے بعد پیدا ہُوا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ اس حدیث کے بارے میں اپنی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے ہیں، اُن کی عادت ہے کہ وہ احادیث کی طرف ایسے احکام کو منسوب کرتے ہیں جو ان میں مذکور نہیں ہوتے۔ اور جو احکام مذکور ہوتے ہیں ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ ہونے تک ممتد ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آپ نے نماز کا آغاز اُس وقت کیا تھا جب سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو نماز کا آغاز کرنا جائز ہے۔ اور یہی وقت ہے جس میں جبریلؑ نے آپ کو نمازِ ظہر پڑھنے کا حکم دیا تھا نہ کہ اس کے بعد۔

۵۰۷۔ امام ابو حنیفہؒ کے بعض مقلدین اپنے مدعا کے اثبات میں وہ مشہور حدیث ذکر کرتے ہیں جو بطریق (ایوب، از نافع از ابن عمرؓ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہاری اور اہلِ کتاب کی مثال یوں ہے۔ پھر فرمایا کچھ مزدور ایسے تھے جنہوں نے صبح سے لے کر دوپہر تک ایک قیراط کے عوض کام کیا۔ وہ یہودی تھے۔ پھر کچھ لوگوں نے دوپہر سے لے کر عصر تک ایک قیراط کے عوض کام کیا۔ یہ نصاریٰ تھے۔ پھر کچھ لوگوں نے عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک دو قیراط کے عوض کام کیا اور وہ ہم ہیں یہود و نصاریٰ ناراض ہو کر کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ ہمارا کام زیادہ ہے اور معاوضہ کم؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا میں نے تمہارے حق سے کم دیا ہے؟ کہنے لگے "نہیں"۔ فرمایا "یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دُوں"۔ (بخاری کتاب الاجارۃ، باب ۸)

۵۰۸۔ اور وہ حدیث صحیح جو بطریق (ابو بُردہ بن ابی موسیٰ اشعری از والدِ خود) از نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے وہ اسی کی مانند ہے۔ اس میں ہے کہ "ان کے مستاجر نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے نماز عصر تک کام کیا تھا کہ" اپنا باقی ماندہ کام پُورا کر لو، اب تھوڑا سا دن باقی ہے"۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۲۷ والاجارہ، باب ۹)

ان دونوں حدیثوں کے ساتھ احتجاج کرنے والے نے کہا ہے کہ اگر ایک مثل سایہ سے زیادہ ہونے سے ظہر کا وقت ختم ہو جاتا اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا تو عصر کے وقت کی مقدار نماز ظہر کی مقدار جتنی ہوتی۔ اور یہ بات ان دونوں حدیثوں کے خلاف ہے۔

ابنِ حزم کہتے ہیں یہ ہیں ان لوگوں کے دُور از کار افکار و نظریات اور مغالطہ آمیزی جس کی بنا پر وہ احادیث کی

طرف اس بات کو منسوب کرتے ہیں جو اُن میں نہیں ہوتی۔

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ بات مذکور نہیں کہ عصر کا وقت ظہر سے وسیع تر ہے۔اس میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ نے کہا ہم نے زیادہ کام کیا ہے مگر معاوضہ ہمیں کم ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ آخرت میں اس شخص سے گمراہ تر اور رُسوا تر کون شخص ہوگا جو یہود و نصاریٰ کے قول کو ــــــ جس کی تصدیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی ــــــ حجت ٹھہرائے۔

مزید براں یہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپؐ نے فرمایا:

ظُہر کا وقت وہ ہے جب آدمی کا سایہ ایک مثل ہو عصر کا وقت ہونے تک" (مُسند احمد ۲: ۲۲۳) یہوُد نے جو بات کہی ہے وہ رسُولِ اکرمؐ کی تحدید کے خلاف نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے دن کے شروع سے لے کر عصر کے وقت تک کام کیا۔ انہوں نے کہا ہمارا کام زیادہ اور معاوضہ کم ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ اس لیے کہ جس سارے وقت میں انہوں نے کام کیا اُس وقت سے زیادہ ہے جس میں ہم نے کام کیا۔ بلکہ جن لوگوں نے بھی کام کیا ان کا کام ہمارے کام سے زیادہ ہے۔ ہر جگہ اور ہر وقت آغازِ زوال سے لے کر ہر چیز کے سائے کے ایک مثل ہونے تک جو وقت ہے وہ اس وقت سے زیادہ ہے جو سایہ کے ایک مثل سے زیادہ ہونے سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔ تمام گروہوں نے جو معاوضہ لیا ہے وہ ہمارے معاوضہ سے کم ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "تھوڑا سا دن باقی رہا ہے" (بخاری کتاب الاجارہ باب ۱۱) اور یہ بات درست ہے۔ اس لیے کہ عصر کے وقت سے لے کر ان کے آخری حصہ تک تھوڑا وقت ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں آغازِ دن سے لے کر عصر تک زیادہ وقت ہے۔ نیز ہمارے قول کے مطابق دن کے آغاز سے لے کر نمازِ ظہر تک جو وقت ہے اُس کے مقابلہ میں بھی یہ وقت کم ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز اپنے سے زیادہ کے مقابلہ میں کم ہُوا کرتی ہے پس ان دونوں احادیث کے پیشِ نظر ہمارے مخالفین نے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی وہ باطل ٹھہری۔ وللہ الحمد۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہے حضوُرؐ کا مقصد عصر کا آخری وقت بتانا تھا۔ اور وہ سُورج کی ٹکیہ غروب ہونے سے قبل اتنا وقت ہے جس میں تکبیر کہی جا سکے تو اس شخص کا قول بجا اور درست ہے۔ اس لیے کہ حضوُر انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کی بعثت اور قیامت دونوں باہم اسی طرح مربوط و متصل

ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں ۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک انگلی کو دوسری کے ساتھ پیوست کیا (بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد)۔ اور ہم دیگر اُمّتوں کے مقابلہ میں اسی طرح ہیں جس طرح سیاہ بیل کے جسم پر کوئی سفید بال ہو۔ (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ) رسولِ کریمؐ کے ارشادِ گرامی کو اس بات پر محمول کرنا سب سے اولیٰ و افضل ہے اور اس طرح سب احادیث میں اتحاد و یگانگت پیدا ہو جاتی ہے ۔ بلکہ اس کے سوا دوسرا مطلب مراد لینا ناروا ہے ۔ و باللہ التوفیق

باقی رہا امام مالکؒ و شافعیؒ کا یہ قول کہ مغرب و عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک ممتد ہوتا ہے، تو یہ مبنی بر خطاء، بلا دلیل و بُرہان اور جملہ احادیث کے خلاف ہے ۔ اور جو بات ایسی ہو وہ حتمی طور پر ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے جن لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کوتاہی تو بیداری میں ہے" (حوالہ حدیث ۵۰۲ میں گزر چکا) ۔ آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ تغافل شعاری اس امر میں ہے کہ ایک شخص جاگتا ہو، اور بلا وجہ ایک نماز کو مؤخر کرے ۔ حتیٰ کہ دوسری کا وقت آ جائے ۔ ان اصحاب کا مقصد یہ ہے کہ عشاء کے وقت کو نمازِ فجر کے ساتھ ملانا درست نہیں ۔

یہ حدیث ہرگز ان کے موقف پر دلالت نہیں کرتی ۔ وہ ہمارے ساتھ اس امر میں متفق ہیں جس میں اُمّت کے کسی فرد نے اختلاف نہیں کیا کہ نمازِ فجر کا وقت ظہر تک ممتد نہیں ہوتا ۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ ہر نماز کا وقت اس کے بعد والی نماز کے ساتھ متّصل ہوتا ہے ۔ بلکہ جو شخص ایک نماز کو دُوسری نماز کے وقت تک ملتوی کرتا ہے وہ گنہگار ہے ۔ خواہ اس کا آخری وقت دوسری نماز کے آغاز کے ساتھ متّصل ہو یا نہ ہو ۔ اس حدیث میں یہ بات بھی مذکور نہیں کہ جو شخص نماز کو یہاں تک مؤخر کرے کہ اس کا وقت جاتا رہے، خواہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو یا نہ ہو وہ قصوروار نہیں ہے ۔ بخلاف ازیں اس حدیث میں اس بات سے خاموشی اختیار کی گئی ہے ۔ مگر جن احادیث میں نمازوں کا آخری وقت بتایا گیا ہے ان میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی کسی عمل کے اس مقررہ وقت سے تجاوز کرتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے ۔ قرآن کریم میں فرمایا ۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ "جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ

الظّٰلمون۔ (البقرہ: ۲۲۹) ظالم ہیں۔"

پس جو شخص نماز کو اس کے مقررہ وقت سے مقدم کرے جس میں اللہ نے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا اور اس میں کوتاہی کرنے سے منع کیا یا اس کو اس وقت سے مؤخر کرے، تو اس شخص نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔ لہٰذا وہ شخص ظالم اور گنہگار ہے۔ یہ وہ بات ہے جس سے مخالفین میں سے کوئی بھی انحراف نہیں کرسکتا۔

نماز کی دانستہ تاخیر کے گناہ ہونے پر تمام متقدمین و متاخرین کا یقینی اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ جو لوگ نماز کو قرض کے مماثل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قرض کی طرح نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے۔ نماز کو قرض کے مشابہ قرار دینے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ نماز کو بلاوجہ مؤخر کرنے والا اسی طرح گنہگار ہے جس طرح قرض کی ادائیگی میں بلاعذر ٹال مٹول کرنے والا۔ اس باب میں قیاس بھی یہی ہے مگر وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے دعویٰ پر اجماع کا دعویٰ کریں تو یہ جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ بعض علمائے سلف سے منقول ہے کہ نماز کو اس کے اصلی وقت سے مقدم کیا جاسکتا ہے۔ مگر نماز کو بلاعُذر مؤخر کرنے کا جواز کسی سے منقول نہیں ـــــ وباللہ تعالٰی التوفیق

امام ابوحنیفہؒ اس مسافر کو جو تیزی سے اپنے سفر پر رواں دواں ہو اور زوال سے قبل اور بعد پڑاؤ نہ کرے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ نمازِ ظہر کو عصر کے وقت تک اور مغرب کی نماز کو عشاء تک ملتوی کرے۔ اس سے سُننِ ثابتہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ ان احادیث کو حضرت انسؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ ہم قبل ازیں حضرت انسؓ کی روایت ذکر کرچکے ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

امام ابوحنیفہؒ کے بعض مقلدین نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ بڑی ہی عجیب ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ غروبِ شفق کے بعد اُترے اور پہلے مغرب اور پھر عشاء کی نماز ادا کی۔"

(عون المعبود کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۷۵ میں اس کے قریب قریب الفاظ سے یہ روایت موجود ہے)۔

اس فریب خوردہ شخص نے کہا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ غروبِ شفق سے پہلے مغرب کی نماز ادا کی۔ غروبِ شفق کے بعد کے الفاظ مقاربت کی بنا پر کہہ دیئے۔ (اس لیے کہ دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے قریب ہے) اسی طرح اس نے قرآن کریم کی اس آیت سے بھی احتجاج کیا ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ (الطلاق ۲)

"جب مطلقہ عورتیں اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو حسب دستور انہیں روک کے رکھو یا مناسب طریقہ سے انہیں چھوڑ دو۔"

نیز رسول کریمؐ کی وہ حدیث جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کھاؤ پیو، حتی کہ ابن اُمّ مکتوم اذان کہے۔ وہ اندھا شخص ہے اور اس وقت تک اذان نہیں کہتا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو نے صبح کر دی ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہٗ من یخبرہٗ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ ایسی غلط بات ہے جس کو کوئی پرہیزگار اور حیادار آدمی معمولی نہیں سمجھ سکتا، کہ ایک ثقہ راوی "بعد غروب الشفق" کہے مگر ایک کہنے والا یوں کہے کہ اس سے "قبل از شفق" مراد ہے۔ اس راہ پر چلنے والا تو روافض کا ہمنوا بن جاتا ہے جو الفاظ کے معانی کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ وہ "اَلْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ" اور "اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کی تفسیر ان کے ساتھ کرتے ہیں جن کے بہترین مصداق وہ خود ہیں۔ اس قسم کی تفسیر و توضیح سے تو ساری شریعت بے کار ہو جاتی ہے۔ تمام معقول باتیں بے وزن ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دراصل یہ مغالطہ دہی کی بدترین کوشش ہے۔ ونعوذ باللہ من البلاء۔

باقی رہا یہ فرمان باری کہ "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" تو وہ اس طرح نہیں جس طرح اس نے سمجھا ہے۔ یہ حقیقت پر مبنی ہے اور اس سے عدت کا پورا ہونا مراد ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مفہوم ہرگز مراد نہیں۔ اللہ کی پناہ کہ اللہ تعالیٰ باطل کا حکم صادر کرے۔ حضورؐ کا یہ فرمان کہ "وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو نے صبح کر دی ہے۔" اپنے ظاہری اور حقیقی مفہوم پر مبنی ہے۔ عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ کی اذان طلوع فجر کے بعد ہوا کرتی تھی نہ کہ اس سے پہلے۔" اور اگر وہ بات ہوتی جو انہوں نے سمجھی ہے تو طلوع فجر سے پہلے ہی کھانا پینا حرام ٹھہرتا۔ اور یہ وہ بات ہے جو نہ تو وہ خود کہتے ہیں، اور نہ ہی کوئی اور مسلم اس کے کہنے کی جسارت کر سکتا ہے۔

جہاں تک امام مالکؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ جس مریض کی عقل کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو وہ عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ مقدم کر سکتا ہے۔ یہ قول مبنی بر خطاء ہے۔ یہ معاملہ دو حال سے

خالی نہیں۔ (پہلی صورت یہ ہے کہ ظہر کا وقت، ظہر کے علاوہ عصر کا وقت بھی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مغرب کا وقت، عشاء کا وقت بھی ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے، بصورتِ اُولیٰ جب ظہر و مغرب کا وقت عصر اور عشاء کا وقت بھی ہے تو عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ متقدم کرنا مریض اور غیر مریض سب کے لیے جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ شخص عصر اور عشاء کی نماز ان کے اصلی اوقات میں ادا کر رہا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کے امام مالکؒ قائل نہیں ہیں۔

اور اگر ظہر کا وقت عصر کا وقت نہیں ہے اور مغرب کا وقت عشاء کا وقت نہیں ہے تو امام مالکؒ نے اس کو قبل از وقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی جو کہ ناروا ہے۔ اور اگر اس بات کو جائز ٹھہرایا جائے تو پھر یہ بات بھی جائز ہونی چاہیے کہ ظہر کو زوال سے پہلے ادا کیا جائے اور مغرب کو غروبِ آفتاب سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ اسی طرح نمازِ فجر کو طلوعِ فجر سے پہلے ادا کرنا درست ہوگا۔ اور یہ وہ بات ہے جو کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ اس سے امام مالکؒ کے قول کا تناقض کھل کر سامنے آگیا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ظہر کا وقت صرف اس مریض کے لیے عصر کا وقت بھی ہے جس کی عقل کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ تو اس کے قائل کو دلیل پیش کرنے کے لیے مکلف کیا جائے گا جو کہ اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اور ہم نمازوں کو جمع کرنے اور دونوں وقتوں کے مشترک ہونے کے بارے میں ان سب کے اقوال کا ابطال کر چکے ہیں ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

اس ضمن میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس سے ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم اس سے غافل ہیں جب کہ وہ ایک زائد بات پر مشتمل ہے۔

۵۰۹۔ اس حدیث کو ہم نے بطریق [ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ، از بشیر بن ثابت، از حبیب بن سالم، از نعمان بن بشیر] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب تیسری چاند رات کو چاند غروب ہو جاتا۔[1]

---

[1] دارمی ص ۱۰۳، ابوداؤد (ج ۱ ص ۱۶۱) ترمذی (ج ۱ ص ۳۵) نسائی، ج ۱ ص ۹۲، حاکم (ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۵) ۲

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں بشیر بن ثابت سے صرف ابوبشر نے محض یہ حدیث روایت کی ہے۔ دوسری کوئی حدیث نقل نہیں کی، اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور اس پر نقد و جرح بھی کی گئی ہے۔ اس کا مجہول ہونا صحت سے قریب تر ہے۔

حبیب بن سالم نعمان بن بشیرؓ کے کاتب اور آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر راویانِ حدیث میں وہ مشہور الحال[1] نہیں۔ اور اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ نمازِ عشاء کے آغاز کا وقت ہے۔ بلکہ اس امر کا امکان ہے کہ عشاء کا وقت اس سے پہلے شروع ہو جائے۔

رات کو بارہ ساعات (گھنٹوں) میں تقسیم کیا گیا ہے[2]۔ اور تیسری رات کا چاند اڑھائی ساعت اور $\frac{1}{14}$ ساعت کے وقت غروب ہوتا ہے۔ اور شفق جو کہ سُرخی کا نام ہے تیسری رات کے چاند سے بہت پہلے غروب ہو جاتی ہے۔ اور سفیدی پر مشتمل شفق تیسری رات کا چاند غروب ہونے کے ڈیڑھ ساعت بعد ساعاتِ مذکورہ سے غروب ہوتی ہے۔ اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے متنازعہ مسئلہ کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہوتا ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۳۶۔ نمازوں کو اوّل وقت ادا کرنا افضل ہے

تمام نمازوں کو اوّل وقت پڑھنا بہر حال افضل ہے۔ بجز نمازِ عشاء کے کہ اس کو آخر وقت تک مؤخر کرنا

م۔ بیہقی (ج ۱، ص ۳۷۳، ۳۸۰، ۴۴۸) حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ہم نے شرح تحقیق ابن الجوزی میں اس حدیث پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ہم نے وہاں اس کی صحت کو راجح قرار دیا ہے۔

[1] اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے "اس سے شعبہ بن حجاج نے روایت کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے سُن کر اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں اس کا ذکر کیا ہے یحییٰ بن معین سے اس کی توثیق منقول ہے۔ اس طرح وہ مجہول راوی نہ رہا۔ امام مسلم نے حبیب سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ راوی ٹھہرایا ہے۔

[2] ابن حزمؒ نے ہر رات کو چھوٹی ہو یا بڑی بارہ گھنٹوں میں تقسیم کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ ساعت کی مقدار مختلف ہوتی ہے عصرِ حاضر میں شب و روز کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ اس طرح رات کے گھنٹے کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہم نے شرح التحقیق میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر نعمان بن بشیر کو اندازہ کرنے میں غلطی لگی ہے۔

ہر وقت اور ہر جگہ افضل ہے۔ الّا یہ کہ لوگوں کو اس سے تکلیف کا سامنا ہو۔ اندریں صورت ان کو سہولت پہنچانا بہتر ہے۔ البتہ گرمی کی شدّت میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آخری وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔

اس کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

"وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (آل عمران - ۱۳۳)　　"اللہ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے جلدی کرو۔"

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ - (الواقعہ ۱۲)　　"اور سبقت کرنے والے ہی مقرب ہیں جو نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔"

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہُوا کہ نیکی کی جانب سُرعت و سبقت افضل ہے۔

۵۱۰۔ اس کی مؤیّد وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [محمد بن اسماعیل العذری و محمد بن عیسٰی قاضی طرطوشہ، ہر دو از محمد بن علی المطوعی الرازی، از محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپور، از ابو عمرو عثمان بن احمد السماک، از حسن بن مکرم، از عثمان بن عمر، از مالک بن مغول، از ولید بن عیزار، از ابو عمرو شیبانی، از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا "نماز اول وقت پر" میں نے عرض کی، اس کے بعد کیا؟ فرمایا "اللہ کی راہ میں جہاد" میں نے عرض کی، اس کے بعد کیا؟ فرمایا "والدین کی اطاعت"[1]۔

۵۱۱۔ وہ حدیث بھی اس کی مؤیّد ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از یحیٰی بن حبیب الحارثی، از خالد بن حارث، از شعبہ، از سیار بن سلامہ] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو سُنا کہ وہ ابو برزہ سے رسُولِ کریمؐ کی نماز کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ ابو برزہؓ نے کہا رسُولِ اکرمؐ عشاء کو نصف رات تک مؤخّر کرنے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے عشاء

---

[1] مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۱۸۸، ۱۸۹) بدیں اسناد و بدیگر اسانید۔ ان کے نزدیک یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے الذھبی نے اس کی موافقت کی ہے بیہقی نے اس حدیث کو حاکم (ج ۱ ص ۴۳۴) سے روایت کیا ہے۔

سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتوں کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ ظہر اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔ اور عصر اس وقت جب کوئی شخص مدینہ کے آخری کنارہ پر پہنچ جاتا اور آفتاب خوب تابندہ و درخشندہ ہوتا۔ اور صبح کی نماز اس وقت جب ایک نمازی اپنے ہم نشین کو جسے وہ جانتا ہوتا تھا پہچان لیتا۔ آپ نماز فجر میں ساٹھ سے لے کر ایک سو تک آیات تلاوت کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ الصلوٰۃ۔ ابوداؤد، الادب)

اس مضمون کی بکثرت احادیث نقل کی گئی ہیں۔

۵۱۲۔ [بدیں سند تا مسلم، از زہیر بن حرب و اسحاق بن راہویہ، ہردو از جریر بن عبدالحمید، از منصور بن المعتمر، از حکم بن عُتَیبَہ، از نافع از ابن عمرؓ] وہ کہتے ہیں ایک رات ہم نماز عشاء کے لیے رسولِ کریم کا انتظار کرتے رہے۔ آپ اس وقت تشریف لائے جب رات کی ایک تہائی یا اس سے زیادہ گزر چکی تھی۔ فرمایا تم ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس کا انتظار اہلِ مذاہب میں سے کوئی نہیں کر رہا۔ اگر میری اُمت پر یہ بات دشوار نہ گزرتی تو میں ان کو اسی وقت نماز پڑھاتا۔ پھر آپ نے مؤذن کو حکم دیا، اس نے تکبیر کہی اور آپؐ نے نماز ادا کی۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۱۳۔ ہم نے بطریق ثابت البنانی روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کیا یا آدھی رات کے قریب۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الزینۃ)

۵۱۴۔ نیز بطریق ام کلثوم بنت ابی بکر از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کافی رات گزر چکی تھی۔ (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جب آدھی رات گزر گئی تو رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ ان احادیث میں دیگر احادیث کی نسبت اضافہ پایا جاتا ہے۔

۵۱۵۔ [بسند حدیث ۵۱۱ تا مسلم از محمد بن المثنیٰ، از محمد بن جعفر، از شعبہ، از ابوالحسن مہاجر، از زید بن وہب، از ابوذر رضی اللہ عنہ] روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں رسولِ کریمؐ کے مؤذن نے ظہر کی اذان دی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو" یا فرمایا انتظار کرو، انتظار کرو، بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ ہے۔ جب گرمی سخت ہو جائے تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (آپ نے اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جب ہم نے) ریت کے ٹیلوں کے سایہ کو دیکھ لیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ و بدء الخلق، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

۵۱۶۔ ابن حزم کہتے ہیں ہم نے اس امر کو وجوب پر اس لیے محمول نہیں کیا کہ ہم نے [اسی سند کے ساتھ تا مسلم، از احمد بن یونس، از زہیر بن معاویہ، از ابو اسحاق السَّبیعی، از سعید بن وہب، از خباب] روایت کیا ہے کہ ہم نے رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں شدتِ گرمی کی شکایت کی تو آپؐ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہ فرمایا۔ میں نے ابواسحاق سے پوچھا کیا ظہر کو جلدی پڑھنے کے بارے میں؟ انہوں نے کہا "جی ہاں!" (مسلم، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے نمازوں کے جن اوقات کو اختیار کیا ہے اُس کے بارے میں علمائے سلف سے بھی یہی منقول ہے جیسا کہ ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از سفیان ثوری، از حبیب بن ابی ثابت، از نافع بن جبیر بن مطعم روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا "آفتاب ڈھلے ظہر کی نماز پڑھا کرو اور اس کو ٹھنڈا کر لیا کرو۔

نیز ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از یزید بن ہارون، از محمد بن سیرین، از المہاجر، روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا "ظہر کی نماز اس وقت پڑھا کرو جب آفتاب ڈھل جائے۔ عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج سفید اور صاف ہو۔ سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز ادا کرو، عشاء کی نماز آدھی رات تک پڑھا کرو، فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھا کرو اور قراءت کو لمبا کرو"[1]

---

[1] میں نے حضرت عمرؓ کے ان دونوں آثار کو بدیں اسناد و الفاظ نہیں پایا۔ البتہ امام مالکؒ نے مؤطا کے شروع باب وقوت الصلوٰۃ میں ان سے ملتے جلتے دو اثر ذکر کیے ہیں۔ یہ انہوں نے اپنے چچا سہیل بن مالک از والدِ خود نیز ہشام بن عروہ از والدِ خود روایت کیے ہیں، بیہقی نے بھی اس قسم کے دو آثار اسانید متعددہ کے ساتھ نقل کیے ہیں (ج ۱ ص ۳۷۰، ۳۷۶، ۴۴۵، ۴۵۶) مگر ص ۳۷۶ پر بطریق ایوب از محمد بن سیرین از مجاہد روایت کیا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ آیا مجاہد صحیح ہے یا مُہاجر؟ یا یہ دونوں مستقل سندیں

۵۱۷۔ نیز بطریق [مسلم بن حجاج، از ابوالربیع زہرانی، از حماد بن زید، از زبیر بن خرّیت، از عبداللہ بن شقیق] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے ہمیں ایک روز عصر کے بعد خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا اور ستارے نمودار ہو گئے۔ اور لوگ کہنے لگے نماز پڑھیے، نماز پڑھیے۔ اندریں اثنا بنی تمیم میں سے ایک شخص آیا جو بدستور "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کہتے ہوئے نہ رکتا تھا۔ ابن عباسؓ نے اسے کہا "تیری ماں نہ ہو کیا تو مجھے سُنّت سکھاتا ہے؟ میں نے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے ادا کیا۔" (مُسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱۴)

مزید براں ہم نے بطریق عبدالرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از عثمان بن عبداللہ بن موہب روایت کیا ہے کہ ابوہریرہؓ سے نماز کی خامی اور کوتاہی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا نماز میں کوتاہی یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری تک ملتوی کرو۔ (عبدالرزاق ۱: ۵۸۲، ابن ابی شیبہ ۱: ۳۲۴)

۵۱۸۔ ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج، از نافع] روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے میں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ "جس کی عصر کی نماز جاتی رہی گویا اس کا اہل و مال برباد ہو گیا۔ میں نے نافع سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی آفتاب ڈوب گیا اور کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔

کہا جی ہاں! (عبدالرزاق ۱: ۵۸۴، ابن ابی شیبہ ۱: ۳۴۲)

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ حدیث اور دوسری وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ "کوتاہی بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے۔ یہ دونوں حدیثیں اس شخص کی تردید کرتی ہیں جس نے یہ بات کہنے کی جسارت کی ہے کہ رسُولِ کریمؐ نے غزوۂ خندق کے دن دیدہ دانستہ عصر کی نماز نہ پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس لیے کہ حضورؐ دانستہ طور پر اس محرومی کا شکار ہوئے کہ گویا

ہیں۔ واللہ اعلم (حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو جو لکھا تھا وہ مصنف عبدالرزاق ۱: ۵۳۵ و ۵۳۶ میں بھی مختلف سندوں سے موجود ہے۔ و ابن ابی شیبہ ۱: ۳۱۹)

آپ کا اہل و مال تہس نہس ہو گیا۔ اور یہ کوتاہی آپ سے قصداً سرزد ہوئی۔ کوئی مسلم یہ بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

بدیں سند تا ابن جُریج وہ کہتے ہیں میں نے عطاء سے دریافت کیا اگر کوئی امام عصر کی نماز دیر سے پڑھتا ہو تو کیا میں اس کی اقتدا میں عصر کی نماز پڑھ لیا کروں؟ انہوں نے کہا ہاں! نماز با جماعت مجھے عزیز تر ہے میں نے کہا اگرچہ آفتاب غروب ہونے کے لیے زرد پڑ چکا ہو اور پہاڑوں کے سر کے ساتھ مل چکا ہو؟ کہا ہاں! جب تک غروب نہ ہو (عبدالرزاق ۲: ۳۸۴)

ابن جریج کہتے ہیں کہ طاؤس نمازِ عصر میں بعض اوقات جلدی کرتے اور گاہے تاخیر کرتے۔ مجھے ابراہیم بن میسرہ نے طاؤس کے بارے میں بتایا کہ وہ نمازِ عصر کو آفتاب زرد ہونے تک مؤخر کیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۱: ۵۵۰)

وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ ”میری اُمت اس وقت تک بھلائی پر قائم رہے گی جب تک نماز کو ستاروں کے جھرمٹ تک ملتوی نہیں کرے گی“ اس لیے صحیح نہیں کہ یہ مُرسل روایت ہے۔ صرف الصّلت[1] بن بہرام کے طریقہ

---

[1] الصّلت بن بہرام ثقہ راوی ہے مگر اس حدیث کی اسانید میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس حدیث کو امام احمد نے مسند (ج ۵، ص ۴۱۷) میں بطریق اسمٰعیل بن علیّہ، از محمد بن اسحاق، از یزید بن ابی حبیب، از مرثد بن عبداللہ الیزنی، از ابو ایوب، روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ایک قصہ مذکور ہے۔ امام احمد نے مسند (ص ۴۲۱-۴۲۲) میں اس حدیث کو بطریق محمد بن ابی عدی از محمد بن اسحاق نیز بطریق حماد بن خالد از ابن ابی ذئب، از یزید بن ابی حبیب، از مَرثد، از ابو ایوب روایت کیا۔ راوی کا معلوم نہ ہونا اس کی سند میں ضرر رساں نہیں۔ اس لیے کہ پہلی اسناد میں اس کا نام مذکور ہے۔ محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہے۔ چونکہ اس نے تحدیث کی صراحت کی ہے اس لیے اس کی تدلیس میں کچھ مضائقہ نہیں اس حدیث کو ابوداؤد (ج ۱، ص ۱۶۱) حاکم (ج ۱، ص ۱۹۰-۱۹۱)، بیہقی (ج ۱، ص ۳۷۰) نے بطریق محمد بن اسحاق روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو بشرط مسلم صحیح قرار دیا اور الذّہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ (ج ۱، ص ۱۲۱)، حاکم (ج ۱، ص ۱۹۱) نے بطریق عباس بن عبدالمطلب روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ کہتے ہیں ”میں نے محمد بن یحییٰ سے سُنا، وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں بغداد کے لوگ پریشان تھے۔ چنانچہ میں اور ابوبکر الاعین عوام بن عباد بن عوام کے یہاں گئے۔ اس نے اپنے والد کی کتاب نکالی تو اس میں وہ حدیث موجود تھی۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔

حنفیہ کا مسلک: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں نمازِ فجر کا وقت صبح صادق طلوع ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے یعنی آفتاب سلام پھیرنے کے بعد نمودار ہو۔ وہ کہتے ہیں اس نماز کی تاخیر میرے نزدیک منہ اندھیرے پڑھنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اس وقت حاضری زیادہ ہو جاتی ہے۔ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے لے کر دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ موسمِ سرما میں ظہر کو جلدی ادا کرنا اور موسمِ گرما میں تاخیر کرنا مجھے عزیز تر ہے۔ عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہو کر غروبِ آفتاب سے پہلے تک ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے پوری طرح غروب ہونے سے پہلے عصر کی تکبیر کہہ لی جاتے۔ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ نمازِ مغرب کو جلد ادا کرنا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ عشاء کا وقت غروبِ شفق سے لے کر آدھی رات تک ہے اس کی تاخیر افضل ہے۔ اس کا وقت طلوعِ فجر تک دراز ہوتا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ نے جن باتوں میں ہماری مخالفت کی ہے ہم دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا ابطال کر چکے ہیں بجز تاخیرِ نمازِ فجر کے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں ایک حدیث سے احتجاج کیا ہے[1] جو

۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ حزمؒ کا اس حدیث کو مسترد قرار دینا درست نہیں۔ نیز یہ کہ الصّلت بن بہرام اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی روایت اس میں ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا۔ ہمارے خیال میں ابنِ حزم کو شبہ ہُوا ہے اور دو حدیثیں ان کے خیال میں باہم مخلوط ہو گئی ہیں۔

[1] اصل نسخہ کے حاشیہ پر یہاں یہ عبارت مرقوم ہے۔ محمود بن لَبید، محمود بن ربیع نہیں ہے۔ ابوبکر بن العربی کو اس کے بارے میں وہم ہُوا ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ وہی محمود بن لبید ہے جس سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کی ہے۔ ان کو یاد تھا کہ رسُولِ کریمؐ نے ان کے گھر کے کنوئیں سے پانی لے کر کُلی کی اور پھر ان کے منہ میں کُلی کا پانی ڈالا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ دو راویوں کے الگ الگ نام ہیں۔ ایک محمود بن ربیع بن سُراقہ بن عمرو بن زید ہے۔ ابنِ سعد نے ان کا نسب بیان کیا اور ان کی کُنیت ابونُعیم ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ان کی والدہ کا نام جمیلہ بنت ابی صعصعہ تھا۔ ابن ابی خیثمہ نے ان کی کُنیت ابومحمد ذکر کی ہے۔ عاصم بن عمرو کی کوئی روایت ان سے ثابت نہیں۔ اُن سے زہری اور رجاء بن حَیوہ نے روایت کی ہے۔ ۴ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بطریق محمود بن لَبید حضرت رافع بن خَدیج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نمازِ فجر کو روشنی میں پڑھا کرو اس سے تمہارا اجر بڑھ جائے گا تم اس نماز کو جتنی زیادہ روشنی میں ادا کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں محمود بن لَبید ثقہ راوی ہے۔ اس کا نام محمود بن ربیع بن لَبید ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اگرچہ یہ ان کے لیے حجّت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کا منہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ حتیٰ کہ آپ نماز سے فارغ ہوتے تو (اندھیرے کی وجہ سے) عورتوں کو پہچانا نہ جاتا تھا۔ اور آدمی اپنے ہم نشین کو جسے وہ جانتا ہوتا تھا پہچان لیتا۔ یہ آپ کا دائمی عمل تھا۔ درحقیقت اِسفار کے معنی یہ ہیں کہ فجر پُوری طرح طلوع ہو جائے اور نمازِ فجر شک کی حالت میں ادا نہ کی جائے (یعنی اس بات میں شک نہ ہو کہ صبح صادق طلوع ہوئی یا نہیں)

اگر کہا جائے کہ اجر و ثواب صرف روشنی کے اندر نماز ادا کرنے میں ہے اندھیرے میں نہیں، بلکہ اس میں گناہ ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ عربی زبان میں اس سے انکار نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّھُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا "اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت

۲۔ دوسرا راوی محمود بن لبید بن رافع ہے جو اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ مدنی ہے اور زمرۂ علماء میں شمار ہوتا ہے اس نے نبی کریمؐ سے روایت کی ہے۔ بخاری نے ان کو صحابی قرار دیا ہے، مگر ابوحاتم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ مسلم نے ان کو طبقۂ ثانیہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ محمود جن کا ذکر پہلے کیا گیا انہوں نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ کی صحبت سے مستفید ہوتے مگر انہوں نے آپؐ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ان دونوں کو ثقہ راوی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابنِ ربیع کو یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا اور محدث ابوزرعہ نے ابنِ لَبید کو۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان دونوں کے تعارف میں تحریر کیا ہے۔ ابُوعمر کہتے ہیں ابن لبید عمر میں ابن ربیع سے بڑے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کا ذکر صحابہ میں کیا جائے۔ یہ بات صحیح ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن حزمؒ اور ابن العربی نے ابن خُزَیمہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے غلطی کھائی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن خُزَیمہ سے اپنی کتاب الاصابہ (ج ۶ ص) میں نقل کیا ہے۔

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ ... کی اور "اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا" کا لفظ کہتے تو

اَقْوَمَ" (النساء-۴۶) ان کے لیے بہتر اور درست تر ہوتا"

اور اس کے عکس میں بھلائی نہیں ہے۔ یہ بڑی غلط بات ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوابِ شیریں ترک کرنے کی تکلیف دیتے عورتیں اور مرد تکلیف برداشت کرکے نمازِ فجر میں شرکت کرتے اور اپنے اجر وثواب کو کم کر لیتے۔ اس طرح وہ اجر وثواب اور راحتِ جسمانی دونوں سے محروم رہتے۔ اللہ کی پناہ، یہ خیر خواہی کی ضد، دھوکہ بازی اور ظلم وتعدی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے علم کی حد تک حنفیہ نے صرف ابنِ مسعودؓ کی روایت سے احتجاج کیا ہے جو یوم النحر کو طلوعِ فجر کے بعد نمازِ فجر ادا کرنے سے متعلق ہے نیز ابنِ مسعودؓ کے اس قول سے کہ اس نماز کو آج اس جگہ میں اس کے اصلی وقت سے تبدیل کر دیا گیا ہے[1]۔ اس حدیث سے ان کے جملہ اقوال کا ابطال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس حدیث کے تمام مندرجات کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نمازِ فجر کو اوّل وقت اندھیرے میں ادا کرنا بے وقت نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک اس نماز کا یہی وقت ہے۔ بتائیے اس شخص سے گمراہ تر اور کون شخص ہوگا جو در اصل ایک حدیث کا مخالف ہو اور اپنے خصم کو یہ تاثر دیتا ہو کہ یہ حدیث اس کے حق میں حجت ہے۔

تاخیرِ عصر کے بارے میں احناف کا قول خلافِ قرآن ہے جس میں نیکیوں کی جانب سبقت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ تمام احادیث، اقوالِ سلف اور ظہر ومغرب کی تقدیم کے بارے میں اُن کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔

مالکیہ:۔ امام مالکؒ کے نزدیک ظہر وعصر کا وقت غروبِ آفتاب تک، مغرب وعشاء کا وقت طلوعِ فجر تک اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ آفتاب تک ہے۔ نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرنا انہیں محبوب تر ہے۔ نمازِ ظہر کا بہترین وقت سردی وگرمی میں ان کے نزدیک یہ ہے کہ سایہ ایک ہاتھ ڈھل جائے عصر کا افضل ترین وقت یہ ہے کہ اس وقت ادا کی جائے جب سورج زندہ وتابندہ ہو۔ مغرب کی نماز جلد ادا کرنا بہتر ہے بجز مسافر کے۔ اس میں

---

[1] نیل الاوطار للشوکانی، ج ۱، ص ۴۲۳۔

کچھ حرج نہیں کہ وہ قدرے تاخیر سے پڑھے۔عشاء کی نماز غروبِ شفق کے تھوڑی دیر بعد ادا کرنی چاہیے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

امام مالکؒ کا یہ قول کہ ظہر کا وقت غروبِ شمس تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت نمازِ فجر تک دراز ہوتا ہے جملہ احادیث کے خلاف ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ قول صحابہ و تابعین میں سے کسی سے منقول نہیں، بجز تنہا عطاء کے۔ عشاء کے بارے میں آپ کا موقف علمائے سلف میں سے کسی سے منقول نہیں۔

نمازِ ظہر کے وقت کے بارے میں امام مالکؒ کا اعتماد حضرت عمرؓ کی روایت پر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "نمازِ ظہر اُس وقت ادا کرو جب ایک ہاتھ سایہ ڈھل جائے۔ ہم حضرت عمرؓ کی روایات ذکر کر چکے ہیں کہ دن ڈھلے نماز پڑھی جائے۔ نیز یہ کہ نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کیا جائے۔ یہ احادیث حضرت عمرؓ سے ان کے بیٹے عبداللہ، حضرت عائشہؓ، نافع بن جبیر، مُہاجر ابو الحسن، ابو العالیہ، عُروہ بن زُبیر، ابو عثمان النہدی، مالک بن انس کے دادا مالک نے نقل کی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے فعل کی حیثیت سے بھی۔ مزید برآں اس قسم کی احادیث ہم نے حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ سے بھی نقل کی ہیں۔

اگر مالکیہ کہیں کہ ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ "عشاء کا وقت نمازِ فجر تک باقی رہتا ہے" (عبدالرزاق ۱: ۵۸۴)۔ نیز ابو ہریرہؓ سے منقول ہے (دوسرے الفاظ میں ابو ہریرہؓ کی روایت ابن ابی شیبہ ۱: ۳۳۴ میں موجود ہے) کہ عشاء کا وقت فجر تک باقی رہتا ہے، تو ہم ان سے کہیں گے کہ انہوں نے ابنِ عباسؓ کے اس اثر کی مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ اس اثر میں یہ بھی مرقوم ہے کہ نمازِ ظہر کا وقت عصر تک، اور مغرب کا وقت عشاء تک ہوتا ہے (عبدالرزاق ۱: ۵۸۴) اور ضابطہ یہ ہے کہ جب صحابہ میں اختلاف بپا ہو تو کتاب و سنّت کی جانب رجوع کرنا فرض ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء-۵۹)

"اگر کسی بات میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

فصل

۳۳۷۔ نمازوں کے اوقات کی کمی بیشی

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت عصر کے مقابلہ میں ہر جگہ اور ہر وقت طویل تر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آفتاب ساتویں گھنٹہ کے شروع میں ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ اور اصلی سایہ نکال کر دسویں گھنٹہ کے شروع تک بڑھتا رہتا ہے۔ پہلے خمس سے لے کر پہلے ثلث تک اس میں کسی جگہ اور کسی وقت بھی اضافہ نہیں ہوتا۔

نمازِ فجر کا وقت ہر جگہ اور ہر وقت نماز مغرب کے مساوی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک تقریباً اتنا ہی وقت ہے جتنا کہ غروبِ آفتاب سے کر سُرخ شفق کے غروب ہونے تک۔ اور یہ بات ہر جگہ اور ہر وقت پر صادق آتی ہے۔ یہ وقت موسم گرما میں بڑھ جاتا اور موسم سرما میں کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ قوس بڑی چھوٹی ہوتی رہتی ہے۔ نمازِ فجر اور مغرب کا وقت ظہر و عصر کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ظہر کا وقت ایک چوتھائی دن سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ساعاتِ مختلفہ میں سے تین گھنٹے سے قدرے زیادہ ہُوا۔

عصر کا وقت بالکل دن کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا وہ دن کے بارہ گھنٹوں میں سے تین گھنٹے کے مساوی ہوتا ہے۔ جب کہ نمازِ فجر اور مغرب کا وقت اتنا نہیں ہوتا۔ ان دونوں نمازوں کا وقت زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات سوا گھنٹہ ہوتا ہے۔ یہ ساعات سال کے طویل ترین اور سب سے چھوٹے دن میں بارہ ہوتی ہیں۔ اس طرح ساعت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی ہے (مگر ان کی تعداد بارہ ہی رہتی ہے)۔ علمِ ہیئت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ ہمارے اور اہلِ ہیئت کے بیان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ سب سے وسیع تر وقت عشاء کی نماز کا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک تہائی رات سے زیادہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک تہائی رات اور ایک تکبیر کے برابر ہے۔ یہ ضابطہ ہر زمان و مکان کے لیے ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۳۸۔ فجر و شفق

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ فجر دو قسم کی ہے اور شفق کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

(پہلی فجر (صبح کاذب) وہ لمبی سی باریک دھاری ہے جو نیچے سے آسمان کی طرف بھیڑیے کی دُم کی طرح جاتی ہے۔ اس کے بعد اُفق پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے روزہ دار پر کھانا پینا حرام نہیں ہوتا، اس سے نمازِ فجر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ پُوری اُمتِ مُسلمہ اس بات پر متفق ہے۔

(۲) دوسری فجر (صبحِ صادق) وہ سفیدی ہے جو طلوعِ آفتاب کی جگہ پر مشرق کے اُفق پر چھا جاتی ہے اور آفتاب کے منتقل ہونے سے منتقل ہو جاتی ہے۔ وہ آفتاب کی روشنی کی تمہید ہوتی ہے۔ پھر اس کی سفیدی بڑھتی چلی جاتی ہے بعض اوقات اس کی سُرخی گلابی مائل ہوتی ہے۔ اس کے ظہور سے روزے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس وقت فجر کی اذان کہی جاتی ہے اور نمازِ فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے ظہور و شیُوع کے ساتھ ہی نمازِ فجر کا وقت شروع ہو جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک شفق کی دو قسموں کا تعلق ہے ان میں سے ایک سرخ ہوتی ہے اور ایک سفید۔

ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، مالک، شافعی، ابو یوسف، محمد بن حسن، حسن بن حیّ، داؤد اور دیگر اہلِ علم کے نزدیک شفق کی سُرخی غروب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق کا موقف یہی ہے۔ البتہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضر کی حالت میں عشاء کی نماز اس وقت پڑھنی مستحب ہے جب سفیدی غروب ہو جائے تاکہ سُرخی کے غروب ہونے کا یقین ہو جائے۔ کیوں کہ بعض اوقات دیواریں اسے چھپائے رکھتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ، عبداللہ بن مبارک، المزنی اور ابو ثور کہتے ہیں کہ سفیدی غروب ہونے کے ساتھ مغرب کا وقت ختم ہوتا اور عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شفق کی روشنی غائب ہونے کے ساتھ ہی مغرب کا وقت رخصت ہوتا اور عشاء کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ رسُولِ کریمؐ کی مقرر کردہ حد ہے۔ شفق کا لفظ سُرخی اور سفیدی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو رسُولِ کریمؐ کے قول کو بلا نصّ و اجماع مخصوص قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ جو چیز شفق کے نام سے موسوم ہے جب وہ غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ختم ہُوا اور عشاء کا وقت شروع ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ نہیں فرمایا کہ مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب ہر وہ چیز غائب ہو جائے جس کو شفق کہتے ہیں۔

اس امر کی قطعی وحتمی دلیل یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے عشاء کے وقت کی تحدید یوں فرمائی کہ اس کا آغاز غروبِ شفق کے ساتھ اور اختتام رات کی پہلی تہائی پر ہوتا ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق نصف رات پر۔ ماہرینِ فلکیات کو معلوم ہے کہ سفیدی رات کی پہلی تہائی کے وقت غروب ہوتی ہے۔ اور یہی حد ہے جو آپؐ نے عشاء کے زیادہ تر وقت گزر جانے کی مقرر کی ہے۔ لہٰذا یقیناً یہ بات ثابت ہوئی کہ عشاء کا وقت رات کی پہلی تہائی تک باقی رہتا ہے۔ اس طرح نص سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عشاء کا وقت غروبِ شفق تک باقی رہتا ہے اور اس سے بلاشبہ سفیدی مُراد ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ شفق سے سفیدی نہیں بلکہ سُرخی مراد ہے[1]۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم سفیدی غروب ہونے کے بعد نماز پڑھیں تو اجماعاً ہمیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہم نے صحیح وقت پر نماز پڑھی ہے۔ اگر اس سے پہلے ادا کریں تو ہمیں پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم نے صحیح وقت پر نماز ادا کی ہے یا نہیں؟

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ کچھ بات نہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ اگر اس بات کا التزام کریں تو ان کا پورا مذہب باطل ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات نبیذ کے ساتھ وضو کرنے، ناک کو پانی دینے، ناک صاف کرنے، سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے اور نماز میں اعتدال وسکون کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ اور دیگر اختلافی مسائل جن سے روزہ اور حج باطل ٹھہرتے ہیں اور جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے وہ بھی اسی طرح ہیں۔ بنا بریں حنفیہ پر لازم ہے کہ وہ ایسا کوئی شرعی کام نہ کریں جس میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہو کہ انہوں نے وہ کام اسی طرح کیا ہے جس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا۔ اس طرح ان کے مذہب کے ننانوے اجزاء میں سے ایک جزء بھی ایسا نہیں جو بلاشبہ صحیح ہو۔

حنفیہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضورؐ عشاء کی نماز اُس وقت

---

[1] یہ ابنِ حزم کے عجیب ترین اور نہایت مضبوط ترین دلائل میں سے ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار، ج ۱، ص ۴۱۱ پر اس سے ملتی جلتی دلیل کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ دلیل شوکانی نے ابن سید الناس کی شرح ترمذی سے اخذ کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن سید الناس نے یہ دلیل ابن حزم سے لی ہے۔ ابنِ سید الناس اور ابنِ حزمؒ کے الفاظ بھی یکساں قسم کے ہیں۔

پڑھتے جب تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۳۳۰)۔ اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جاتے تو ہمارے حق میں یہ عظیم ترین حجت ہے۔ اس لیے کہ سفید شفق بلا اختلاف و نزاع اس کے کافی دیر بعد تک موجود رہتی ہے۔

بعض اہلِ علم نے اس اثر سے احتجاج کیا ہے کہ "آپؐ عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب رات سیاہ ہو جاتی" (مُصنّف ابنِ ابی شیبہ ۱: ۳۳۵) ظاہر ہے کہ اگر سفیدی باقی ہو تو سیاہی نہیں پھیلتی۔

ابنِ حزم کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ آپ چاند کی چاندنی میں عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کے اُصول کے مطابق چاندنی کی موجودگی میں سیاہی نہیں پھیل سکتی۔ سرخی کے بعد جو سفیدی باقی رہتی ہے چاندنی اس سے زیادہ تاریکی کو روکتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سفیدی کم اور باریک ہونے کی بنا پر سیاہی کو روک نہیں سکتی۔

حنفیہ نعمان بنؓ بشیر کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ عشاء کی نماز اس وقت ادا کرتے جب تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا (مُصنّف ابنِ ابی شیبہ ۱: ۳۳۰)۔ یہ حدیث ان کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ ہم اس سے نہیں روکتے۔ بلکہ نصف شب تک عشاء کی تاخیر ہمارے نزدیک افضل ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے پہلے عشاء کا وقت شروع نہیں ہوتا۔

حنفیہ ایک ساقط الاعتبار موضوع روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ "حضورؐ نے غروبِ شفق سے پہلے عشاء کی نماز ادا کی"[1]

اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے ——— اللہ کی پناہ کہ یہ حدیث صحیح ہو ——— تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ نماز وقت سے پہلے جائز ہے۔ اور یہ بات ان کے اور ہمارے قول کے خلاف ہے۔

---

[1] مجھے یہ حدیث نہیں ملی، البتہ بیہقی ۱: ۳۷۲ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا کہ سلیمان بن موسیٰ از عطاء بن ابی رباح از جابر روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے قبل پڑھی، اور یہ ساری روایتوں کے خلاف ہے لیکن بیہقی ہی نے ۱: ۳۷۲ پر سلیمان کی روایت اس طرح روایت کی ہے کہ آپؐ نے مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے قبل پڑھی، شوکانیؒ نے نعمان بن بشیر کی روایت کے بعد فرمایا کہ ابن عربی نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ (نیل ۱: ۴۱۱)

حنفیہ ثعلب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ شفق سفیدی کو کہتے ہیں۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ شفق سرخی اور سفیدی دونوں کا نام ہے۔ ثعلب شریعت میں حجت نہیں ہے لہٰذا اس کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے اور اس کی نقل و روایت قابلِ اعتماد ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بعض لوگوں کا یہ احتجاج ہے کہ شفق کا لفظ شفقت سے مُشتق ہے جس کے معنی نرمی اور رقت کے ہیں۔ نرم کپڑے کو شفیق کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس لیے شفق سے سفیدی مراد ہے۔ اس لیے کہ سفیدی سے رقیق اجزاء مراد ہیں جو سُرخی کے بعد باقی رہتے ہیں۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ مغالطہ پر مبنی ہے۔ بخلاف ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ سُرخی اس کے زیادہ لائق ہے۔ کیوں کہ وہ شفقت اور حیاء کی پیداوار ہے۔ یہ سب فریب دہی کی کرشمہ سازی اور سنجیدگی کے بجائے استہزاء و تضحیک کا نتیجہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ نمازِ فجر کا آغاز فجرِ ثانی سے ہوتا ہے اس لیے عشاء کا آغاز شفقِ ثانی سے ہونا چاہیے۔ اس کا توڑ یوں کیا گیا ہے کہ چونکہ فجر دو قسم کی ہوتی ہے۔ اور نمازِ فجر کا وقت اس فجر کے ساتھ شروع ہوتا ہے جس کے ساتھ سرخی ہوتی ہے۔ لہٰذا نمازِ عشاء کا آغاز اس شفق کے ساتھ ہونا چاہیے جس کے ساتھ سرخی موجود ہوتی ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو سرخی طلوعِ آفتاب کی تمہید ہے اس کا نمازِ فجر کے وقت کے چلے جانے پر کوئی اثر مترتّب نہیں ہوتا۔ اسی طرح مغرب کے وقت کے رخصت ہونے پر بھی سُرخی کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طوالع و غوارب تین تین ہیں۔ اور نمازِ فجر کے آغاز کا حکم طوالع میں سے اوسط پر مبنی ہے۔ اسی طرح نمازِ عشاء کا آغاز غوارب میں سے اوسط پر مبنی ہو گا۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں یہ تمام مغالطات اور دعاوی کاذبہ ہیں۔ ہم نے ان کو اس لیے تحریر کیا ہے تاکہ وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوا ہے اور اللہ نے اس کو دین میں قیاس کے ابطال کی توفیق دی ہے ان سے آگاہ و آشنا ہو جائے۔ نیز یہ کہ جو شخص غلطی کھا جانے کی بنا پر ان کا قائل ہو چکا ہے اس سے بصیرت حاصل کرے۔

وما توفیقنا اِلّا باللہ تعالیٰ۔

۳۳۹۔ اس شخص کی نماز کا حکم جس کو وقت میں شک ہو جو شخص فرضی نماز کے لیے تکبیر کہے اور اسے

شک ہو کہ آیا اس نماز کا وقت ابھی شروع ہوا ہے یا نہیں؟ اس کی نماز جائز نہیں۔ خواہ وہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ جس طرح اسے نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس نے اُس طرح وہ نماز ادا نہیں کی۔ اسے حکم یہ دیا گیا تھا کہ صحیح وقت پر اس کا آغاز کرے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ایسا کام کیا جس کا حکم ہم نے نہیں دیا وہ عمل مردُود ہے۔" (مسلم عن عائشہ)

۲۴۰۔ جو بے وقت نماز پڑھے

جس نے اس یقین کے ساتھ نماز کا آغاز کیا کہ اس کا وقت ہو چکا ہے حالانکہ وقت نہیں ہوا تھا اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ اُس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ نماز اس وقت کافی ہو گی جب اسے یقین ہو کہ وقت ہو چکا ہے۔ اور درحقیقت وقت ہو بھی چکا ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۲۴۱۔ فجر کی سُنّتوں کے بعد لیٹنا

جو شخص فجر کی سُنّتیں پڑھے اس کی نماز اس وقت تک درست نہ ہو گی جبتک سُنّتوں کے سلام پھیرنے اور فرضی نماز کی تکبیر کے درمیان دائیں کروٹ لیٹے نہیں۔ خواہ لیٹنا اس نے دانستہ ترک کیا ہو یا بھول کر۔ قطع نظر اس سے کہ اس نے وقتی نماز ادا کی ہو یا بھول جانے اور سو جانے کی وجہ سے قضا کر کے پڑھی۔ اگر فجر کی سُنّتیں ادا نہیں کیں تو لیٹنا ضروری نہیں اگر خوف، بیماری یا کسی اور وجہ سے دائیں کروٹ نہ لیٹ سکے تو حسبِ طاقت اس کی طرف اشارہ کرے۔

۵۱۹۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از ابن السلیم، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عبیداللہ بن عمر بن میسرہ، از عبدالواحد ابن زیاد، از اعمش، از ابوصالح السّمان، از] ابوہریرہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو سُنّتیں پڑھے تو چاہیے کہ دائیں کروٹ لیٹ جائے۔ مروان بن حکم نے کہا "کیا ہم میں سے ایک کا مسجد کی طرف چل کر جانا کافی نہیں کہ وہاں دائیں کروٹ لیٹنے کا حکم دیا؟ ابوہریرہؓ نے کہا نہیں۔ جب یہ بات عبداللہ بن عمرؓ تک پہنچی تو انہوں نے کہا "ابوہریرہؓ نے اپنے آپ پر بہت زیادتی کی ہے۔" ابن عمرؓ سے کہا گیا: کیا آپ ابوہریرہؓ کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے؟ ابن عمرؓ نے کہا نہیں۔ البتہ ابوہریرہؓ نے جرأت سے کام لیا اور ہم نے بزدلی دکھائی۔ یہ بات ابوہریرہؓ تک پہنچی تو کہنے لگے "اگر میں نے یاد رکھا اور وہ بھول گئے تو اس میں میرا کیا گناہ؟ (ابوداؤد، ترمذی، کتاب الصلوٰۃ۔ نووی

نے اسے بشرطِ شیخین قرار دیا ہے)

نیز ہم نے بطریق وکیع، از عاصم بن رجاء بن حیوہ از والدِ خود، از قبیصہ بن ذؤیب روایت کیا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں حضرت ابوالدرداءؓ میرے پاس سے گزرے اور میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا رات کی نماز اور دن کی نماز میں لیٹ کر جدائی پیدا کرو۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کے اوامر سب فرض ہیں۔ حتیٰ کہ کسی دوسری نص یا قطعی اجماع سے ان کا مستحب ہونا ثابت نہ ہو جائے (صرف باطل دعاوی سے نہیں)۔ اگر ایسا ہو تو ہم اس کی تعمیل کے پابند ہوں گے۔ جب صحابہ کے مابین کوئی مسئلہ متنازع ہو تو اندریں صورت ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے کلام کی طرف رجوع کریں گے۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۴۸)

اگر مخالفین کہیں کہ عبداللہ بن مسعود لیٹنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم کہیں گے یہ ٹھیک ہے مگر ابوہریرہؓ ان کے خلاف ہیں۔ اور ابوہریرہؓ کے پاس حضورؐ کا امر بھی ہے اور عمل بھی (جیسا کہ اوپر گزرا)۔ اور اگر عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار صحابہ پر حجت ہے تو وہ حالتِ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ نماز کو قصر کرنے کی اجازت صرف حج، عمرہ یا جہاد کے سفر میں دیتے ہیں کسی اور سفر میں نہیں۔ وہ قرآن کو ایک رات میں ختم کرنے کی اجازت نہیں دیتے (مُصنّف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ) مگر تم نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی۔ اب تم اس سُنّت کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں اگر سنّتوں کے بعد لیٹنا فرض ہوتا تو ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہتی۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پھر تم نے یہی بات عثمانؓ کے بارے میں کیوں نہ کہی جو منیٰ میں پوری نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اور سعدؓ کا موقف بھی یہی ہے۔ اب تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ اگر نماز کا قصر کرنا سُنّت ہوتا تو ان لوگوں پر یہ بات پوشیدہ نہ رہتی۔ اور تم نے یہ بات کیوں نہ کہی کہ اگر نماز کے آخر میں بیٹھنا فرض ہوتا تو حضرت علیؓ اس سے ضرور باخبر ہوتے۔ حضرت علیؓ تو کہتے ہیں "جب تم نے نماز کے آخری سجدہ سے سر اٹھا لیا تو

---

[1] مگر سوال یہ ہے کہ آیا فجر کی سنّتیں رات کی نماز میں شمار ہوتی ہیں؟

تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔ اگر چاہو اُٹھ کھڑے ہو اور اگر چاہو بیٹھے رہو (شرح معانی الآثار ۱ : ۲۷۳)۔ اس کے نظائر و امثال لاتعداد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اُن کا قافیہ تنگ ہوتا ہے تو ایسی باتوں کی آڑ لیتے ہیں اور وہ اس کے اولین تارک ہوتے ہیں ــــــ وباللہ تعالٰی التوفیق

اگر ہمارے مخالفین کہیں کہ جو صحابہ سنتوں کے بعد لیٹا نہیں کرتے تھے پھر ان کی نماز باطل ہوتی۔ ہم کہیں گے کہ مجتہد کو اس کی نماز کا اجر ملے گا۔ اگرچہ نص اسے معلوم نہ ہو سکی ہو۔ اصل فیصلہ تو اس کے بارے میں ہونا چاہیے جس پر حجت تمام ہو چکی ہو اور اس کے باوجود وہ اس پر عمل پیرا نہ ہو۔

پھر ہم ان کے استدلال کو انہی پر لوٹاتے ہوئے مالکیہ اور شافعیہ سے کہتے ہیں بتائیے کہ جب ابن مسعودؓ اور ان کے ہمنوا ذکر کو چھونے سے وضو کو ضروری نہیں سمجھتے تھے تو کیا تمہارے خیال میں ان کی نماز باطل ہوتی؟ احناف سے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے نزدیک ناک یا پھنسی سے خون نکلے تو نماز فاسد نہیں ہوتی تو کیا تمہارے نزدیک ان کی نماز فاسد ٹھہری۔ پھر ان تمام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زُبیر، ابن عباس، اُبی بن کعب، زید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک جماع بلا اِنزال سے غسل لازم نہیں آتا تو کیا ان کی نمازیں فاسد ہوئیں؟ اس کے نظائر و امثال بے شمار ہیں۔

ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کے پاس طعن و تشنیع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ الزام اُلٹا ان پر عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہم سے زیادہ صحابہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کا یہ سوال جس طرح ہم پر عائد ہوتا ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ پر بھی لازم آتا ہے۔

۵۲۰۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از عبداللہ بن یزید المقری، از سعید بن ابی ایوب، از ابوالاسود، از عُروہ بن زُبیر، از عائشہ رضی اللہ عنہا] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی سُنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔" (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۲۶ - ۱۲۷۔ کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از ثابت البنانی روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے رفقاء جب فجر کی سُنتیں پڑھتے تو لیٹ جاتے۔

نیز بطریق حجاج بن منہال، از جریر بن حازم، از محمد بن سیرین، روایت کیا ہے کہ ابو رافع، انس بن مالک اور ابو موسیٰ نماز فجر کی سُنتیں پڑھنے کے بعد اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۴۷)

نیز بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از عثمان بن غیاث بن عثمان روایت کیا ہے کہ کوئی شخص آتا اور حضرت عمرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہوتے وہ مسجد کی پچھلی جانب دو سُنتیں پڑھتا، اپنا پہلو زمین پر رکھتا اور جماعت میں شامل ہو جاتا۔[۱]

عبدالرحمٰن بن زید[۲] نے کتاب السبعہ میں لکھا ہے کہ سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، عُروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید بن ثابت، عُبید اللہ بن عبداللہ بن عُتبہ اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ فجر کی دو سنتوں اور فرضوں کے درمیان اپنے دائیں پہلو پر لیٹا کرتے تھے۔

اگر لیٹنے سے قاصر ہو تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا" اور حضورؐ نے فرمایا "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو اپنی استطاعت کی حد تک اس پر عمل کرو" (مسلم)

اس ضمن میں بھول جانے والے کا حکم دانستہ ترک کرنے والے کی مانند ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی فرض کو بھول جائے مثلاً نماز اور طہارت وغیرہ اس کی تکمیل اس پر فرض ہے۔ کیوں کہ اس نے نماز کو حسبِ مامور ادا نہیں کیا۔ الا یہ کہ کسی نص کی بنا پر اس سے ساقط ہو جائے۔

نسیان اور عمد کے درمیان فرق دو باتوں میں ہوتا ہے (۱) گناہ کا نہ ہونا کوئی جگہ بھی ہو (۲) جو شخص بھول کر

---

[۱] ابن حزمؒ اس اثر سے کیوں کر احتجاج کر سکتے ہیں جب کہ ان کا موقف یہ ہے کہ تکبیر ہونے کے بعد جو شخص نفل پڑھنا شروع کر دے اس کی نماز باطل ہے؛ اور اگر وہ نوافل ادا کر رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو گئی تو اس کی نماز فاسد ہو گی (احمد شاکر) (اس روایت سے احتجاج تو الزاماً ہے۔ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۲۵۱ پر موجود ہے لیکن بیچ کا جملہ "و یضع جنبہٗ فی الارض" نہیں ہے پتہ نہیں یہ طابع کی غلطی ہے یا ناسخ کی۔ واللہ اعلم ـــ ابوالاشبال پاکستانی)

[۲] مجھے نہیں معلوم کہ عبدالرحمٰن بن زید کون ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم متوفی ۱۸۲ھ مراد ہو جو کہ نہایت ضعیف راوی ہے۔ ممکن ہے اس نے فقہاء سبعہ کے فتاویٰ سے متعلق کوئی کتاب تحریر کی ہو۔ ہمیں اس کتاب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

کسی عمل میں اضافہ کرے، حالانکہ جس کام کا وہ مامور تھا وہ اس نے پُوری طرح ادا کر دیا، تو اس نے وہ کام کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ بھُول کر جو زائد کام کیا وہ لغو اور بے نتیجہ ہے۔

اگر نماز کا اعادہ کرنے کا وقت پائے تو لازم ہے کہ سُنتوں کے بعد لیٹے اور فرضوں کو دُہرائے۔ اور اگر نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد اعادہ پہ قادر ہو تو اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ نماز کے بعد لیٹنا کافی نہیں اس لیے کہ یہ اس کا موقع نہیں ہے۔ اور بلا موقع و مقام جو کام کیا جائے وہ کفایت نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اس طرح ادا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا[1] ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۲۔ نماز فجر کا فوت ہونا

اگر بھول کر یا سو جانے کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہو جائے تو جب یاد آئے اسے ادا کرے۔ خواہ آفتاب طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہو یا زیادہ فجر کی سُنتوں سے آغاز کرے، پھر لیٹ جائے۔ اس کے بعد فرض ادا کرے۔

---

[1] ابن حزمؒ نے اس مسئلہ میں حد درجہ مبالغہ آمیزی سے کام لیا اور ایسی بات کہی ہے جو ان کے کسی پیشرو نے نہیں کہی اور نہ ہی کسی دلیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جو احادیث فجر کی سُنتوں کے بعد لیٹنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ رات کو طویل قیام کرنے کے بعد نمازی آرام کرے اور فرضوں کو پوری مستعدی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جس حدیث میں لیٹنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ مگر یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ جو شخص نہ لیٹے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہر چیز جو واجب ہو اس کی حیثیت شرط کی نہیں ہوتی۔ (امام شوکانی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن حق وہی ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں تبویب کے ذریعہ اشارہ کر دیا ہے یعنی لیٹنا مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لیٹے تو اس کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ لیٹا اس لیے جاتا ہے کہ نمازی نماز کے انتظار کے لیے تھوڑا سا ستا لے۔ چنانچہ بخاری (ج ۲، ص ۱۲۷) اور مسلم (ج ۱، ص ۲۰۵) میں بطریق ابو سلمہ از عائشہؓ منقول ہے کہ رسول اکرمؐ "جب فجر کی سُنتوں سے فارغ ہوتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرنے لگ جاتے ورنہ لیٹ جاتے" یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ جو بات ہم نے کہی ہے اس سے صراحتہً ثابت ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے علامہ ابو الطیب م

جو شخص بھول جانے یا سو جانے کی بنا پر نماز سے غافل ہو جائے اس پر فرض ہے کہ اس جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ اگرچہ وہ جگہ اس سے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

۵۲۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از ابو داؤد، از موسیٰ بن اسماعیل، از ابان بن یزید العطار، از معمر، از زہری، از سعید بن المسیب] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں آپؐ اور صحابہؓ کے سوتے رہنے کی وجہ سے نمازِ فجر کے فوت ہو جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپؐ نے نماز اس وقت ادا کی جب آفتاب طلوع ہوا۔ آپؐ نے فرمایا جہاں تم غفلت کا شکار ہوئے اس جگہ کو چھوڑ دو۔ آپؐ نے بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان و اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب[۱]، عون المعبود، طبع دہلی، ج ۱، ص ۱۶۶)

۵۲۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق القاضی، از ابن الاعرابی، از محمد بن اسماعیل الصائغ، از عبداللہ بن یزید المقری، از اسود بن شیبان، از خالد بن سمیر، از عبداللہ بن رباح، از ابوقتادہ انصاریؓ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمراء کا ایک لشکر بھیجا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ ہم گھبرا کر نماز کے لیے اُٹھے۔ رسُولِ کریمؐ نے فرمایا ٹھہریئے ٹھہریئے! یہاں تک کہ سورج اونچا چڑھ آیا۔ آپؐ نے فرمایا "جس نے فجر کی سُنتیں پڑھنی ہوں پڑھ لے"۔ چنانچہ سُنتیں پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے سب کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اذان دینے کا حکم دیا۔ پھر رسُولِ کریمؐ کھڑے ہوئے اور ہمیں نماز پڑھائی (تا آخر)۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ بسند مختلفہ باختلافِ یسیر)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اگر سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں لیٹنے کا ذکر نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ راوی بعض اوقات سکوت اختیار کرتا ہے۔ جس طرح اس حدیث میں وضو، نیت باندھنے کی تکبیر اور سلام پھیرنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث لیٹنے کے حکم سے پہلے کی ہو۔

ظاہر ہے کہ تمام سُنتیں کسی ایک حدیث یا کسی آیت یا سورت میں مذکور نہیں ہوتیں۔ اس کو علت بنانے

---

[۱] شمس الحق عظیم آبادی ہندی کی کتاب (اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر، ص ۱۴۱-۲۰ طبع قدیم و ص ۵۲-۵۴ طبع جدید۔

سے پوری شریعت پر قدح وارد ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شریعت کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بکثرت آیات و احادیث میں سکوت نہ اختیار کیا گیا ہو۔ لہٰذا جو شخص بھی بھولی ہوئی نماز کے لیے اذان دینے، فرضی نماز سے قبل فجر کی سُنّتوں کو ادا کرنے، اور آہستہ روی اور نقل مکانی کے سلسلہ میں رسُولِ کریمؐ کے حکم کو بہانہ بنائے، اُس نے رسُولِ کریمؐ پر افترا پردازی کر کے اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنا لیا۔ حالانکہ حمّاد نے بطریق ثابت از عبداللہ بن رباح، از ابو قتادہ قضا شدہ نماز کے لیے اذان، اور فرضوں سے قبل فجر کی سُنّتیں ادا کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ (ابو داؤد کتابُ الصّلوٰۃ، باب ۱۱)۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں آیا ہے کہ رسُولِ کریمؐ نے اُن سے کہا "جو تم میں سے کل کو یہ نماز پائے تو اس وقت اتنی ہی نماز اسی کے مانند ادا کرے (ابو داؤد) ہم کہیں گے، یہ ٹھیک ہے لیکن بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "تم میں سے ایک شخص اگلے روز اس نماز کو بروقت ادا کرے" (نسائی) ایک روایت میں یُوں ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص جب کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے ادا کرے اور کل کو اسے وقت پر ادا کرے" (ابو داؤد) یہ بھی مروی ہے کہ صحابہ نے کہا یا رسُول اللہ! کیا ہم کل کو اس کی قضا پڑھیں؟ انہوں نے یہ بھی کہا "کیا ہم فلاں فلاں نماز نہ ادا کریں؟ یہ سُن کر آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں زائد عبادت سے نہیں روکتا اور اسے تم سے قبول کرتا ہے" (نسائی) یہ جملہ روایات صحیح اور باہم یک رنگ و ہم آہنگ ہیں۔

البتہ ان الفاظ میں اشکال ہے "جو شخص تم میں سے صبح کی نماز پائے تو اس کے ساتھ اتنی ہی نماز اسی کے مانند پڑھے" مگر غور کرنے پر یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ضمیر عربی زبان میں قریب ترین مذکور کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ نماز کی طرف۔ لہٰذا "معہا" کی ضمیر "غداۃ" کی طرف راجع ہے نہ کہ نماز کی طرف۔ مطلب یہ ہُوا کہ اس نماز کی طرح ادا کرے اس پر اضافہ نہ کرے یعنی وہ نماز اسی طرح ادا کرے جیسے روز کرتا ہے۔ اس طرح جملہ احادیث باہم منطبق و متفق ہو جائیں گی۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مطلب درست نہیں[1] ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۳۔ نماز کے شرائط اور اس کا طریقہ

نماز تبھی کفایت کرتی ہے جب پاکیزہ کپڑے پہن کر، پاک جسم کے ساتھ پاک جگہ میں ادا کی جائے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم نے

[1] محلی مسئلہ نمبر ۲۸۶۔ نیز الاحکام (ج ۷، ص ۱۰۸) بھی دیکھیے۔

ان اشیاء کا تذکرہ کیا ہے جن سے اجتناب واجب ہے۔ جو شخص ان سے اجتناب کیے بغیر نماز ادا کرے اس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ ہم نے رسولِ کریم ؐ کے اس حکم کا تذکرہ کیا ہے کہ جس جگہ پر نماز ادا کی جائے اس کو صاف کیا جائے۔ ہم آگے چل کر مع الاسناد ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے آپؐ نے فرمایا" میرے لیے ہر پاک زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر-۴) "اپنے کپڑوں کو صاف رکھ۔"

جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ثیاب سے قلب مراد ہے وہ بلا دلیل آیت کی تخصیص کرتا ہے۔ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں ثیاب اُن کپڑوں کو کہتے ہیں جو زیب تن کیے جاتے ہیں۔ اس کو بلا دلیل دل کی طرف منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی دو حالتیں ہیں، تیسری کوئی نہیں (۱) نماز کی حالت (۲) وہ حالت جب وہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جس شخص کے بدن یا کپڑوں یا دُبر میں ایسی چیز ہو جس سے اجتناب ضروری ہے تو وہ شخص نماز کی حالت میں اس سے پرہیز کرتا ہے دوسری حالت میں نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا نماز کی حالت میں یہ مباح ہے یا نہیں؟ جب وہ حالت نکل گئی جس میں نماز ادا نہیں کی جاتی تو اب یقینی اجماع کی بنا پر نماز کی حالت باقی رہی جس میں اللہ و رسول ؐ کے اوامر و احکام کی تعمیل فرض ہے ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۴۳۔ نماز شروع کرنے کے بعد نجاست کا معلوم ہونا

اگر کسی شخص نے ٹھیک حالت میں نماز کا آغاز کیا۔ پھر اس کے بدن، کپڑوں یا نماز گاہ کو ایسی چیز لگ گئی جس سے اجتناب ضروری تھا، اگر اسے اس نجاست کا پتہ چل جائے تو کپڑے کو اُتار دے۔ خواہ وہ برہنہ رہے بشرطیکہ اسے سردی سے تکلیف نہ ہو۔ اس جگہ سے ہٹ جائے اور اس نجاست کو اُس چیز کے ساتھ زائل کرے جس کے ساتھ زائل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ پھر اسی نماز کو جاری رکھے۔ اس کے سوا اس کے لیے کوئی اور بات ضروری نہیں۔ اگر بھول کر اس نے کوئی ایسا کام کیا جو نماز کی حالت میں اس پر فرض تھا تو اس کو ترک کر کے نماز کو مکمل کرے۔ اور اس کام کو اسی طرح انجام دے جس طرح اُسے حکم دیا گیا ہے۔ پھر

سجدۂ سہو کرے۔

اگر سلام پھیرنے کے بعد ایسی حالت درپیش ہو تو بھی اسی طرح کرے بشرطیکہ اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو۔ اگر وضو ٹوٹ گیا ہو تو جب یاد آئے نماز کا اعادہ کرے۔ اور اگر حالتِ نماز میں یہ صورتِ حال پیش آئی کہ ایسے کام کو ترک کیا کہ اس کے نہ کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، مثلاً سورۂ فاتحہ کے ساتھ سُورت ملانا بھُول گیا یا رکوع و سجدہ، دو سجدوں کے درمیانی جلسہ، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور تشہّد کے بعد جلسہ میں طمانیت و اعتدال پر عمل پیرا نہ ہُوا تو اس کی نماز مکمل ہے اور اس پر صرف سجدۂ سہو ضروری ہے۔

اگر دانستہ مذکورہ بالا کام کرے تو اس کی نماز باطل ہوتی، گویا اُس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ بھُول جانے کی وجہ سے جس کی نماز رہ جائے وہ ہمیشہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا" جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا سو جانے کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کر لے"۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

بھُول جانے والا وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو جانتا ہو اور پھر اسے یاد نہ رہے۔ اور بحکمِ لغت وضرورت نماز کا ایک حصہ بھی نماز ہی ہوتا ہے۔ یہی حکم ہے اُس شخص کا جو طہارت کو بھُول جائے۔ یا اپنے بعض اعضاء کو یا ستر عورت کو ڈھانکنا بھُول جائے۔ اگر اسی حالت میں نماز کا آغاز کیا تو اس کا اعادہ کرے۔ اور یہ ایک ثابت شُدہ حقیقت ہے کہ جو شخص دانستہ ان باتوں کا ارتکاب کرے وہ نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کرنے کا مجاز ہے۔ اور جن باتوں کا تذکرہ ہم نے کیا ہے وہ سب یکساں ہیں۔

باقی رہا جاہل یعنی وہ شخص جس کو ان باتوں کا پتہ نماز کی حالت میں یا اس کے بعد چلے۔ مثلاً اس کے کپڑوں یا بدن پر یا نماز کی جگہ پر ایسی چیز لگی تھی جس سے اجتناب واجب تھا مگر اسے معلوم نہ تھا، تو یہ شخص جو کچھ بھی اُس نے پڑھا ہے نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا سَتر کھلا ہو اور اُسے معلوم نہ ہو، یا جس کو طہارت یا نماز کے کسی فرض کا علم نہ ہو اور بعد ازاں پتہ چلے، تو یہ لوگ نماز کے وقت میں اعادہ کر سکتے ہیں اس کے بعد نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ سرزمینِ حبشہ اور دیگر بلاد میں اقامت گزیں تھے اور فرائض اُتر رہے تھے

مثلاً تحویلِ قبلہ کا حکم۔ فرائض میں اضافہ بھی ہو رہا تھا، تاہم آپ نے ان کو کسی چیز کے اعادہ کا بھی حکم نہیں دیا جس شخص کے بارے میں آپ کو معلوم تھا کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا اسے نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ جس شخص کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو جب اُسے علم حاصل ہو اُس کا اعادہ کرے بشرطیکہ وقت موجود ہو۔

باقی رہا وہ شخص جسے مجبور کیا گیا ہو یا کسی بیماری اور ضرورت کی بنا پر عاجز ہو تو مذکورہ تمام مسائل میں اگر جبر یا عذر نماز کے بعد زائل ہُوا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اس لیے کہ حضور کا ارشادِ گرامی ہے:

"جب مَیں تم کو کسی بات کا حکم دُوں تو اپنی استطاعت کی حد تک اس کی تعمیل کرو۔" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم و نسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمہ)

اور اگر یہ عذر نماز کے اندر زائل ہُوا تو اسی نماز پر بنا کرے اور جیسے کر سکتا ہو اس کی تکمیل کرے نیز جو کچھ اس نے قدرت حاصل ہونے سے پہلے کیا ہے اس کو ٹھیک تصور کرے۔ اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

ہم نے جو کچھ اوپر ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے وہ کام کیا جس کا وہ مامور بہ ہے وہ نماز کے اندر جائز ہے قلیل ہو یا کثیر۔ اسی طرح نماز کی حالت میں جس چیز سے اجتناب فرض ہے اس کا ازالہ نماز کی حالت میں مامور بہ ہے، لہٰذا وہ نماز کے اندر جائز ہے۔

ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ نجاست والے کپڑے کو اُتار دے خواہ وہ برہنہ رہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اندریں صورت نمازی پر دو فرض جمع ہو گئے ہیں (۱) پردہ پوشی ، (۲) اس چیز سے پرہیز جس سے اجتناب واجب ہے۔ دونوں میں سے ایک پر عمل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہُوئے وہ اس چیز سے پرہیز نہ کرے جس سے پرہیز ضروری ہے تو اس نے دانستہ نماز کی حالت میں فعلِ حرام کا ارتکاب کیا۔ اس طرح اس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ لہٰذا اس کی نماز نہیں ہوئی، اور جب اسے کپڑا نہیں ملا تو وہ اسی جیسے کپڑے کے ساتھ پردہ پوشی کے لیے مامور ہے۔ اس طرح وہ پردہ پوشی پر قادر نہیں ہے، اور جس بات کی آدمی میں قدرت نہ ہو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ

مکلف نہیں کرتا۔" (البقرہ - ۲۸۶)

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ - (الانعام - ۱۱۹)

"اس نے جس چیز کو تم پر حرام کیا ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے مگر وہ چیز جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ۔"

اور آدمی اس لباس کی طرف مجبور نہیں جس کے اتارنے پر قادر ہو۔ اور نہ ہی اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور ہے جس کو وہ چھوڑ سکتا ہو۔ البتہ جب مباح لباس دستیاب نہ ہو تو وہ برہنہ ہونے پر مجبور ہے۔ اگر سردی کا خطرہ دامنگیر ہو تو اس کے ازالہ کے لیے وہ لباس پہننے پر مجبور ہے پس وہ اسی لباس کو پہن کر نماز ادا کرے گا اور اس پر کوئی (کفارہ وغیرہ) نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس حالت میں وہ اس کے لیے مباح ہے۔

ہمارا یہ قول کہ اگر بھول کر نماز کی حالت میں ایسا کام کیا جو نماز میں فرض تھا، تو اسے ترک کر دے نماز کو مکمل کرے اور اس کام کو حسبِ مامور ادا کرے۔ خواہ سلام کے بعد ہو بشرطیکہ وضو نہ ٹوٹا ہو۔ اس لیے کہ نماز کی حالت میں جو کام بھول کر کیا جائے وہ معاف ہے، اور اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب۔۵)

"اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو تم بھول کر کرو مگر وہ کام جو تمہارے دل دانستہ کریں۔"

نیز رسولِ کریمؐ کے اس فرمان کی بنا پر جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ:

"جو شخص نماز میں بھول کر کمی بیشی کرے" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد بالفاظِ مختلفہ)۔ اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص نماز کو مکمل کرے اور سجدۂ سہو کرے۔ ظاہر ہے کہ اس شخص نے بھول کر نماز میں اضافہ کیا ہے۔ اگر دانستہ کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی۔

ہمارا یہ قول کہ اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے تو جب یاد آئے اس کا اعادہ کرے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو جب یاد آئے نماز ادا کرے۔" (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور نماز کا ایک حصہ بھی نماز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ادا کرنا اس پر فرض ہے۔ اور جس چیز کو بھول گیا ہو

اسے ادا کرے۔ جن چیزوں کے بغیر نماز درست نہیں مثلاً وضو یا غسل یا نماز کی ترتیب، اگر ان کو بھول جائے تو اس کو مکمل کرے۔

ہمارا یہ قول کہ اگر اس کا ارتکاب اس نے نماز میں اس طرح کیا کہ اس کے دانستہ ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہوتی ہو، اور جو کچھ ہم نے اس سے قبل کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نماز کے تمام ارکان پوری طرح مکمل کر لیے اگرچہ ان زائد اعمال کے بغیر بھی نماز جائز تھی تاہم وہ نماز کے اندر شامل ہیں۔ اور اگر دانستہ ان میں ایسا کام کرے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی۔ اور ان میں وہ چیز بھی شامل ہے جو اس نے بھول کر نماز میں انجام دی اور اس میں اضافہ کر دیا جو اس کے لیے جائز نہ تھا۔ تو اندریں صورت اس پر سجدۂ سہو لازم ہو گا جیسا کہ ہم آگے چل کر سجود السہو کے باب میں ذکر کریں گے ــــــ ان شاء اللہ تعالیٰ

ہم نے رسولِ اکرمؐ سے روایت کیا ہے کہ نجاست کی وجہ سے آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے (ابوداؤد، دارمی، احمد)۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب تم اپنے کپڑے میں نجاست دیکھو تو اسے اتار کر نماز کو جاری رکھو۔ امام ابوحنیفہ اور مالکؒ نے نماز کی حالت میں نکسیر کا خون دھونے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ جس شخص کے کپڑے کو نجاست لگی ہو خواہ دانستہ ہو یا بھول کر وہ نماز کے وقت میں اس کا اعادہ کر سکتا ہے اُس کے بعد نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام مالکؒ کا یہ موقف درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں:

(۱) اس شخص نے مامور بہ نماز ادا کی ہے۔ (۲) اس نے مامور بہ نماز ادا نہیں کی۔

بصورتِ اوّل وہ ایک دن میں ظہر کی نماز دو دفعہ ادا نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ جو نماز وہ ادا کر چکا اس کو دوبارہ ادا کرنے کا کیا مطلب؟ بصورتِ ثانی جب اس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی تو وہ آئندہ جب چاہے ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا قول ہٰذا کا بطلان واضح ہوا۔

مزید برآں ان سے کہا جائے گا کہ بتایئے وہ کون سی نماز ہے جس کو بروقت ادا کرنے کا حکم تم دیتے ہو لیکن بعد از وقت نہیں؟ کیا یہ نماز تمہارے نزدیک فرض ہے یا نفل؟ تیسری کوئی قسم نہیں۔ نیز یہ کہ وہ کس نیت کے ساتھ اس کو ادا کرے گا؟ آیا فرضوں کی نیت کے ساتھ جو اس وقت میں اس کے لیے لازم الادا ہیں یا نوافل کی نیت کے

ساتھ؟ یا کسی نیت کے بغیر، نہ فرائض کی نیت اور نہ ہی نوافل کی؟

اگر تم کہو کہ یہ فرائض ہیں اور ان کو فرضوں کی نیت کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے متفقہ طور پر یہ ضابطہ طے کر رکھا ہے کہ فرائض ہمیشہ ادا کیے جاتے ہیں اور وقت کے چلے جانے سے ساقط نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہ تناقض ہے اور تم خود ہی اپنے ضابطہ کو توڑ رہے ہو۔ اور اگر یہ نوافل ہیں اور ان کو نفلوں کی نیت سے شروع کیا جاتا ہے تو فرض دنیا میں نوافل کا بدل نہیں بن سکتے۔ نیز کسی کے لیے روا نہیں کہ دانستہ طور پر فرائض کو ترک کر کے ان کے عوض نفل ادا کرے۔ اس کا فتویٰ دینا بھی حلال نہیں بلکہ بلاشبہ کفر کا مترادف ہے۔

اور اگر تم یہ کہو کہ اس نماز کو نہ فرائض کی نیت کے ساتھ ادا کیا جائے گا نہ نوافل کی نیت سے۔ تو یہ بات یقیناً باطل ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا "اعمال کے اجر و ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

لہٰذا نیت کے بغیر اس کو عمل ہی قرار نہیں دیا جا سکتا پس تم نے ناروا باطل کا حکم دیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عمد و نسیان دونوں حالتوں میں اس کا اعادہ کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ قول مبنی بر خطا ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا "میری اُمت سے بھول چوک اور اس بات کو اٹھا لیا گیا ہے جس پر اُن کو مجبور کیا جائے۔" (طبرانی عن ثوبان) نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن	"جو کام تم بھول کر کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب۔۵)	جو تمہارے دل دانستہ کریں اس میں گرفت ہے۔"

اَحناف کا موقف

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز کی حالت میں جس کے پاؤں کی جگہ پر نجاست پڑی ہو، اور وہ بغلی درہم سے زیادہ ہو۔ خواہ کوئی بھی نجاست ہو اس کی نماز باطل ہوتی۔ خواہ بھول کر ہو یا دانستہ۔ اگر بغلی درہم کے برابر یا اس سے کم ہو تو اس کی نماز عمد و نسیان دونوں حالتوں میں مکمل ہو گئی۔ اگر بغلی درہم سے زیادہ ہو اور اس کے ہاتھ یا زانو رکھنے کی جگہ پر یا اس کی بغلوں کے برابر ہو تو اس کی نماز عمد و نسیان دونوں حالتوں میں درست ہو گی۔ اگر سجدہ کی جگہ پر ہو تو اس کے بارے میں آپ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول کے مطابق عمد و نسیان دونوں حالتوں میں اس کی

نماز ٹھیک ہے، اور دوسرے قول کے مطابق دونوں حالتوں میں نماز باطل ہوئی۔

زفر کا قول بھی یہی ہے۔ ان تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کی رائے بھی یہی ہے۔ البتہ سجدہ گاہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اگر نجاست سجدہ گاہ پر ہو تو اس کا ایک سجدہ باطل ٹھہرا۔ گویا اس نے سجدہ کیا ہی نہیں۔ اگر نمازی نے حالتِ نماز میں یہ سجدہ (دوبارہ) کر لیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اور اگر نماز ختم کرنے تک یہ سجدہ نہ کیا تو اس کی ساری نماز باطل ٹھہری۔

اس ضمن میں احناف کی دلیل ان کے قول سے بھی زیادہ ساقط الاعتبار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ اور زانو نہ بھی رکھتا تو اس کی نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوتا برخلاف پاؤں کے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ احتجاج للباطل بالباطل کی بدترین قسم ہے۔ اس میں نماز کی تخفیف و توہین پائی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق اگر کوئی شخص بلا عذر اپنی پیشانی زمین پر نہ بھی رکھے تو اس کی نماز درست ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز پڑھتا ہو اور اس کے کپڑے پر ایک درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو، البتہ نجاست ایسی جگہ ہو جو اس کے جسم سے الگ رہتی ہے اور وہ جسم کے ساتھ نہ لگی ہو۔ نمازی جب رکوع و سجدہ اور قیام کے لیے جب حرکت کرتا ہے، اگر اس کے حرکت کرنے سے نجاست متحرک ہو جاتے تو اس کی نماز باطل ہوتی ورنہ نہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں اگر نمازی نے اوپر نیچے دو کپڑے پہن رکھے ہوں، اور وہ ایک کپڑے کے جا بجا ہوں، اگر نچلے کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو اور وہ اوپر تک نہ پہنچتی ہو تو بھی اس کی نماز باطل ہوتی۔ محمد کہتے ہیں اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ دو کپڑے ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے سپاس گزار ہیں کہ ہمارا دامن ایسے اقوال سے پاک ہے۔ علمائے سلف میں سے کوئی بھی ان میں سے کسی قول کا قائل نہیں۔ اللہ و رسول کے احکام سے تمسک کرنے والوں کے لیے جو اس کی صحت نقل کے ہر طرح ذمہ دار ہیں یہ اقوال بڑے ہی حیرت افزا ہیں۔ کائناتِ ارضی پر بسنے والے مسلمانو! یہ بات کس قدر حیرت ناک ہے کہ کتاب و سنت سے استناد کرنے والوں سے تو یہ بات پوچھی

جاتی ہے کہ فلاں قول کا قائل کون ہے ؟ مگر جو شخص اپنی رائے سے اس قسم کے اقوال فاسدہ ومتناقضہ بیان کرتا ہے اور سلف میں سے کوئی بھی اس کا ہمنوا نہیں ہوتا اس سے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کس کا قول ہے ؟

وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَلَہُ الْحَمْدُ عَلٰی ھِدَایَتِہٖ لَنَا وَتَوْفِیْقِہٖ اِیَّانَا۔

۳۴۵۔ محبوس (قیدی) کی نماز جو شخص کسی جگہ قید ہو، اور اس میں ایسی چیز ہو جس سے اجتناب لازم ہے مگر وہ اس کو اپنے جسم اور کپڑوں سے دُور کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ جیسے بھی ہو نماز ادا کرے۔ اس کی نماز اس کے لیے کفایت کرے گی۔ اگر اس کے سجدہ یا بیٹھنے کی جگہ پر (نجاست) ہو اور دوسری کوئی جگہ موجود نہیں تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے، جہاں تک ممکن ہو قریب ترین جگہ پر بیٹھے اور نجاست پر نہ بیٹھے اسی طرح اپنی پیشانی اور ناک اس سے قریب ترین جگہ پر رکھے مگر ان کو نجاست پر نہ رکھے۔ اگر کوئی شخص دانستہ اس پر بیٹھا یا اس پر سجدہ کیا حالانکہ وہ اس کے ترک کرنے پر قادر تھا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کی دلیل آیتِ کریمہ " لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا " (یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا) اور رسُولِ کریمؐ کی یہ حدیث ہے کہ "جب مَیں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تعمیل کرو" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جس بات کی انسان میں استطاعت نہ ہو اس کی تعمیل ضروری نہیں۔ البتہ جس بات کی قدرت ہو اس کی تعمیل ناگزیر ہے ——— وَبِاللّٰہِ تعالیٰ التوفیق۔

۳۴۶۔ سترِ عورت (پردہ پوشی) فرض ہے دیکھنے والے کی آنکھ سے اپنے ستر کو چھپانا فرض ہے۔ تمام نمازوں میں یہ امر فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ خواہ کوئی شخص موجود ہو یا نہ ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ۔	"اہلِ ایمان سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ۔ (النور۔ ۳۰)	"مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں

جس نے اپنی شرمگاہ کو اُس کے لیے کھولا جس کے لیے وہ مُباح نہیں تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

قرآن میں فرمایا:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف۔ ۳۱) "ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو"

اس بات پر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ زینت سے ستر عورت مُراد ہے۔

۳۴۷۔معذور شخص کا حکم (ستر عورت کی پردہ پوشی کا ضروری ہونا) عامد کے لیے ہے۔لیکن جس کو وہ کپڑا میسّر نہ ہو جس میں نماز مباح ہے، یا اسے مجبور کیا جائے یا وہ بھول جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔اِس لیے کہ ارشاد باری ہے کہ "وہ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا" (سورۃ بقرہ) نیز فرمایا "جو بات تم بھُول کر کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، گرفت اس بات پر ہے جو تمہارے دل دانستہ کریں" (سورۃ احزاب)

نیز حضورؐ نے فرمایا "میری اُمّت کو خطا و نسیان معاف کر دیا گیا ہے اور وہ بات (بھی معاف ہے) جس پر ان کو مجبور کیا جائے" (طبرانی عن ثوبان)

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں ہمارا فیصلہ وہی ہے جو ہم نے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اس حال میں نماز ادا کرے جب کہ وہ ایسی چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اجتناب ضروری ہے۔اس مسئلہ میں اور مندرجہ ذیل مسائل میں کچھ فرق نہیں، دونوں بالکل یکساں قسم کے ہیں۔وہ مسائل حسبِ ذیل ہیں:

۱۔جو شخص بھُول کر برہنہ نماز ادا کرے تو جو فرائض اُس نے اس حالت میں ادا کیے ہیں ان کو نظر انداز کر کے حسبِ مامور دوبارہ ادا کرے۔

۲۔جو نماز اس نے کپڑے پہن کر ادا کی ہو اس پر بناء کرے اور سجدہ سہو ادا کرے۔

۳۔نماز کا جو حصّہ اُس نے اس حالت میں ادا کیا، اگر وہ ایسا ہے کہ اگر اسے نہ بھی ادا کرتا تو نماز ہو جاتی وہ جائز ہے۔مگر اسے سجدہ سہو ادا کرنا ہوگا ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۴۸۔نماز کے کسی مؤخّر رُکن کو مُقدّم کرنا جائز نہیں اگر کوئی شخص بھُول کر، یا دانستہ یا لاعلمی کی بنا پر برہنہ حالت میں نماز کی تکبیر کہے یا نماز کی حالت

ہیں ان اُمور سے اجتناب نہ کرے جن سے اجتناب فرض ہے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ اس نے نماز کا آغاز حسبِ مامور نہیں کیا۔ وہ اداکردہ نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔ کسی مؤخر رکن کو اس رکن سے مقدم نہیں کیا جا سکتا جو ترتیب میں اس سے پہلے ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ نے فرمایا "جس نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ رد کیے جانے کے لائق ہے۔" (بخاری، مسلم)

۳۴۹۔ ستر کی حدود

مرد کے لیے عام ناظرین سے اور نماز کی حالت میں جن اعضاء کو چھپانا ضروری ہے وہ آلۂ تناسل اور دُبر کا حلقہ ہے۔ مرد کے لیے ران کا چھپانا ضروری نہیں۔ عورت کے لیے تمام جسم کو چھپانا ضروری ہے ماسوا چہرے اور ہاتھوں کے۔ ان جملہ امور میں آزاد مرد اور غلام نیز آزاد عورت اور لونڈی سب مساوی ہیں۔ ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

۵۲۳۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ از احمد بن محمد از احمد بن علی از مسلم بن حجاج، از سعید بن یحییٰ اُموی، از والد خود، از عثمان بن حکیم بن عبّاد بن حُنَیف انصاری، از ابو اُمامہ بن سہل بن حُنَیف، از مسور بن مخرمہ] روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بھاری پتھر اٹھا کر لایا۔ میں نے ایک معمولی سا تہبند باندھ رکھا تھا۔ میرا تہبند کھل کر گر گیا اور پتھر کی وجہ سے میں اسے تھام نہ سکا حتیٰ کہ میں نے پتھر کو اس کی جگہ پر پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر رسولِ کریمؐ نے فرمایا "وہاں جا کر اپنا تہبند لے لو اور برہنہ ہو کر نہ چلا کرو۔" (مسلم الطہارت باب ۵۳، ابو داؤد کتاب الحمام ۳)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تہبند باندھنا فرض ہے۔

۵۲۴۔ ران کے ستر عورت نہ ہونے کے بارے میں ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از یعقوب بن ابراہیم، از ابن عُلَیہ یعنی اسماعیل بن ابراہیم، از عبدالعزیز بن صُہیب، از انس بن مالکؓ] روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے خیبر پہنچ کر نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کی۔ رسولِ کریمؐ سوار ہو گئے اور ابو طلحہؓ بھی سوار ہوئے۔ میں ابو طلحہؓ کی سواری پر اُن کے پیچھے بیٹھا تھا۔ رسولِ اکرمؐ خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو دوڑا رہے تھے۔ میرے زانو رسولِ کریمؐ کی ران سے چھو رہے تھے۔ آپؐ نے اپنی ران سے چادر کو ہٹایا حتیٰ کہ میں رسولِ کریمؐ کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا (تا آخر) (بخاری)

کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲، مسلم کتاب النکاح باب ۱۴، والمغازی باب ۴۵، ابو داؤد کتاب الخراج باب ۲۴، نسائی کتاب النکاح باب ۷۹)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ران ستر میں شامل نہیں۔ اور اگر ستر میں شامل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاک اور معصوم نبی کو اس کے کھولنے کی اجازت نہ دیتے۔ اور نہ ہی انس بن مالک اور دوسرے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ حالانکہ حضورؐ نے بچپن کے زمانہ میں اور قبل از نبوت بھی اپنے ستر کو کبھی نہیں کھولا تھا جیسا کہ

۵۲۵۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از زُہیر بن حرب، از رَوح بن عُبادہ، از زکریا بن اسحاق، از عمرو بن دینار] روایت کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے جابرؓ بن عبداللہ کو یہ ذکر کرتے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ کعبہ کے لیے پتھر لا رہے تھے اور آپؐ نے تہبند باندھ رکھا تھا۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا "بھتیجے! بہتر ہوتا کہ آپ تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لیتے تاکہ اس پر پتھر کا نشان نہ پڑتا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے تہبند کھول کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس کے نتیجہ میں آپ پر غشی طاری ہو گئی اور گر پڑے۔ اس کے بعد آپؐ کو کبھی برہنہ حالت میں نہ دیکھا گیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۸، مسلم کتاب الطہارۃ، باب ۵۲)

۵۲۶۔ اسی طرح ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جُریج، از عمرو بن دینار] روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو یہ بیان کرتے سنا کہ جب کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اپنا تہبند کندھے پر رکھ لیجیے تاکہ پتھر کا نشان نہ پڑے۔ جب آپؐ نے ایسا کیا تو غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ پھر کھڑے ہو کر فرمانے لگے "میری چادر، میری چادر"۔ پھر آپؐ نے تہبند باندھ لیا۔ (عبدالرزاق، ۱: ۲۸۶ و بخاری کتاب الحج والمناقب، ومسلم کتاب الطہارہ باب ۵۲)

۵۲۷۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از زُہیر بن حرب، از اسماعیل بن ابراہیم یعنی ابن عُلَیہ، از ایوب سَختیانی، از البراء یعنی ابو العالیہ] روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن صامت نے میری ران پر ہاتھ مارا اور کہا مَیں نے ابوذرؓ سے سوال کیا تو انہوں نے میری ران پر

اسی طرح ہاتھ مارا جیسے مَیں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے۔ پھر کہا کہ مَیں نے رسُول کریمؐ سے سوال کیا جیسے تم نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ آپؐ نے میری ران پر ہاتھ مارا جیسے مَیں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے۔ پھر فرمایا "نماز وقت پر ادا کیا کرو۔ اس کے بعد اگر تم اُن (حکام و اُمراء) کے ساتھ نماز پاؤ تو اُن کے ساتھ مل کر پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ مَیں نماز پڑھ چکا ہوں لہٰذا اب نہیں پڑھوں گا۔"[1] (مسلم الصلوٰۃ ص ۹۴، ونسائی باب ۱۹۴ و ۲۴۷)۔

اگر ران ستر میں شامل ہوتا تو رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنا مقدس ہاتھ ابوذرؓ کے ران پر نہ مارتے اگر ابوذرؓ کے نزدیک ران ستر میں شامل ہوتا تو اس پر اپنا ہاتھ نہ مارتے۔ حضرت عبداللہ بن صامت اور ابوالعالیہ کے بارے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلم کے لیے روا نہیں کہ کسی انسان کے آلۂ تناسل یا حلقۂ دُبر کو کپڑوں سمیت چھُوئے۔ اسی طرح اجنبی عورت کے بدن کو بھی کپڑوں سمیت چھُوا نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے سرین پر کپڑوں سمیت لات مارے تو رسُول کریمؐ نے اس کا قصاص لینے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا "چھوڑیئے یہ بدبُودار ہے۔" (بخاری تفسیر سورۃ ۶۳۔ مسلم کتاب البر۔ ترمذی کتاب التفسیر سورۃ ۶۳۔ احمد ۲: ۳۳۸، ۳۸۵، ۳۹۳)

اگر معترض کہے کہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا تھا حتیٰ کہ بنواسرائیل نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے خُصیتین پھُولے ہُوئے نہیں ہیں (بخاری، مسلم الطہارۃ ونیز مسلم الفضائل و مُسند احمد ۲: ۳۱۵ و ۵۱۵)، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ حدیث دو وجہ سے آپ کی دلیل نہیں بن سکتی :

پہلی وجہ یہ ہے کہ مُوسوی شریعت میں پردہ کھولنے کا جو حکم تھا وہ ہماری شریعت میں نہیں ہے۔ اسی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ بنواسرائیل برہنہ غسل کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام تنہا غسل کر رہے تھے۔ کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ آپ نے بنواسرائیل کو برہنہ غسل کرنے سے منع کیا ہو۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام فرطِ حیاء کی وجہ سے چھپ کر غسل فرماتے تھے۔ جس طرح رسُولِ کریمؐ نے حضرت عثمانؓ سے شرما کر اپنی پنڈلی چھپا لی تھی۔ حالانکہ پنڈلی کسی کے نزدیک بھی ستر میں شمار نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ کی شرمگاہ کو دیکھا تھا

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۴، ۱۰۵۔

جو کہ ستر میں شامل ہے۔ بخلاف ازیں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا جس سے ان پر واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ اس مرض میں مبتلا نہیں جس میں وہ آپ کو مبتلا سمجھتے تھے ظاہر ہے کہ شرمگاہ کو دیکھے بغیر بھی ایسی بات کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دونوں رانوں کے درمیان جگہ خالی ہو (اور اس مرض کا کوئی نشان نہ پایا جاتا ہو) اس طرح مخالفین کا احتجاج اس حدیث کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

اگر مخالفین وہ احادیث ضعیفہ پیش کریں جن میں آیا ہے کہ ران ستر میں شامل ہے تو ان کا استدلال بے کار ہے۔ اس لیے کہ ایسی تمام احادیث ساقط الاحتجاج ہیں۔

باقی رہی جُوَیبر سے مروی حدیث جو کہ ابن جوہر سے روایت کرتا ہے تو وہ مجہول ہے۔ اس طرح یہ حدیث دو مجہول راویوں سے منقول ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے۔

یہ روایت عمرو بن شُعَیب از والدِ اُو از جدّ اُو بھی منقول ہے مگر یہ روایت بذریعہ صحیفہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) ہے اور اس سند سے ایسے مسائل بھی اس صحیفہ میں مذکور ہیں جن کو ہم نے مختلف مقام پر ذکر کیا ہے جن کو مخالفین تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً اسی سند کے ساتھ اسی صحیفہ میں مروی ہے کہ رسُولِ اکرمؐ نے فیصلہ کیا اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی وفات کے بعد اس کے وارث دعویٰ کریں کہ فلاں بچہ جسے میّت کی اولاد کے طور پر پکارا جاتا ہے اُسی مرنے والے کا ہے۔ اگر وہ بچہ اس لونڈی سے پیدا ہُوا ہو جو بروز مجامعت اس کی ملکیت تھی تو اس بچّے کا نسب اس میّت سے ثابت ہو جائے گا۔ جو وراثت قبل ازیں تقسیم ہو چکی اُس میں سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ اور جو تقسیم ہونا باقی ہے اُس میں سے اُس بچّے کا حصّہ نکالا جائے گا۔ اور اگر اُس شخص نے جس کی طرف بچّے کو منسوب کیا جاتا ہے اُس کی اولاد ہونے سے انکار کیا ہو تو اس کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔ (ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۲۹، ابن ماجہ کتاب الفرائض باب ۱۴، دارمی کتاب الفرائض باب ۴۵)۔

اسی صحیفہ میں اسی سند کے ساتھ ایک مرفوع روایت اور بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ وضو کرتے وقت اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا جائے جس نے اس میں کمی بیشی کی اُس نے بُرا کیا اور اپنی جان پر ستم ڈھایا (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ)۔ اسی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ آپؐ نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصّلوٰۃ و احمد ۲: ۱۷۹ فی حدیث طویل) نیز فرمایا جب کسی

عورت کا نکاح ہو جاتے اور اس کا خاوند اس کی عصمت کا مالک بن جائے تو عورت اپنے مال میں تصرّف نہیں کر سکتی (ابوداؤد، البیوع باب ۸۶، نسائی العمریٰ باب ۲)۔ علاوہ ازیں یہ روایت کہ "اگر کسی کی آنکھ اپنی جگہ پر موجود ہو (تو اس کی بصارت زائل ہو جانے سے) ایک تہائی دیت ادا کرنا ہوگی (ابوداؤد الدیات باب ۲۰ والنسائی القود باب ۳۷) اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔

قبیصہ بن مخارق کی روایت میں ہے کہ ران ستر میں شامل ہے۔ مگر اس کی سند میں سلیمان بن سلیمان، محمد بن عقبہ اور جریر بن قطن تین مجہول راوی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔

یہ الفاظ ابن جحش کی سند کے ساتھ بھی منقول ہیں۔ اس کی سند میں ابوکثیر مجہول راوی ہے۔ بطریق علی یہ حدیث منقطع ہے۔ ابن جریج نے اس کو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے۔ مگر ابن جریج کا سماع حبیب سے ثابت نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک غیر معروف راوی ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ حبیب بن ابی ثابت نے اس کو عاصم بن ضمرہ سے روایت کیا ہے۔ مگر حبیب کا سماع عاصم سے ثابت نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں دونوں کے درمیان ایک ضعیف راوی ہے۔ ابن جریج سے اس کو صرف ابوخالد نے روایت کیا ہے جو مجہول ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے۔

یہ حدیث بطریق ابن عباسؓ بھی منقول ہے۔ اُس کی سند میں ابویحییٰ القتات ضعیف راوی ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بسندِ دیگر ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس میں بہت سے مجہول راوی ہیں نیز بطریق سفیان ثوری بھی منقول ہے مگر وہ "لاشیئ" محض ہے[1]۔

اگر مذکورہ صدر آثار میں سے کوئی اثر بھی منقول نہ ہوتا تو بھی کسی عضو کے بارے میں یہ حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ستر میں شامل ہے اور اس کے برہنہ رہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ کسی نصِ قطعی یا اجماع سے اس کا ستر ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

---

[1] اس حدیث کی سند پر نقد و تبصرہ کے لیے دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۳۰۴، ۵۰۴) التلخیص ص ۱۰۸، نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۸، ۵۰۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۲۲۷-۲۳۲۔ و نیز تحفۃ الاحوذی کتاب الادب۔

۵۲۸- اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہّاب بن عیسٰی، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجّاج، از ابوبکر بن اسحاق، از سعید بن کثیر بن عفیر، از عبداللہ بن وہب، از یونس بن یزید، از ابن شہاب، از علی بن حسین، از والد اُو حضرت حُسین بن علی رضی اللہ عنہما] روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے مجھے ایک بوڑھی اونٹنی ملی۔ (تا آخر) اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نظر اُٹھا کر آپ کے دونوں گھٹنوں اور ناف کو دیکھا۔ پھر راوی نے باقی ماندہ حدیث ذکر کی (بخاری کتاب البیوع والمغازی والخمس والشرب واللباس، مسلم الاشربۃ، ابوداؤد الامارۃ)

اگر ناف ستر میں شامل ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت حمزہؓ یا دوسروں کو اس کے دیکھنے کی اجازت نہ دیتے۔

۵۲۹- ہم نے بطریق [ابوداؤد، از مسلم بن ابراہیم، از ہشام الدستوائی، از ابوالزبیر] حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سرین مبارک کو موچ آگئی تھی اس لیے آپ نے اس پر سنگی کھچوائی۔

(ابوداؤد، کتاب الطب باب ۵)

اگر سرین ستر میں شامل ہوتے تو آپ سنگی لگوانے والے کے سامنے اسے نہ کھولتے۔[1]

یہ حدیث ایسی سند پر مشتمل ہے کہ ہمارے مخالفین کی انتہائی خواہش ہے کہ ایسی سند ان کو مل جاتی جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم ناقابلِ احتجاج احادیث کے مقابلہ میں احادیثِ صحیحہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اللہ کی پناہ کہ ہم محض تقلید کی پُشت پناہی اور شریعت کی تخفیف کے لیے کسی جگہ ایسی دلیل سے احتجاج کریں جو کہیں بھی ہمارے نزدیک قابلِ احتجاج نہ ہو۔

جو بات ہم نے کہی ہے جمہور سلف اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق محمد بن المثنّیٰ، از سفیان بن عُیَینہ، از محمد بن المنکدر، از عبدالرحمٰن بن یربُوع، از جُبَیر بن حُویرث روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو قُزَح (کے پہاڑ) پر کھڑے دیکھا، آپ فرما رہے تھے "اے لوگو! صبح کو کوچ کرو" میں

---

[1] ابن حزم کا یہ استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک طبّی ضرورت تھی جہاں انسان بوجہ مرض اپنے عضوِ مخصوص تک دیکھنے اور دکھانے کے لیے مجبور ہوتا ہے اسے عام حالات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

دیکھ رہا تھا کہ آپ کی ران کھلی ہوئی تھی[۱]

۵۳۰۔ نیز ہم نے بطریق [بخاری، از عبداللہ بن عبد الوہاب الحجبی، از خالد بن حارث، از ابن عون یعنی عبد اللہ، از موسیٰ بن انس بن مالک] روایت کیا ہے کہ انہوں نے یمامہ کے دن کا ذکر کیا اور کہا کہ انس ثابت بن قیس بن شماس کے یہاں آتے جب کہ ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی اور ران کو حنوط (ایک خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے) لگایا جا رہا تھا۔ ان کی رانیں کھلی ہوئی تھیں (بخاری کتاب الجہاد باب ۳۹) بخاری کہتے ہیں اس حدیث کو حماد نے بروایت ثابت از انس ذکر کیا ہے (حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۶ : ۳۸ میں فرمایا کہ حماد بن سلمہ کی روایت ابن سعد اور طبرانی و حاکم نے مختلف طُرق سے روایت کی ہے)۔

نیز ہم نے بطریق محمد بن فضیل، عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ بخار میں مبتلا تھے، اور آپ کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں۔ (تا آخر)

پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ فخذ یعنی ران ستر عورت نہیں ہے جیسا کہ ابوبکر نے موسم حج میں حجاج کے سامنے اور ثابت بن قیس نے حضرت انس کے سامنے اپنا ران کھولے رکھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ اور یہی قول ہے ابن ابی ذئب کا اور سفیان ثوری کا اور ابو سلیمان کا۔ اور اسی پر ہمارا عمل ہے عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[۱] اس اثر کو حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "تعجیل المنفعة" میں سعید بن عبد الرحمٰن کے ترجمہ میں مسند احمد کی جانب منسوب کیا ہے۔ مگر مجھے یہ اثر مسند احمد میں نہیں ملا بلکہ جُبیر بن حُوَیرث کے ترجمہ میں ابن حجر نے اس کو مسند شافعی کی جانب منسوب کیا ہے۔ چنانچہ یہ اثر مجھے مسند شافعی ص ۱۲۰ پر مل گیا۔ اس کی عبارت یوں ہے (بطریق سفیان از محمد بن المنکدر، از سعید بن عبد الرحمٰن بن یربوع از جبیر ابن حویرث) روایت کیا ہے کہ میں نے ابوبکر صدیق کو قزح (کے پہاڑ) پر کھڑے دیکھا۔ آپ کہہ رہے تھے "اے لوگو! صبح روشنی ہو جانے پر کوچ کیجیے" پھر آپ نے کوچ کیا گویا کہ میں آپ کی ران کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ زور سے اپنی چھڑی اونٹ کی گردن پر مار رہے تھے حتیٰ کہ اس کا چمڑا زخمی ہونے سے اُبھر آیا۔"

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ۔ (النُّور-۳۱)

"اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اُس زینت کے جو (خود بخود) ظاہر ہو اور اپنی چادریں اپنے پہلوؤں پر لپیٹ لیں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے پہلو چادر کے ساتھ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اس بارے میں نصِ قطعی ہے کہ عورت کو اپنا ستر، گردن اور سینہ چھپانا فرض ہے۔ اس آیت میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ چہرہ کھلا رکھنا مباح ہے[1]۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مفہوم ممکن نہیں۔

اسی سورہ میں فرمایا:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ۔ (النُّور-۳۱)

اور اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ جس زینت کو انہوں نے چھپایا ہُوا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔"

یہ آیت اس بارے میں نصِّ قطعی ہے کہ دونوں پاؤں اور دونوں پنڈلیاں ستر میں شامل ہیں اور ان کو کھولنا جائز نہیں۔

۵۳۱- اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از عمرو الناقد، از عیسیٰ بن یونس، از ہشام، از حفصہ بنت سیرین، از اُمِّ عطیہ) روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر معمّر خواتین حیض والیوں اور پردہ دار عورتوں کو باہر (عید میں شمولیت کے لیے) نکالا کریں۔ میں نے عرض کی یا رسُول اللہ اگر ہم میں سے کسی کی چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا تو اس کی (مسلمان) بہن اس کو اپنی چادر پہنا دے۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ کتابُ الصّلوٰۃ)

---

[1] ابنِ حزم کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ آیت میں چہرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے الا ما ظہر منہا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ پردہ میں ہوتے ہوئے اگر بے خیالی میں ہاتھ پاؤں وغیرہ کھل جائیں تو اس پر گرفتِ الٰہی نہیں لیکن معلوم ہوتے ہی فوراً اسے ڈھانکنا فرض ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں خواتین کو نماز میں شمولیت کے لیے چادر اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جلباب عربی زبان میں — جس میں رسولِ کریمؐ نے ہم کو مخاطب فرمایا — اس چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے نہ کہ کچھ حصہ کو۔ لہٰذا ہم نے جو بات کہی تھی وہ صحیح ثابت ہوئی۔

۴۳۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از امام بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از سفیان ثوری، از عبدالرحمٰن بن عابس] روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ بیان کرتے سنا کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں عید کی نماز ادا کی۔ آپؐ نے نماز ادا کرنے کے بعد خطبہ دیا۔ پھر بلالؓ کی رفاقت میں عورتوں کی مجلس میں گئے۔ ان کو وعظ و نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا کہ عورتیں ہاتھوں کے ساتھ زیور اُتار کر بلالؓ کے کپڑے میں ڈال رہی تھیں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱۲ و ۳۸۰ و ۳۸۲ والنکاح باب ۱۲۵ والاعتصام باب ۱۷۰، ابوداؤد الصلوٰۃ باب ۲۵۱، نسائی الصلوٰۃ باب ۶۷۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسولِ کریمؐ کی موجودگی میں خواتین کے ہاتھ دیکھے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے ہاتھ اور چہرہ ستر میں شامل نہیں[1]۔ اس کے ماسوا کا چھپانا عورت پر فرض ہے۔

۴۳۳۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از سلیمان بن سیف، از یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ، از والدِ خود، از صالح بن کیسان، از ابنِ شہاب، از سلیمان بن یسار] روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ فضل بن عباسؓ سواری پر رسولِ کریمؐ کے ہم رکاب تھے (تا آخر) اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ فضل بن عباسؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔ اور وہ حسین عورت تھی۔ رسولِ اکرمؐ فضل کے چہرے

---

[1] ابنِ حزمؒ کا یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ عورتوں نے اپنے ہاتھوں کو کھولے نہیں رکھا تھا بلکہ بوقتِ ضرورت صدقہ دینے کے لیے صدقہ کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو بڑھایا تھا اور یہ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا میں داخل ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

کو دوسری جانب موڑ رہے تھے۔ (بخاری کتاب الحج والمغازی مسلم ابو داؤد کتاب الحج، نسائی کتاب الحج وکتاب القضاء)
اگر چہرہ پردہ میں شامل ہوتا تو رسولِ کریمؐ لوگوں کی موجودگی میں اسے کھولنے کی اجازت نہ دیتے اور اس عورت کو چادر اوڑھنے کا حکم دیتے۔ اگر اس عورت کا چہرہ مستور ہوتا تو ابن عباسؓ کو معلوم نہ ہوتا کہ آیا وہ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ لہٰذا ہمارے قول کی صحت یقینی طور پر ثابت ہوئی۔ والحمد للہ کثیراً[1]

باقی رہا آزاد عورت اور لونڈی کا فرق تو اللہ کا دین ایک ہے۔ اور طبیعتِ انسانی بھی یکساں ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں لونڈی اور آزاد عورت دونوں یکساں ہیں۔ حتیٰ کہ کسی نص سے دونوں کا فرق ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

اگر معترض کہے کہ مذکورہ صدر آیت قرآنی "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ" میں آزاد عورتوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ "بَعل" عربی زبان میں آقا اور خاوند دونوں کو کہتے ہیں۔ اور لونڈی بھی بعض اوقات شادی کر لیتی ہے۔ اور ہمیں یہ بات معلوم نہیں کہ لونڈی کے بیٹے، باپ دادا، ماموں یا چچا نہیں ہوتے، جس طرح کہ آزاد عورتوں کے ہوتے ہیں۔

بعض لوگ جنہوں نے آیت کریمہ:

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔ (الاحزاب - ۵۹)

"اپنے چہروں پر چادر لٹکا لیا کریں۔ یہ امر ان کے لیے موجبِ شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دیگا۔"

کی تفسیر میں غلطی کھائی ہے اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ فاسق لوگ اپنے فسق کی وجہ سے عورتوں کو چھیڑتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادریں اوڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ فاسق لوگ پہچان لیں کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔

---

[1] اس حدیث سے بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ مسئلہ پوچھنے والی حالتِ احرام میں تھی اور احرام میں چہرہ کھولے رکھنے کی اجازت ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں دیا، البتہ حالتِ احرام میں بھی دوسری عورتوں کو محرم کے لیے دیکھنا جائز نہیں اس لیے فضل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے سے روک رہے تھے۔ فافہم (ابو الاشبال پاکستانی)

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس فاسد تفسیر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یہ تفسیر یا تو ایک عالم کی لغزش اور توہم پرستی پر مبنی ہے یا ایک کاذب و فاسق کی افترا پردازی ہے۔ اس تفسیر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی لونڈیوں کو بے آبرو کرنے کی کھلی چھٹی دے دی تھی۔ یہ ایک ابدی آفت ہے۔ اہلِ اسلام کے یہاں اس بات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے کہ لونڈی کے ساتھ زنا بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آزاد عورت کے ساتھ۔ نیز یہ کہ لونڈی کے ساتھ زنا کرنے والے پر بالکل اسی طرح حد لگائی جاتی ہے جس طرح آزاد عورت کے ساتھ زنا کرنے والے پر۔ دونوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ مزید براں آزاد عورت اور لونڈی میں حرمت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ انہی شکوک و شبہات کے پیشِ نظر یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کے بعد کسی کے قول کو قبول نہ کیا جائے جب تک اس قول کو رسولِ کریمؐ کی جانب منسوب نہ کیا گیا ہو۔

۵۳۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از ابن الاعرابی، از ابو محمد ابن الجارود القطان، از عفان بن مسلم، از حماد بن زید، از قتادہ، از محمد بن سیرین، از صفیہ بنت الحارث] ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز دوپٹہ اوڑھے بغیر قبول نہیں کرتا"[۱]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم نے بطریقِ مالک از محمد بن ابی بکر، اور وہ اپنی والدہ سے، اور وہ

---

[۱] ابوداؤد (ج ۱ ص ۲۴۴) حاکم (ج ۱ ص ۲۵۱)، البیہقی (ج ۱ ص ۲۳۳) بطریق حجاج بن المنہال۔ ترمذی (ج ۱ ص ۷۶)، بطریقِ قبیصہ۔ نیز دیکھیے المنتقیٰ ابن الجارود (ص ۹۱ وطبع جدید ۶۸) بطریق ابو نعمان والولید۔ بیہقی نے اس کو بطریقِ ابوالولید روایت کیا ہے۔ یہ سب حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ قتادہ سے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے بشرطِ مسلم صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد نے اس کو بروایت سعید بن ابی عروبہ، از قتادہ، از حسن، از رسولِ اکرمؐ معلول ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی علت نہیں جس نے مرسل بیان کیا اور مرفوع بیان کرنے والوں نے مرفوع، مرفوع کو مرسل سے رد نہیں کیا جاتے گا۔

[۲] اصل نسخہ میں اسی طرح ہے مگر یہ درست نہیں۔ موطا (ص ۵۰) میں اس کے خلاف مرقوم ہے۔ صحیح سند یوں ہے "بطریقِ مالک، از

روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے اُمّ المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟ فرمایا لمبی قمیص میں جو اس کے پاؤں کی پُشت کو ڈھانپ لے اور دوپٹے میں۔

نیز بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از جابر، از اُمّ ثور وہ اپنے خاوند بشر[1] سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پُوچھا عورت کتنے کپڑے اوڑھ کر نماز ادا کرے؟ کہا قمیص اور دوپٹے میں۔ (عبدالرزاق ۳ : ۱۲۸ و ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۲۵)

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از اوزاعی، از مکحول روایت کیا ہے۔ مکحول اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے امّ المومنین عائشہؓ سے سوال کیا تھا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضرت علیؓ سے پوچھو اور جو جواب دیں مجھے بتاتے جائیں۔ چنانچہ اُس نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا دوپٹہ اور لمبی قمیص اوڑھ کر۔ اس نے حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر اُن کو حضرت علیؓ کے جواب سے آگاہ کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "حضرت علیؓ نے سچ کہا"۔ (عبدالرزاق ۳ : ۱۲۸ و ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۲۵)

مزید برآں ہم نے بطریق محمد بن المثنیٰ، از عبداللہ بن ادریس، از قابوس بن ابی ظبیان از والد خود روایت کیا ہے کہ ایک لڑکی حضرت عائشہؓ کے عصر و عہد میں گھر سے باہر نکلا کرتی تھی جب کہ اس کی چھاتیاں نمایاں ہو چکی تھیں۔ جب اس ضمن میں حضرت عائشہؓ کو کہا گیا تو انہوں نے فرمایا "ابھی اسے حیض نہیں آیا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باختلاف یسیر ۲ : ۲۲۹)

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس سے آزاد عورتیں مراد ہیں لونڈیاں نہیں وہ جھوٹا ہے۔ اور وہ بالکل ان لوگوں کی طرح ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے صرف قریشی یا مُضَری یا عربی خواتین مراد ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق

محمد بن زید بن قُنفُذ، از والدۂ خود:- اصلی نام محمد بن زید بن مُہاجر بن قُنفُذ ہے۔ اُس کی والدہ کا نام اُمِّ حرام ہے۔ التہذیب میں اس کا ترجمہ مذکور ہے۔ یہ اثر امِّ حرام سے منقول ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۲۳۲-۲۳۳) نے اسے بطریقِ مالک و عبدالرحمٰن بن عبداللہ روایت کیا ہے۔

[1] بشر اور اس کی بیوی کا ترجمہ کہیں میری نظر سے نہیں گزرا بجز ابن سعد (ج ۸، ص ۳۶۵) کے اس قول کے کہ امّ ثور سے جابر جعفی

نہیں۔ یہ سب جھوٹے اقوال ہیں۔

نیز ہم نے بطریق (ابن المثنیٰ، از ابن فضیل، از خصیف[1]، از مجاہد) روایت کیا ہے کہ مجاہد فرماتے تھے کہ جو عورت بالوں کو ڈھانپے بغیر نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ : ۲۲۸، و عبد الرزاق ۳ : ۱۳۱)۔

نیز بطریق (ابن المثنیٰ، از عبد الرحمٰن بن مہدی، از سفیان ثوری، از ابن جریج، از عطاء) روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "لونڈی نماز پڑھتے وقت اپنے سر کو ڈھانپ لیا کرے" (عبد الرزاق ۳ : ۱۳۴)۔ اسی معنی میں عبد الرزاق نے ثوری کی اسی سند سے ایک طویل روایت نقل کی ہے مزید براں بطریق عبد الرزاق، از ابن جریج، از سلیمان بن موسیٰ روایت کی ہے کہ جب عورت کو حیض آنے لگے تو سر ڈھانپے بغیر اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ (عبد الرزاق ۳ : ۱۳۱)

ہم نے بطریق عبد الرزاق، از ابن جریج، از عطاء روایت کیا ہے کہ جب لونڈی نماز پڑھے تو اپنے سر کو دوپٹے یا کسی کپڑے کے ساتھ ڈھانپ لے۔ عہدِ رسالت میں لونڈیاں اسی طرح کیا کرتی تھیں (عبد الرزاق ۳ : ۱۳۶) جب لونڈی کسی غلام یا آزاد آدمی سے نکاح کر لیتی تو حضرت حسنؓ اسے سر ڈھانپنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

(عبد الرزاق ۳ : ۱۳۴)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں :

"حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں (جیسا عبد الرزاق ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے)۔ مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں۔ جب سلف کے یہاں کوئی مسئلہ متنازعہ ہو تو کتاب و سنت کی طرف رجوع واجب ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض ٹھہرایا ہے۔ کتاب و سنت میں آزاد عورت اور لونڈی کی نماز میں کچھ فرق و امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مقلدین ایسے مسائل میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کی پروا نہیں کرتے جہاں اُن کی مخالفت ناروا ہے، اور جہاں

۳۔ نے روایت کی ہے۔ وہ اپنے خاوند بشر سے روایت کرتی ہیں کہ اُس نے ابنِ عباسؓ سے سوال کیا کہ عورت کتنے کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؟

[1] خصیف بن عبد الرحمٰن الجزری ثقہ راوی ہے۔ مگر وہ کثیر الوہم والخطاء راوی تھا۔

صحابہ میں سے کوئی بھی اُن کے خلاف نہیں اور کتاب وسُنّت سے بھی اُن کی تائید ہوتی ہے۔ اور ایسا اس وقت کرتے ہیں جہاں امام ابوحنیفہ، یا مالکؒ یا شافعی کی رائے حضرت عمرؓ کے خلاف ہو۔

مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ اگر مُحرم خرگوش کو مار ڈالے تو بکری کا ایک سالہ بچّہ کفارہ کے طور پر ذبح کرے (عبدالرزاق ۴: ۴۰۵، بیہقی ۵: ۱۸۴)۔ اور اگر گوہ کو مار ڈالے تو بکری کا بچّہ ذبح کرے (بیہقی ۵: ۱۸۵)۔ آپ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں مہر نہیں ہوتا (کتابُ النکاح میں مسنداً یہ روایت آرہی ہے)۔ نیز پگڑی پر مسح کے بارے میں آپ کا قول (ترمذی و فتح الباری) اور اس قسم کے سینکڑوں دیگر مسائل وفتاویٰ۔ جب آپ کا قول امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی رائے سے ہم آہنگ ہو تو مقلّدین کے نزدیک وہ ایسی حجّت ہے جس کی خلاف ورزی روا نہیں۔ اگرچہ دیگر صحابہ اور کتاب وسُنّت ان کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ سے جو قول منقول ہے وہ لونڈیوں کے گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں ہے، نماز کے بارے میں نہیں۔ لہٰذا مُقلّدین کا استدلال حضرت عمرؓ کے قول کے ساتھ باطل ٹھہرا۔

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اگر اُمّ ولد (وہ لونڈی جو صاحبِ اولاد ہو چکی ہو) دوپٹہ کے بغیر نماز پڑھے تو نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے (المدوّنہ: ۹۰)۔ ہم نے حضرت ابن عباسؓ سے آیتِ کریمہ "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے ہتھیلی، انگوٹھی اور چہرہ مُراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک اس سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں مُراد ہیں۔ حضرت انسؓ اس سے ہتھیلی اور انگوٹھی مُراد لیتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح روایات ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے (تفسیر طبری، تفسیر قرطبی وغیرہ)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اگر مخالفین کہیں کہ شرعی حدود میں آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر یہ فرق آزاد مرد اور غلام کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ پھر سترِ عورت کے سلسلہ میں غلام و آزاد کو تم نے مساوی کیوں کر قرار دیا؟ حالانکہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور نص بھی وارد ہوئی ہے کہ لونڈی پر جملہ احکام میں اسی طرح نماز فرض ہے جیسے آزاد عورت پر۔ مثلاً طہارت، قبلہ اور عددِ رکوع وغیرہ۔ پھر سترِ عورت کے بارے میں تم نے آزاد عورت اور لونڈی میں تفریق کیسے کی؟ حالانکہ بزعمِ خویش وہ اصحابِ قیاس ہیں! یہ ہے ان کے قیاس کی حالت اور مقدار جس سے کوئی چیز بھی ادنیٰ تر نہیں ہو سکتی! پس مقلّدین نے نہ تو نص کی پیروی کی اور نہ ہی

قیاس کو سچا پایا ۔۔۔۔۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

اگر معترض یہ کہے کہ تمہارے نزدیک مندرجہ ذیل صورتیں جائز ہیں:۔

۱۔ کوئی شخص کپڑے نہ ہونے یا کسی کے مجبور کرنے کی بنا پر برہنہ نماز ادا کرے۔

۲۔ کسی کے مجبور کرنے سے ایسی جگہ نماز ادا کرے جس میں ایسی چیز موجود ہو جس سے اجتناب ضروری ہے۔

۳۔ اس کے کپڑوں یا جسم پر ایسی چیز ہو جس سے اجتناب ضروری ہے۔ مگر وہ شخص کسی کے مجبور کرنے سے اسی حالت میں نماز ادا کرے۔

تمہارے نزدیک یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ لیکن اگر بھول کر اس حالت میں نماز ادا کرے تو وہ تمہارے نزدیک جائز نہیں۔ آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نصوصِ شرعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آدمی اگر نماز کے ضروری ارکان کو بھول جاتے تو اس کی نماز ان کے بغیر کافی نہیں ہوگی، اور ان کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص طہارت، تکبیر، قیام، رکوع، سجدہ اور جلسہ کو بھول جاتے اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جو شخص بھول کر کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ جائے یا بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جاتے یا سجدہ کی جگہ رکوع کرے تو یہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص نماز کو بھول جاتے یا سو جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو یاد آنے پر اسے ادا کرے (حوالہ گزر چکا) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز کا ایک جزو بھی نماز ہی کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھول جانے کی وجہ سے حسبِ مامور اسے ادا نہ کرے تو وہ نماز کے ایک جزو کو بھول گیا اور اس نے وہ کام کیا جسے نماز نہیں کہا جاتا۔ کیوں کہ اس نے اس طرح نماز ادا کی ہے جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بنا بریں ہم نے بھول جانے والے پر اس امر کو واجب قرار دیا ہے کہ جس بات کو وہ بھول گیا ہے اسے حسبِ مامور ادا کرے۔ بخلاف ازیں جبر و اکراہ یا (کپڑا) نہ ہونے کی صورت میں ہم نے اس کی نماز کو جائز قرار دیا ہے۔ کیوں کہ نصوصِ شرعیہ اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں کہ عدمِ استطاعت کی صورت میں یہ سب باتیں جائز ہیں۔

اگر معترض کہے کہ رسولِ کریمؐ نے نماز شروع کی تو جبریلؑ نے آکر بتایا کہ آپ کے جوتوں میں پلیدی لگی ہے چنانچہ آپؐ نے جوتے اتار دیئے اور نماز کو جاری رکھا۔ ہم کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے مگر آپؐ پر جوتا پہننا اس وقت حرام ٹھہرا

جب جبریلؑ نے آپؐ کو بتایا اس سے پہلے نہیں۔ لہٰذا اندریں حالت آپؐ کا نماز کو شروع کرنا جائز تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے آئے تو اپنے جوتوں یا موزوں پر ایک نگاہ ڈالے۔ اگر ان میں کوئی چیز دیکھے تو اسے کھرچ دے اور جوتوں سمیت نماز ادا کرے۔" (ابو داؤد، مُصنّف عبدالرزاق، والبیہقی) یہ حکم آپؐ نے اس نماز کے بعد دیا۔ جو شخص جوتوں کو دیکھے بغیر نماز شروع کرے اور ان کو پلیدی لگی ہو تو اس نے خلافِ مامور نماز ادا کی ——— وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق

ستر کے بارے میں اَحناف کا موقف

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پردہ کی حدود میں فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مرد کے لیے ناف سے لے کر زانو تک ڈھانپنا ضروری ہے۔ زانو پردہ میں شامل ہے اور ناف شامل نہیں۔ آزاد عورت کے لیے پورے جسم کو ڈھانپنا لازم ہے، ماسوا چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کے۔ لونڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا۔ احناف کے نزدیک لونڈی، اُمّ ولد (وہ لونڈی جس کے بطن سے اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو چکی ہو) اور مدبّرہ (وہ لونڈی جس کا مالک اُسے کہے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے) ننگے سر اور ننگے بدن نماز پڑھ سکتی ہے۔ صرف ایک تہبند ضروری ہے جس سے اس کی ناف سے لے کر زانو تک کا حصّہ صرف مستور ہو۔ احناف کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی۔

مزید فرمایا ستر کے احکام میں فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کرتے وقت یا قیام در کوع شروع کرتے وقت آدمی یا عورت کی شرمگاہ کا کچھ حصّہ بقدر بغلی درہم کھلا ہو تو دونوں کی نماز باطل ٹھہری۔ اگر آدمی یا عورت کی شرمگاہ کا اتنا حصّہ حالتِ قیام یا حالتِ رکوع و سجدہ میں کھلا ہوا اور انہوں نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس سے دونوں کی نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔ اگر مذکورہ حالات میں مرد یا عورت کی شرمگاہ کا کچھ حصہ بقدر بغلی درہم یا اس سے کم کھل گیا تو اس سے ان کی نماز کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا۔ خواہ دیر تک ننگا رہا یا تھوڑی مدت۔

اگر آدمی یا لونڈی یا آزاد عورت کی ران یا لونڈی اور آزاد عورت کی پُشت یا سرین یا حُرّہ کے اعضا میں سے سینہ، شکم، پُشت، بال یا گردن کا چوتھائی حصّہ یا اس سے زیادہ کھل جائے تو امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک ان کی نماز باطل ہوئی۔ اور اگر ان اعضاء کا چوتھائی سے کم حصّہ کھلا تو نماز کو کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا۔ ابویوسف کے نزدیک نماز تب باطل ہوگی جب فرج کے ماسوا باقی اعضاء کا نصف سے زیادہ حصّہ کھل جائے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر نماز پڑھنے کی حالت میں لونڈی آزاد ہو جائے تو دوپٹہ لے کر سر کو ڈھانپ لے اور نماز کو جاری رکھے۔ (یعنی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے) اگر کسی ضرورت کی بنا پر آدمی برہنہ نماز شروع کرے، پھر نماز کی حالت میں کپڑا دستیاب ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اب اسے از سرِ نو نماز کا آغاز کرنا چاہیے۔ خواہ کپڑا نماز کے شروع میں دستیاب ہو یا آخر میں۔

اور اگر تشہد کے مقدار بیٹھ چکا ہو مگر سلام نہ پھیرا ہو تب بھی اس کی نماز باطل ہوئی۔ دوسری طرف امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تشہد کے مقدار بیٹھ چکا ہو، پھر دانستہ اس نے ریاح خارج کر دیا، یا نادانستہ اس کا ریاح خارج ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ اب اس کے ذمے کوئی چیز باقی نہیں۔ گویا امام صاحب کے نزدیک کپڑے کی دستیابی بول و براز سے بھی بڑھ کر ہے (کہ ان کے نزدیک بقدر تشہد بیٹھ جانے کے بعد بول و براز سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن کپڑا مل جانے سے باطل ہو جاتی ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مقتدی پر حملہ کیا گیا حتیٰ کہ اس کا تہبند کھل گیا اور اس کی شرمگاہ برہنہ ہو گئی۔ پھر امام کی نماز مکمل ہونے تک وہ اسی طرح کھڑا رہا تو مقتدی کی نماز مکمل ہو گئی۔ اور اگر اس نے امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ کیا تو اس کی نماز باطل ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ کے اقوال پر ابن حزمؒ کا تبصرہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں کیا ان اقوال کا علاج یا توڑ ممکن ہے؟ بجز اس کے کہ ان سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

ان اقوال میں جو مغالطہ پایا جاتا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی بڑا دشوار ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں لونڈی کا ستر بھی وہی ہے جو حُرّہ کا۔ البتہ اس کے بال ستر میں شامل نہیں ہیں، اگر آزاد عورت کے بال، سینہ یا پنڈلی نماز کی حالت میں کھل جائے اور نماز کا وقت باقی ہو تو اس کا اعادہ کیا جائے ورنہ نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں فرج کے بارے میں امام مالکؒ کا قول ہمیں معلوم نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ فرج کے کھل جانے سے ان کے نزدیک نماز کا وقت باقی ہو تو اعادہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ہم قبل ازیں اس قول کا کہ "وقت کے اندر اعادہ ضروری ہے" کا فساد واضح کر چکے ہیں یعنی کتاب الطہارۃ میں، لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں عمد و نسیان سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر آدمی کا ستر ــــ از ناف تا زانو ــــ یا عورت کا ستر (یعنی آزاد عورت اور لونڈی کا پورا جسم ماسوا لونڈی کے بالوں کے اور ماسوا حرّہ اور لونڈی کے چہرے اور ہاتھوں کے) تھوڑا ہو یا بہت کھل جائے اور وہ اُسی وقت اس کو ڈھانپ لے تو اُس کی نماز مکمّل ہو جائے گی۔ اور اگر ستر کا کچھ حصّہ ــــ قلیل ہو یا کثیر ــــ کھلا رہے اور ڈھانپا نہ جائے تو نماز باطل ہو گی۔ خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کی یہ تقسیم بلا دلیل ہے۔

ابو سلیمان (یعنی داؤد بن علی الظاہری) کہتے ہیں اگر بھول کر ایسا کرے تو معاف ہے۔ اگر دانستہ کسی کا ستر کھل جائے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔

۳۵۰۔ برہنہ حالت میں نماز با جماعت جو لوگ تباہی و ہلاکت، سامان کے چھن جانے یا فقر و افلاس کی وجہ سے برہنہ ہوں وہ اسی حالت میں صف باندھ کر امام کے پیچھے نماز ادا کریں۔ بدستور رکوع، سجدہ اور قیام کریں اور اپنی نگاہ کو جھکائے رکھیں۔ جو شخص نماز کی حالت میں دانستہ کسی مرد یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھے جو اس پر حرام ہے اس کی نماز باطل ہو گی۔ اگر بھول کر دیکھے تو نماز باطل نہیں ہو گی، مگر سجدۂ سہو ادا کرنا لازم ہو گا۔ اگر اپنی بیوی کی شرمگاہ کو دیکھا اور دانستہ نماز کی طرف توجہ دینے کو ترک دیا تو اس کی نماز اُسی طرح باطل ہو گی جس طرح دیگر اشیاء کی طرف توجہ دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کی جانب توجہ دینے کو ترک نہ کیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ۔ ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ (الانعام۔ ۱۱۹) "اُس نے جو چیز تم پر حرام ٹھہرائی ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے سوا اس کے جس کی طرف تم لاچار ہو جاؤ۔"

چونکہ اُن کو اس بات کا مکلّف نہیں کیا گیا جو اُن کے بس میں نہیں اور وہ ستر عورت ہے۔ لہٰذا وہ جس بات

کی قدرت رکھتے ہیں ان کو اسی حالت میں نماز با جماعت کے حکم کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ لہٰذا جو بات ان کی قدرت سے خارج ہے وہ ان سے ساقط ہو گئی۔ اور جو بات اُن کی استطاعت میں ہے وہ باقی رہی۔ کیوں کہ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے "جب مَیں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جس کی تم میں طاقت ہو وہ بجا لاؤ" (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔

جو شخص نماز کی حالت میں ایسی شرمگاہ کو دیکھے جو اس کے لیے حلال نہیں تو اس کی نماز باطل ہوتی۔ اس لیے کہ اس نے ایک ناروا فعل کا ارتکاب کیا اور حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی اس نے وہ نماز نہیں پڑھی جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا "جس کسی نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ کام رد کیے جانے کے لائق ہے" (مسلم)

اگر بھول کر ایسا کام کیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے۔ اس لیے کہ اس نے بھول کر نماز میں ایسے کام کا اضافہ کیا ہے کہ اگر وہ دانستہ کرتا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی۔

لیکن اگر اُس نے ایسی شرمگاہ کو دیکھا جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے خارج از نماز مباح ہے تو یہ اُن جملہ اشیاء میں شامل ہے جن میں سے بعض کو نماز کی حالت میں دیکھنا اس کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مباحات میں باہم کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کسی چیز کے ساتھ نمازی کُلّیتہً دانستہ مشغول ہو گیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور حسب الحکم نماز ادا نہیں کی ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں برہنہ لوگ بیٹھ کر انفرادی طور پر نماز ادا کریں۔ رکوع اور سجدہ اشارہ سے ادا کریں اگر نماز با جماعت ادا کریں تو کافی ہو گی۔ البتہ مقتدی بیٹھ کر نماز ادا کریں اور امام ان کے درمیان بیٹھے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ بیان کیا ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک کافی ہو گی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں برہنہ لوگ انفرادی طور پر نماز پڑھیں۔ ایک دوسرے سے دُور کھڑے ہوں۔ اگر تاریک رات ہو تو کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کریں۔ امام اُن کے آگے کھڑا ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں برہنہ لوگ انفرادی طور پر یا باجماعت کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ نماز میں رکوع

اور سجدہ کریں۔ امام ان کے درمیان کھڑا ہو۔ نظریں جھکا کر رکھیں۔ آدمی اپنے چہروں کو عورتوں سے ہٹا کر رکھیں اور عورتیں اپنے چہروں کو مَردوں سے دوسری طرف رکھیں۔ ان میں سے کسی کے لیے بھی نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔

زُفر بن ھُذَیل کہتے ہیں کہ برہنہ آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ رکوع اور سجدہ کریں۔ اس کے سوا دوسری کوئی صورت ان کے لیے کافی نہیں۔

اس ضمن میں ابو سلیمان (یعنی داود بن علی الظاہری) کا قول وہی ہے جو ہمارا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے اقوال مبنی بر خطا ہیں۔ اس لیے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے یا تو ترکِ جماعت لازم آتا ہے جو ناروا ہے، یا قیام، رکوع اور سجدہ کو چھوڑنا پڑتا ہے جو کہ باطل ہے۔ یا امام کو آگے کھڑے ہونے کے حق سے محروم کرنا پڑتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ حالانکہ انہوں نے اس فتویٰ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے غضِ بصر سے اُن سب کی تلافی ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول میں سب ائمہ سے زیادہ تناقض پایا جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنے ستر مثلاً رانوں وغیرہ کو ڈھانپنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس ضمن میں نص وارد ہو چکی ہے۔

۵۲۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن شاذان، از زکریا بن عدی، از عبیداللہ بن عمرو الرقی، از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از سعید بن المسیب، از ابوسعید خدریؓ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسُولِ کریمؐ کو یہ فرماتے سُنا کہ "اے گروہِ خواتین! جب تم سجدہ میں جاؤ تو اپنی نگاہ کی حفاظت کرو، تہبند چھوٹا ہونے کی وجہ سے مَردوں کا ستر دیکھنے نہ لگ جاؤ" (احمد ۳: ۱۶، مجمع الزوائد ۲: ۹۲ و ۹۳ و راجع الفتح ۱: ۳۹۹)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں مَیں نے اپنے استاد حمام سے "فاحفظوا ابصارکم" (بصیغہ جمع مذکر) تحریر کیا ہے۔ اللہ کی پناہ، رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلفظ کی غلطی صادر نہیں ہوئی۔ چونکہ خواتین کے ہمراہ ان کے چھوٹے بچے بھی تھے اس لیے حضورؐ نے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ ورنہ جمع مؤنث کا صیغہ یعنی "فاحفظن ابصارکن" ارشاد فرماتے۔ یہ حدیث اس ضمن میں نص کی حیثیت رکھتی ہے کہ تنگدست صحابہ حضورؐ کے ہمراہ نماز ادا کرتے تھے اور آپؐ کو اس کا علم بھی تھا۔ اُن کے پاس ایسا لباس نہیں ہوتا تھا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپ سکیں۔ بایں ہمہ وہ

قعدہ، رکوع اور سجدہ کو ترک نہیں کیا کرتے تھے تاہم ان جملہ احوال میں غضّ بصر کا حکم لازم تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۵۱۔ استقبالِ قبلہ کی اہمیت

چہرے اور جسم کے ساتھ قبلہ رُو ہونا نمازی پر فرض ہے۔ البتہ سواری کی حالت میں نوافل ادا کرتے وقت قبلہ رُو ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص بیماری، تکلیف، دشمن کے خوف یا جبر کی بنا پر قبلہ رُخ ہونے سے قاصر ہو تو جس طرف بھی رُخ کرلے اُس کی نماز ہوجائے گی۔ مگر ان جملہ احوال میں قبلہ رُو ہونے کی نیت کرے۔

اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ۔۱۵۰) "اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف پھیرلو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو۔"

مسجدِ حرام پہلے صرف بیت اللہ کا نام تھا۔ بعد ازاں بتدریج اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس مسئلہ پر پوری ملتِ اسلامیہ متفق ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ میں قیام پذیر ہوتے ہوئے نماز میں قبلہ رُو ہونے پر قادر ہو، مگر وہ دانستہ اپنا چہرہ اندر داخل ہو کر یا باہر سے مسجدِ حرام کے کسی حصہ کی جانب پھیرے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ اور اگر وہ اس کو جائز سمجھ کر ایسا کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ سواری پر نوافل ادا کرنے کا مسئلہ قبل ازیں بیان ہو چکا۔ اگر مریض، جاہل، ڈرنے والا اور جسے مجبور کیا گیا ہو قبلہ رُو ہونے پر قادر نہ ہو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ۔۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

۳۵۲۔ کعبہ کی تحقیق و تصدیق

جسے کعبہ کی جہت معلوم نہ ہو اس پر لازم ہے کہ کسی باخبر آدمی سے اس کی تصدیق کرے۔ اس لیے کہ کعبہ کی صحیح جہت کا تعین اسی طرح ممکن ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں۔ جو شخص خانہ کعبہ میں موجود ہو اس کو بھی کسی کے بتلانے سے پتہ چلے گا کہ یہی خانہ کعبہ ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ شرعی امور میں ایک عادل آدمی کی خبر معتبر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل ہم قبل ازیں بیان کرچکے ہیں۔

۳۵۴ غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص کعبہ کی جہت معلوم کرنے پر قادر ہو مگر شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اور طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اگر دانستہ ایسا کیا ہو تو نماز کے وقت کے اندر اس کا اعادہ کرے۔ اور اگر بھول کر ایسا کیا تو جب چاہے اعادہ کرے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عامد و ناسی دونوں کو نماز کے وقت قبلہ رُخ ہونے کا حکم دیا گیا تھا مگر دونوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی۔ ظاہر ہے کہ جس کام سے منع کیا گیا ہو وہ اس کام کی جگہ نہیں لے سکتا جس کا حکم دیا گیا ہو۔ بھول جانے والے کے بارے میں ہم قبل ازیں دلیل ذکر کر چکے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ دلیل پیش کرے کہ اہلِ قبا نے بیت المقدس کی جانب رُخ کرکے نماز کا آغاز کیا تھا جب اُن کو خبر ملی کہ خانۂ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے تو حالتِ نماز ہی میں کعبہ کی جانب گھوم گئے۔ نماز کا جو حصّہ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے ادا کر چکے تھے انہوں نے اس پر بنا کی۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ والتفسیر وخبر الواحد، مُسلم و نسائی کتابُ الصلوٰۃ)

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ صحیح حدیث ہے۔ مگر یہ حدیث ہمارے خلاف حجّت نہیں بن سکتی، اور ہم اس کے مخالف بھی نہیں ہیں ۔۔۔۔ وللہ الحمد

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضورؐ کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا مگر آپ نے منع نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ دین میں حجّت صرف کلامِ الٰہی ہے یا حضورؐ کا قول و عمل، یا وہ بات جس کو دیکھ کر آپؐ نے منع نہ کیا ہو۔

حیرت ہے کہ مالکیہ صحابہ کی مخالفت کو عظیم جُرم تصوّر کرتے ہیں بشرطیکہ اُن کے امام کے قول سے ہم آہنگ ہو۔ مگر اس مسئلہ میں انہوں نے صحابہ کے ایک جمِّ غفیر کے عمل کی مخالفت کی ہے جن کا صحابہ میں کوئی بھی مخالف نہ تھا۔

ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اہلِ قبا پر بیت المقدس کی جانب رُخ کرکے نماز پڑھنا فرض تھا۔ اگر وہ بیتُ اللہ کی جانب مُنہ کرکے نماز ادا کرتے تو بلا اختلاف ان کی نماز باطل ٹھہرتی۔ شریعت کا اتباع اسی شخص کے لیے ضروری ہے جس تک شرعی حکم پہنچا ہو۔ جس کو یہ حکم نہ پہنچا ہو اس پر شریعت کی پیروی لازم نہیں۔

قرآن کریم میں فرمایا:

لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ۔ "تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اس کو جس کو یہ حکم پہنچے" (الانعام۔ ۱۹)

اس بات میں کسی جن وانس اور فرشتے کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جو مسلمان حبشہ میں تھے یا جو کمزور اہلِ اسلام مکہ میں بود وباش رکھتے تھے وہ عرصہ دراز تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے۔ مکہ والے تو تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے کافی روز بعد تک اور حبشہ والے غالباً ایک سال یا کئی سالوں تک بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرائے نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ تحویلِ قبلہ کی خبر اُن تک پہنچی۔ اُس وقت خانہ کعبہ ان کا قبلہ قرار پایا نہ کہ قبل ازیں۔ اسی طرح اہلِ قباء کو جب یہ خبر ملی تو خانۂ کعبہ کی طرف منتقل ہوگئے، اس سے پہلے نہیں۔ اس لیے کہ یہ فریضہ سابقہ حکم کے لیے ناسخ تھا۔ اور یہی حق ہے جس کی خلاف ورزی کسی کے لیے جائز نہیں۔

بخلاف ازیں جس شخص کو تحویلِ قبلہ کی خبر پہنچ چکی ہو، وہ اسے جانتا ہو اور اس کا مخاطب ہو، مزید براں استقبالِ قبلہ سے کوئی عذر اسے مانع بھی نہ ہو اور اس کے باوجود وہ دوسری طرف منہ کرکے نماز ادا کرے تو اس نے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے حسبِ مامور نماز ادا نہیں کی گویا اس نے نماز ادا ہی نہیں کی اس لیے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہو وہ مامور کی جگہ کفایت نہیں کرسکتی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جس نے مکہ کے سوا کسی اور جگہ امکانی کوشش کرنے کے بعد غیر قبلہ کی طرف نماز ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف نہ تھا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اگر سوچ بچار کے بعد تاریکی میں نماز ادا کی اور جو لوگ موجود تھے اُن سے دریافت نہ کیا پھر پتہ چلا کہ قبلہ دوسری جانب تھا تو وہ شخص نماز کا اعادہ کرے

ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ فرق درست نہیں۔ اس لیے کہ سوچ بچار (تحری) بھی اجتہاد ہی کی ایک قسم ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں جس نے غیر قبلہ کی جانب منہ کرکے نماز پڑھی اگر اس کی پشت قبلہ کی طرف ہو تو نماز کا اعادہ کرے۔ اگر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے توڑ کر از سر نو شروع کرے۔ اگر مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کیے ہو تو اعادہ نہ کرے بلکہ سابقہ نماز پر بنا کرے اور کعبہ کی جانب پھر جائے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ تفریق فاسد ہے۔ کیوں کہ پوری ملتِ اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ کعبہ سے

دانستہ انحراف نماز کے ٹوٹ جانے کا موجب ہے۔ کعبہ کی جانب پُشت کرنے کی طرح یہ کبیرہ گناہ ہے کعبہ سے دانستہ انحراف اور استدبار (کعبہ کی جانب پیٹھ کرنا) دونوں یکساں ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اہل قبا بھی کعبہ کی طرف پُشت کیے ہُوئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے جو تفریق کی ہے وہ اُن کے کسی پیش رَو سے منقول نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جس شخص کی نگاہ سے آثار و علائم پوشیدہ ہوں یا جو تاریکی میں محبوس ہو یا نابینا ہو اور رہنما موجود نہ ہو تو یہ لوگ جس طرف بھی ممکن ہو نماز ادا کریں اور جب قبلہ کا پتہ چلے تو نماز کا اعادہ کریں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کی یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ جب انہیں نماز کا حکم دیا گیا تھا تو وہ ایسی نماز کے مامور تھے جو مقبول ہو اور حکمِ الٰہی کے مطابق ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ ایسی نماز کے مامور تھے جو حکمِ الٰہی کے مطابق نہ ہو اور غیر مقبول ہو۔

ان کے سوا تیسری کوئی صورت ممکن نہیں۔ بصورتِ اوّل جب اُن کی نماز حکمِ الٰہی کے مطابق ہے تو وہ اس کا اعادہ کس لیے کریں؟ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ فاسد ہے اس لیے کہ کوئی آمر نہ ایسی نماز کا حکم دے سکتا ہے اور نہ ہی مامور اس کی تعمیل کر سکتا ہے۔

ابوسلیمان (یعنی داؤد ظاہری) کہتے ہیں ان کی نماز بہر حال ہو جائے گی۔ اگر حالتِ نماز میں قبلہ معلوم ہو جائے تو وہ سابقہ نماز پر بنا کریں۔ اور دونوں کا فرق ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ ایک تاریک رات میں ہم رسُولِ اکرم صلّی اللہ عَلَیْہِ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ ہمیں قبلہ کا پتہ نہ چلا اور ہر شخص نے اپنے سامنے منہ کر کے نماز ادا کر لی صبح ہوئی تو ہم نے رسولِ کریمؐ کی خدمت میں ماجرا بیان کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ-۱۱۵) "تو جدھر تم رُخ کرو اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے"

عطاء حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے تو ہم پر تاریکی چھا گئی اور ہم قبلہ کو پہچان نہ سکے۔ راوی کا بیان ہے کہ صحابہ کے مابین قبلہ کا جو اختلاف تھا انہوں نے اپنی اپنی اختیار کردہ جہتوں کی طرف لکیریں کھینچ دیں۔ جب صبح ہوتی تو معلوم ہُوا کہ یہ لکیریں قبلہ رُخ نہیں ہیں۔ ہم نے اس ضمن میں

رسول کریمؐ سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی " فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "

ہم ان دونوں حدیثوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحیح نہیں۔ اس لیے کہ عبداللہ بن عامرؓ کی حدیث کو صرف عاصم بن عبیداللہ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی حدیث کو صرف عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی نے عطاء سے روایت کیا ہے۔ اور عاصم اور عبدالملک دونوں ضعیف[1] ہیں۔ بالفرض اگر یہ دونوں حدیثیں صحیح بھی ہوتیں تو ہمارے لیے حجت ہوتیں۔ اس لیے کہ ان صحابہ کو قبلہ معلوم نہ تھا۔ اور نہ جاننے والے (جاہل) کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ جب کہ ناسی (بھول جانے والے) کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ (وباللہ تعالیٰ التوفیق)

۲۵۴۔ نماز کی نیّت فرض ہے

نماز کی نیّت فرض ہے۔ اگر فرضی نماز ہو تو اس کے نام کے ساتھ نیت کرے (مثلاً ظہر یا عصر کے فرض) نیز قبلہ رُخ ہونے کی بھی نیت اپنے جی میں کرے۔ یہ نیت تکبیر تحریمہ سے قبل نیتِ احرام کے متصل ہونی چاہیے۔ دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور اگر نفلی نماز ہو تو نفل کی نیت کرے۔ جو اس طرح نیت نہ کرے اس کی نماز نہ ہو گی۔

اس کی دلیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ " اعمال کا اجر و ثواب نیت پر موقوف ہے۔ اور ہر آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی " ہم قبل ازیں یہ حدیث مع سند ذکر کر چکے ہیں، یعنی

---

[1] ابن حزمؒ سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ یہ حدیث دراصل عبداللہ کے باپ عامر بن ربیعہ کی روایت کردہ ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ تابعی ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ آپ کو دیکھا مگر آپ سے ایک حرف بھی نہیں سُنا۔ اس حدیث کو طیالسی نے اپنی مسند (ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۱۱۴۵) اور ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۱ و التفسیر سورۃ بقرہ میں روایت کیا، اس کو ضعیف کہا ہے۔ نیز ابن ماجہ (ج ۱ ص ۱۶۵) ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ج ۱ ص ۴۱۴) دارقطنی (ص ۱۰۱) بیہقی (ج ۲ ص ۱۱) یہ سب محدثین اس حدیث کو بطریق (عاصم بن عبیداللہ، از عبداللہ بن عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں) عاصم نہایت ضعیف راوی اور مضطرب الحدیث ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ نیز حاکم نے المستدرک (ج ۱ ص ۲۰۶) میں نقل کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مگر الذہبی نے اپنے مختصر میں اس کو غلط ٹھہرایا ہے۔ بیہقی (ج ۲، ص ۱۲) میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند بھی صحیح اور قوی نہیں ہے۔ بیہقی کی یہ بات درست ہے (اور ابن حزمؒ کی تائید میں ہے)۔

کتاب الطہارۃ کے شروع میں، نیز یہ آیت اس کی دلیل ہے۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (البیّنہ۔۵) "اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں"

نماز اللہ کی عبادت ہے۔ اگر نیّت اور آغازِ صلوٰۃ کے درمیان تھوڑا سا فصل بھی جائز ہوتا ـــــ خواہ ایک منٹ کا ہو یا ایک اشارۂ چشم کا ـــــ تو اتنا فاصلہ بھی جائز ہوتا اور اس سے زیادہ بھی۔ حتیٰ کہ یہ فاصلہ ایک یا دو سُنّتوں تک بھی بڑھایا جا سکتا تھا۔ اور یہ ظاہر البطلان ہے۔ یا مخالف اپنی رائے سے اس فاصلہ کی حدّ مقرر کرے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ اور اگر نماز کی نیّت تکبیرِ تحریمہ سے متّصل ہوتی مگر اس سے مقدّم نہ ہوتی تو آغازِ نماز کا پہلا جزو نیّت سے خالی رہ جاتا۔ اس لیے کہ نیّت کے معنی عمل کا قصد کرنے کے ہیں۔ اور عمل کا قصد بالارادہ عمل سے مقدّم ہوتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں آغازِ نماز سے پہلے نیّت جائز ہے۔ مگر جو شخص اس بات کا قائل ہے اسے تقدّم کی حدّ مقرر کرنی چاہیے کہ کس حد تک تقدّم جائز ہے اور کس حد تک جائز نہیں۔ ورنہ وہ تاریکی میں بھٹکتے رہیں گے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نیّت وہ کافی ہے جو تکبیر کے ساتھ ملی ہوئی ہو، نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ غلط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ہم نے جو بات کہی ہے داؤد اور ابوحنیفہؒ کا موقف بھی وہی ہے۔ البتہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز بلا نیّت جائز نہیں مگر نماز کی نیّت کیے بغیر اس کے لیے وضو جائز ہے۔ یہ کھلا ہُوا تناقض ہے۔

۳۵۵۔ نماز میں نیّت کی تبدیلی

اگر نماز پڑھتے وقت بھول کر اس کی نیّت کسی اور نماز کی طرف منتقل ہو گئی، یا نوافل کی جانب پھر گئی، یا نماز سے فراغت کی جانب لوٹ گئی تو اس تبدیلی کے بعد جو نماز ادا کی اس کو نظر انداز کر دے اور نیّتِ صحیحہ کے ساتھ جو نماز ادا کی تھی اس پر بنا کرے وہ نماز اس کے لیے کفایت کرے گی۔ پھر سجدۂ سہو ادا کرے۔ اور اگر نیّت کی یہ تبدیلی نماز کے کسی ایسے عمل کے بارے میں ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیتا تو اس کے ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہوتی تو اندریں صورت صرف سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ اس لیے کہ اس نے حسبِ حکمِ ربانی نماز کے تمام اعمال پورے کر دیئے۔ البتہ اس نے بھول کر نماز میں ایک ایسے عمل کا اضافہ کیا ہے کہ اگر اسے دانستہ نماز میں شامل کرتا تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سجدۂ سہو

لازم آتا ہے۔

۳۵۶۔ تکبیر تحریمہ فرض ہے

تکبیر تحریمہ فرض ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ اس کی دلیل

۵۳۶ ۔ وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از عُبید اللہ بن عمر، از سعید المقبری، از والد اُو) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ اندریں اثنا ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا (تا آخر)۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "لوٹ جاؤ اور پھر نماز پڑھو کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی"۔ تین مرتبہ آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرماتے۔ اُس شخص نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے نماز سکھلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو تو تکبیر کہو"۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۲۴۶ و ۲۷۳- والاستیذان باب ۱۸، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث میں حضورؐ نے تکبیر تحریمہ کا حکم دیا۔ لہٰذا جس شخص نے اسے ترک کر دیا اس نے رسولِ کریمؐ کے حکم کے مطابق نماز ادا نہیں کی۔ اور جس نے آپ کے حسب الحکم نماز ادا نہیں کی گویا اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ جیسا کہ (اس حدیث میں) خود نبی اکرمؐ نے فرمایا:

چنانچہ امام مالکؒ، شافعی، احمد اور داؤد رحمہم اللہ تعالیٰ تکبیرِ تحریمہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر تکبیرِ تحریمہ کے بجائے کچھ ذکر کر لے تو کافی ہے۔ مثلاً کہے "اللہ اعظم" یا اس قسم کا کوئی اور جملہ انہوں نے اذان کے عوض بھی ایسا جملہ کہنے کی اجازت دی ہے۔ مگر نماز شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایسا جملہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ حد درجہ کا مغالطہ، ہدم اسلام کا موجب اور فاسد قسم کی ایک نئی شریعت ہے۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین اس ضمن میں ان آیات سے احتجاج کرتے ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۔ (الاعلیٰ ۱۴-۱۵) "بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"۔

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں اس آیت میں نماز کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ بخلاف ازیں حدیث میں ان اعمال کا ذکر

کیا گیا ہے جن کے بغیر نماز درست نہیں۔ لہٰذا اس آیت کی بنا پر حدیث کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا جا سکتا۔ آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ذکرِ الٰہی نماز کے علاوہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آیت میں "فَصَلّٰی" کے الفاظ ہیں۔ جن میں صلوٰۃ کا عطف ذکر پر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی نماز سے پہلے ہے۔ جس طرح فرمایا "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ۔۱۴)" میرے ذکر کے وقت نماز قائم کرو۔" اللہ کے نام کا ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی نیت کی جائے کہ یہ کام میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے رہا ہوں۔

۳۵۷۔ تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ

تکبیرِ تحریمہ میں یہ الفاظ کافی ہیں: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَاللّٰہُ الْاَکْبَرُ، وَالْاَکْبَرُ اللّٰہُ، وَالْکَبِیْرُ اللّٰہُ، وَاللّٰہُ الْکَبِیْرُ، وَالرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ۔" اسماءِ الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ تکبیر کا لفظ کہے تو کافی ہے۔ ان کے سوا دیگر الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تکبیر کہو" اور یہ تمام تکبیر کے الفاظ ہیں۔ دیگر الفاظ پر تکبیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ، شافعی اور داؤد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں "اللّٰہُ اَکْبَرُ" کے سوا دیگر الفاظ کافی نہیں ہیں۔ تکبیر کی یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ بعض اہلِ علم نے دعویٰ کیا ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں "جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اللہ اکبر کہو۔"[ا]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ باطل اور غیر معروف ہے۔ اگر ہم اس کو صحیح سمجھتے تو اس پر عمل پیرا ہوتے۔

اگر مخالفین کہیں کہ لوگ اسی پر عمل پیرا رہے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ:

۱۔ لوگ تو آیتِ کریمہ کے مطابق وضو کرتے وقت ترتیب پر عمل پیرا رہے ہیں مگر تم اس کی خلاف ورزی کو

[ا] یہ بات بلا دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک اسی بات پر تواترِ عملی رہا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ "اللہ اکبر" کے الفاظ کے ساتھ کہی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کا حکم دینے سے یہی مراد ہے۔ اس سے زیادہ توضیح ممکن نہیں۔ مزید براں طبرانی نے الکبیر میں بدیں الفاظ روایت کی ہے کہ "لوگوں میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی حتیٰ کہ صحیح طریقہ سے وضو کرے پھر اللہ اکبر کہے۔" مجمع الزوائد میں ہے کہ "اس حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔" (ابنِ حزم سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ جتنے الفاظ بیان کیے ہیں اس میں سے صرف اور صرف اللہ اکبر ہی ثابت ہے اور کوئی نہیں)۔

جائز ٹھہراتے ہو۔

۲۔ لوگ وضو میں ناک صاف کرنے اور ناک کو پانی دینے پر عمل پیرا رہے ہیں اور رسولِ کریمؐ کا صحیح معمول بھی یہی تھا مگر تم کہتے ہو جو اس کو ترک کر دے اس کا وضو اور نماز کامل ہے۔

۳۔ لوگوں کا معمول یہ رہا ہے کہ نماز فجر اور باقی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سُورۃ الفاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کی کوئی سُورت شامل کی جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ سُورۃ کے بغیر بھی نماز مکمل ہے۔

۴۔ لوگ ہمیشہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین پر عامل رہے ہیں۔ مگر تم کہتے ہو کہ رفع الیدین کے بغیر بھی نماز مکمل ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی تواتر اس وقت حجت ہوتا ہے جب تم چاہو۔ اور اگر نہ چاہو تو حجت نہیں۔ اس کے نظائر و امثال بے شمار ہیں ـــــ و باللہ تعالیٰ التوفیق

۳۵۸۔ تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین

آغازِ نماز میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز درست نہیں۔

۵۳۷۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از محمد بن المثنّٰی، از عبدالوہاب ابن عبدالمجید الثقفی، از ایوب سختیانی، از ابوقلابہ، از مالک بن حُویرث] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک اور ان کے ساتھیوں کو فرمایا کہ "نماز اس طرح پڑھا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو" (بخاری کتاب الصلوٰۃ والادب والآحاد، دارمی کتاب الصلوٰۃ، مسند احمد ۵: ۵۳)۔

۵۳۸۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن

---

[1] ابن حزم نے مقلدین پر جو نقد و الزام عائد کیا ہے وہ الزامی طور پر تو صحیح ہے لیکن اس سے مسئلہ کی صحیح صورت واضح ہونے کے بجائے الجھ گئی۔ وہ اس طرح کہ کسی سنت و تواتر کو مقلدین ترک کر دیں اور کسی کو ابن حزم، پھر دونوں میں فرق کیا باقی رہا۔ یہاں مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک تحریمہ کے لفظ صرف اور صرف "اللہ اکبر" ہی عملاً و تواتراً اور سنداً و حکماً ثابت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

حجاج، از ابو کامل الجحدری، از ابو عوانہ، از قتادہ، از نصر بن عاصم، از مالک بن حویرث] روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کانوں کے برابر ہو جاتے۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔

مزید براں ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از عمر بن عبدالملک، از محمد بن بکر، از سلیمان بن اشعث، از احمد بن حنبلؒ، از سفیان بن عیینہ، از زہری، از سالم بن عبداللہ بن عمر، از عبداللہ بن عمر) روایت کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے (تا آخر) (مسند احمد ۲ : ۸، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اگر معترض کہے کہ پھر تم نے بعینہٖ اس حدیث کی بنا پر رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین کو فرض کیوں نہ قرار دیا؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، اور بعض اوقات نہیں کرتے تھے۔[1]

۵۲۹۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [حمام، از عباس بن اصبغ، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از محمد بن اسماعیل الصائغ، از زہیر بن حرب ابوخیثمہ، از وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم بن کلیب، از عبدالرحمٰن بن اسود، از علقمہ، از عبداللہ بن مسعودؓ] روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کیا میں تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر اس کا اعادہ نہ کیا۔[2]

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں

[1] یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین پر مداومت ثابت ہے۔

[2] ابوداؤد (ج ۱ ص ۲۷۲) بروایت عثمان بن ابی شیبہ، از وکیع بدیں الفاظ "آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث کو طویل حدیث سے مختصر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے (پھر اس حدیث میں ابن مسعودؓ کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ کی نماز انہوں نے پڑھ کر بتائی، لیکن اس میں کوئی استثنا نہیں کیا یعنی اس دعویٰ سے ہمیشہ کی نماز بغیر رفع یدین ثابت ہوئی۔ لیکن ابن حزم اسے کبھی کبھار پر محمول کرتے ہیں جو اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں (ابوالاشبال پاکستانی)

(رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا) مستحب ہیں فرض نہیں ہیں۔ ہمیں اسی طرح نماز ادا کرنی چاہیے۔ اگر ہم نے رفع الیدین کیا تو ہم نے آپ کی طرح نماز ادا کی۔ اور اگر رفع الیدین نہ کیا تو بھی ہماری نماز آپ کی طرح ہوئی۔

چنانچہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از احمد بن حنبل، از ولید بن مسلم، از زید بن واقد، از نافع مولیٰ ابن عمرؓ روایت کیا ہے۔ نافع کہتے ہیں جب عبداللہ بن عمرؓ کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا تو اسے کنکر مارتے اور رفع الیدین کرنے کا حکم دیتے۔ (مناقب امام احمد ص ۸۳، و معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۱۸ و تاریخ جرجان ۴۳۳)

ابن حزمؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے شخص کو کنکر نہیں مار سکتے تھے جو ایسی بات کو ترک کر دے جس بات کے چھوڑ دینے کا اسے اختیار ہو۔

امام اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کو فرض قرار دیتے ہیں۔ ہمارے بعض متقدمین اصحاب کا موقف بھی یہی ہے۔

۳۵۹۔ امام و مقتدی ہر ایک پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے

سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے۔ امام ہو یا مقتدی، اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا باجماعت۔ فرائض ہوں یا نوافل، مرد ہو یا عورت فاتحہ سب پر فرض ہے۔

۵۴۰۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق (عبدالرحمٰن بن عبداللہ، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از علی بن عبداللہ، از سفیان بن عیینہ، از زہری، از محمود بن ربیع، از عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ام القرآن (سورۃ الفاتحہ) نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۴۶، مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۱، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳۷، ترمذی کتاب الصلوٰۃ، باب ۶۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۲۸۱، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱)

اگر معترض کہے کہ تم نے کس دلیل کی بنا پر فاتحہ کو ہر رکعت میں فرض قرار دیا ہے؟

۵۴۱۔ ہم کہیں گے اس حدیث کی بنا پر جس کو ہم نے بطریق (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید القطان، از عبیداللہ بن عمر، از سعید المقبری) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جس کو رسول اکرمؐ نے نماز دہرانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے عرض کی کہ وہ اس سے بہتر

نماز ادا نہیں کر سکتا۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا " جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو تو تکبیر کہو۔ پھر قرآن میں سے جس قدر پڑھ سکو پڑھو۔ پھر اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر رکوع سے اٹھو حتی کہ برابر کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر تمام نمازوں میں اسی طرح کرو" (حوالہ حدیث ۵۳۶ میں گزر چکا)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

۳۴۱۔ مُقتدی امام کے پیچھے صرف سُورۃ الفاتحہ پڑھے

مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ اور پڑھنا جائز نہیں۔

۵۴۲۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [حمام، از عبداللہ بن محمد بن علی الباجی، از محمد بن عبدالملک بن ایمن، از احمد بن مسلم، از ابوثور ابراہیم بن خالد، از یزید بن ہارون، از محمد بن اسحاق، از مکحول، از محمود بن ربیع] حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسُولِ کریمؐ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہُوئے تو فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! یا رسُول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ فرمایا " سُورۃ الفاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیوں کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی کتابُ الصّلوٰۃ)

عُلمائے سلف کی ایک جماعت نے سُورۃ الفاتحہ کو نماز میں واجب ٹھہرایا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سُفیان ثوری، از سلیمان شیبانی، از جوّاب، از یزید بن شریک روایت کیا ہے کہ اُس نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کیا مَیں امام کے پیچھے پڑھا کروں؟ کہا ہاں! اس نے کہا امیر المومنین! اگر آپ پڑھ رہے ہوں تب بھی؟ فرمایا ہاں! اگرچہ مَیں پڑھ رہا ہوں۔ (عبدالرزاق ۲ : ۱۳۰، ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۳، جزء القراءت امام بخاری، ص ۱۵)

جیسا کہ ہم نے بطریق حجّاج بن منہال، از ابوعوانہ، از ابراہیم بن محمد بن المنتشر، از والداُو، از عبایہ بن رِدّاد، حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا " کوئی نماز فاتحہ کے بغیر جائز ہے اور نہ ہی کافی ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی" ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین! اگر مَیں امام کے پیچھے یا سامنے ہوں تو پھر کیا کروں؟ فرمایا اپنے جی میں پڑھ لیا کرو۔ (طبقات ابن سعد ۶ : ۱۴۷)

ابوعوانہ، سلیمان سے، وہ خیثمہ سے اور وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا " وہ نماز

جائز نہیں یا کافی نہیں جس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۶۰)

نیز ہم نے بطریق وکیع، از عبداللہ بن عون، از رجاء بن حیوہ، از محمود بن ربیع روایت کیا ہے کہ میں نے نماز پڑھی۔ میرے پہلو میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا ابوالولید! کیا میں نے نہیں سنا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے؟ فرمایا ہاں! فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵)

ہم نے بطریق وکیع، از اسماعیل بن ابی خالد، از العیزار بن حریث، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا "میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵، وعبدالرزاق ۲ : ۹۴)

نیز ہم نے بطریق عبدالرزاق، از المعتمر بن سلیمان، از لیث، از عطاء، عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ "امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ خواہ جہراً پڑھ رہا ہو یا سراً" (عبدالرزاق ۲ : ۱۳۰، ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۳)

عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ترک نہیں کرتے تھے" (عبدالرزاق ۲ : ۹۳)

دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے "اپنے جی میں پڑھ لیا کرو" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۳۷۵)

عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: "ہر رکعت میں فاتحہ پڑھا کرو یا فرمایا ہر نماز میں" عروہ بن زبیر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۹۳)

معاذ[1]، عبداللہ بن عون سے، وہ رجاء بن حیوہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے "اگر کوئی شخص امام کی اقتداً

---

[1] معاذ سے ابوالمثنیٰ معاذ بن معاذ بن نصر التمیمی مراد ہے۔ اس کے شیخ کا نام ابوعون عبداللہ بن عون ابن ارطبان المزنی ہے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

میں نماز پڑھ رہا ہو، امام خواہ جہراً پڑھے یا سراً، سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے"

حجاج بن منہال، ابوہلال الراسبیؒ[1] سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ایک پڑوسی نے حسن بصری سے پوچھا میں جمعہ کی نماز امام کے پیچھے پڑھتا ہوں مگر اس کی قراءت مجھے سنائی نہیں دیتی (تو کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟) فرمایا "سورۃ الفاتحہ پڑھ لیا کرو" اس شخص نے کہا کوئی اور سورۃ بھی پڑھا کروں؟ فرمایا وہ امام تجھے کافی ہے"

ہم نے بطریق (حماد بن سلمہ، از محمد بن عمرو، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف) روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "امام دو مرتبہ خاموش رہتا ہے، ان میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو غنیمت جانو۔ ایک تو اس وقت جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرتا ہے۔ دوسرے اس وقت جب وہ "وَلَا الضَّالِّيْنَ" کہتا ہے۔ اس ضمن میں بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں۔ (جزء القراءۃ للبخاری، ص ۶۵)

احناف کا موقف: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں۔ اگر امام اور منفرد "آیۃ الدَّين" (سورۃ البقرہ کے آخر میں طویل آیت جس میں قرضے کا ذکر ہے) یا اس قسم کی کوئی طویل آیت پڑھ لیں اور فاتحہ نہ پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔ اُن کے نزدیک نماز کی صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ خواہ پہلی دو رکعتیں ہوں یا پچھلی۔ یا پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت اور آخری دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں۔ امام جہراً پڑھے یا سراً، مقتدی کسی حالت میں بھی کچھ نہ پڑھے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ہر نماز میں امام اور منفرد دونوں پر فرض ہے۔ اگر امام اور منفرد دونوں کسی رکعت میں فاتحہ نہ پڑھیں تو اس ضمن میں ان کے دو مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس رکعت کو نظر انداز کر کے دوبارہ ایک رکعت پڑھے۔ اور دوسرے قول کے مطابق صرف سجدۂ سہو کرنا کافی ہے۔ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں جب امام سراً پڑھتا ہو تو ان کے نزدیک مقتدی سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھ سکتا ہے۔ باقی جن نمازوں میں امام سراً پڑھتا ہے مقتدی ہر رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ یہ بات ان کے نزدیک مستحسن ہے۔ جن نمازوں میں امام جہراً پڑھتا ہے ان میں مقتدی کو کچھ نہیں پڑھنا چاہیے۔

---

[1] اس کا نام محمد بن سلیم بصری ہے بنو راسبہ کے قبیلہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے راسبی کہلایا ۱۶۵ھ میں فوت ہوا اس میں قدرے ضعف ہے۔

امام شافعیؒ کا آخری قول تو ہمارے قول کے مطابق ہے۔ امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا قول بھی یہی ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اصحاب کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے امام سراً پڑھتا ہو یا جہراً۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف سری نمازوں میں فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے جہری نمازوں میں نہیں۔ مگر اس بات میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ہر رکعت میں امام اور منفرد پر سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں جو لوگ سورۃ الفاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے وہ اس آیت سے احتجاج کرتے ہیں:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمل۔۲۰) "قرآن میں سے جو پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔"

نیز وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز دہرانے کا حکم دیا اور اُسے فرمایا کہ "قرآن میں سے جو پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔" (حدیث المسیئ فی الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں حضرت عبادہؓ سے مروی حدیث اس دوسری حدیث کی توضیح کرتی ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" سے صرف فاتحہ مُراد ہے۔ جو شخص حضرت عبادہؓ سے مروی حدیث کو ترجیح دیتا ہے وہ اس آیت اور تمام احادیث پر عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الفاتحہ "مِمَّا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں شامل ہے۔ اور جو شخص حضورؐ کے ارشادِ گرامی کہ "قرآن سے جو آسان لگے پڑھ لیا کرو" کو ترجیح دیتا ہے وہ حضرت عبادہؓ سے منقول حدیث کی خلاف ورزی کرتا اور اس نماز کو جائز ٹھہراتا ہے جس کو رسولِ کریمؐ نے باطل ٹھہرایا تھا۔ اور یہ ناروا ہے خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کی یہ تقسیم کہ نمازی خواہ ایک طویل آیت پڑھے یا تین مختصر آیات۔ اس سے کم ممنوع ہے یہ ایسا قول ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے پہلے کسی سے منقول نہیں اور نہ ہی کسی دلیل پر مبنی ہے۔ یہ قول قرآنِ کریم اور جملہ احادیث کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں سے جتنا بھی پڑھ لے کافی ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جہراً پڑھنے والے امام کا مقتدی کچھ نہ پڑھے وہ اِس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ "اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سُنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے

فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ	پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور
مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ	پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور
مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ (الاعراف: ۲۰۴-۲۰۵)	غافل نہ ہونا۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ یہ پوری آیت اُن کے خلاف حجت ہے۔ اس لیے کہ اگر آیت کا ابتدائی حصہ نماز سے متعلق ہے تو آخری حصہ بھی نماز کے بارے میں ہے۔ اور اگر آخری حصہ نماز سے متعلق نہیں تو ابتدائی حصہ بھی نماز سے غیر متعلق ہے۔ آیت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ذکرِ الٰہی سرًّا کیا جائے اور جہرًا نہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین ابنِ اُکیمہ سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: "کیا بات ہے کہ میرے قرآن پڑھتے وقت ٹکراؤ ہوتا ہے۔" اس حدیث میں زُہری کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ "جن نمازوں میں حضورؐ جہراً پڑھا کرتے تھے لوگ ان میں کچھ پڑھنے سے باز رہتے۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کے روایت کرنے میں ابنِ اُکیمہ[1] منفرد ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ مجہول راوی ہے۔ بشرطِ صحت یہ حدیث ہمارے مخالفین کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ احادیث میں باہم جمع و تطبیق کی کوشش کرنا چاہیے نہ کہ تناقض و تعارض کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے حق ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، مخالفت نہیں کرتا، اس لیے یہ بات لازم ہے کہ آپ کے پورے کلام کو بظاہر جیسے بھی ہے اخذ کیا جائے۔ اس میں کمی بیشی سے احتراز کیا جائے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن میں باہم تصادم نہ ہونے پائے (اور وہ اس طرح کہ مقتدی بھی اونچی آواز سے پڑھنے لگے) یہ ہے خلاصہ ہمارے قول کا ـــ وللہ الحمد ـــ اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے

---

[1] ابنِ اُکیمہ اللیثی کے نام میں اختلاف ہے بعض اہلِ علم اس کا نام عمارہ بتاتے ہیں۔ وہ ثقہ تابعی ہے۔ اس کی حدیث کو امام مالکؒ نے (موطا ص ۲۹-۳۰) میں بروایت زُہری، از ابنِ اُکیمہ از ابوہریرہؓ نقل کیا ہے۔ نیز ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۰۵) ترمذی (ج ۱ ص ۴۶) نسائی (ج ۱ ص ۱۴۶) - یہ سب بطریق مالک روایت کرتے ہیں۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث پر نقد و تبصرہ کے لیے دیکھیے عون المعبود شرح ابوداؤد، نیل الاوطار (ج ۲ ص ۲۳۸)۔

حضورؐ کے کلام میں کمی بیشی پر مبنی ہے۔

حنفیہ اس ضمن میں ایک صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن عجلان سے مروی ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ۔جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو۔جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔جب بیٹھ کر نماز پڑھے۔تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھا کرو" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کی مخالفت کی وجہ سے سب سے پہلے حنفیہ اور مالکیہ کو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگنی چاہیے اس لیے کہ وہ اس حدیث میں مندرج اکثر احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔مندرجہ ذیل امور پر غور فرمائیں۔

۱۔حنفیہ و مالکیہ امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر کہتے ہیں اس کے ساتھ نہیں۔

۲۔پھر وہ دیگر تکبیریں امام کے ساتھ کہتے ہیں۔اس کے ساتھ رکوع کرتے اور سر اٹھاتے ہیں۔نہ امام سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔مگر اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

۳۔اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو"مگر حنفیہ ایک جھوٹی حدیث پر عمل کر کے اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔اور غیر موجود ظن کی پیروی کرتے ہیں

حیرت کی بات ہے کہ اس حدیث میں مذکور متعدد مسائل میں سے وہ صرف ایک مسئلہ کی بنا پر اس سے احتجاج کرتے ہیں۔حالانکہ وہ اُن کے لیے حجت نہیں بن سکتا۔مگر اس کے ماسوا دیگر تمام مسائل و احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اور ہم دونوں قسم کی احادیث پر عمل پیرا ہیں۔اس لیے کہ حضورؐ کے تمام ارشادات کے مابین جمع و تطبیق ضروری ہے اور آپ کے سب ہی اقوال واجب التعمیل ہیں۔اس کے سوا کوئی بات درست نہیں۔مثلاً حضورؐ نے فرمایا "جب امام پڑھے تو خاموش رہو"دوسری حدیث میں فرمایا "جو اُم القرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی"

ان تمام اوامر میں دو باتوں میں سے ایک پر عمل کرنا ضروری ہوگا تیسری کوئی وجہ ممکن نہیں۔

یہاں مندرجہ ذیل احتمالات پائے جاتے ہیں :

۱۔حضورؐ نے فرمایا جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو البتہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ہمارا موقف یہی ہے۔

۲-آپ نے فرمایا "جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی" بجز اُس صورت کے جب کہ امام پڑھ رہا ہو (یعنی اس وقت فاتحہ ضروری نہیں، جیسا کہ بعض اہلِ علم کا مسلک ہے۔

۳-آپ نے فرمایا "جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی" اِلّا یہ کہ امام جہراً پڑھ رہا ہو (یعنی اس وقت فاتحہ ضروری نہیں ہے) جیسا کہ دیگر اہلِ علم کا قول ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب ان وجوہ میں سے کسی ایک کو معمول بہ بنانا ازبس ناگزیر ہے تو ان میں سے کسی کو بلا دلیل و برہان ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ جب ہم نے اس صورتِ حال پر غور و فکر کیا تو ہمیں حضورؐ کی وہ حدیث ملی جو آپ نے نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ارشاد فرمائی تھی۔ اور واضح رہے کہ نمازِ فجر میں قراءت جہراً پڑھی جاتی ہے۔ حضورؐ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی جی ہاں! یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا "فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، اس لیے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (حوالہ حدیث نمبر ۴۴۵ میں گزر چکا)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع احادیث میں توفیق و تطبیق کے لیے یہ بات کافی ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث ابن اسحاق سے مروی ہے۔ مزید برآں مکحول گاہے اس حدیث کو بروایت محمود بن ربیع از عُبادہ ذکر کرتا ہے اور گاہے بطریق نافع بن محمود بن ربیع از عُبادہ نقل کرتا ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس اعتراض میں کچھ وزن نہیں۔ اس لیے کہ محمد بن اسحاق ائمۂ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ زُہری نے ان کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور مدینہ میں اُن کے جو ہم عصر تھے اُن پر ترجیح دی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس سفیان ثوری، سفیان بن عُیَیْنَہ، شُعبہ، حمّاد بن زید، حمّاد بن سلمہ، یزید بن زُرَیع، یزید بن ہارون، ابراہیم بن سعد، عبداللہ بن مبارک اور دیگر مُحدِّثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ شُعبہ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق امیر المحدّثین اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔

حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ یہاں محمد بن اسحاق کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں انہوں نے ابن اسحاق کی اس روایت سے احتجاج کیا ہے جس کو ان کے سوا کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کے مشرّف باسلام ہونے کے بعد اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو سابقہ نکاح کی بنا پر ابوالعاص کے گھر بھیج دیا تھا۔ مقلدین کا حال تو یہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے خیالات سے ہم آہنگ ہو تو وہ حجت اور

اس کا راوی ثقہ ہوتا ہے۔ اور جب اُن کے خلاف روایت کرے تو وہ راوی مجروح ہو جاتا ہے ـــــ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مکحول کا ہے اس حدیث کو محمود سے روایت کرتا ہے اور کا ہے نافع بن محمود سے، تو یہ بات حدیث کے لیے تقویت کی موجب ہے نہ کہ ضعف کی۔ اس لیے کہ محمود اور نافع بن محمود دونوں ثقہ راوی ہیں۔ یہ حدیث اگر نہ بھی مروی ہوتی تو "اذا قرء فانصتوا" سے جو بات لازم آتی وہ صرف یہ تھی کہ جب امام پڑھ رہا ہو تو خاموش رہو۔ مگر جب امام وقفہ کرے تو اس میں پڑھا کرو یعنی سکتاتِ امام میں اس کا وجوب باقی رہے گا۔ اس حدیث سے اس حالت میں قراءت کی نفی نہیں ہوتی۔ مزید براں اکثر ائمہ حدیث نے "اذا قرء فانصتوا" کے حدیث ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں محمد بن عجلان نے ان الفاظ کے روایت کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ دراصل یہ حدیث کے الفاظ نہیں۔ یہ بات ابن معین اور دیگر محدثین نے کہی ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں ہم ثقہ راوی کی روایت کو بلا دلیل غلطی پر محمول نہیں کرتے۔ مگر ان الفاظ پر عمل کرنے کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے بتایا (کہ امام جب خاموش ہو تو سُورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے اور جب پڑھ رہا ہو مقتدی اس وقت خاموش رہے) ـــــ وباللّٰه التوفیق

ابن حزمؒ کہتے ہیں بعض نے کہا کہ "لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن" کے معنی یہ ہیں کہ کامل نماز نہیں ہوتی جس طرح آپ نے فرمایا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ (مُسند احمد عن انس) "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" یعنی اس کا ایمان کامل نہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ احتجاج درست نہیں۔ اس لیے کہ جب نماز مکمل نہیں ہوئی تو گویا وہ نماز ہی نہیں۔ اس لیے کہ ناقص نماز کامل کی جگہ نہیں لے سکتی۔ امانت کا بھی یہی حال ہے۔ امانت پُوری شریعت کا نام ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (الاحزاب: ۷۲)	"ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا۔"

یہ ٹھیک ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس میں شریعت کا اتباع نہیں اس میں دین نہیں۔

یہ دونوں الفاظ کا ظاہری مفہوم ہے جس سے اسے دوسری طرف منتقل کرنا درست نہیں۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ عن عبادہ)

بعض نے یہ بات کہنے کی جسارت کی ہے کہ "لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن" (مسلم، ابوداؤد، نسائی فی الصلوٰۃ عن عبادہ) تغلیظ پر محمول ہے۔ (یعنی تاکید کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے آپؐ نے یوں فرمایا)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ رسولِ کریمؐ کی تکذیب ہے جو کفر کی موجب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کسی شخص کا کفر نہیں ہے جو کہے کہ آپ نے یہ کہہ کر سختی کا اظہار فرمایا اور یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں بکثرت احادیثِ ضعیفہ میں یہ الفاظ وارد ہوتے ہیں کہ "جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔" (مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی، مُصنّف ابن ابی شیبہ) بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "امام اُس کے لیے کافی ہے۔" (مجمع الزوائد ۲: ۱۱۱)۔ یہ جملہ روایات یا تو مرسل ہیں اور یا جابر جُعفی کذّاب سے مروی ہیں۔ یا مجہول راویوں سے منقول ہیں۔ بفرضِ محال اگر یہ احادیث صحیح بھی ہوتیں تو حضورؐ کا ارشادِ گرامی "لا تفعلوا الّا بام القرآن" (حوالہ حدیث ۳۴۵ میں گزر چکا) "فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو۔" تمام احادیث کو منطبق کرنے کے لیے کافی تھا۔

اگر کوئی شخص وہ حدیث پیش کرے جس کو ہم نے بطریق البزّار، از محمد بن بشّار، از ابو عامر العقدی، از ھمّام، از قتادہ، از ابونضرہ، از ابوسعید، روایت کیا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے ہمیں سُورۃ الفاتحہ اور جو کچھ ہم پڑھ سکیں پڑھنے کا حکم دیا (ابنِ حزم نے بزار کی روایت لی ہے لیکن یہ روایت ابوداؤد، الصلوٰۃ باب ۱۳۷ میں موجود ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ قرآن میں سے جو پڑھ سکیں پڑھیں۔ لہٰذا اس سے دیگر اذکار مراد ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ذکر کرنا اور اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔

مزید براں ہم نے عمران بن حُصَین (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۳۶۰) اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "فاتحہ اور کم از کم تین آیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔" نیز ہم نے بطریق شعبہ، از ابراہیم بن محمد بن المنتشر، از عبایہ بن ردّاد، روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا کہ "کوئی نماز کفایت نہیں کرتی مگر دو آیتوں اور سُورۃ الفاتحہ کے ساتھ۔ اگر تم امام کے پیچھے ہو تو اپنے جی میں پڑھ لیا کرو۔" (طبقات ابن سعد ۶: ۷۴)

ہم نے اس کے برخلاف حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بطریق حمّاد بن سلمہ، از یحییٰ بن سعید

انصاری، از محمد بن ابراہیم التیمی، از ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف۔ کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں کچھ نہیں پڑھا تھا پھر فرمایا کیا تم نے پوری طرح رکوع اور سجدہ نہیں کیا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا (عبد الرزاق ۲: ۱۲۲)

نیز ہم نے بطریق حارث از علیؓ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا "میں نے نماز ادا کی ہے مگر اس میں کچھ نہیں پڑھا" حضرت علیؓ نے دریافت کیا کیا تم نے پوری طرح رکوع اور سجدہ کیا ہے؟ اس نے کہا کیا ہے حضرت علیؓ نے کہا "تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔ ہر کوئی تو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا۔" (بیہقی ۲: ۳۸۲)

ابن حزمؒ فرماتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دین میں کسی کا قول حجت نہیں ہے۔

۳۶۱۔ بعد میں آنے والا مقتدی سورۃ الفاتحہ مکمل کر کے رکوع کرے

جس شخص نے امام کی اقتدا میں نماز شروع کی اور سورۃ الفاتحہ کا آغاز کیا۔ ابھی اس نے فاتحہ مکمل نہیں کی تھی کہ امام نے رکوع کیا، تو یہ شخص فاتحہ کو مکمل کر کے رکوع کرے۔

اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کی کہ سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بسا اوقات میں تم سے پہلے رکوع کرتا ہوں جب میں رکوع سے اٹھوں تو تم اس کی تلافی کر لیا کرو۔" ہم اس حدیث کو مع سند باب "وجوب ان لا یرفع الماموم راسہ" میں نقل کریں گے —— ان شاء اللہ تعالیٰ

۳۶۲۔ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت نہیں ہوتی

اگر کوئی شخص آئے اور امام رکوع میں ہو آنے والا مقتدی اس کے ساتھ رکوع کرے اور اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ کیوں کہ اس نے قیام اور قراءت کو نہیں پایا جب امام سلام پھیرے تو یہ رکعت ادا کرے۔

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اگر مقتدی امام کے ساتھ رکوع کو پالے تو اس رکعت کو شمار کرے۔ انہوں نے چند ثابت شدہ اقوال و اخبار کے ساتھ احتجاج کیا ہے مگر اُن میں سے کوئی بھی اُن کے لیے حجت نہیں۔ ان میں سے ایک حضورؐ کی یہ حدیث ہے کہ "جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں "جس نے نماز کے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا" (موطا)۔ ایک حدیث حضرت ابوبکرہؓ سے منقول ہے کہ وہ مسجد میں آتے تو نمازی رکوع کی حالت میں تھے۔ وہ رکوع کے لیے جھک کر صف کی جانب چل

پڑے۔ جب رسولِ کریمؐ نے نماز ختم کی تو فرمایا "وہ تم میں سے کون تھا جو رکوع کیے صف میں شامل ہوا تھا۔ ابوبکرہؓ نے عرض کی وہ میں تھا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا اللہ تمہاری حرص میں اضافہ کرے آیندہ اس طرح نہ کیا کرو"۔ (بخاری، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ، مسند احمد ۵: ۳۹، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۵۰)

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ نبوی "جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا" حق ہے۔ یہ دراصل اُن کے خلاف حجّت ہے۔ اس لیے کہ نماز کا جو حصّہ اُس سے رہ گیا ہے اُس کی قضا اُس پر لازم ہے۔ یہ وہ بات ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ اگر اس نے رکوع کو پالیا تو اس نے وقفہ یعنی قیام کو پالیا۔

اسی طرح یہ حدیث کہ "من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة" بھی بلاشبہ حق ہے۔ مگر اس حدیث میں بھی یہ بات مذکور نہیں کہ اگر اس نے رکوع کو پالیا تو اس وقفہ یعنی قیام کو بھی پالیا جو رکوع سے پہلے تھا۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ رسول کریم کی گفتگو میں اس بات کو شامل کردے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

جہاں تک حضرت ابوبکرہؓ سے مروی حدیث کا تعلق ہے یہ بھی مخالفین کے حق میں حجّت نہیں۔ کیوں کہ اس میں مذکور نہیں کہ انہوں نے اس رکعت پر اکتفا کرلیا تھا اور اس کی قضا نہیں دی۔ لہٰذا مخالفین کا احتجاج کلّیۃً ساقط ہوا ــــــ وللہ الحمد

جب ان کے پیش کردہ تمام آثار و اخبار ساقط ہوئے تو وہ بات ثابت ہوگئی جو نبی کریمؐ سے منقول ہے اور جس کو ہم نے

۵۴۳۔ بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از ابوالولید الطیالسی، از شعبہ، از سعد بن ابراہیم، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "نماز کے لیے اس حال میں آؤ کہ تم پر اطمینان طاری ہو۔ جتنی نماز تمہیں جماعت کے ساتھ مل سکے پڑھ لیا کرو اور جو فوت ہوجائے اس کی قضا کرو"۔ (ابوداؤد مع عون، ج ۱، ص ۲۲۴، کتاب الصلوٰۃ باب ۵۵)

نیز رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جتنی نماز تم پاؤ وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرو"۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی کتاب الصلوٰۃ)

ہر صاحبِ خرد و دانش یقینی طور پر جانتا ہے کہ جو شخص امام کو دوسری رکعت کے شروع میں پائے تو اس کی

پہلی رکعت مکمل طور پر جاتی ہی۔ اور جس نے پہلی رکعت میں سے صرف ایک سجدہ پایا تو اس کا قیام، رکوع، اس کے بعد قومہ اور ایک سجدہ اور جلسہ فوت ہوگیا۔ اور جس نے پہلی رکعت کے دو سجدوں کا درمیانی جلسہ پا لیا تو اس کا قیام، رکوع، قومہ اور ایک سجدہ جاتا رہا۔ جس نے رکوع کے بعد قومہ کو پا لیا تو اس کا قیام، اور رکوع فوت ہوگیا۔ اور جس نے دو سجدے پالیے تو اس کا قیام اور رکوع فوت ہوگیا۔ اسی طرح جس نے رکوع کو پالیا تو اس کا قیام اور سورۂ فاتحہ کی قراءت فوت ہوگئی۔ حالانکہ دونوں فرض تھے اور ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح الفاظ میں نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز کا جو حصہ اس سے گزر گیا اس کی قضا کرے اور جو رہ جائے اس کو مکمل کرے۔ لہٰذا اس میں سے کسی چیز کی تخصیص بلا دلیل جائز نہیں اور ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔ یہ لوگ بزعمِ خویش اصحابِ قیاس ہونے کے مدعی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے قیام کے فوت ہونے اور قیام و رکوع دونوں کے فوت ہونے میں تفریق کی ہے؟ چنانچہ وہ ایک کی قضاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور دوسرے کی قضاء کو نہیں۔ اس طرح انہوں نے نہ تو قیاس پر عمل کیا اور نہ ہی نصوص کا اتباع ضروری سمجھا۔

حیرت کی بات ہے کہ اُن میں سے بعض لوگوں نے اپنے قول پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از ابن عجلان، از عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "جب تم جماعت میں شرکت کرو اور وہ رکوع کر رہے ہوں تو اُس وقت تک تکبیر نہ کہو جب تک تم صف میں اپنی جگہ نہ لے لو"۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ ۱: ۲۵۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ "جب تک فاتحہ نہ پڑھو رکعت کو شمار نہ کرو (جزء القراءۃ للبخاری والبیہقی)

چنانچہ ہم نے بطریق عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از منصور، از زید بن وہب روایت کیا ہے کہ میں اور ابنِ مسعودؓ مسجد میں داخل ہوئے تو امام رکوع کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے بھی رکوع کیا اور صف میں برابر کھڑے ہو گئے۔ جب امام فارغ ہُوا تو مَیں کھڑا ہو کر قضا پڑھنے لگا۔ ابن مسعودؓ نے کہا "تم نے اسے پا لیا ہے" (یعنی تمہاری نماز مکمل ہو گئی)۔ (عبدالرزاق ۲: ۲۸۳، ابن ابی شیبہ ۱: ۲۵۵، والبیہقی ۲: ۹۰)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں زید بن وہب صحابی ہیںؓ اور وہ قضاء کو واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے زید بن وہب کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے پھر کیا ہُوا؟ جب دو صحابی باہم مختلف الرائے ہوں تو اس وقت کتاب و سُنّت کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے کسی اور کی طرف رجوع جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا نہ تو ابن مسعودؓ کا قول زید پر حجت ہے اور نہ زید کا قول ابن مسعودؓ کے لیے واجب التعمیل ہے۔ بخلاف ازیں رسولِ اکرمؐ کا قول ان دونوں پر اور تمام جن وانس پر حجت ہے۔ اِس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ زید نے ابنِ مسعودؓ کے قول کی جانب رجوع کر لیا تھا۔ اگر رجوع کر بھی لیتے تو ان کا رجوع حجت نہ ہوتا۔ اس لیے کہ ان کا اختلاف تو ابنِ مسعودؓ سے ہو چکا تھا۔

چنانچہ ہم نے بطریق حجاج بن منہال، از ربیع بن حبیب، از محمد بن سیرین روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب تم قوم کے پاس آؤ اور وہ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اور تم وہ تکبیر پالو جس کے ساتھ تم نماز میں داخل ہو سکو، نیز رکوع کی تکبیر تو تم نے وہ رکعت پالی۔ ورنہ رکوع اور سجدہ ان کے ساتھ کر لو مگر اس کو رکعت شمار نہ کرو۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ہم نے امام احمد بن حنبلؒ سے کلام نقل کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "جس شخص نے اجماع کا دعویٰ کیا اس نے جھوٹ بولا۔ لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا" غالباً یہ اصم اور بشر المریسی[2]

---

[1] ابنِ حزمؒ سے یہاں غلطی صادر ہوئی ہے۔ زید بن وہب الجُہنی ابو سلیمان تابعی ہے۔ یہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات کے لیے گھر سے روانہ ہُوئے مگر راستہ میں فوت ہو گئے تھے جیسا کہ ابو نعیم اور بخاری نے تاریخ میں آپ سے روایت کیا ہے لہٰذا وہ صحابی نہیں ہے۔ ابن حجرؒ الاصابہ (ج ۲ ص ۷۴) میں لکھتے ہیں کہ "ابنِ حزم نے اپنی کتاب المحلّٰی باب صفۃ الصلوٰۃ میں منصور کی زید بن وہب سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "میں اور ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہُوئے" پھر پُورا واقعہ بیان کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ زید بن وہب صحابہ میں سے ہیں۔ اگر ابنِ مسعودؓ نے ان کی مخالفت کی تو دونوں میں سے کسی کا قول بھی حجت نہیں ہوگا۔ در اصل یہ غلطی اس لیے ابن حزمؒ سے واقع ہوئی کہ اس روایت کے سیاق سے بظاہر ان کا صحابی ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔

[2] اصم سے غالباً ابو علقمہ عبد اللہ بن عیسیٰ الفروی مراد ہے جو عجائبات کا راوی ہے اور بشر مریسی سے بشر بن غیاث الضالّ المبتدع مراد ہے۔ یہ دونوں جھوٹے دعوے کرنے میں یکتائے زمانہ تھے۔

کے اقوال ہیں (یعنی دعویٰ اجماع)

ابن حزم کہتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا جس شخص نے ایسے معاملہ میں اجماع کا دعویٰ کیا جس کے بارے میں اسے یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ تمام اہل اسلام کا قول ہے تو اس نے تمام اُمت پر جھوٹ باندھا اور ایک ظنی بات کو قطعی ٹھہرایا۔ حالانکہ رسول اکرم کا فرمان ہے کہ "ظن سب سے جھوٹی بات ہے" (بخاری الوصایا والنکاح والفرائض والادب مسلم والترمذی البر موطا حسن الخلق)

اگر معترض کہے کہ ابن مسعودؓ نے جو بات کہی ہے ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم نے یہ بات حضرت عمرؓ کے قول کے بارے میں کیوں نہ کہی جس کو ہم نے ابھی گزشتہ باب میں نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ دو آیتوں کے بغیر نماز نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ ۱: ۳۶۰) مگر اس شخص کے لیے تحکم آسان ہے جو کسی کے کلام کو اس کے عمل پر محمول نہیں کرتا۔

اگر معترض کہے کہ یہ جمہور کا قول ہے۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہرگز جمہور کی پیروی کا حکم نہیں دیا۔ یہ بات کسی آیت یا حدیث میں مذکور نہیں۔ البتہ موضوع احادیث کا مل جانا اس شخص کے لیے چنداں دشوار نہیں جو ان سے استدلال کرنے کو جائز تصور کرتا ہو۔

اگر معترض کہے کہ جب وہ شخص کھڑا ہو کر تکبیر کہے گا اور پھر رکوع کرے گا تو اس طرح اس نے گویا قیام کو پا لیا۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ایک اور گناہ ہوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کو اس بات کا حکم نہیں دیا کہ امام تو رکوع کر رہا ہو اور وہ کھڑا ہو کر تکبیر کہنے لگے۔ مزید براں اس شخص سے نماز کا جو حصہ فوت ہو گیا ہے اس کی قضا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دینی چاہیے نہ کہ اس سے قبل۔

ہم ذیل میں چند اقوال ذکر کرتے ہیں جن سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہوتا ہے جو اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔

چنانچہ ہم نے بطریق حماد بن سلمہ، از حجاج بن ارطاۃ، از عبداللہ بن یزید نخعی، از یزید بن الاحمر[1] روایت کیا ہے کہ

[1] اصل مطبوعہ نسخہ میں زید بن احمد ہے لیکن صحیح یزید بن الاحمر ہے جیسا کہ مزی نے تہذیب الکمال میں عبداللہ بن یزید نخعی کے شیوخ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص بحالتِ رکوع صف میں شامل ہوا اور مقتدیوں نے ابھی رکوع سے سر نہ اٹھایا ہو تو وہ رکعت شمار کرلے۔ اور اگر صف میں شامل ہونے سے پہلے انہوں نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو رکعت شمار نہ کرے (المعجم الکبیر للطبرانی ۹ : ۳۱۲)۔ حجاج کہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول معمول بہ ہے۔

حماد بن سلمہ، ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں، وہ نافع مولی ابن عمرؓ سے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے اور نمازی سجدہ کر رہے ہوتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے۔ جب وہ سجدہ سے سر اٹھاتے تو ابن عمرؓ ایک سجدہ اور کر لیتے۔ مگر اس کو رکعت شمار نہ کرتے۔ (عبدالرزاق ۲ : ۲۸۶ میں ایک روایت اسی معنیٰ میں ہے)۔

ایوب کہتے ہیں میں ابوقلابہ کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا تو نمازی ایک سجدہ کر چکے تھے۔ ہم نے ان کے ساتھ دوسرا سجدہ کیا جب انہوں نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا تو ہم نے ایک اور سجدہ کر لیا جب ابوقلابہ نے نماز ختم کی تو سہو کے دو سجدے کیے۔

حماد بن سلمہ سے روایت ہے، وہ داؤد بن ابی ہند سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص آخری صف میں شامل ہو، اُس وقت امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا ہو اور نمازیوں نے نہ اُٹھایا ہو تو وہ شخص رکوع کرے اور اس نے وہ رکعت پالی۔ اس لیے کہ وہ صف اس کے آگے ہے۔ اور اگر وہ اس حال میں آئے جب کہ نمازی سجدہ کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ سجدہ کرے مگر اس کو رکعت شمار نہ کرے۔

(عبدالرزاق ۲ : ۲۴۶، مصنّف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۴۳ مختصراً)

بدیں سند تا داؤد بن ابی ہند از ابوالعالیہ۔ وہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص آئے اور لوگ سجدہ کی حالت میں ہوں تو اُن کے ساتھ سجدہ کرے۔ جب امام سلام پھیرے تو کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھے۔ اس میں سجدہ نہ کرے تو اسے ایک رکعت شمار کرے۔ بدیں سند تا حماد، از قتادہ وحمید و اصحابِ حسن۔ وہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر رکھ لیے تو اس کی ایک رکعت ادا ہو گئی۔ اور اگر

---

۲ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن طبرانی کبیر میں بھی زید بن احمد ہی چھپا ہے البتہ　　مجمع الزوائد کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک نسخہ میں زید بن الاحمر ہے۔ ابن حبان نے الثقات ۵/۲۳۵ اور بخاری نے التاریخ الکبیر ۸/۳۱۸ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

زانوؤں پر ہاتھ رکھنے سے پہلے امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو اسے رکعت شمار نہ کرے۔ حماد کہتے ہیں ظن غالب ہے کہ یہ بات حسن بصری سے منقول ہے۔

ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور زفر کہتے ہیں اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے نمازی نے رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہہ لی تو اس نے رکعت کو پا لیا، وہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رکوع کرے۔

۳۶۴۔ تعوذ ہر رکعت میں فرض ہے

قراءت سے پہلے ہر نمازی پر "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھنا فرض ہے۔ یہ بات ہر رکعت میں ضروری ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (النحل: ۹۸) "جب تو قرآن پڑھے تو راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ"

امام ابو حنیفہ اور شافعی کہتے ہیں ہر رکعت میں قراءت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھے۔ مگر وہ دونوں اس کو فرض نہیں سمجھتے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں قیام رمضان (تراویح) کے سوا کسی فرضی یا نفلی نماز میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ نہ پڑھا جائے۔ وہ بھی تراویح کی پہلی رات میں دوسری راتوں میں ضرورت نہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں، کتاب وسنت، اقوال صحابہ، اجماع اور قیاس میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اگر ایک شخص اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے تو دونوں برابر ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ باقی رہا امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول کہ تعوذ فرض نہیں تو وہ مبنی بر خطا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (النحل۔۹۸)

یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دے مگر ایک شخص بلا دلیل و برہان یہ کہے کہ یہ بات فرض نہیں۔ خصوصاً اس دعا کا حکم کہ اے اللہ ہمیں شیطان کے مکر سے محفوظ رکھ۔ اس کا فرض ہونا ایک یقینی امر ہے۔ اس لیے کہ شیطان سے اجتناب و فرار اور اس سے نجات طلب کرنے کے فرض ہونے میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس کو قرآن کی تلاوت کے وقت لازم ٹھہرایا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر تعوّذ فرض ہوتا تو جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں بتاتا کہ اس نے قرآن کی آیت پڑھی ہے تو اس پر بھی تعوّذ لازم ہوتا۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ دلیل ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت تعوّذ کے استحباب پر وہ بھی متفق ہیں۔ مگر کسی کے قول کی حکایت کرتے وقت وہ تعوّذ کے قائل نہیں یعنی تعوّذ کو ہم واجب کہتے ہیں اور ہمارے مخالفین نہیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ متنازعہ ہے وہ قراءتِ قرآن کے وقت تعوّذ کا ہے نہ کہ کسی کے قول کی حکایت کرنے وقت۔

ابن حزم فرماتے ہیں اب یہ مسئلہ باقی رہا کہ قراءتِ قرآن کے وقت نماز کے اندر یا باہر محوّلہ بالا آیت کے عموم کے پیشِ نظر تعوّذ فرض ہے۔

۵۴۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از احمد بن عون اللہ، از قاسم بن اصبغ، از محمد بن بشّار، از محمد بن جعفر، از شعبہ، از عمرو بن مُرّہ، از عاصم العَنَزی، از ابنِ جُبیر بن مُطعِم، از والدِ خود] روایت کیا ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا، آپؐ نے پڑھا "اللہ اکبر کبیراً، اللہ اکبر کبیراً، اللہ اکبر کبیراً، الحمد للہ کثیراً، الحمد للہ کثیراً، الحمد للہ کثیراً، و سبحان اللہ بکرۃً واصیلاً، اللّٰھم انی اعوذ بك من الشیطان من ھَمْزِہٖ و نَفْخِہٖ و نَفْثِہٖ" (ابوداؤد الصلوٰۃ باب ۱۲۲، ابن ماجہ الصلوٰۃ باب ۲)

۵۴۵۔ نیز ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری، از سعید الجریری، از یزید بن عبداللہ بن الشخّیر، از عثمان بن ابی العاص الثقفی] روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! شیطان میرے اور میری قراءت کے درمیان حائل ہو گیا۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا "اس شیطان کا نام خنزب ہے۔ جب تمہیں اس کا احساس ہو تو اَعُوْذُ بِاللہ پڑھا کرو اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا کرو۔" (عبدالرزاق ۲: ۸۵، مسلم کتاب الطب باب ۱۰، مسند احمد ۴: ۲۱۶)

ہم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "امام چار کلمات کو سرّاً پڑھا کرے۔[1]

(۱) تعوّذ (۲) تسمیہ (بسم اللہ) (۳) آمین (۴) رَبَّنَا لَكَ الحمدُ۔"

[1] حضرت عمرؓ کی روایت مجھے نہیں ملی البتہ ابراہیم نخعی سے عبدالرزاق ۲: ۸۷، اور مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۵۳۶ میں یہی روایت موجود

مزید براں ہم نے بطریق ابو حمزہ[1]، از ابراہیم نخعی، از علقمہ و اسود، ہر دو از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: "تین کلمات کو امام خفیہ کہے (۱) تعوذ (۲) تسمیہ (۳) آمین۔

ہم نے بطریق عبدالرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے کہ میں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ ابن عمرؓ تعوذ کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ نافع نے کہا وہ کہا کرتے تھے "اللّٰهم انّي اعوذ بك من الشّيطٰن الرّجيم" (عبدالرزاق ۲: ۸۴)

سفیان ثوری، منصور بن المعتمر سے، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ پانچ کلمات کو آہستہ پڑھنا چاہیے۔ (۱) سُبحانَكَ اللّٰهُمَّ (۲) تعوّذ (۳) تسمیہ (۴) آمین (۵) رَبَّنا لَكَ الحَمد۔ (عبدالرزاق ۲: ۸۷، ابن ابی شیبہ ۲: ۵۳۶)

ہشام بن حسان، حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں تعوّذ اُس وقت پڑھتے جب نماز کا آغاز کرتے وقت سورہ فاتحہ پڑھتے تھے "اعوذ باللّٰه السميع العليم من الشيطٰن الرّجيم" اور ابن سیرین ہر رکعت میں تعوّذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲: ۸۶، بیہقی ۲: ۳۷)

معمر، ابن طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ وہ سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲: ۸۶)

نیز ہم نے بطریق معمر، از ایوب سختیانی، محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ سے قبل اور اس کے بعد تعوّذ پڑھا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۲: ۸۶)

ابن جریج عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ہر قراءت سے پہلے تعوّذ واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ اور اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيم کہنا کافی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ تعوذ اس

ہے۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ سے جہر کی روایت مصنف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ وغیرہ میں موجود ہے۔ (ابوالاشبال پاکستانی)

[1] ابو حمزہ میمون الاعور قصاب کوفی ضعیف راوی اور متروک الحدیث ہے (نیز ابن مسعودؓ کا عمل مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۵۲۶ میں دوسری سند سے مذکور ہے)۔

آیت (فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) کی وجہ سے واجب ہے؟ عطار نے کہا جی ہاں (عبدالرزاق ۲: ۸۳)

نماز میں تعوّذ کے بارے میں سُفیان ثوری، اَوزاعی، داؤد اور دیگر اہلِ علم کا موقف بھی یہی ہے۔

ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں مندرجہ صدر صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کے یہی اقوال ہیں۔ اس میں کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ مگر مقلّدین کسی کی بات کو تب مانتے ہیں جب ان کی تقلید سے ہم آہنگ ہو۔

ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں جو لوگ ابنِ سیرین کے قول پر عمل پیرا ہیں وہ آغازِ قراءت سے قبل تعوّذ کو سنّت تصوّر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرنہا قرن سے قُرّاء کے بقول رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ مگر قرآن کا کچھ حصّہ پڑھنے کے بعد خواہ وہ دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں وہ تعوّذ کو فرض ٹھہراتے ہیں۔ اس لیے کہ آیتِ قرآنی سے قراءت کے بعد تعوّذ کا پڑھنا بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کے لیے قراءت دشوار ہو تو اس حدیث کی بنا پر تعوّذ اس پر اس حالت میں فرض ہے اور پھر اس وقت جب وہ قرآن کا کچھ حصّہ تلاوت کرے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر عصر و عہد کے قُرّاء کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ قراءت کا آغاز کرنے سے قبل اس کے ساتھ ہی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھا جائے۔ یہ بات عہدِ رسالت سے لے کر ہم تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ لہٰذا یہ ایک فیصلہ کُن بات ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو ناک صاف کرے۔" اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ وضو کے شروع میں ناک جھاڑا کرتے تھے (ان دونوں روایتوں کے حوالے کے لیے مسئلہ ۱۹۸ دیکھیے) اسی طرح قراءت شروع کرنے سے قبل مگر قراءت سے متصل تعوّذ پڑھنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے)

۳۶۴۔ جو شخص تعوّذ یا فاتحہ کو بھول جائے

جو شخص تعوّذ یا سُورۃ الفاتحہ کے کچھ حصّہ کو بھول کر رکوع کرنے لگ گیا ہو تو نماز میں جب بھی اسے یاد آئے اس کا اعادہ کرے اور سجدہ سہو کرے بشرطیکہ وہ امام یا منفرد ہو۔ اگر مقتدی ہو تو بھولی ہوئی بات کو نظر انداز کر دے۔ ہاں جب امام نماز سے فارغ ہو تو مقتدی کھڑا ہو کر جو رہ گیا تھا اس کو پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔ ہم نے اس کی دلیل اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی ہے جو نماز کے کسی فرض کو بھول جائے تو جو نماز اس نے حسبِ مامور ادا نہیں کی اُس کا اعادہ کرے۔ اور جو حسبِ مامور ادا کی اس کو بھی دوبارہ ادا کرے (یعنی مسئلہ ۳۴۴) ——— وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق

۳۶۵۔ جس کو سورۃ الفاتحہ یاد نہ ہو

جس کو سورۃ الفاتحہ یاد نہ ہو وہ نماز ادا کرے اور جتنا قرآن مجید پڑھ سکے پڑھے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ سورۃ الفاتحہ سیکھنے کی کوشش کرے۔ اگر فاتحہ کا کچھ حصہ یاد ہو اور کچھ یاد نہ ہو تو جو حصہ یاد ہو وہ پڑھے۔ اس کی نماز ہو جائے گی۔ باقی حصہ یاد کرنے کی کوشش کرے۔ اگر قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد نہ ہو تو اسی طرح نماز ادا کرے۔ کھڑے ہو کر اپنی زبان میں اللہ کو یاد کرے۔ رکوع اور سجدہ کرے حتیٰ کہ نماز مکمل ہو جائے۔ اس کی نماز ہو جائے گی۔ سورۃ الفاتحہ کو سیکھنے کی کوشش کرے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن کی سات آیات کے بقدر پڑھے۔ یا سات آیات کے بقدر اللہ کا ذکر کرے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں مذکورہ صدر اقوال کے قائل نے سورۃ الفاتحہ کا عوض تلاش کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ شرعی احکام میں عوض کا تصور باطل ہے۔ اِلّا یہ کہ کتاب وسنّت سے اس کا اثبات ہوتا ہو۔ مگر مسئلہ زیر قلم میں کتاب وسنّت خاموش ہیں۔ اگر اس قائل کے قیاس کو درست تسلیم کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جس شخص کے ذمہ ماہ رمضان کے ایک روزہ کی قضا ہو اس کی قضا تب درست ہوگی اگر قضا کا روزہ بھی اتنا ہی طویل ہو جتنا وہ روزہ جو فوت ہوا۔ اور یہ باطل ہے۔

ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" (یعنی اللہ کسی کی وسعت سے زیادہ اسے مکلف نہیں کرتا) اور رسولِ اکرمؐ کی یہ حدیث ہے کہ

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جتنی تعمیل ممکن ہو کرو" (بخاری کتاب الاعتصام، مسلم ونسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمہ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص جس بات کو انجام دینے سے قاصر ہے وہ اس سے ساقط ہے۔ اور جس بات کی اس میں استطاعت ہے وہ اس پر لازم ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمّل۔ ۲۰) "قرآن میں سے جتنا پڑھ سکو پڑھ لو"

رسولِ اکرمؐ نے ایک نمازی کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا "جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھ لو" ہم قبل ازیں یہ حدیث مع سند ذکر کر چکے ہیں (دیکھو حدیث ۳۴۵)۔ لہٰذا جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکے اور باقی قرآن پڑھ سکتا ہو تو سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اس سے ساقط ہو جائے گا اگر کم از کم وہ ایسے دو کلمات بھی پڑھ لے جن پر قرآن کا اطلاق ہو سکے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اور اگر یہ تعریف ایک کلمہ پر صادق آتی ہو تو وہی کافی ہے۔ اس لیے کہ "مَا تَیَسَّرَ" کے عموم میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

————— و باللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔

۳۶۶۔ بسم اللہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا

جو شخص متعدد قرّاء کی روایت کے پیش نظر "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" کو قرآن کی ایک آیت سمجھ کر پڑھتا ہو اس کی نماز "بسم اللّٰہ" کے بغیر درست نہیں۔ وہ قرّاء عاصم بن ابی النجود، حمزہ، الکسائی، عبداللہ بن کثیر اور دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم ہیں اور جو شخص اُن قرّاء کے مطابق پڑھتا ہو جو اس کو آیت تصوّر نہیں کرتے تو اسے اختیار ہے کہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ وہ قُرّاء ابن عامر، ابوعمرو، یعقوب اور بعض روایات میں نافع سے بھی مروی ہے۔[1]

---

[1] ابن حزمؒ نے بسملہ پڑھنے کی روایت قرّاء سے مطلقاً ذکر کی ہے مگر یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ قرّاء صرف وصل کے وقت بسملہ نہیں پڑھتے یعنی جب قاری ایک سُورت کو ماقبل والی سُورت کے ساتھ ملاتا ہو۔ مزید برآں جن قرّاء سے بسملہ کا ترک منقول ہے اُن سے اس کا اِثبات بھی منقول ہے۔ محض حذف کرنے کی روایت کسی قاری سے منقول نہیں۔ مزید براں بسملہ کے بارے میں یہ اختلاف فاتحہ کے سوا دوسری سُورتوں کے بارے میں ہے۔

امام القرّاء ابوالخیر بن الجزری اپنی تصنیف "کتاب النشر فی القراآت العشر" ج ۱ ص ۲۶۲ میں رقمطراز ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ بسملہ کے ساتھ فصل اور وصل کرنے والے قرّاء جب کسی سُورۃ کا آغاز کرتے ہیں تو بسملہ پڑھتے ہیں بجز سُورۃ التوبہ کے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سُورۃ الفاتحہ کے شروع میں بسملہ کے اثبات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا خواہ اس کو کسی سُورۃ کے ساتھ ملایا جائے جو اس کے پہلے ہو یا کسی کے ساتھ ملایا نہ جائے بلکہ اس سے آغاز کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر فاتحہ کو کسی سُورۃ کے ساتھ ملا یا بھی جائے تو حکماً اسی سے تلاوت کا آغاز تصوّر کیا جائے گا۔

حق بات یہ ہے کہ وصل کی حالت میں بسملہ کو حذف کر کے قراءت کرنا ایک شاذ اور غیر صحیح قراءت ہے۔ خواہ یہ قراءت سبعہ و عشرہ میں شامل کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ صحتِ قراءت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرآنی رسم الخط کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ جیسا کہ اس پر تمام قُرّاء بلکہ تمام علماء کا اتفاق ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ صحابہ کرام ایک سو تیرہ جگہ قرآن میں بسملہ کا اضافہ کر دیتے حالانکہ وہ ان مقامات پر نازل نہیں ہوتی تھی جہاں اسے تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہم بلا شبہ ملاحدہ کے لیے ایک نیا باب وا کر دیں گے۔ صحابہ کرام سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے حریص تھے کہ قرآن میں

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ نمازی صرف ماہِ رمضان کی پہلی رات کی تراویح میں بسملہ پڑھے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بسملہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے بکثرت ضعیف اقوال کے ساتھ احتجاج کیا ہے جو احناف و موالک دونوں میں سے کسی فریق کے لیے بھی حجت نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت انسؓ کی روایت کردہ یہ حدیث کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ نماز کا آغاز کیا کرتے تھے بسملہ نہ اس سے پہلے پڑھتے نہ اُس کے بعد (بیہقی ۲: ۵۰)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱: ۱۱۹) یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کھڑے ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کرتے)۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی حجت نہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی حدیث میں بھی مذکور نہیں کہ رسولِ کریمؐ نے بسملہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ ان میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ آپؐ بسملہ نہیں پڑھتے تھے۔ (بلکہ صرف عدمِ سماع کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آہستہ پڑھا ہو لیکن انسؓ اور ابوہریرہؓ نے دُور ہونے کی وجہ سے نہ سُنا ہو بلکہ جو قریب ہو وہ سُنا ہو جیسا کہ جہر کی روایتیں موجود ہیں)۔

۵۴۶۔ یہ احادیث دوسری احادیث کی معارض ہیں۔ ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق

شک و وہم راہ پکڑنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مصاحف میں سورتوں کے نام تحریر نہ کیے۔ "آمین" کا لفظ تک تحریر نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے رجم کے بارے میں اپنی اور کبارِ صحابہ کی شہادت اس لیے رقم نہ کی کہ کوئی شخص اس کو قرآن کا جزو سمجھنے نہ لگ جاتے۔ یہ بات آپ نے برسرِ منبر فرمائی۔ (جیسا کہ اکثر تفاسیر میں مذکور ہے)

جو لوگ نماز میں فاتحہ کو بسملہ کے بغیر پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا اُن سے صراحۃً یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ تمام قُرّاء بلا اختلاف اس بات پر متفق ہیں کہ سُورۃ الفاتحہ کے شروع میں بسملہ لکھی جائے۔ عملاً بھی تمام مصاحف میں اسی طرح کیا گیا ہے۔ یہ ایسی بیّن دلیل ہے جس سے جملہ اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب شرح التحقیق لابن الجوزی میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ بحث کسی دوسری جگہ آپ کو نہیں ملے گی ـــــ والحمد للہ رب العلمین (احمد محمد شاکرؒ)

(احمد بن حنبل، از وکیع، از شعبہ، از قتادہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "میں نے رسول کریمؐ، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ بسملہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے"۔ (مسند احمد ۳: ۲۷۵) اور اس طرح بھی روایت ہے کہ انہوں نے "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" جہر سے جہر نہیں کیا۔ (مسند احمد ۳: ۲۶۴)

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر حضرات بسملہ سراً پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث سے بسملہ کا اثبات ہوتا ہے۔ دیگر احادیث بھی اسی کی ہم معنی ہیں۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں حق بات یہ ہے کہ نص سے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ قراءت کی سب قسمیں حق اور قطعی ہیں جبریل کے ذریعے ان کو رسول کریمؐ تک پہنچایا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص جیسے چاہے تلاوت کرے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ بسملہ ایک قراءت کے مطابق سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے۔ مگر دوسری قراءت کے پیش نظر آیت نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں۔

جس طرح (ھُوَ) سورۃ الحدید کی آیت (ھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ) میں۔ یا (مِنۡ) کا لفظ آیتِ کریمہ (مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ) میں جو کہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں ہے۔ جو اہل علم ھُوَ اور مِنۡ کو پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ دونوں سورتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جو ان کو نہیں پڑھتے ان کے نزدیک شمار نہیں ہوتے۔ ایسے الفاظ قرآن کے آٹھ مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ ان کا تذکرہ ہم نے اپنی تصنیف "کتاب القراآت" میں کیا ہے۔ اور اس قسم کے دیگر حروف جن کا ذکر و بیان طوالت کا موجب ہے۔ مثلاً سورۃ الکھف فی آیت "خَیۡرًا مِّنۡھَا" کے عوض "خَیۡرًا مِّنۡھُمَا" اور (حٰمٓ عٓسٓقٓ) میں (فَبِمَا کَسَبَتۡ) میں میم سے قبل "ف" کا اضافہ۔ اور متعدد جگہوں میں "ھا" کا اضافہ۔ مثلاً (یٰسٓ) میں (وَمَا عَلَّمۡنٰہُ) نیز سورۃ الزخرف میں (تَشۡتَھِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ) اور سورۃ البقرہ میں (لَمۡ یَتَسَنَّہۡ) وغیرہ کے اندر "ھا" کا اضافہ اور قرآنِ کریم کو سات قراءتوں کے مطابق اتارا گیا ہے۔ اور وہ سب کی سب حق ہیں۔ اور یقینی اجماع کی بنا پر یہ بھی انہی قراءتوں میں شامل ہیں ـــــ وَبِاللّٰہِ تَعَالَی التَّوۡفِیۡقُ

۳۶۷۔ نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کا شرعی حکم

جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ یا قرآن کریم کا کچھ حصہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دانستہ ترجمہ کر کے پڑھے یا عربی الفاظ میں پڑھے مگر وہ ان الفاظ کے علاوہ ہوں جن میں وہ نازل ہوا تھا یا دانستہ کلمات کو آگے پیچھے

کر کے پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اور ایسا کرنے والا شخص فاسق ہُوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قرآناً عربیاً" اور جو غیر عربی ہے وہ عربی نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ قرآن بھی نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن کے مرتبہ کی تبدیلی کلام اللہ کی تحریف ہے جن لوگوں نے تحریف کا ارتکاب کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ "وہ کلمات کو ان کی (اصلی) جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں" (المائدہ۔ ۱۳) لہٰذا عربی ترجمہ یا مقدم مؤخر کرنا بھی حرام ہُوا۔

احناف کا موقف: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس کی نماز ہو جائے گی۔ ان کے مقلدین اس آیت سے احتجاج کرتے ہیں:

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ۔ (الشعراء۔ ۱۹۶) "اور یہ پہلوں کے صحیفوں میں مذکور ہے۔"

امام ابن حزم فرماتے ہیں یہ آیت اُن کے لیے حجّت نہیں اس لیے کہ جو قرآن رسولِ اکرمؐ کے ذریعے ہم پر نازل کیا گیا ہے پہلے لوگوں پر نازل نہیں کیا گیا تھا۔ پہلے لوگوں کے صحیفوں میں صرف اس کا ذکر اور اعتراف پایا جاتا ہے۔ اگر قرآن حضورؐ کے علاوہ کسی اور پر اتارا جاتا تو یہ آپؐ کے لیے معجزہ نہ ہوتا اور نہ اس میں آپ کی کچھ فضیلت ہوتی۔ یہ وہ بات ہے جس کے کہنے کی کوئی مسلم جسارت نہیں کر سکتا۔

عاجز کا حکم: جو شخص عربی پڑھنے پر قادر نہ ہو وہ اپنی بولی میں اللہ کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ۔ ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"

مگر سورۃ الفاتحہ یا قرآنِ کریم کے کسی حصہ کا ترجمہ نماز میں پڑھنا اس حیثیت سے جائز نہیں کہ ترجمہ کی تلاوت اس پر فرض ہے کہ یہ وہ قرآن نہیں جس کی تلاوت اس پر فرض ہے (بلکہ وہ قرآن کا ترجمہ ہے) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کو قرآن قرار دے کر وہ اللہ پر افترا پردازی کرنے والا ہو گا۔

۳۶۸۔ قرآنی سُورۃ سے پہلے تعوّذ ضروری نہیں

سُورۃ فاتحہ کے بعد جب امام اور منفرد دوسری سُورت پڑھے تو اُس کے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا ان دونوں کے لیے ضروری نہیں۔ کیوں کہ قراءت شروع کرتے وقت وہ تعوّذ پڑھ چکے ہیں۔ چونکہ اس نے فاتحہ کے ساتھ دوسری سُورت کو ملا لیا ہے اس لیے اس کا تعوّذ حسبِ مامور ہے۔ اور اگر تعوّذ کی تکرار ضروری ہوتی تو جھُوٹے دعویٰ کے سوا اس کا کچھ مقصد نہ ہوتا۔ اگر قراءت کو اس طرح قطع کر دے کہ گویا اُسے ترک کر دیا، یا دوسری رکعت میں قراءت کا ارادہ کیا تو حسبِ الحکم تعوّذ پڑھے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۶۹۔ فرائضِ نماز کا بیان

نماز میں رکوع فرض ہے۔ رکوع میں طمانیت فرض ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا رکوع کی حالت میں

فرض ہے۔ جو ان میں سے کسی چیز کو دانستہ چھوڑ دے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور جو بھول کر ترک کرے تو اس کو نظر انداز کرے اور نماز کو مکمل کرے۔ پھر سجدۂ سہو کرے۔ اگر کمر میں خرابی کی وجہ سے طمانیت و اعتدال پر قادر نہ ہو تو جیسے بھی کر سکے کافی ہے۔ اور جس بات پر وہ قادر نہیں وہ اس سے ساقط ہو جائے گی۔

رکوع جانے سے قبل اللہ اکبر کہنا فرض ہے، رکوع سے اٹھنے کے بعد "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہنا ہر نمازی پر فرض ہے۔ خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اگر مقتدی ہو تو سَمِعَ اللہ کے بعد "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" یا "وَلَكَ الْحَمْدُ" کہے۔ یہ مقتدی پر فرض ہے مگر امام اور منفرد پر فرض نہیں۔ تاہم اگر وہ کہہ دیں تو سنت ہے اور اچھی بات ہے۔

جب امام "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہے تو مقتدی کا "آمین" کہنا فرض ہے۔ اور اگر امام بھی آمین کہے تو یہ سنت اور عمدہ بات ہے۔ مقتدی کے لیے جائز نہیں کہ وہ امام سے پہلے یا اس کے ساتھ رکوع یا سجدہ کرے اور رکوع سے سر اٹھائے بلکہ اس کے بعد یہ سب کچھ کرنا چاہیے۔ جو شخص دانستہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھے اس کی نماز باطل ہوتی۔ اگر بھول کر ایسا کرے تو اس مدت کو اپنے سجدہ سے نکال دے اور سجدۂ سہو کرے۔ ہر رکعت میں قیام کے بعد دو سجدے فرض ہیں۔ ان میں طمانیت و اعتدال فرض ہے ہر سجدہ کے لیے تکبیر بھی فرض ہے، ہر سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہنا فرض ہے۔

پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں، اور دونوں پاؤں کے سینہ یعنی اگلے حصہ کو اس چیز پر رکھنا جس پر نمازی کھڑا ہے فرض ہے۔ دو سجدوں کے درمیان جلسہ، اس میں طمانیت، اور اس کے لیے تکبیر کہنا فرض ہے۔

اگر کوئی شخص ان تمام باتوں میں سے کسی کو دانستہ ترک کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اگر کسی بات کو بھول کر ترک کرے تو اس کو نظر انداز کر کے صحیح طریقہ پر ادا کرے۔ پھر سجدۂ سہو کرے۔ اگر جہالت یا عذر کی بنا پر ان میں سے کسی امر کے ادا کرنے سے قاصر رہے تو وہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

پیشانی اور ناک پر سجدہ تبھی جائز ہے کہ وہ کھلے ہوتے ہوں اور مستور نہ ہوں۔ مگر باقی اعضاء پر سجدہ مستور ہونے کی حالت میں جائز ہے۔ اور اپنی نماز کی ہر رکعت میں وہی کچھ کرے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۴۷ ۵۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد بلخی، از فربری، از بخاری، از مسدد، از یحییٰ بن سعید، از عبیداللہ بن عمر، از سعید المقبری، از والدِ او، از] ابوہریرہؓ روایت کیا ہے

کہ رسُول اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے۔ اندریں اثنا ایک شخص مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگا۔ پھر آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور کہا لوٹ جا اور نماز پڑھ اس لیے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اس نے جاکر نماز پڑھی اور پھر آکر آپ کو سلام کہا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور جاکر نماز پڑھو کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ یہ تکرار تین مرتبہ ہوئی۔ اس نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے نماز سکھلائیے تو آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ۔ پھر جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔ پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو۔ پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور برابر کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر اطمینان سے دوسرا سجدہ کرو۔ پھر تمام نمازوں میں اسی طرح کیا کرو۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ والاستیذان، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۴۸۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از عبداللہ بن محمد بن عثمان، از احمد بن خالد، از علی بن عبدالعزیز، از حجاج بن منہال از ہمام بن یحییٰ، از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، از علی بن یحییٰ بن خلاد، از والد او، از عم او رفاعہ بن رافع] روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اندریں اثنا ایک شخص آیا اور آکر مسجد میں نماز پڑھنے لگا۔ نماز پوری کر کے آیا اور آپ کو سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ اور جاکر نماز پڑھو، تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اس نے پھر نماز ادا کی اور آکر سلام عرض کیا۔ رسُولِ کریمؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاکر نماز پڑھو، تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح کہا

اُس شخص نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میری نماز میں کیا خرابی ہے؟ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک امرِ الٰہی کے مطابق پُوری طرح وضو نہ کرے۔ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، سر کا مسح کرے اور ٹخنوں تک پاؤں دھوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور اس کی تحمید و تمجید کرے، جتنا قرآن پڑھ سکے پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے حتیٰ کہ اس کے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ پھر رکوع سے اُٹھ کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے اور برابر کھڑا رہے۔

حتیٰ کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ لے لے۔ اپنی پیٹھ سیدھی رکھے۔ پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے اور اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکا دے۔ حتیٰ کہ تمام جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ پھر تکبیر کہہ کر سر اُٹھائے، برابر ہو کر اپنی پُشت پر بیٹھ جائے اور اپنی پیٹھ سیدھی کرے۔

اس طرح حضورؐ نے نماز کی کیفیت بیان فرمائی یہاں تک کہ فارغ ہوئے۔ پھر فرمایا "تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس طرح نہ کرے"۔[1]

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس حدیث میں جس تحمید و تمجید کا ذکر کیا گیا ہے اس سے سورۃ الفاتحہ مراد ہے۔

اس کی دلیل رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد ہے کہ "جب بندہ اپنی نماز میں کہتا ہے" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب کہتا ہے "مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی (مسلم و نسائی قالہ ابن کثیر)

رکوع و سجود میں پیٹھ سیدھی کرنا فرض ہے

۵۴۹۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از حفص بن عمر، از سلیمان یعنی الاعمش، از عمارہ بن عمیر، از ابومعمر، از ابومسعود البدری] روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے"۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر رکوع اور سجدہ میں پشت سیدھی نہ بھی کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

سات اعضاء پر سجدہ کرنا فرض ہے

۵۵۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از احمد بن عمرو بن السرح و یونس بن عبدالاعلیٰ و حارث بن مسکین، تینوں از ابن وہب، از ابن جریج، از عبداللہ بن طاؤس، از والد خود] حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں زانو اور دونوں پاؤں پر۔ نیز یہ کہ مجھے (رکوع اور سجدہ میں) بالوں اور کپڑوں کو اکٹھا

---

[1] اس کو حاکم نے مستدرک (ج ۱، ص ۲۴۱-۲۴۲) بروایت علی بن حمشاذ العدل، از علی بن عبدالعزیز۔ بیہقی نے اس کو السنن الکبریٰ (ج ۲، ص ۳۴۵) میں حاکم سے بسند خود روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے (ج ۴، ص ۳۴۰) نیز ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۴۹، ترمذی الصلوٰۃ، باب ۱۱۱، نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۰۶، ۲۶۳، ۴۲۴، ۵۲۰، ابن ماجہ طہارۃ باب ۵۷ و ابن الجارود فی المنتقیٰ ص ۱۰۲-۱۰۴۔

کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

(اس کے برخلاف) ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اگر سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی مگر اپنی ناک، دونوں ہاتھ اور دونوں زانو زمین پر نہ رکھے تو نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اپنی ناک زمین پر رکھ دے مگر پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں زانو نہ رکھے تب بھی نماز مکمل ہو جائے گی۔

سنّت کے مطابق نماز پڑھنا فرض ہے

۵۵۱۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابو داؤد، از احمد بن حنبل، از یحییٰ بن سعید القطان، از ہشام الدستوائی، از قتادہ، از یونس بن جبیر، از حطان بن عبداللہ الرقاشی) روایت کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اکرم نے ہمیں خطبہ دیا جس میں آپ نے سنّت (پر عمل کرنے) اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ آپ نے فرمایا "جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں سیدھی کر لیا کرو۔ پھر تم میں سے ایک تمہیں نماز پڑھائے۔ جب وہ (امام) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہے تم آمین کہو۔ اللہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا جب تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ امام تم سے پہلے رکوع کرتا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے۔ لہٰذا تم جتنی دیر اس کے بعد رکوع میں جاؤ گے اتنی دیر بعد رکوع سے سر اٹھاؤ گے۔ لہٰذا اس سے تمہاری تاخیر کی تلافی ہو جائے گی۔

جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو۔ اللہ تمہاری دعا سن لے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے تم کو سکھوایا ہے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" (جو شخص اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بات سن لیتا ہے)۔ جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کیا کرو۔ امام تم سے پہلے سجدہ کرتا ہے اور تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاتا ہے۔ اس طرح تمہاری تاخیر کی تلافی ہو جاتی ہے (تا آخر)۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

عظیم جسارت

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات اُن کبائر میں سے ہے جن سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کرتے وقت کپڑوں اور بالوں کو ہاتھوں کے ساتھ ملایا نہ جائے بلکہ ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ بھی سجدہ کریں۔

کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ "تم میں سے کسی کی نماز اُس وقت تک پوری نہ ہو گی جب تک وہ اِس اِس طرح نہ کرے۔ اور تم ایسے ایسے کیا کرو، مگر، ایک شخص ان احادیث کو سُن کر کہے کہ "نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے" محض اس شخص کی تقلید کرتے ہوئے جس سے خطا اس لیے سرزد ہو گئی کہ اس کو یہ حدیث نہیں ملی تھی یا، پہنچی تھی مگر اس نے حدیث کی تاویل کی جس میں اس کا ارادہ رسُولِ کریمؐ کی مخالفت کرنا نہ تھا۔

علیٰ ھٰذا القیاس، یہ امر باطل اور احادیثِ رسُول کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ رسولِ کریمؐ چند اُمور کے بارے میں صراحتہً ارشاد فرمائیں کہ ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ مگر ایک شخص اپنے طور پر یہ بات کہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان بعض باتوں کے بارے میں درست ہے اور بعض کے بارے میں درست نہیں۔

اگر کوئی جھوٹا آدمی ان اُمور کے بارے میں اِجماع کا دعویٰ کرے تو اس نے پوری اُمّتِ اسلامیہ پر جھوٹ باندھنے کا ارتکاب کیا۔ کسی مسلم کے لیے یہ بات روا نہیں کہ وہ اس یقینی اور سچی بات کی مخالفت کرے جو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے کہی ہو۔ اور وہ بھی ایک ظن کی بنا پر جو اس نے پوری ملّتِ اسلامیہ کے خلاف گھڑ لیا ہو۔ اس لیے کہ اس نے پوری ملّتِ اسلامیہ کی جانب اس بات کو منسوب کیا کہ اس نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ان (مقلدین) کا یہ قول بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ مقتدی تکبیر (تحریمہ) امام کے بعد کہے۔ اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرے۔ البتہ رکوع، قومہ اور سجدہ امام کے ساتھ کرے۔ یہ عجیب قسم کا تحکّم ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ تکبیر اور سلام پر بھی صادق آتے ہیں (لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ تکبیر بھی امام کے ساتھ کہیں اور سلام بھی اس کے ساتھ پھیریں)۔

اگر معترض کہے کہ رسُولِ کریمؐ کا فرمان ہے "جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہو۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" نہ کہے۔ اسی طرح اس میں یہ بھی مذکور نہیں کہ مقتدی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہ کہے۔ بخلاف ازیں ان کا وجوب اس حدیث میں مذکور ہے جو ہم نے پیش کی ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جملہ شرعی احکام ایک ہی حدیث میں، یا ایک ہی آیت اور سُورت میں ذکر کر دیئے جائیں۔

رکوع و سجود میں تسبیحات فرض ہیں

۵۵۲ - ہم نے بطریق (ہشام بن سعید الخیر، از عبدالجبار بن احمد مغربی طرسوسی از حسن بن حسین النجیمی، از جعفر بن محمد بن حسن بن سعید اصبہانی بمقام سیراف۔ از ابوبشر یونس[1] بن حبیب زُبیری، از ابوداؤد طیالسی، از عبداللہ بن مبارک، از موسیٰ بن ایوب غافقی از عم خود ایاس بن عامر) از عقبہ بن عامر الجہنی روایت کیا ہے کہا جب آیت "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ" اتری تو حضورؐ نے فرمایا اس کو رکوع میں پڑھا کرو۔ جب آیت کریمہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اس کو سجدہ میں پڑھا کرو۔ (مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۳۵ حدیث ۱۰۰۰، و منحۃ المعبود ۱: ۹۰، و ابوداؤد و ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزم کہتے ہیں امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان یعنی داؤد ظاہری اور دیگر محدثین ان کو فرض قرار دیتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ" پڑھا کرتے تھے (مسلم، ابوداؤد، نسائی الصلوٰۃ)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ

۵۵۳ - ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از مسدد، از سفیان، از سلیمان بن سُحیم، از ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، از والد خود، از عم خود) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرض الموت میں) اپنا چہرۂ مبارک پردہ سے باہر نکال کر دیکھا اور لوگوں

---

[1] میں نے یونس کا ترجمہ و تعارف بہت تلاش کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر التہذیب (ج ۴، ص ۱۸۳) میں لکھتے ہیں کہ وہ اصبہانی ہے۔ ابن عابدین اپنی تصنیف (ص ۱۲۸) میں لکھتے ہیں کہ وہ العجلی ہے۔ مگر ابن حزم نے اس کو زبیری کہا ہے۔ برادر مکرم علامہ ابوبکر الکتانی نے مجھے فاس (مراکش) سے تحریر کیا کہ یونس کا ترجمہ ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل میں مرقوم ہے۔ ابن ابی حاتم نے یونس کو اصبہانی، الماصری اور العجلی لکھا ہے۔ الذہبی تذکرۃ الحفاظ (ج ۲، ص ۱۳۲) میں ان کی تاریخ وفات ۲۶۰ھ بیان کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے اس کو ثقہ راوی قرار دیا ہے۔ پھر الانساب سمعانی میں مجھے یونس کا طویل تعارف مل گیا (ورقہ ۲۰۰ مخطوطہ و مطبوعہ ۶: ۲۷۰)۔ وہ لکھتے ہیں کہ یونس حبیب بن زُبیر کا دختر زادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نسبت زبیری درست ہے۔ المحلی کے ایک نسخہ میں (الزہری) لکھا ہے جو درست نہیں۔

نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صفیں باندھ رکھی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے اب صرف نیک خواب باقی رہ گئے ہیں جو کوئی شخص دیکھے یا اس کے لیے دوسرا کوئی شخص دیکھے۔ واضح ہو کہ مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن خوانی سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع میں تو اپنے رب کی تعظیم کرو۔ اور سجدہ میں دعا کی کوشش کرو، کچھ بعید نہیں کہ تمہاری دعا مقبول ہو۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، کتاب الصلوٰۃ، ابنِ ماجہ کتاب الرؤیا)

ہم کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر اس حدیث میں ان کلمات کو ساقط قرار نہیں دیا گیا جن کے پڑھنے کا حکم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں دیا گیا تھا۔ بلکہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "رکوع میں اللہ کی تعظیم کرو" آپ کے قول "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" کے عین مطابق ہے۔ باقی رہی سجدہ میں دعا کی کوشش اور یہ دعا "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ" نو یہ نیکی میں اضافہ کی موجب ہے۔ تسبیح کہہ کر ان کلمات کو بھی پڑھ لیا جائے تو اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا (یعنی دونوں میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا)۔

جس شخص سے نماز میں دو تکبیریں رہ گئی ہوں اور جس سے تین تکبیریں ساقط ہو گئی ہوں ان دونوں کے درمیان امام مالکؒ فرق کرتے ہیں مگر اُن کا یہ قول قطعاً بلا دلیل ہے۔ جو لوگ نماز کی حالت میں اپنی رائے سے عملِ قلیل و کثیر میں فرق کرتے ہیں ہم اُن کے قول کا ابطال قبل ازیں کر چکے ہیں۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ فاسد قول ہے۔ وجہِ فساد یہ ہے کہ قلت و کثرت ایک اضافی چیز ہے۔ جو چیز کثیر ہو وہ اپنے سے زیادہ کے مقابلہ میں قلیل ہوتی ہے اور جو قلیل ہو وہ اپنے سے قلیل تر کے مقابلہ میں کثیر ہوا کرتی ہے۔ اور جو عمل واجب ہو اُس میں سے قلیل اور کثیر کا ترک کرنا امرِ ربانی کی خلاف ورزی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ اسی طرح جو کام حرام ہو اس میں سے قلیل و کثیر ارتکابِ محرّم کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس قلیل و کثیر مباح کے مابین کوئی فرق نہیں۔ الّا یہ کہ کسی نص کی بنا پر اعمال کی مقادیر کا فرق ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

تکبیرات، رفعِ یدین، تسمیع و تحمید فرض ہیں

۵۵۴۔ ہم نے بطریق (عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از سوید بن نصر، از عبداللہ بن مبارک، از مالک بن انس، از ابنِ شہاب، از سالم بن عبداللہ بن عمر از والدِ او) روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے۔ جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے

تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ رکوع سے سر اٹھا کر کہتے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

اسی طرح ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان، از مالک بسندِ خود اسی طرح روایت کیا ہے (بخاری کتاب الصلوٰۃ) نیز بطریق عبداللہ بن ابی اوفیٰ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ بذکر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) و ابوسعید خدریؓ مرفوعاً روایت کیا ہے (ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۵ بذکر قول المقتدی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ)

۵۵۵۔ ہم نے بطریق [عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد، از ابراہیم بن احمد، از فربری، از بخاری، از ابوالیمان، از شعیب بن ابی حمزہ، از زہری، از ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن] روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ ہر نماز میں فرضی ہو یا غیر فرضی، رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں تکبیر کہا کرتے تھے چنانچہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ پھر رکوع کو جاتے وقت تکبیر کہتے۔ رکوع سے سر اٹھاتے تو پہلے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے، پھر رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہتے (تا آخر)۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوہریرہؓ کہتے "مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری نماز رسولِ کریمؐ کی نماز سے تم سب کی نسبت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ پھر اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے تک آپؐ اسی نماز پر قائم رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۷۹، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۱، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۲)۔

یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے جس کو مالکیہ نے کسی حدیث کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی رائے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اُن کے پاس صرف یہ دلیل موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا کرو (موطا، بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ حدیث مالکیہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اس حدیث میں نبی کریمؐ نے امام کو رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہنے سے اور مقتدی کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنے سے منع نہیں فرمایا، لہٰذا اس حدیث میں نہ یہ دونوں کلمات ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ ان کو ترک کرنے کا۔ لہٰذا ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے دیگر احادیث کی جانب رجوع کرنا چاہیے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ کریمؐ جب امام ہوتے تو کہتے رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ اور تا وفات حضورؐ اس پر عمل پیرا رہے۔ لہٰذا مخالفین کے جملہ اقوال باطل ٹھہرے۔ مزید براں سلف کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا۔ جیسا کہ ہم نے بطریق حمام، از ابنِ مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج، از نافع

روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب امام ہوتے تو کہا کرتے تھے" سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کَثِیْرًا" پھر سجدہ کرتے۔کبھی ان کلمات کو ترک نہ کرتے۔(عبدالرزاق ۲ : ۱۶۶۔حدیث نمبر ۲۹۱۴،لیکن مطبوعہ نسخہ غلط ہے اس کی تصحیح لازم ہے)۔

بدیں سند تا ابن جُرَیج، از اسماعیل بن اُمیّہ، از سعید بن ابی سعید المقبری، انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو سُنا کہ جب وہ امام ہوتے تو یُوں کہتے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کَثِیْرًا۔آپ ان کلمات کو بآوازِ بلند پڑھتے اور ہم ان کی پیروی کرتے (عبدالرزاق ۲ : ۱۶۷)

ہم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب (مصنف ابن ابی شَیْبہ ۱ : ۲۴۷) عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

بدیں سند تا ابنِ جُرَیج، وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ اگر آپ امام کے ساتھ ہوں اور وہ" سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے اور آپ بھی یہی کلمات دُہرا دیں تو اچھا ہے۔اور اگر نہ دہرائیں تو بھی کافی ہے۔اور اگر امام کے ساتھ مل کر یہ کلمات ادا کریں تو یہ بات مجھے محبوب تر ہے۔ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔

(عبدالرزاق ۲ : ۱۶۸)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام" رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہے اور مقتدی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہ کہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ تفریق بلا دلیل ہے۔اگر حضورؐ کے اس قول سے احتجاج کریں کہ" جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہے تو تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہو (شرح معانی الآثار للطحاوی)، تو اس میں تناقض پایا جاتا ہے۔کیوں کہ اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہے۔

اگر معترض کہے کہ رسُولِ کریمؐ امام ہونے کی حالت میں" رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا کرتے تھے (شرح معانی الآثار بیہقی، عبدالرزاق، ابن ابی شَیْبہ)، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسُولِ کریمؐ نے نماز کی تعلیم دی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا کرو (حوالہ گزر چکا)۔آپ نے اس میں امام ہو یا مقتدی یا منفرد کسی کی تخصیص نہیں فرمائی۔

نماز میں آمین کہنا

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا امام اور منفرد کے لیے آمین کہنا مستحب و سُنّت ہے۔ اور مقتدی کے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

۵۵۶۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از یحییٰ بن یحییٰ، از مالک، از ابن شہاب روایت کیا، وہ سعید بن المسیب و ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، دونوں سے] وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس لیے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی اس کے پہلے گناہ بخش دیئے گئے" ابن شہاب زہری کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا کرتے تھے۔(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

۵۵۷۔ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از نصر بن علی الجہضمی، از صفوان بن عیسیٰ از بشر بن رافع، از ابوعبداللہ ابن عم ابوہریرہؓ] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتے تو آمین کہتے، حتیٰ کہ جو لوگ آپ کے قریب پہلی صف میں ہوتے وہ سن لیتے۔(ابوداؤد، ابن ماجہ الصلوٰۃ)

۵۵۸۔ہم نے بطریق [محمد بن سعید بن نبات، از عبداللہ بن نصر، از قاسم بن اصبغ، از ابن وضاح، از موسیٰ بن معاویہ، از وکیع، از سفیان ثوری، از عاصم الاحول، از ابوعثمان النہدی] روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم سے کہا "یا رسول اللہ! مجھ سے آمین نہ چھینئے دیجیے"[1]

۵۵۹۔ہم نے [بدیں سند تا وکیع، از سفیان ثوری، از سلمہ بن کہیل، از حجر بن عنبس] روایت کیا وہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم کو "وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھتے سنا پھر آپ نے اپنی آواز کو بڑھا کر

[1] ابوداؤد (ج ۱ ص ۳۵۳) بروایت اسحٰق بن راہویہ، از وکیع، از عاصم، از ابوعثمان، از بلالؓ۔ شارح ابوداؤد کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔مگر کہا گیا ہے کہ ابوعثمان کی ملاقات حضرت بلالؓ کے ساتھ ثابت نہیں۔وہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ "بلال نے کہا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے۔دارقطنی نے بھی اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔مگر یہ تعلیل صحیح نہیں۔اس لیے کہ اسحٰق بن راہویہ حدیث کے امام اور جلیل القدر حافظ ہیں اور وہ اس کو موصولاً روایت کرتے ہیں۔بدیں الفاظ "از ابوعثمان از بلال" ابوعثمان معمر شخص ہے اور اس نے دورِ جاہلیت کو پایا ہے۔عہدِ رسالت میں مشرف باسلام ہوتے۔ان میں تدلیس کا عیب بھی نہیں پایا جاتا۔

آمین کہا۔ (ابوداؤد، ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ آثار متواترہ رسولِ اکرمؐ سے منقول ہیں کہ آپؐ امام ہونے کی حالت میں آمین کہتے اور جو لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے وہ سُن لیتے تھے۔ سلف کا عمل بھی اسی پر تھا۔

جیسا کہ ہم نے بطریق حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدبری، از عبدالرزاق، از ابن جریج روایت کیا ہے کہ مَیں نے عطاء سے دریافت کیا کیا عبداللہ بن زبیرؓ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہا کرتے تھے؟ کہا ہاں! اور مقتدی بھی آمین کہتے حتیٰ کہ مسجد گونج جاتی۔ عطاء کہتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ مسجد میں داخل ہوتے، امام آپ سے پہلے کھڑا ہو چکا ہوتا تھا آپ امام کو آواز دیتے تھے کہ مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں۔ عطاء کہتے ہیں مَیں خود سنا کرتا تھا تمام امام سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہا کرتے تھے مقتدی بھی آمین کہتے حتیٰ کہ مسجد گونج جاتی۔ (عبدالرزاق ۲: ۹۶، ۹۷)

بدیں سند تا عبدالرزاق، از معمر، از یحییٰ بن ابی کثیر، از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بحرین میں علاء بن حضرمی کے موذن تھے۔ ابوہریرہؓ نے یہ شرط مقرر کی تھی کہ مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں[1]۔ (عبدالرزاق ۲: ۹۶)

ہم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، امام چار چیزوں کو خفیہ طور سے ادا کرے یعنی تعوذ، بسملہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔ (اس پر کلام گزر چکا)

علقمہ اور اسود دونوں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ امام تین چیزوں کو آہستہ کہے یعنی تعوذ، بسملہ اور آمین۔ (اس پر کلام گزر چکا)

عکرمہ کہتے ہیں مَیں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ پکار کر آمین کہتے تھے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں صحابہ اسی پر عمل پیرا تھے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق، داؤد اور جمہور اصحاب الحدیث امام اور مقتدی کو آمین بالجہر کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات ثابت ہے وہ آمین بالجہر ہے۔

سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ امام سراً آمین کہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

---

[1] اسی طرح ابوہریرہؓ مروان کے موذن تھے اور انہوں نے یہ شرط مقرر کی تھی کہ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ کریں (بیہقی ج ۲، ص ۵۸-۵۹)
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اقامت کہنے اور صفیں درست کرنے میں مشغول ہوتے تھے۔ مروان ابوہریرہؓ کے فارغ ہونے سے پہلے نماز شروع کر دیتا حضرت ابوہریرہؓ اس کو اس بات سے منع کیا کرتے تھے۔

کی تقلید کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ دین میں قوت صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

امام مالکؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مقتدی آمین کہے اور امام نہ کہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ ایسا قول ہے جو کسی صحابی یا تابعی سے مطلقاً منقول نہیں۔ امام کو آمین سے روکنے کی مالکیہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

البتہ امام مالکؒ کے بعض مقلدین کہتے ہیں کہ سُمی مولی ابی بکر اور سُہیل بن ابی صالح دونوں ابو صالح سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ابوھریرہؓ سے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا جب قاری غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے اور اس کے مقتدی آمین کہیں اور ان کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے تو ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ سُہیل کی روایت کے الفاظ ہیں (فتح الباری ۲: ۲۲۰)۔ سُمی کے الفاظ یہ ہیں کہ جب امام وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو (بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب التفسیر، ابوداؤد و نسائی کتاب الصلوٰۃ)۔ وہ کہتے ہیں اس روایت میں امام کی آمین کا ذکر نہیں کیا گیا۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ احتجاج کی بدترین قسم ہے۔ کہ ایک حدیث ذکر کی جائے اور اس میں کوئی مسئلہ مذکور نہ ہو وہ مسئلہ دوسری حدیث میں مذکور ہو۔ مگر عدم ذکر کی بنا پر اس کو ساقط ٹھہرایا جائے۔ اس طرح تو تمام اسلامی احکام و شرائع کو ساقط کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ کسی ایک آیت یا ایک حدیث میں تمام شرعی مسائل ذکر نہیں کیے گئے۔

حیرت کی بات ہے کہ مالکیہ نے ابو صالح کی روایت سے احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ اس نے ابوہُریرہ سے لفظاً روایت نہیں کیا۔ اس حدیث کو سعید بن المسیّب اور ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے (بخاری، مسلم، موطا کتاب الصلوٰۃ)۔ اور اگر اس حدیث کو سعید بن المسیب تنہا بھی ابوہُریرہؓ سے روایت کرتے تو وہ ابو صالح جیسے راویوں کی ایک جماعت کے برابر تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ابو صالح کی روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ امام آمین نہ کہے۔ لہٰذا اس حدیث کے ساتھ مالکیہ نے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی اس کا اِزالہ ہُوا۔

بعضوں کا قول ہے کہ رسُولِ کریمؐ کے ارشادِ گرامی "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو" کا مطلب یہ ہے کہ جب امام وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو" (عمدۃ القاری)

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں اس کے قائل کو کہا جائے گا کہ تم نے رسُولِ کریمؐ پر جھوٹ باندھا اور آپؐ کی طرف وہ بات

منسوب کی جو آپ نے نہیں فرمائی تم نے بلا دلیل تحریف سے کام لیا۔ اس لیے کہ اہلِ لُغت میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ "وَلَا الضَّالِّيْنَ" کو آمین کہتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے فاسد قول کے اثبات میں ایک اور بے کار دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام کو جو فرمایا تھا کہ "قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا" (یونس : ۸۹، تم دونوں کی دُعا مقبول ہوئی)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ دعا مانگتے تھے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے تھے۔[1]

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ بڑی تلخ بات ہے۔ اَے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ روایت اُس نے کہاں سے لی؟ یا موسیٰ اور ہارون علیہما السّلام سے کس نے یہ بات اس تک پہنچائی؟ دراصل یہ ایک ایسے قائل کا قول ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ اُس نے یہ بات کہاں سے اخذ کی۔ اگر اس بات کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہرگز حجت نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ آمین کہنے والے کو لُغت میں بلاشبہ داعی (دُعا کنندہ) کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آمین کے معنی ہیں "اَے اللہ تو ایسا ہی کر"۔ اس لیے آمین بلا شُبہ دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر دُعا کرنے والے (داعی) کو مؤمّن (آمین کہنے والا) نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح دُعا کو بھی آمین نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ آمین کا لفظ نہ پکارا جائے۔ اس لیے منطقی اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر آمین دُعا ہے مگر ہر دُعا آمین نہیں ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ امام ہونے کی صورت میں آمین کہا کرتے تھے خلاصہ یہ کہ محض اپنی رائے کی بنا پر یہ لوگ حضرات صحابہ اور جمہور سلف سے الگ ہو گئے ہیں —— وباللہ تعالیٰ التوفیق

باقی رہا سجدہ تو جو شخص عمامہ کے پیچ پر سجدہ کو جائز قرار دیتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اگر عمامے کا پیچ ایک یا دو اُنگلی بھر موٹا ہو تو اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر دو یا تین گز یا اس سے زیادہ موٹا ہو تو اس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ پھر بلا نہایت اس کے آگے بڑھتے جائیں گے۔ پھر گھٹتے گھٹتے ایک اُنگلی سے اسے عمامہ کے باریک پیچ تک لائیں گے۔ اور دریافت کریں گے کہ دونوں (موٹے اور انتہائی باریک پیچ) میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔

---

[1] یہ بات طبری نے تحریر کی ہے اور اس کو اپنی سند کے ساتھ بعض تابعین سے نقل کیا ہے (ج ۱۱ ص ۱۱۰-۱۱۱) ابو الشیخ نے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ مگر ہمیں اس کی سند کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ آیا صحیح ہے یا ضعیف۔ دیکھیے الدر المنثور (ج ۳ ص ۳۱۵) بشرطِ صحت بھی یہ حجت نہیں جیسا کہ ابنِ حزمؒ نے کہا ہے۔ (التمہید لابن عبدالبر ۷: ۱۱ و ۱۲ بھی دیکھیے)

ظاہر ہے کہ اس کا جواب دینے کے لیے اُس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

جمہور سلف اس ضمن میں ہمارے ہمنوا ہیں۔

۵۶۰۔ جیسا کہ ہم نے بطریق شعبہ، از اعمش روایت کیا ہے کہ میں نے زید بن وہب کو یہ کہتے سُنا کہ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کرتا تھا۔ حضرت حُذیفہ نے اسے کہا "تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر تمہاری موت واقع ہو جاتی تو تم اس فطرت پر نہ مرتے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تھا۔ (بخاری، نسائی کتاب الصلوٰۃ) حضرت ابن مسعودؓ نے دو آدمیوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ ان میں سے ایک چادر لٹکاتے ہوئے تھا اور دوسرا رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کرتا تھا۔ فرمایا چادر لٹکانے والے کو تو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ اور دوسرے کی نماز مقبول نہیں ہو گی (عبدالرزاق ۲ : ۳۶۹۔ الطبرانی فی الکبیر ۹/ ۳۱۴ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے رجال ثقات ہیں لیکن یہ منقطع روایت ہے، مجمع ۲ : ۱۲۲)۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کے عمل کو دیکھتے تک نہیں وہ بلاشبہ ناپسندیدہ عمل ہو گا اور جب ناپسندیدہ ہے تو غیر مقبول بھی ضرور ہو گا۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ پوری طرح نہیں کرتا تھا۔ وہ کہنے لگے آپ چور! نماز دہراؤ، اللہ کی قسم ضرور دہراؤ۔ وہ اسی طرح کہتے رہے حتیٰ کہ اس نے نماز دُہرائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "جب سجدہ کرنے لگو تو اپنی ناک کو زمین کے ساتھ ملا دو۔"

(عبدالرزاق ۲ : ۱۸۱)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھ کر کہا "اپنی ناک کو زمین کے ساتھ ملاؤ۔"

(عبدالرزاق ۲ : ۱۸۲)

سعید بن جُبیر کہتے ہیں "جب تک تو اپنی پیشانی کے ساتھ ناک کو زمین پر نہ رکھے تمہارا سجدہ مقبول نہیں ہو گا۔" (عبدالرزاق ۲ : ۱۸۲)۔

امام شافعیؒ، ابو سلیمان یعنی داؤد الظاہری، امام احمد اور دیگر اہلِ علم بھی یہی کہتے ہیں۔

ہم نے بطریق وکیع، از یزید بن ابراہیم، از محمد بن سیرین روایت کیا ہے کہ وہ پگڑی کے پیچ پر سجدہ کو

ناپسند کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۶۷)

محمود بن ربیع، حضرت عُبادہؓ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنی پیشانی سے پگڑی کو ہٹا دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۶۷)

نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کو ناپسند کرتے تھے، اور پگڑی کو پیشانی سے ہٹا لیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۶۷)

ایوب ابنِ سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ میرے چہرے پر زخم آ گیا تھا لہٰذا میں نے اس پر پٹی باندھ لی۔ میں نے عبیدہ سلمانی سے پوچھا کہ آیا پٹی پر سجدہ کر لیا کروں؟ انہوں نے کہا پٹی اتار دو۔

مسروق سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو اپنے پاؤں آسمان کی طرف اُٹھا دیتا۔ مسروق نے کہا اس شخص کی نماز مکمّل نہیں ہوئی۔

۳۷۰۔ جو شخص رکُوع اور سجدہ کے لیے جُھک نہ سکتا ہو

جو شخص رکُوع اور سجدہ کرنے کے لیے جُھکنے پر قادر نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو جُھکے۔ جو اشارے سے زیادہ جھکنے پر قادر نہ ہو تو اشارہ کرے۔ جو شخص بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنے سے اگلے شخص کی پیٹھ یا پاؤں پر سجدہ کر لے۔ امام ابوحنیفہ، سُفیان ثوری، اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ کسی کی پُشت پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔

ہمارے اس قول کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے :

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ : ۲۸۶) "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مُکلف نہیں کرتا"

نیز حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو جس بات کی تعمیل تم کر سکو کرو" (پچھلے صفحات میں کئی بار حوالہ گزر چکا)۔

ہم نے بطریق معمر، از اعمش، از المسیب بن رافع (از زید بن وہب) روایت کیا ہے کہ حضرت عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس کو جمعہ کے روز تکلیف ہوتی ہو وہ اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۶۹) اور جو جمعہ کے روز بھیڑ میں مبتلا ہو حتی کہ زمین پر سجدہ نہ کر سکے تو کسی آدمی کی پُشت پر سجدہ کر لے" (مُصنف ابن ابی شیبہ

۲۶۴:۱ و ۲۶۵ والبیہقی ۳ : ۱۸۳ وعبدالرزاق ۳/ ۲۳۴) حسن (البصری) سے منقول ہے اگر شدید ازدحام ہو تو اپنے (مسلمان) بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرلو۔ اور اگر چاہو تو جب امام اُٹھ کھڑا ہو اس وقت سجدہ کرلو۔ (عبدالرزاق ۳/ ۲۳۳، اور ابن ابی شیبہ ۱ : ۲۶۴ میں اسی کے ہم معنی روایت موجود ہے)۔

طاؤس کہتے ہیں جب سخت بھیڑ ہو تو امام سمیت اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرو، پھر اپنے بھائی پر سجدہ کرلو۔ (عبدالرزاق ۳/ ۲۳۳، اور مصنّف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۶۵ میں اسی کے ہم معنی روایت موجود ہے)۔

مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ بھیڑ کی صورت میں آدمی دوسرے شخص کے پاؤں پر سجدہ کرسکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنّف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۶۵۔ عبدالرزاق ۳/ ۲۳۳) مکحول اور زہری سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

معمر، ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مریض رکوع اور سجدہ پر قادر نہ ہو تو سر کے ساتھ اشارہ کرے۔ (عبدالرزاق ۲/ ۴۷۷)

قتادہ اُمّ حسن بن ابی الحسن سے روایت کرتے ہیں۔ کہا میں نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو آشوبِ چشم کی وجہ سے تکیہ پر سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (بیہقی ۲/ ۳۰۷، عبدالرزاق ۲/ ۴۷۷، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ابو فزارہ نے اُن سے کسی مریض کے بارے میں پُوچھا کہ آیا وہ پاک گدّے پر سجدہ کرسکتا ہے؟ انہوں نے کہا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر مریض کپڑا لپیٹ کر اس پر سجدہ کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں (مصنّف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۱ و ۲۷۲ وعبدالرزاق ۲/ ۴۷۸)

۳۷۱۔ مٹی اور کیچڑ پر سجدہ کرنا

جس شخص کے آگے کیچڑ ہو مگر اس سے اس کے کپڑے اور چہرہ آلودہ نہ ہوتے ہوں تو لازم ہے کہ وہ اسی پر سجدہ کرے۔ اور اگر اس پر سجدہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو اس پر سجدہ کرنا ضروری نہیں۔ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پانی اور کیچڑ پر سجدہ کیا تھا۔ جب فارغ ہوئے تو پیشانی پر کیچڑ کا نشان تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، مؤطا)

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج) "اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں ڈالی"

۳۷۲۔ تشہد کا طریقہ

دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھنا ہر نماز میں فرض ہے

فرضی نماز ہو یا نفلی۔ سوا نماز وِتر کے ان اقسام کے جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ اگر ایسی نماز پڑھ رہا ہو جس کی صرف دو رکعتیں ہیں تو اپنی سرین پر بیٹھے، وہ اس طرح کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھا دے۔ اور جب ایسی نماز پڑھ رہا ہو جس کی تین یا چار رکعتیں ہیں تو دو رکعت کے بعد والے جلسہ میں اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔ آخری جلسہ میں جس میں سلام پھیرا جاتا ہے اس طرح بیٹھے کہ اپنی سرین کو زمین کے ساتھ لگا دے۔ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھا دے۔ ہر دو جلسہ میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہر جلسہ میں التحیات پڑھنا فرض ہے۔

۵۶۱۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن اسحاق، از ابن الاعرابی، از ابوداؤد، از عیسیٰ بن ابراہیم، از ابن وہب، از لیث بن سعد، از یزید بن ابی حبیب، از محمد بن عمرو بن حلحلہ، از محمد بن عمرو بن عطاء] روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چند صحابہ کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے۔ جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھا لیتے اور اپنی سرین پر بیٹھتے۔ (بخاری ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، یہ حمید ساعدی والی روایت ہے)

امام شافعیؒ اور ابوسلیمان یعنی داؤد ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ دونوں جلسے یکساں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

امام ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ بلا دلیل حدیث کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔

تشہّد:

۵۶۲۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از اسحاق بن راہویہ، از جریر بن عبدالحمید، از منصور بن المعتمر، از ابووائل] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ سلام (امن وسلامتی کا سرچشمہ) ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھے تو یوں کہے "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ

أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (بخاری کتاب الدعوات، مسلم، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو شعبہ (مسلم ونسائی)، سفیان ثوری (نسائی، ابن ماجہ) اور زائدہ (مسلم) سب نے منصور سے، اس نے ابووائل سے اس نے عبداللہ بن مسعودؓ سے (کتاب الصلوٰۃ میں) حرف بحرف روایت کیا ہے۔ یحییٰ القطان، ابومعاویہ، فضیل بن عیاض، ابونعیم عبداللہ بن داؤد الخریبی اور وکیع تمام نے اس کو اعمش سے انہوں نے ابووائل سے ان کی سند اور الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (تحفۃ الاشراف ۷/۳۶، فتح الباری ۲/۲۵۸، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۹۹)۔ نیز ابومعمر عبداللہ بن سخبرہ، علقمہ، اسود اور ابوالبختری نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے اسی سند اور الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (تحفۃ الاشراف ۷/۱۳ و ۶۸ و ۹۵)

اگر کوئی شخص اس طرح تشہد پڑھے جس طرح حضرت ابوموسیٰ، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے رسول کریمؐ سے روایت کیا ہے تو اچھا ہے (ابوموسیٰ کی روایت مسلم، ابوداؤد، نسائی میں ہے اور ابن عباس کی روایت مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں ہے اور ابن عمرؓ کی روایت ابوداؤد و دارقطنی میں ہے)۔

ہم نے امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، احمد اور داؤد کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے وہ تشہد اختیار کیا ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ امام مالکؒ نے اس تشہد کو پسند کیا ہے جو حضرت عمرؓ سے موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ اس میں ان کے بیٹے عبداللہ اور وہ اصحاب جن کا ہم نے ذکر کیا ان کے خلاف ہیں۔

بعض متقدمین کا قول ہے کہ تشہد کے لیے بیٹھنا نماز میں فرض نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ مگر تشہد فرض نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں تشہد کے لیے بیٹھنا اور اس میں اللہ کا ذکر کرنا فرض ہے مگر تشہد فرض نہیں۔

مذکورہ صدر جملہ اقوال مبنی برخطا ہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بیٹھ کر تشہد کا حکم دیا، لہٰذا تشہد فرض ہوا چونکہ بیٹھے بغیر تشہد پر عمل ممکن نہیں لہٰذا بیٹھنا بھی فرض ٹھہرا۔ اس لیے کہ جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو وہ فرض کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ ہم نے بطریق شعبہ، مسلم ابوالنضر[1]، از حملہ بن عبدالرحمٰن روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے

[1] مسلم سے مسلم بن عبداللہ مراد ہے۔ اس کا ترجمہ تاریخ کبیر میں امام بخاری نے اور الجرح والتعدیل ۸/۱۸۷ میں ابن ابی حاتم نے

سُنا کہ "تشہُّد کے بغیر نماز نہیں ہوتی"۔ (عبدالرزاق ۲: ۲۰۶) نافع مولیٰ ابنِ عُمرؓ کہتے ہیں جو شخص تشہّد کے کلمات نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ اور ابو سلیمان کا قول بھی یہی ہے۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں اگر پہلا تشہد فرض ہوتا تو اسے بھُول کر ترک کرنے سے نماز ادا نہ ہوتی۔

امام ابنِ حزمؒ کہتے ہیں یہ استدلال کچھ اہمیّت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ جس سُنّت سے تشہّد کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی سُنّت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس کے بھُول جانے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں قیام کی جگہ اگر کوئی شخص دانستہ بیٹھ جائے تو یہ حرام ہے۔ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بھُول کر ایسا کرے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز پُوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص بھُول کر سلام پھیر دے تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ لہٰذا ان کا یہ خیال ظاہر الفساد ہے ــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۷۳۔ تشہُّد کے بعد مسنُون دُعا

امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں جب نمازی تشہّد کے دونوں جلسوں سے التحیات پڑھ کر فارغ ہو تو یہ دُعا پڑھنا فرض ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ"۔

یہ دُعا پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح تشہّد[1]، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بیان کیا ہے اور الدولابی الکنیٰ (ج ۲ص ۱۲۷) میں لکھتے ہیں "ابو النضر مسلم بن عبداللہ اس سے شعبہ نے روایت کی ہے"۔ حافظ ابن حجر لسان المیزان میں رقمطراز ہیں "مسلم بن النضر از شعبہ۔ ابن حبان نے (الثقات ۹/۱۵۶ میں) اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن خُزیمہ کا قول ہے کہ میں اس سے آشنا نہیں ہوں۔ المیزان میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر یہ کتابت کی غلطی پر مبنی ہے۔ باقی رہا "حملہ" تو اصل نسخہ میں "جبلہ" تھا۔ ہم نے سُنَن البیہقی (ج ۲ص ۱۳۹) سے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں اس کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں" حملہ بن عبدالرحمٰن سے مسلم بن النضر نے روایت کی ہے" النضر کو ابو النضر پڑھیے" ابن خُزیمہ کہتے ہیں میں ان دونوں سے واقف نہیں ہوں۔ ابنِ حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

[1] یہ بلا دلیل بات ہے۔ ان احادیث میں امر کا لفظ استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ رسولِ کریمؐ نے صحابہ کو آخری

۵۶۳- اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از نصر بن علی و محمد بن عبداللہ بن نُمیر و ابوکریب و زہیر بن حرب، یہ سب وکیع بن جراح سے وہ اَوزاعی سے، وہ حسان بن عطیہ و یحییٰ بن ابی کثیر سے، حسان محمد بن ابی عائشہ سے، اور یحییٰ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا اور ان دونوں نے] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص تشہد میں بیٹھے تو چار چیزوں سے خدا کی پناہ طلب کرے۔ وہ یوں کہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَمِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡيَا وَالۡمَمَاتِ وَمِنۡ شَرِّ فِتۡنَةِ الۡمَسِيۡحِ الدَّجَّالِ" (مسلم کتاب الصلوٰۃ، نسائی کتاب الاستعاذۃ)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اگر معترض کہے کہ تم نے یہ حدیث بطریق مسلم بھی روایت کی ہے۔ مُسلم نے اس کو زہیر بن حرب سے، وہ ولید بن مسلم سے۔ وہ اَوزاعی سے، وہ حسان بن عطیہ سے، اس نے محمد بن ابی عائشہ سے اور اس نے ابوہریرہؓ سے سُنا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر مذکورہ صدر دُعا ذکر کی (مسلم کتاب الصلوٰۃ)۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کچھ فرق نہیں۔ ولید بن مسلم نے (آخری تشہد) کا جو اضافہ کیا ہے وہ ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے اور اس لیے مقبول ہے۔ یہ دُعا صرف آخری تشہد میں واجب ہے۔

ہم کہتے ہیں اگر محمد بن ابی عائشہ کی روایت کردہ ایک ہی حدیث ہوتی تو مذکورہ بالا مقصد پُورا ہو جاتا۔ مگر جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے وہ دو حدیثیں ہیں۔ ایک ابوسلمہ سے مروی ہے اور دوسری محمد بن ابی عائشہ سے۔ ولید نے وکیع بن الجراح سے جو روایت کی ہے اُس میں (آخری تشہد) کا اضافہ ہے۔ ابوسلمہ کی روایت اپنے عموم پر باقی ہے یعنی جس کو بھی تشہد کہا جاتا ہے اس کے سوا دوسرا کوئی مطلب مراد نہیں[1] ——— و باللہ تعالیٰ التوفیق

تشہد کے بعد بکثرت دعائیں سکھائی تھیں۔ اگر اس کے وجوب کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ (احمد شاکر) حق بات یہ ہے کہ تشہد کے بعد کسی بھی ماثورہ دعا کا پڑھنا ہی فرض ہے۔ اس کو شاذ کہنا خطا ہے۔ (شاغف)

[1] واللہ یہاں دوسرا مطلب ہی مقصود ہے (یعنی آخری تشہد)۔ بلاشبہ حدیث ایک ہی ہے اور اس کا محمل بھی متحد ہے ایک

طاؤس سے مروی ہے کہ ان کے بیٹے نے ان کے سامنے نماز ادا کی۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ نے یہ دُعا پڑھی ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ طاؤس نے اسے نماز دُہرانے کا حکم دیا (کچھ اختلاف کے ساتھ یہ روایت عبدالرزاق ۲: ۲۰۸ میں موجود ہے)۔

۴۷۳۔ تشہدّ کے آخر میں دُرود شریف پڑھنا مستحب ہے

تشہدّ سے فارغ ہونے کے بعد دُرود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۵۶۴۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعَیب، از محمد بن سلمہ، از ابن القاسم، از مالک، از نُعَیم بن عبداللہ المجمر، از محمد بن عبداللہ بن زید انصاری (اور عبداللہ بن زید انصاری وہ ہیں جن کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی تھی)، از ابو مسعود انصاری] روایت کیا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سعد بن عبادہ کی مجلس میں تشریف لائے۔ بشیر بن سعدؓ نے آپؐ سے عرض کی یا رسُول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر دُرود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ ہم آپؐ پر دُرود کیسے بھیجیں؟ یہ سُن کر رسُولِ اکرمؐ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ ہماری آرزو تھی کہ کاش آپ سے یہ سوال نہ کیا جاتا۔ پھر فرمایا یوُں کہا کرو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (اٰلِ) اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی (اٰلِ) اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔[1] اور سلام اس طرح پڑھا کرو جیسے تمہیں معلوم ہے (مسلم، ابوُداؤد، نسائی کتاب الصلوٰۃ، ترمذی کتاب التفسیر)

۵۶۵۔ مزید براں ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از اسحاق بن راہویہ، از روح، از مالک، از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، از والد خود، از عمرو بن سلیم]

راوی نے تشہد کا ذکر علی الاطلاق کیا اور دوسرے ثقہ راوی نے اس کو آخری تشہد کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مُطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ مخرج ایک ہو۔ راوی بعض اوقات بھُول جاتا ہے اور بعض دفعہ اختصار سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ احادیث کے اسانید و الفاظ سے آگاہ ہیں ان پر یہ بات خوب روشن ہے۔ (یہاں ابن حزمؒ سے سہو ہو گیا ہے لیکن یہ سہو بھی کسی کی تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ حدیثِ رسُول کی پیروی کی خاطر لہٰذا وہ ماجور ہیں)۔ [1] دونوں جگہ بریکٹ میں دیا گیا (آل) سُنن نسائی سے اضافہ ہیں۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ فرمایا یوں کہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (بخاری کتاب الانبیاء وکتاب الدعوات، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

اگر معترض کہے کہ تم نے تشہد کے بعد درود شریف کو ان دونوں حدیثوں کی بنا پر فرض کیوں نہ قرار دیا؟ نیز اس آیت کی بنا پر جس میں فرمایا "صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ درود شریف نماز میں فرض ہے۔ اور کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ حضورؐ کی جانب اس بات کو منسوب کرے جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔ ہم کہتے ہیں کہ درود شریف ایک مسلم پر عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جب ایک دفعہ اس کی تعمیل کر لی تو وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہو گیا۔ پھر نماز یا غیر نماز میں اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس سے اسے مزید اجر و ثواب ملے گا۔ رسول کریمؐ نے حدیث صحیح میں فرمایا "جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ کی دس رحمتیں نازل ہوں گی۔" (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم وغیرہ)

اگر کہا جائے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھنے کا وجوب تم نے کہاں سے اخذ کیا؟ اور جب بھی حضورؐ کا ذکر کیا جائے اس وقت درود شریف کی تکرار کو تم نے واجب نہیں ٹھہرایا؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عمر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنا نص سے ثابت ہے، اس میں کمی نہیں کی جا سکتی اس سے زیادہ پڑھنے کے بارے میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ عمر بھر میں کتنی دفعہ واجب ہے؟ نیز یہ کہ درود ایک سال، ایک ماہ، ایک دن، اور ایک گھنٹہ میں تمہارے نزدیک کتنی مرتبہ واجب ہے؟ کسی مخصوص عدد کی تحدید و تعیین تم سے بلا دلیل تسلیم نہیں کی جائے گی اور یہ تمہارے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا عقلاً یہ محال ٹھہرا۔ اگر کہیں کہ ہم درود کو بطورِ خاص نماز میں واجب ٹھہراتے ہیں۔

ہم کہیں گے کہ کسی آیت و حدیث میں یہ بات مذکور نہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی غیر شافعی معترض کہے کہ جب رسولِ کریمؐ کا ذکر کیا جائے اُس وقت درود پڑھنا واجب ہے، خواہ نماز

میں ہو یا اُس کے بغیر۔

ہم کہیں گے کہ یہ بات کسی آیت یا حدیثِ صحیح میں مذکور نہیں۔ اس کا تذکرہ صرف اس حدیث میں کیا گیا ہے جس کو ہم نے بطریق ابوبکر بن ابی اُویس، از سُلیمان بن بلال، از محمد بن ہلال، از سعد بن اسحاق بن کعب بن عُجرہ، از والدِ خود، روایت کیا ہے کہ کعب نے کہا (تا آخر)

مگر یہ سند قابلِ احتجاج نہیں۔ اس لیے کہ ابُوبکر پر نقد و جرح کی گئی ہے۔ محمد بن ہلال مجہول ہے اور سعد بن اسحاق غیر معروف راوی ہے[1]۔

جو اہلِ علم اعتکاف کی حالت میں روزے کو فرض قرار دیتے ہیں اُن کے لیے لازم ہے کہ نماز میں دُرود کو بھی فرض قرار دیں۔ اس لیے کہ اس کا حکم سلام کے ساتھ دیا گیا ہے جو انہیں معلوم ہے۔ وہ مُعتکف کے لیے فرضیتِ صوم کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اعتکاف کا ذکر روزہ کے حکم پر مشتمل دو آیتوں کے درمیان کیا گیا ہے۔ سلام سے مراد یا تو وہ سلام ہے جو دُرود کے اندر پایا جاتا ہے۔ یا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ مراد ہے جس پر نماز کا اختتام ہوتا ہے۔ مگر اپنے استدلال کی کمزوری کی وجہ سے وہ اس کو آگے جاری نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے لیے واجب القبول دلائل کا التزام کرتے ہیں ——— وباللہ تعالیٰ التوفیق

۳۷۵۔ نماز میں تطبیق منسُوخ ہے

نماز میں تطبیق جائز نہیں اس لیے کہ اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے

---

[1] ابنِ حزم نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے شاید وہ حدیث یہ ہے: عن کعب بن عجرۃ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انّہٗ کان یقول فی الصلوٰۃ ... (فتح الباری ۱۱/۱۳۹)۔ ابوبکر عبدالحمید بن عبداللہ بن ابی اُویس ثقہ راوی ہے۔ البتہ نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ازدی نے اس کو وضّاع قرار دے کر سنگین غلطی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ الذّہبی نے المیزان میں لکھا ہے یہ بہت بڑی لغزش ہے۔ محمد بن ہلال بن ابی ہلال مدنی ثقہ اور معروف راوی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ التہذیب میں رقمطراز ہیں" ابنِ حزمؒ نے اس کو مجہول قرار دے کر عظیم غفلت کا ثبوت دیا ہے۔ سعد بن اسحاق کے ثقہ راوی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ جب وہ اپنے دادا کعب سے روایت کرتا ہے تو وہ مُرسل ہوتی ہے۔ کیوں کہ سعد نے اس کا زمانہ نہیں پایا (لہٰذا یہ روایت مُرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ٹھہری)۔

درمیان رکھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر عمل پیرا تھے، اور تطبیق نہ کرنے والے کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے۔ آپ کے اصحاب و تلامذہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔

۵۶۶۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [نوح بن حبیب القومسی، از عبداللہ بن ادریس، از عاصم بن کلیب، از عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید، از علقمہ] عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کی تعلیم دی چنانچہ کھڑے ہو کر تکبیر کہی، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو گھٹنوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈال لیں۔ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو کہا "میرے بھائی نے سچ کہا ہم اس طرح کیا کرتے تھے، پھر ہمیں ہاتھوں کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑ لینے کا حکم دیا گیا۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ وابن الجارود کتاب الصلوٰۃ)

۳۷۶۔ سلام پھیرنا فرض ہے

جب نماز مکمل ہو جائے تو سلام پھیرے۔ سلام پھیرنا فرض ہے اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ یوں کہنا کافی ہے:

"السّلام علیکم" یا "علیکم السلام" یا "سلامٌ علیکم" یا "علیکم سلامٌ"

خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ افضل یہ ہے کہ یہ سب لوگ جن کا ہم نے ذکر کیا دائیں جانب "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" اور بائیں جانب "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو:

۵۶۷۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن یوسف، از احمد بن فتح، از عبدالوہاب بن عیسیٰ، از احمد بن محمد، از احمد بن علی، از مسلم بن حجاج، از محمد بن احمد بن ابی خلف، از موسیٰ بن داؤد، از سلیمان بن بلال، از زید بن اسلم، از عطاء بن یسار] حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور پتہ نہ چلے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار، تو شک کو دُور کرے اور جس بات پر یقین ہو اس پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مالک فی المؤطا ابوعوانہ کتاب الصلوٰۃ)

۵۶۸۔ نیز ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شُعیب، از حسن بن اسماعیل بن سلیمان المجالدی از فُضیل بن عیاض، از منصور بن المعتمر، از ابراہیم النخعی، از علقمہ] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا (تا آخر)۔ اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا "مَیں تو ایک انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی

طرح مَیں بھی بھول جاتا ہوں۔ تم میں سے جو کوئی نماز میں سے کوئی چیز بھول جائے تو جس کو درست سمجھتا ہو اس کا قصد کرے۔ پھر سلام پھیرے اور پھر سہو کے دو سجدے کرے"۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ والنذور، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہر نماز میں سلام پھیرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے اوامر و احکام فرض کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے سلام کا لفظ اس کا مقتضی ہے۔

۵۶۹۔ نیز ہم نے بطریق [حمام، از ابن مفرج، از ابن الاعرابی، از الدّبری، از عبدالرزاق، از سفیان ثوری و معمر، ہر دو از حماد بن ابی سلیمان، از ابو الضحیٰ، از مسروق] عبداللہ بن مسروق سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم سے سنی ہوئی جن باتوں کو مَیں بھول گیا ہوں ان میں یہ بات شامل نہیں کہ آپ دائیں جانب منہ کر کے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کہتے، حتیٰ کہ چہرۂ مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ اسی طرح بائیں جانب منہ کر کے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے چہرے کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔ (عبدالرزاق ۲/۲۱۸)

اس حدیث کو ابو الاحوص (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابو معمر (مسلم کتاب الصلوٰۃ) نے بھی مرفوعاً حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔ مزید براں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر دونوں اس حدیث کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ)

سلف بھی اسی پر عمل پیرا تھے جیسا کہ

۵۷۰۔ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ، ابو نعیم الفضل بن دکین، از زہیر بن معاویہ، از ابو اسحاق السبیعی، از عبدالرحمٰن بن اسود، از والدِ خود و علقمہ] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ مَیں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھکتے، اُٹھتے، کھڑے ہوتے اور بیٹھتے تکبیر کہتے دیکھا ہے۔ آپ دائیں بائیں السلام علیکم و رحمۃ اللہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے چہرے کی سفیدی نظر آجاتی۔ مَیں نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا ہے (ترمذی، نسائی کتاب الصلوٰۃ)

ہم نے اس حدیث کو حضرت عمار بن یاسر، علی بن ابی طالب، ابن مسعود رضی اللہ عنہم نیز انصار کی ایک جماعت اور دیگر صحابہ سے صحیح ترین سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے اس کو علقمہ، اسود، خیثمہ، عبدالرحمٰن بن

ابی لیلیٰ اور نخعی سے بھی روایت کیا ہے۔ امام شافعی، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، حسن بن حیی، احمد بن حنبل، اسحاق، ابوسلیمان اور جمہور اصحاب الحدیث کا مسلک یہی ہے۔ حسن بن حیی کہتے ہیں کہ دونوں سلام ایک ساتھ فرض ہیں۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں دونوں سلام اختیاری حیثیت رکھتے ہیں اور فرض نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں اگر کوئی شخص بقدر تشہد بیٹھ لے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ اگر دانستہ یا نادانستہ اس کی ہوا نکل جائے یا دانستہ کھڑا ہوجائے یا گفتگو اور کوئی کام کرنے لگے تو یہ مباح ہے اور اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

اگر لونڈی برہنہ سر نماز ادا کر رہی ہو اور نماز کے آخری حصہ میں آزاد ہو جائے اور وہ سلام پھیرنے سے قبل بقدر تشہد بیٹھ چکی ہو تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو، اور نماز کے آخر میں تندرست ہو گیا۔ قبل ازیں سلام سے پیشتر وہ بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

جس شخص نے اجتہاد کر کے غیر قبلہ کی جانب رخ کیے نماز ادا کی۔ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قبل از سلام اسے اصلی قبلہ کا پتہ چلا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ البتہ دس جگہوں میں سلام فرض ہے۔ اور جو کسی وجہ سے سلام نہ پھیر سکے اس کی نماز باطل ہے۔ خواہ وہ سلام سے پہلے بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو۔ وہ دس مقامات حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس نے تیمم کر کے نماز ادا کی اور سلام پھیرنے سے قبل بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اس نے پانی دیکھ لیا۔

۲۔ جس نے برہنہ بدن نماز ادا کی اور بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اسے کپڑا دستیاب ہو گیا۔

۳۔ جس نے نماز فجر ادا کی اور بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے سورج کی ٹکیہ نمودار ہو گئی۔ اگر اس نے طلوع آفتاب کے بعد قہقہہ لگایا جب کہ اس کی نماز باطل ہو چکی تھی البتہ اس نے سلام نہیں پھیرا تھا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔

۴۔ نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے جس کے مسح کی مدت ختم ہوگئی ہو۔

۵۔ جس نے جمعہ کی نماز ادا کی، لیکن جمعہ کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ وہ بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا مگر ابھی سلام نہ پھیرا تھا۔ (تو اس کی جمعہ کی نماز باطل ہوتی)

۶۔ جو شخص نماز کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا پھر سلام پھیرنے سے پہلے اسے یاد آیا کہ اس کی ایک نماز فوت

ہو گئی تھی جس کے بعد کم از کم پانچ نمازیں گزر گئیں تو اس کی نماز باطل ہوئی۔

۷۔ وہ مستحاضہ جو کسی نماز میں مصروف تھی اور اس کا وقت گزر گیا قبل ازیں وہ بقدرِ تشہد بیٹھ چکی تھی مگر ابھی سلام نہ پھیرا تھا۔

۸۔ جس شخص نے اس حالت میں نماز پڑھی جب کہ وہ قرآن کا کچھ حصہ بھی پڑھنے پر قادر نہ تھا، مگر بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اُسے کوئی سُورت یاد آگئی۔

۹۔ جس نے کسی زخم پر مسح کیا اور نماز کے آخر میں بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔

۱۰۔ جس نے سفر کی حالت میں نماز ادا کی، جب دو رکعتوں کے آخر میں بقدرِ تشہد بیٹھ چکا اور ابھی سلام نہ پھیرا تھا کہ اقامت کی نیّت کر لی تو وہ دو رکعت اور پڑھے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مذکورۂ صدر تمام لوگوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اسے از سرِ نَو ادا کرنا لازم ہو گا۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے لیٹ کر نماز ادا کرے اور اس سے زیادہ پر قادر نہ ہو۔ پھر سلام پھیرنے سے قبل اور بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد تندرست ہو جائے یا ایک شخص تندرست ہونے کی حالت میں نماز کا آغاز کرے۔ پھر بیماری میں مبتلا ہو جائے اور بیٹھ کر یا اشارے سے نماز ادا کرنے لگے قبل ازیں وہ بقدرِ تشہد بیٹھ چکا ہو مگر ہنوز سلام نہ پھیرا ہو۔ ان دونوں مسائل کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اس کی نماز باطل ہوئی اور وہ نئے سرے سے نماز کا آغاز کرے۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی نماز مکمّل ہوئی۔

حنفیہ کے اقوال پر ابنِ حزمؒ کا تبصرہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم نے احناف کے یہ اقوال ان کا تناقض ظاہر کرنے کے لیے نقل کیے ہیں۔ وہ کسی بات پر قائم نہیں ہیں نہ سلام کے فرض ہونے پر اور نہ ہی اس کے ترکِ وجوب پر۔ دراصل ان کا کوئی مضبوط موقف ہی نہیں۔ ہم ایسے اقوال سے سلامتی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکّر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

مُوجبِ حیرت تو یہ بات ہے کہ حنفیہ اس امر کا اظہار نہیں کرتے کہ اس ضمن میں امام ابو حنیفہ کے دو قول ہیں۔ بخلاف ازیں وہ اس غلط موقف پر ڈٹے رہے کہ سلام کی فرضیّت کو ساقط کر دیا جائے بجز ان دس مقامات کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ وہ ان مقامات کے سوا کسی دوسری جگہ بھی سلام کو واجب قرار نہیں دیتے۔ اس

ت پر وہ پوری طرح متحد الرائے ہیں۔

جہاں تک حسن بن حی کے قول کا تعلق ہے اس کی صحت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

مالکیہ کا موقف: امام مالکؒ کہتے ہیں سلام فرض ہے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی شخص سلام نہ پھیر سکے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ وہ کہتے ہیں کہ امام اور منفرد کے لیے فقط ایک سلام ہے۔ مقتدی کی بائیں جانب اگر کوئی بھی نہ ہو تاہم وہ دو سلام پھیرے۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا سلام وہ امام کو کہے۔ اگر اس کے بائیں جانب نمازی ہوں تو تیسری مرتبہ ان کو سلام کہے۔ (یعنی مقتدی اس صورت میں تین سلام کہے)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ قول بھی بلا دلیل ہے اور یہ تقسیم بھی، جو کتاب وسنت، اجماع وقیاس یا اقوال صحابہؓ سے ثابت نہیں ہوتا۔ امام جب سلام پھیرتا ہے تو کسی کو سلام کہنا مقصود نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ٹھہرے گی۔ اس لیے کہ کسی کو سلام کہہ کر گویا امام اس کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کے ساتھ گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نمازی کے ساتھ کوئی ہو یا نہ ہو وہ امام ہی کی طرح سلام کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام نماز سے فارغ ہونے کی علامت ہے اور اس سے کسی کو سلام کہنا مقصود نہیں۔ لہٰذا بسہولت تمام یہ دونوں قول باطل ٹھہرے۔ وللہ الحمد

ابن حزمؒ کہتے ہیں اب ان لوگوں کا قول باقی رہا جو سلام کی فرضیت کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ یا جو ایک سلام کے قائل ہیں۔ اور ان کے اس قول میں کوئی اضطراب نہیں پایا جاتا۔ جو لوگ سلام کو فرض تصور نہیں کرتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو

۵۷۱۔ ہم نے بطریق [عاصم بن علی، از زہیر بن معاویہ، از حسن بن حُر، از قاسم بن مُخَیمِرہ] روایت کیا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حدیث سنائی اور عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھایا۔ پھر راوی نے تشہد کا ذکر کیا اور کہا "جب تو نے یہ کہا تو اپنی نماز مکمل کر لی۔ اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو، اور اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ۔" (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی کتاب الصلوٰۃ)

ابن حزمؒ کہتے ہیں اس اضافہ کے روایت کرنے میں قاسم بن مُخَیمِرہ منفرد ہے۔ غالباً یہ اس کا اپنا کلام ہے،

یا علقمہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے۔ ابراہیم نخعی نے یہ حدیث علقمہ سے روایت کی ہے اور وہ قاسم کی نسبت بہتر حافظ وضابط ہے۔ مگر اس نے اس اضافے کا ذکر نہیں کیا۔[۱]

۵۷۲۔ جیسا کہ ہم نے بطریق [عبداللہ بن ربیع، از محمد بن معاویہ، از احمد بن شعیب، از محمد بن جبلہ، از علاء بن ہلال الرقی، از عبید اللہ بن عمرو الرقی، از زید بن ابی انیسہ، از حماد بن ابی سلیمان، از ابراہیم نخعی، از علقمہ بن قیس] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "ہمیں معلوم نہ تھا کہ نماز میں کیا پڑھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فصیح و بلیغ کلمات سکھائے۔ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو:

"اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبٰتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔

علقمہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن سکھاتے تھے۔ (نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۷)

بفرضِ محال اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ یہ اضافہ حضورؐ کا فرمودہ ہے تو قبل ازیں ہم نے آپ کا جو حکم نقل کیا ہے وہ ایک زائد حکم ہے جسے ترک کرنا روا نہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ سلام پھیرنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بطریق یحییٰ بن سعید القطان،

---

[۱] یہ اضافہ باتفاقِ محدثین مُدرج ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں بعض راویوں نے زُہیر سے روایت کر کے ان الفاظ کو نبی کریمؐ کے کلام سے ملا دیا۔ دراصل یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔ شبابہ نے زُہیر سے اس کی تفصیل بیان کی اور اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام قرار دیا۔ اس کا قول ان لوگوں کی نسبت اقرب الی الصواب ہے جو اس کو حدیث نبوی میں شامل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ابن ثوبان نے اس حدیث کو اسی طرح حسن بن حُر سے روایت کیا ہے اور اس کے آخری حصہ کو ابن مسعود کا قول ٹھہرایا ہے۔ نیز اس لیے کہ حُسین جعفی، ابن عجلان اور محمد بن ابان نے اس حدیث کو حسن بن حُر سے روایت کیا ہے مگر حدیث کے آخر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ مزید برآں جو راوی علقمہ اور دیگر رُواۃ سے تشہد کے بارے میں ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں وہ سب اس کے زائد ہونے پر متفق ہیں۔ یہ حدیث باسانید کثیرہ مع اضافہ و بلا اضافہ روایت کی گئی ہے۔ بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

از سفیان ثوری، از ابو اسحاق السّبیعی، از ابو الاحوص، روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا "نماز کا آغاز تکبیر سے ہوتا ہے اور اختتام سلام سے" (مصنّف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۹ میں اسی کے ہم معنی روایت ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اضافہ یا تو ابن مسعودؓ کے بعد والے راویوں سے ہے۔ یا ابن مسعودؓ کا منسوخ شدہ قول ہے۔ ظاہر ہے کہ دین میں حجت صرف رسولِ کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ سلام پھیر کر نماز سے فراغت حاصل کی جائے۔

جو اہل علم ایک ہی سلام کے قائل ہیں اور اس سے زیادہ کو ناپسند کرتے ہیں انہوں نے چند احادیث و آثار سے احتجاج کیا ہے:

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جس کو ہم نے بطریق ابو المُصعَب، از دَراوَردی، بروایت سعد نقل کیا ہے۔ مگر بروایتِ سعد جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ دو سلام پھیرا کرتے تھے۔

وہ چند ضعیف آثار کے ساتھ بھی احتجاج کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بطریق محمد بن الفرج، از محمد بن یونس مروی ہے۔ مگر یہ دونوں راوی مجہول ہیں۔ ایک قول بطریق حسن مرسل ہے۔ دوسرا محمد بن زُہَیر سے منقول ہے جو ضعیف راوی ہے۔ ایک اثر ابن لہیعہ سے مروی ہے مگر وہ ساقط الاعتبار راوی ہے (مصنّف عبدالرزاق ۲/ ۲۲۲ و مصنّف ابن ابی شَیبہ ۱/ ۳۰۱ وغیرہ)۔ بفرضِ محال اگر ان اخبار و آثار کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو دو سلام پر مشتمل حدیث میں جو اضافہ ہے اس سے اخذ و احتجاج بہر حال اولیٰ و افضل ہے۔

اگر معترض حضرت جابر بن سَمُرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پیش کرے کہ "جب ہم حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھتے تو کہا کرتے تھے" اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" یہ کہہ کر حضرت جابر بن سَمُرہؓ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ دونوں طرف اشارہ کیا۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ دیکھ کر فرمایا "تم اپنے ہاتھوں سے کس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہو، گویا کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ تمہارے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھ کر دائیں بائیں اپنے (مسلمان) بھائیوں کو سلام کہا کرو" (مسلم، نسائی کتاب الصلوۃ)۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر حضورؐ کا یہ فرمان اس سلام کے بارے میں ہے جس کے بعد نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ بلاشبہ منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں ارشاد فرمایا:

"نماز میں لوگوں کے کلام جیسی کوئی بات موزوں نہیں" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد عن معاویہ بن الحکم)
یہ ایسی بات ہے جس کے محکم اور غیر منسوخ ہونے میں ملّتِ اسلامیہ کے کسی فرد نے اختلاف نہیں کیا، مگر بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ بعض حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ پہلے نماز کی حالت میں سلام کہنے اور سلام کا جواب دینے کی اجازت تھی جو اس حدیث سے منسوخ ہوئی ـــــ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

المحلّٰی مترجم جلد دوم تمام ہوئی، جلد سوم کا آغاز کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ مسائل "فرض نماز میں سہو" ـــــ "نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں" وغیرہ سے ہوگا۔

والحمد للہ اوّلاً واٰخراً